دل دریا سمندروں ڈونگے

آسیہ مرزا

دل دریا سمندروں ڈونگے

آسیہ مرزا

گلناز کو لگ رہا تھا جیسے یہ سنسناتی گولیاں سیدھی اُس کے دل میں اُتر رہی ہیں ___ کاش کوئی لہراتی، سنسناتی گولی اُس کے سینے میں بھی اُتر جائے اور پھر ہمیشہ کے لئے وہ گہری خاموشی میں اُتر جائے۔

نہ کوئی دکھ ___ نہ آرزوئوں کی ٹوٹتی کرچیاں اُسے زخمی کریں گی۔ اس ظالم خود غرض دنیا سے وہ بہت دُور نکل جائے۔

اُس کی کوٹھی میں بھی زندگی تھرک رہی تھی۔ دُور دُور سے رشتہ دار شاہ بانو کی شادی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

وہ بہن کی خوشی میں شریک تھی۔ بظاہر اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ اُس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا اور سب کی نگاہیں بھی اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر اُس کی روح بہت دُور تھی۔ وہاں تک کسی کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ہاں، مگر شاہ بانو اُس کی آنکھوں میں نہیں، اُس کی رُوح میں جھانک رہی تھیں جہاں ایک عظیم طوفان برپا تھا۔

اذیت ناک۔

کرب ناک۔

اور شدید جلتے ہوئے شعلوں کی آندھیاں محوِ رقص تھیں۔

یہ چہرے پر سجی مصنوعی روشنیاں جو نظر آ رہی تھیں مگر اندر تیرگی کے فانوس چمک رہے تھے۔

وہ آگاہ تھی اس سارے احساسات سے۔ مگر محض تماشائی تھی وہ بھی۔ مگر اس کے اندر آپی کے انتقام لینے کے جذبے مچل رہے تھے۔ وہ جتنی بار آپی کی اُداسی اور ملول نگاہوں کو دیکھتی، فیروز خان سے نفرت اتنی ہی تیزی سے اندر اُٹھتی۔

وہ جب حویلی میں دُلہن بن کر اُتری تو زرتاشہ جو دو دن پہلے ہی فیروز خان کی بیوی بن کر اور بی جان کی بہو بن کر آچکی تھی، آج اُس کا استقبال کرنے سب سے آگے آگے تھی۔

پُرنور چہرے پر بلا کی معصومیت لئے وہ پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ اُس کے نرم نرم ہاتھوں کے لمس کی کرنیں شاہ بانو کے اندر مچے طوفان میں اضافہ کر رہی تھیں۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت وہ اس کا گلا دبا دے، زہر دے دے یا شوٹ کر دے۔

یہی تو ہے جس نے اس کی آپی کی خوشیوں کو ڈس لیا ہے۔

اس کے خوابوں کے محل میں آگ لگا دی تھی۔

آج گلناز آنسو بہا رہی ہے اور ادھر یہ کھنکتی مسکراہٹیں۔

”آداب شاہ بانو!“ زرتاشہ نے جھک کر سلام کیا۔

”ارے سلام تو چھوٹے کرتے ہیں بڑوں کو۔“ کسی نے پیچھے سے جھک کر شرارت آمیز لہجے میں کہا تو ساری لڑکیاں ہنس پڑیں۔

”چلیں سلام نہ سہی، جواب ہی مل جائے۔“ اُس کی نرم اور مترنم آواز پھر اُبھری۔ وہ خاموشی سے سہج سہج کر ان کے ہمراہ چل رہی تھی۔ بے حد بھاری کامدار پشواز کے بڑے سے دوپٹے میں وہ لپٹی ہوئی تھی۔ البتہ اس کا گھونگھٹ اس کی نند گل بی بی نے تھوڑا سا اونچا کر دیا تھا۔ اتنا کہ وہ سر ذرا سا اُوپر کر کے اپنے سامنے والے چہرے کو دیکھ سکتی تھی۔

اس وقت تو اس کے اطراف کئی چہرے بکھرے ہوئے تھے جو سب کے سب اس کے لئے اجنبی تھے۔ جن کو اُس نے دیکھنے کی زحمت ہی نہ کی۔ ہاں، البتہ اس کی سماعت میں رنگ برنگے فقرے پڑ رہے تھے۔

”ارے بھابی____کم از کم جیٹھانی کو سلام کا جواب تو دے دیں۔“ گل بی بی شرارت سے ہنسی۔

”بہت شرما رہی ہے بھابی!“ کسی نے پیچھے سے کہا۔

پھر اچانک اُسے سجے سجائے کمرے میں بٹھا دیا گیا اور وہ سب اُس کے اطراف بیٹھ گئیں۔ وہ ایک دوسرے پر ہنس رہی تھیں، چوٹ کر رہی تھیں۔ اُسے بھی چھیڑ رہی تھیں۔

”لو بھلا____ہم سے کیا شرمانا۔“ زرتاشہ نے مسکرا کر کہا۔

”آخاہ____دیکھو تو، کتنے آرام سے کہہ رہی ہیں جیسے آپ تو شرمائی ہی نہیں تھیں۔“ ایک لڑکی نے اُسے اچانک پکڑ لیا۔ ”ابھی دو دن پہلے تو چہرہ اوپر نہیں اُٹھ رہا تھا۔ اور اب کتنا بول رہی ہیں۔“

”ارے نہیں____میرا مطلب ہے یہاں مہروز خان تو نہیں ہیں۔“ وہ جھینپ گئی۔ پھر تو جیسے سب نے اُسے گھیر لیا۔

”تو پرسوں آپ بھی تو مجھی سے شرما رہی تھیں۔ فیروز لالہ تو سامنے نہیں تھے۔“ گل بی بی بھی کسی سے پیچھے نہ رہی۔

”ہاں، ہاں____اب جواب دیں۔“ وہ سب کے نرغے میں پھنس کر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔

”چلیں بھئی، میں ہاری۔“ وہ تنگ ہوتے دائرے سے گھبرا کر جلدی سے ہار مان بیٹھی۔

شاہ بانو نے ہلکا سا سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ اُس کے بالکل سامنے ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ ہلکے پرپل شلوار سوٹ اور بڑے سے بھاری دوپٹے میں اُس کا معصوم حُسن قیامت خیز لگ رہا تھا۔

گلابی گلابی چہرہ، ہلکے میک اپ میں کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ اطراف لٹکتے بڑے بڑے فانوس بھی اس کے سامنے ماند تھے۔ سرخ پتلے پتلے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے جن میں شبنم سی نرمی تھی۔ بڑی بڑی سحر طراز آنکھیں جن میں کچھ حجاب بھی تھا اور کچھ شرارت بھی۔

اُس کے حُسن میں اتنی معصومیت تھی کہ ایک لمحہ وہ بھی اُسے دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

شاید اسی حُسن، اسی معصومیت نے فیروز خان کو اسیر کر لیا تھا۔ اُس نے لب بھینچ کر چہرہ جھکا لیا۔

وہ گلناز سے کہیں زیادہ حسین تھی۔ مگر بہر کیف وہ اسٹیٹس کے مقابلے میں اس سے کہیں زیادہ کم تر تھی۔ اُس نے تفاخر سے سوچا۔

'ایک امیر کبیر لڑکی کو ٹھکرا کر وہ رئیس زادہ یقیناً کہیں، کسی لمحے پچھتاوا محسوس کرے گا۔ اور اُسے پچھتانا ہی پڑے گا۔'

''چلیں، اب ہم دیکھیں گے پہلے کون سی بہو ساس کی دلاری بنتی ہے۔'' کسی نے پتے کی بات کہی تو ساری لڑکیاں اس موضوع پر آ گئیں۔

''کیوں زرتاشہ بھابی! آپ کا کیا خیال ہے؟'' اُس کی نند گل بی بی نے پوچھا۔

''محبت بھی نصیب کی بات ہے گل! جس کی جتنی قسمت میں ہوتی ہے اتنی ہی ملتی ہے اس کو۔'' اُس نے پُر مزاح بات پر سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میری تو ساری محبت اس گھر اور اس گھر کے مکینوں کے لئے ہے۔''

''لیکن فیروز لالہ کے لئے تو خصوصاً ہو گی نا۔'' پھر کسی نے شرارت آمیز جملہ پھینکا۔ وہ سرخ ہو گئی۔

شاہ بانو نے محسوس کیا اس مختصر عرصے میں اس نے گل سے خاصے اچھے تعلقات قائم کر لئے ہیں۔

''اور آپ کا کیا خیال ہے بھابی؟'' گل بی بی اب شاہ بانو کی طرف جھک کر پوچھ رہی تھی۔ مگر وہ اپنی پوزیشن کا احساس

کرتے ہوئے خاموش رہی۔ وگرنہ اُس کے پاس بہت سے جواب تھے۔ 'اونہہ____ زرتاشہ جیسی لڑکیاں ہر وقت نصیب پر قانع رہتی ہیں۔ ہر بات پر قسمت کو لا گھسیٹتی ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے، کبھی کبھی خوش قسمتی ان جیسے نچلے طبقوں پر بھی مہربان ہو جاتی ہے جیسے تم پر ہو گئی زرتاشہ خان!' اُس کا ذہن مسلسل زرتاشہ کی نفرت میں سلگ رہا تھا۔

'مگر اب تم اپنے نصیب کی محبتیں ڈھونڈتی رہنا۔ اس حویلی میں آنا اب تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔' اُس نے تصور میں اُس کو مخاطب کیا اور پھر نگاہوں میں سارے جہاں کی نفرت، نخوت سمو کر کنکھیوں سے اُسے دیکھا۔

'بی بی جان کے دل میں محبت پیدا کرنا تمہارے لئے اتنا آسان نہ ہو گا۔ کیونکہ تم صرف فیروز خان کی پسند ہو۔ کسی اونچے طبقے اور اچھے خاندان کی فرد نہیں ہو۔ بی بی جان محض ایک خوبصورت اور قیمتی شے کھو جانے کے ڈر سے تمہیں لائی ہیں یہاں۔ میرے سامنے تم ہر لحاظ سے ہیچ ہو۔' وہ سوچتی رہی۔

''ارے لڑکیو! یہاں کیا ڈیرہ لگائے بیٹھی ہو۔ اب اُٹھ بھی جائو۔'' اچانک بی بی جان کی آواز پر سب کی باتوں اور قہقہوں کو بریک لگ گیا۔ وہ بھی یکلخت سوچوں کے بھنور سے باہر نکل آئی۔

''بے چارے فیروز لالہ انتظار کرتے کرتے سوکھ رہے ہوں گے۔'' جاتے جاتے بھی شوخ فقرے اُچھل رہے تھے۔

خود اُس نے نئی زندگی میں قدم رکھا تھا۔ نئی جگہ، نئے لوگ، چاہنے والا خوبرو شوہر۔

محبت و لطافت کی افراط تھی مگر اس کے اندر جو چنگاری تھی، وہ اب بھی بھڑک رہی تھی۔ جو نفرت اور حقارت وہ زرتاشہ کے لئے اپنے ہمراہ لائی تھی اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

فیروز خان کے مسرور چہرے کو دیکھ کر اس کے دل میں جوار بھاٹا اُٹھتا۔ ہر لمحہ زرتاشہ کے گرد طواف کرتی نگاہیں۔

معنی خیز۔

تبسم آفریں۔

اور کچھ بہکی بہکی۔

زرتاشہ کا ان نگاہوں کی تپش سے سرخ ہوتا چہرہ۔

اور پھر فیروز خان کی شاداب اور پُر فسوں مسکراہٹ۔

یہ سب کچھ اُس کا تن من جلائے دے رہا تھا____ایک جوالا مکھی پک رہا تھا اُس کے اندر۔

اُسے حیرت ہوتی، تاسف ہوتا کہ فیروز خان جیسا مکمل انسان ایک کم تر لڑکی کو بھلا اتنی شدتوں سے کیسے چاہ رہا ہے۔ محض صورت پر فریفتہ ہے یقیناً۔ وگرنہ تو یہ ذہنی ہم آہنگی، ذہنی رفاقت ایک متوسط طبقے کی لڑکی سے ناممکن سی بات ہے۔

انہی دنوں اُس کے سر پر بم پھٹا کہ گلناز شدید بیمار ہے۔

شاید اُس کی جامد خاموشی کے پیچھے یہی طوفان مچل رہا تھا۔ وہ بلک اُٹھی۔ اُس کی پیاری عزیز از جاں آپی فیروز خان کی بے مروّتی کا نشانہ بن کر بستر سے جا لگی ہے۔

زرتاشہ کو بھی بہت دکھ ہوا۔ اس نے گلناز کو دیکھا تھا۔

"امی! اتنی اچھی لڑکی کو بھلا ایسی کیا بیماری لگ گئی؟" اُسے شدید صدمہ ہوا۔ فیروز خان نے اُس سے یہ بات مخفی رکھی تھی کہ وہ پہلے گلناز سے منسوب تھا۔ کیونکہ وہ چند ملاقاتوں میں ہی زرتاشہ کے سارے مزاج کے موسموں سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اُس کے اس نرم اور مہربان دل کو پہچان گیا تھا۔ اگر اُسے ذرا بھی علم ہوتا کہ وہ بزرگوں کے درمیان کئے

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئے فیصلے کی ڈور کاٹ کر اُس کی طرف بڑھا ہے تو وہ یقیناً پیچھے ہٹ کر منہ موڑ لیتی اور اُسے جبراً ان راستوں پر بھیجتی جہاں اُس کی منزل نہیں تھی۔ اور زرتاشہ سے جدائی کا تصور بھی اُس کے لئے محال تھا۔ وہ تو اُس کی روح تھی۔ رُوح سے کٹ کر وہ کیسے جیتا۔

آج اُسے گلناز یاد آ گئی۔ اُس کی بیماری کا سن کر احساسِ جرم نے اُسے گھیر لیا۔

کیا قصور تھا اُس کا____؟

"کیوں سزا مل رہی تھی اُسے____؟

تو وہ ایک کمزور لمحے کی زد میں آ کر سب کچھ بھول گیا۔ کسی ہستی کا استحصال ہوا ہے۔ تین ماہ محبت کی آبیاری کے لئے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

"اوہ خدایا!" اُس کی پیشانی انفعال سے ڈوب گئی۔

وہ تو ایسا نہیں تھا____آج تک اُس کی ذات سے کسی کو ذرّہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں کی تھی۔ اُس کی ذات تو ہمیشہ بے ضرر رہی ہو گی۔ مگر اب استحصال جیسا اتنا بڑا جرم اُس سے سرزد ہو گیا۔

اتنا عظیم گناہ۔

اُس نے سر کرسی کی پشت پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

اپنی منزل پانے کی دُھن میں اُس کے قدموں تلے کتنی آرزوؤں کے پھول کچلے گئے۔ نادانستہ اُس نے کتنے خواب مسمار کر دیئے۔ کتنے لبوں سے مسکراہٹیں چھین لیں۔

اُسے یاد آیا، مہروز کی شادی کے دن اُس نے گلناز کو دیکھا تھا۔ مگر بے حد سرسری انداز میں۔

سُتا سُتا چہرہ۔

ڈھیروں زردیاں ____ جن کو میک اپ میں چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

اُجاڑ، ویران آنکھیں۔

اُس وقت اُس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا یا اُس کا ذہن ہی اُس کی اُداسی اور اُس کی ویرانی محسوس نہیں کر رہا تھا۔

مگر آج ان آنکھوں کی ویرانیاں یاد آ رہی تھیں تو اُس کے اندر کرب کی لہریں اُٹھیں۔

مگر سوائے ہمدردی کے اور کوئی احساس نہ جاگا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" وہ اس کے قریب آ گئی۔ نرم نرم انگلیوں کے لمس نے اُسے چھوا تو اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کی زندگی اُس کے بے حد قریب کھڑی تھی۔

"نہیں ____ کچھ نہیں۔" وہ ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ "تم گلناز کی طرف ہو آنا۔" اُس نے کہا تو زرتاشہ نے سر ہلا دیا۔

مگر پھر وہ نہ جا سکی۔ اچانک بی بی جان کی طبیعت بگڑ گئی۔ یونہی ایک رات سو کر اُٹھیں تو اُن کے سینے میں شدید درد تھا۔ وہ سب پریشان ہو گئے۔ اُسی روز گل بی بی کے سسرال والے آئے تھے، اُس کی شادی کی تاریخ مانگنے۔ مگر فیروز خان نے بی بی جان کے یوں اچانک بیمار ہو جانے پر تاریخ دینے سے انکار کر دیا۔ مگر بی بی جان راضی تھیں۔

"نہیں فیروز! گل کی شادی کر دو، میری زندگی میں ہی۔ پتہ نہیں وقت کا۔ شاید میں بھی زندہ نہ رہ سکوں۔"

"بی بی جان!" گل تڑپ کر اُن کے سینے سے لگ کر بلک اُٹھی۔

بی بی جان اصرار کرتی رہیں مگر ان میں سے کوئی بھی راضی نہیں تھا۔

"خوشیاں تو اپنے وقت پر اچھی لگتی ہیں بی بی جان! آپ ضرور صحت یاب ہو جائیں گی۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے گل کو رخصت کریں گی۔" زرتاشہ اُن کے سرد ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے رُندھی آواز میں بولی۔

مگر بیٹی کی خوشیاں دیکھنے کی قدرت نے اُنہیں مہلت ہی نہ دی۔ اسی رات اُن کی رُوح اس دارِ فانی سے گزر کر آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر گئی۔

حویلی میں کہرام مچ گیا۔ بی بی جان کی اچانک موت پوری وادی کے لئے صدمہ تھا۔ فرشتہ صفت یہ عورت سب کے دلوں پر حکمرانی کرتی تھیں۔ سب لوگ اس غم میں بلک اُٹھے۔

شاہ بانو اپنے میکے میں تھی۔ اُس کے لئے یہ خبر بہت بھاری تھی۔ بی بی جان اتنی جلدی اُنہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ تو گلناز کی زندگی کے لئے دُعائیں مانگتی نہ تھک رہی تھیں۔ کسے خبر تھی ان کی

زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں ____ یہ خبر گلناز کے لئے بھی گہرا شاک ثابت ہوئی۔ وہ خود بستر پر تھی اور زود رنج ہو گئی تھی۔ اُس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی۔

"شاہے! ____ بی بی جان کی بجائے میں چلی جاتی اس دنیا سے۔" وہ کرب سے رو رہی تھی۔

"نہیں آپی! ایسا تو نہ کہو۔" شاہ بانو تڑپ کر رہ گئی۔

...☆☆☆...

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بی بی جان کا غم تو بھرنے لگا مگر گلناز کے دل کے زخم جانے کیوں وقت بھی نہ بھر

سکا۔اتنی مدتیں بھی اُس کے درد کا مداوانہ بن سکیں۔

”میں جب ان دونوں کو دیکھتی ہوں ناآپی! تو میرے سارے زخم پھر سے تازہ ہو کر رِسنے لگتے ہیں۔“ وہ گلناز کا ہاتھ تھامے اُس کی اُجاڑ آنکھوں پر نگاہیں مرکوز کئے کہہ رہی تھی۔”خدا کرے ان کی خوشیوں کو بھی آگ لگ جائے جس طرح انہوں نے آپ کو خاکستر کر دیا ہے۔“

”نہیں، نہیں شاہے! ایسے نہیں کہتے۔اب وہ ایک بیٹے کا باپ ہے۔“ گلناز کے سوکھے لب کانپ گئے۔

”آپ اسے جی بھر کے بدؑعائیں کیوں نہیں دیتیں آپی! آپ تو مظلوم ہیں۔ساری دُعائیں قبول ہوں گی۔“ شاہ بانو اُس کی کی خاموشی پر چڑ گئی۔وہ بہت جذباتی تھی۔بہت انتہا پسند____اُس کے اندر طاقت ور ہونے اور اثر ورسوخ کی مالک ہونے کا بھی شدید احساس تھا۔

نفرت اور حقارت کے جذبے بھی انتہا پر تھے۔

زرتاشہ ایک بیٹے ذولین خان کی ماں بن گئی تھی جب کہ وہ خود ابھی اس رُتبے سے محروم تھی۔

گلناز خوفزدہ تھی اُس کی فیروز خان اور زرتاشہ سے بڑھتی نفرت سے۔وہ اپنی اس نفرت کے سیلاب کو کیسے روک دیتی جب کہ اُس کی پیاری آپی اندر ہی اندر گھل رہی تھی چپکے چپکے بجھ رہی تھی۔

پھر ایک دن اچانک غروب ہو گئی!

وہ چیخ اُٹھی۔

”نہیں، نہیں____“

اُس کی بہن، اُس کی آپی اُس سے کیسے منہ موڑ گئی____اُس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔

صرف ایک سال____اتنی قلیل مدت میں اُس کی ہنستی مسکراتی آپی اس حال کو پہنچ گئی۔

ان کا بچپن ایک ساتھ کھلکھلاتے گزرا تھا۔

جوانی کا مہکتا دور ایک دوسرے کے ہمراہ گزرا تھا۔

”آہ فیروز خان! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی____کبھی نہیں۔“ وہ سر دیواروں پر مارتی بین کر رہی تھی۔ مہروز کو اُسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

”صبر کرو شاہے!“ وہ اُسے تھام رہا تھا مگر وہ مچل رہی تھی۔یہ دُکھ اتنا ہلکا تو نہ تھا کہ وہ پی جاتی۔

ایسا دُکھ جس کا اب ازالہ بھی ناممکن تھا۔

”کون لائے گا میری آپی کو اب____بولو، ان کی زندگی کون مانگ لائے گا؟“ وہ مہروز خان کا بازو تھام کر جھنجھوڑ رہی تھی۔چیخ رہی تھی۔

اُدھر فیروز خان کی گردن احساسِ جرم سے جھکتی چلی گئی۔

ہاں واقعی____اب ازالہ بھی ناممکن ہے۔اور اُسے واپس لانا بھی۔

مگر واپس لا کر میں کون سا پھر اُس کی خوشیاں لوٹا سکوں گا۔وہ زندہ تھی تب بھی کون سا اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹ رہی تھی؟

’مجھے معاف کر دینا گلناز! میں تمہارا مجرم ہوں____خطاکار ہوں____تمہاری اتنی اذیت ناک موت کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔اس ناگہانی موت کا میں ہی سبب تھا۔‘

وہ شاہ بانو کی نفرت بھری نگاہوں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔اُس کے دُکھ پر تسلی کے دو لفظ بھی نہیں تھے اُس کے

پاس۔

واقعی محبت بہت ادنیٰ درجے کی بھی ہو تو بہت ظالم ہوتی ہے۔ پھر گلناز کی محبت تو ایک دہکتی آگ تھی جو خود اُسے ہی جلا کر خاکستر کر گئی۔

اُس کی بڑی بڑی سبز آنکھوں میں کرب سمٹ آیا۔

اُس کا سارا جسم ٹوٹنے لگا____ ایک بھاری بوجھ جیسے ذہن و دل پر آن گرا۔

ضمیر کی عدالت اُسے کھینچ رہی تھی اور وہ کترا رہا تھا۔

نہیں، نہیں____ میں تو بے گناہ ہوں۔

میری اپنی تقصیر تو نہیں۔

بس اتنا ہی میں نے کیا نا کہ دل و ذہن کا فیصلہ قبول کیا تھا۔ میں جسم کا خالی مکان اُس کے سپرد کر کے اُسے ساری عمر فریب نہیں دینا چاہتا تھا۔ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے بھی اُسے کچھ نہ ملتا کہ دل میری دسترس سے بہت دُور تھا۔

میری رُوح کسی اور کی پجاری ہو گئی تھی۔

اور یہ سب کچھ میرے اختیار سے باہر تھا۔

میرا گناہ اتنا بڑا نہیں ہے۔

اُس نے اپنی وحشت کو کم کرنے کی سعی کی۔

"فیروز____" زرتاشہ کی گلاب گلاب اُنگلیاں اُس کے سنہری بالوں میں ٹِک گئیں۔ وہ بھی رو رہی تھی۔ اُس کے گرم گرم آنسو اُس کے رخساروں پر پھیل رہے تھے۔ "مجھے سب کچھ بتا دو____ کچھ مت چھپاؤ۔ تاکہ میں جان سکوں کہ تم____ میرے حبیب! تم کتنے مجرم تھے۔ اور تھے بھی کہ نہیں۔"

"زرتاشہ____" اُس نے سر اُٹھا کر متورم آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

"ہاں____ کہہ دینے سے تمہارا دُکھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ تمہارے اندر کا وہ خلفشار شاید کم ہو جائے۔" وہ اُس کے بالوں سے ہاتھ نکال کر اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔ "میرے محبوب! میں جانتی ہوں تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گے کہ آج تک تم نے میرے پندارِ محبت کا بھرم رکھا ہے۔" اُس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں التجا تھی۔

فیروز خان پگھل گیا۔ اُس نے وہ نازک مہربان ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لئے۔

"زرتاشے! تمہارا محبوب، بہت گناہگار بھی ہے۔ مگر اعتراف سے گریزاں۔" اُس کا مضبوط جسم لرز رہا تھا۔ "کوئی ڈیڑھ سال پہلے بی بی جان نے گلناز سے میری بات طے کر دی تھی۔ تب میرے دل میں کوئی جذبہ نہیں اُبھرا تھا اس کے لئے____ کوئی اُمنگ ایسی نہیں تھی جو گلناز کے نام کی ہوتی۔ نہ میرا دل دھڑکا تھا نہ اُسے دیکھنے کی خواہش مچلی تھی۔ اس لئے کہ میرے لاشعور میں تو تم جگمگا رہی تھیں۔"

"فیر۔۔۔۔۔۔و۔۔۔۔۔۔۔ز۔۔۔۔۔۔۔" زرتاشہ کے لب کپکپائے۔ اُس نے بے ساختہ سسکاری لے کر چہرہ اُس کے ہاتھوں پر جھکا دیا۔

"زرا____ محبت کے حصول کا راستہ میرے لئے اتنا آسان ہو گیا تھا، منزل اتنی روشن تھی کہ میں نے اپنے اطراف دھیان ہی نہیں دیا۔" فیروز خان نے پھر سب کچھ اُسے بتا دیا۔

ایک ایک لمحے کا حال۔

اپنے ایک ایک جذبے کا ذکر۔

"زر! میرے اندر طلب کی شمع اتنی روشن تھی کہ میں نے اس گوشے کی طرف دیکھا ہی نہیں جہاں اندھیرے سمٹ آئے تھے۔"

زرتاشہ اُس کے ہاتھوں پر جھکی روتی رہی۔

"آہ___ اتنی محبت، اتنی چاہت کرتے ہو فیروز خان! تم مجھ سے___ کتنی خوش نصیب ہوں میں۔ مگر کتنی بد نصیب کہ میرا وجود کسی کے لئے شدید اذیت کا باعث بنا۔ کسی کی اندوہناک موت کا سبب۔" اُس کی آنکھیں تواتر سے بہنے لگیں۔

"زرتاشے! تمہارا محبوب، تمہارا رفیق مجرم ہے نا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں فیروز خان! مجرم تو میں ہوں___ گناہ گار تو میں ہوں۔ میں گلناز کے خوابوں کی قاتل ہوں۔ اُس کی آرزوئوں کو ریزہ ریزہ کرنے والی۔ وہ محل جو ابھی پورا تعمیر بھی نہیں ہوا، اُسے گرانے والی میں ہی تھی۔ کاش___ کاش میں تمہارے درمیان نہ آتی۔ یہ وجود تمہیں ملنے سے پہلے کسی گہری کھائی میں جا گرتا___ مجھے اب اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی ہے فیروز!" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"نہیں زر! شاید ہم سب ہی مجرم ہیں___ یا سب ہی بے قصور۔ یہ سارا تقدیر کا کھیل ہے۔ اور ہم تو سب بساط کے مہرے ہیں۔ جنہیں متحرک کرنے والی قدرت ہے۔ بس کسی روبوٹ کی طرح ہیں ہم۔" اُس نے دھیرے سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کی متاعِ حیات اُس کا جرم اپنے سر لے رہی تھی۔ بھلا وہ کیسے برداشت کر لیتا۔

"بس ایک ملال رہ جاتا ہے نا کہ یہ متحرک مہرے ہم کیوں تھے؟" اُس کی آنکھوں سے اب بھی اشک گر کر رخساروں کو جلا رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دینا زر! تم سے میں نے یہ سب کچھ چھپایا۔ تمہیں پانے کے لئے خود غرض بن گیا تھا۔" اُس کے لہجے میں ایک عجیب سی کسک تھی۔ ایک گہری ندامت۔ "محبت میں تو تھوڑی خود غرضی جائز ہے نا؟"

زرتاشہ اپنے محبوب، اپنے حبیب کو بھیگی بھیگی پلکوں سے تک رہی تھی۔ وہ اُس سے اتنی بے پناہ محبت کرتا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس چاہت پر نہال ہو جاتی۔ اس ادراک پر سرشار ہو جاتی۔ مگر اس وقت اُس کا دل ندامت سے چور تھا___ گلناز کے غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ گلناز کی موت کا سبب اُسے بے چین کئے دے رہا تھا۔

گلناز کی موت سے سب کا دل شاہ بانو کے لئے نرم اور گداز ہو گیا تھا۔ مہروز خان کی عنایتوں اور محبتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ زرتاشہ بھی اس سے قریب ہونے کی سعی کرتی۔ اس کی دل جوئی کرنا چاہتی تو وہ بپھر اٹھتی۔ اسے اب کسی کی محبتوں اور عنایتوں کی ضرورت نہیں رہی تھی اور پھر زرتاشہ سے فیروز خان کی نفرت وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اس نفرت کے تند و تیز سیلاب کو روکنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

زرتاشہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے شرارے نکلتے جو زرتاشہ کو اندر ہی اندر ہولائے ڈالتے۔ وہ گھبرا کر خود ہی پیچھے ہٹ جاتی۔ اس کی نرم گود میں ذولین کو ہمکتا دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ بھر جاتی۔ ویسی ہی ہیروں کی طرح سبز دمکتی آنکھیں جن سے اسے نفرت تھی، بے تحاشہ سرخ ہونٹ، سنہری بال، وہ مکمل فیروز خان کی تصویر تھا اور پھر حسد کا وہ جذبہ بھی اس کے اندر موجزن تھا، وہ خود بھی اس نعمت سے محروم تھی۔

وہ اپنی اس بے زاری اور انتہا پسندی میں اتنی بڑھ گئی کہ آہستہ آہستہ سب سے کٹتی چلی گئی۔ پہلے گل بی بی سے ہی ڈھنگ سے بات کر لیتی تھی، مسکرا لیتی تھی، مگر پھر رفتہ رفتہ گل بی بی سے بھی متنفر ہونے لگی۔ اسے سب اپنی 'آپی' کی دشمن محسوس ہونے لگیں۔ وہ اکثر سوچتی کہ اگر گل چاہتی تو اپنے بھائی کو اس گھنائونے اقدام سے روک سکتی تھی، وہ گلناز سے اپنی محبت کا کبھی پرچار کرتی تھی تو پھر وہ کیوں خاموش تماشائی بنی رہی۔

آں، سب خود غرض ہیں۔

اپنے اپنے مفاد کے خول میں سمٹے ہوئے۔

انہی دنوں گل بی بی کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔ اب صرف ایک ماہ وہ اس حویلی کی مہمان تھی، اس کی جدائی کا سوچ کر ہی زرتاشہ دکھی ہو جاتی۔ وہ شاہ بانو کے رویے سے سہم گئی تھی۔ اس حویلی میں فیروز خان کے بعد گل کا ہی وجود اسے غنیمت لگتا تھا، اس کے چلے جانے کے بعد وہ بالکل تنہا ہو جائے گی۔

شاہ بانو کی شرارے بھری اور نفرت انگیز نگاہوں سے اپنے دم نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔ اپنی کم مائیگی کا احساس اسے شاہ بانو کے رویے سے شدید ہو جاتا تھا۔ اثر و رسوخ اور ڈھیروں جائیداد کی مالک شاہ بانو، فیروز خان سے بھی زیادہ دولت مند تھیں۔

احمد یار نے ورثہ تقسیم کر دیا تھا۔ دو ہی تو بچے تھے ان کے سینکڑوں ایکڑ پر پھیلی سرسبز و شاداب زمینیں، زیور کی صورت میں، کیش میں اتنا کچھ وہ جہیز میں لے آئی تھیں جبکہ زرتاشہ سوائے معمولی جہیز کے کچھ ساتھ نہ لائی تھی۔ یہ تو حویلی کے لوگوں کی اور فیروز کی بے پایاں محبت تھی جس نے اسے اعتماد بخش دیا تھا اور اب ذولین کی صورت میں یہ نعمت پا کر وہ مسرور تھی۔

"گل! تو پھر یہاں آتی تو رہے گی ناں، اپنے ذولین سے ملنے؟" وہ اپنے اندر کا دکھ چھپا کر اسے کہتی تو گل بے تحاشہ سرخ ہوتے ہوئے ہنس پڑتی۔

"ابھی کون سا جا رہی ہوں بھابھی۔"

"پھر بھی جانا تو ہے نا تجھے۔"

پھر ایک دن گل، سب کو روتا، مسکراتا چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی۔ وہ گھر جو اس کا اصل گھر تھا، جہاں وہ نئے ساتھی کے ساتھ نئی زندگی کی ابتدا کر رہی تھی۔

آہ۔ یہ لڑکیوں کی جدائی کا دکھ بھی کتنا جان لیوا ہوتا ہے۔ اتنی عمر ہنستی مسکراتی جس آنگن کو مہکائے رکھتی ہیں، پھر اچانک ہی اسے چھوڑ کر دوسرے آنگن میں چلی جاتی ہیں۔ اپنے پیچھے ماں، باپ، بہن، بھائی، سب پیاروں کو روتا چھوڑ کے۔

یہ لڑکیاں بوجھ ہوتی ہیں مگر ایسا بوجھ جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون بھی ہوتا ہے۔ جس کے جانے سے دل ملول ہوتا ہے آنسو بھی بہتے ہیں۔

زرتاشہ بہت اداس ہو رہی تھی۔

"میں بھی تو یونہی ابٹی کو اداس کر کے یہاں چلی آئی تھی۔ وہ بھی رو رہی تھیں مگر ان آنسوؤں میں خوشی بھی تھی اور طمانیت بھی، کتنا عجیب ہوتا ہے یہ قدرت کا نظام بھی۔"

زندگی کے ماہ و سال گزرے تو رفتہ رفتہ شاہ بانو، شاہ خانم بن کر حویلی کی حاکم بننے لگیں۔ ان کے اندر اتنی طاقت تھی، اتنا اثر و رسوخ تھا کہ کسی نے بھی انہیں آگے بڑھنے سے نہیں روکا۔ مہروز خان ویسے بھی نرم اور کم گو تھا۔ اسے کسی کے بھی کسی طرح کے بھی فیصلے سے انحراف نہیں ہوتا تھا۔ بی بی جان کی ہر بات پر اس نے سر تسلیم خم کیا تھا اور پھر گلناز کی موت نے اسے اور بھی نرم کر دیا تھا اور اس نرم دلی کا شاہ بانو خاصا فائدہ اٹھا رہی تھی۔ وہ اپنے بنائے گئے سخت اصول حویلی کے مکینوں پر مسلط کر دینا چاہتی تھی اور ایسے میں زرتاشہ پس منظر میں جاتی چلی گئی۔

وہ اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی۔ بس فیروز خان جب تک ہوتا اسے لگتا اس حویلی میں وہ بآسانی اور سکون کے ساتھ سانس لے سکتی ہے مگر جیسے ہی تنہا ہوتی اس کا دم گھٹنے لگتا۔

پھر ایک دن فیروز خان کو شہر جانا پڑ رہا تھا۔ فروٹ کی سپلائی کے کام میں کچھ گڑبڑ ہو رہی تھی۔

"میں بھی جاؤں گی آپ کے ہمراہ شہر۔" زرتاشہ رات کو اس کے قریب بیٹھ کر رو دی۔

"ارے، مگر تم کیسے جاؤ گی۔" اس کو یوں بچوں کی طرح روتے دیکھ کر فیروز خان بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔

"کیوں۔ میں کیوں نہیں جا سکتی؟ نہ جانے کتنے دن رہنا پڑے آپ کو اور میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ یہ تنہائی مجھے مار ڈالے گی۔"

"ہوں، اتنا چاہتی ہو مجھے، میرے بغیر ایک ہفتہ بھی نہیں رہ سکو گی۔" اس نے اپنی بڑی بڑی کانچ آنکھیں اس کے بھیگے بھیگے چہرے پر ڈالیں تو وہ سرخ پڑ گئی۔

"ہاں!" اس نے شرمگیں پلکیں جھکا کر سر ہلا دیا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کے جانے کے بعد یہ دن وہ کیسے گزارے گی۔ ان اونچی اونچی دیواروں کے سناٹے اسے مار ڈالیں گے۔ وہ کسی ذی روح سے بات کرنے تک کو ترس جائے گی۔

شاہ بانو کی نفرت۔

اس کی سرد مہری، اس کے اندر مچلتے خون کو منجمد کر دیتی ہے۔

فیروز خان خلاف عادت اسے اپنے ساتھ لے جانے پر راضی ہو گیا تھا۔

"تم میری محبت کا بہت فائدہ اٹھاتی ہو زرتاشے۔" وہ اس کے گلنار چہرے پر پیار بھری نگاہ ڈال کر شرارت آمیز لہجے میں بولا تو وہ ہنس دی۔

"کبھی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھایا ناں۔" اس نے بھی برجستہ کہا۔

وہ بہت خوش تھی فیروز خان کی اس رضامندی پر۔ اس حویلی کی اونچی اونچی بلند و بالا عمارت سے باہر نکل جائے گی۔ ایک ہفتے کے لئے ہی سہی۔ اس کے اندر طمانیت سی سرایت کر گئی۔

"ذولین کو یہیں چھوڑ جایئے گا بھابھی۔ یہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اسے لے جانا مناسب نہیں ہے۔" مہروز خان نے اسے ذولین کو ساتھ لے جانے سے روک دیا۔

"آج کل ویسے بھی برساتوں کا موسم ہے شہر میں بھی۔ آپ لوگ پریشان ہوں گے اس کی وجہ سے۔"

"ٹھیک ہے۔" زرتاشہ نے سر ہلا دیا۔ وہ بھلا دیور کی بات کیسے ٹال دیتی اور وہ بھی اتنے خلوص اور محبت سے کہہ رہا تھا۔

شاہ بانو نے نخوت سے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ انہیں مہروز خان کی ذولین سے بڑھتی چاہت ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ وہ کب چاہیں گی کہ اس کے دشمن کی اولاد اس کے شوہر کے دل میں گھر کر لے۔

زرتاشہ اور فیروز خان ایک سالہ ذولین کو حویلی چھوڑ کر چلے گئے۔ حویلی کی ڈھیروں ملازمائیں تھیں جو ہمہ وقت ذولین کا خیال رکھتی تھیں مگر مہروز خان خود بھی اپنا فارغ وقت اس کی نذر کر دیتا تھا۔ وہ زمینوں سے آ کر سیدھا ذولین کو اٹھاتا، اس کے گلابی گلابی رخساروں پر ڈھیروں بوسے دیتا۔

"دیکھو تو شاہی، کتنا پیارا ہے بالکل پھولوں کی طرح۔" وہ اسے اٹھا کر اس کے قریب لے آتا۔ "ہمارے آنگن میں

ایسا پھول کب اترے گا شاہ ہے۔" وہ محبت اور شرارت سے پوچھتا تو وہ سرخ پڑ جاتی، مگر اندر کہیں دراڑ سی پڑ جاتی۔

چھن چھن۔

بہت کچھ اندر ٹوٹتا چلا جاتا۔

"خیر... جب خدا کو منظور ہوگا۔" وہ پھر اسے مغموم دیکھ کر جلدی سے کہہ ڈالتا اور بیڈ پر لیٹ کر زولین کو اپنے سینے پر بٹھا کر اس سے خوب کھیلتا۔

اچانک موسم بدلا اور پوری وادی اور اطراف کے علاقوں میں برف باری شروع ہو گئی۔ ننھے منے سفید گالے، مکان، درخت، سڑکیں، تاروں کے کھمبے سب سفید ہوتے گئے۔ اتنی شدید بے موسم کی اس برف باری نے مہروز خان کو پریشان کر دیا۔ فیروز خان اور زرتاشہ کے آنے کا وقت تھا مگر سارے راستے تیزی سے بلاک ہو رہے تھے۔

"یہ بہت برا ہوا۔" وہ اضطراب سے ہاتھ مسلتے ہوئے دریچے سے پار گرتی برف کو دیکھنے لگا۔

"آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟___ یہ تو اب اپنی مدت پوری کر کے رہے گی۔" شاہ بانو کو اس کا پریشان ہونا ناگوار گزرا۔

"وہ لوگ دو دن شہر میں زیادہ رہ لیں گے تو کیا حرج ہے۔"

"ہوں... ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر، خیر۔" انہوں نے ایک گہری سانس لے کر دریچہ پر دبیز پردہ ڈال دیا۔

دو دن مسلسل برف گرتی رہی۔ پھر کہیں جا کر رکی تو مہروز خان نے سکون کا سانس لیا۔ وادی میں بھی زندگی بیدار ہونے لگی۔ ہر شے متحرک ہونے لگی۔ لوگ موٹے موٹے کپڑوں میں خود کو لپیٹے پھر سے کام میں لگ گئے۔ چہل پہل ہونے لگی، مگر راستے ابھی خطرناک تھے۔ اس نے فیروز خان کو پیغام دے دیا تھا کہ وہ ابھی وادی کا رخ نہ کرے

تو اچھا ہے۔ ابھی راستوں کی پہچان مشکل ہے اور پھر جیپ میں آنا اور بھی خطرناک ہے۔

فیروز خان نے مہروز کے اس پیغام کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا اور دو دن بعد واپسی کا پروگرام مرتب کر لیا۔ زرتاشہ نے اسے روکا بھی۔

"ابھی دو دن اور انتظار کر لیتے ہیں۔ مہروز بھائی نے منع بھی کیا ہے اور پھر سچ پوچھئے تو میرا دل بھی ڈرتا ہے۔"

"ارے کچھ نہیں ہوتا جانِ فیروز۔۔۔۔۔۔!" وہ بہت مطمئن تھا۔ "میرے ساتھ بھی ڈر لگتا ہے؟"

"مجھے اپنی زندگی سے زیادہ تمہاری زندگی عزیز ہے فیروز خان۔" وہ گہری سنجیدگی سے بے حد سچائی کے ساتھ بولی تو فیروز خان مسکرا دیا۔ اس نے زرتاشہ کے وسوسوں کو دور دھکیل دیا اور دو دن رہ کر وادی کا رخ کیا۔

ادھر مہروز خان کو پتہ چلا کہ وہ لوگ شہر سے نکل گئے ہیں تو وہ متفکر ہو گیا۔

"پاگل ہو گئے ہیں فیروز لالہ تو۔ نہ اپنا خیال ہے اور نہ بھابی کا۔ اگر دو تین دن مزید رک جاتے تو کیا حرج تھا؟" وہ سخت پراگندہ ہو گیا۔

"دعا کرنا شاہ ہے، اب خیریت سے آ جائیں۔"

"آپ تسلی رکھیں، خدا بڑا نگہبان ہے۔" شاہ بانو نے اسے تسلی دی۔

مگر وہ سب کچھ ہو گیا جس کا تصور بھی ان سب کے لئے محال تھا۔ وادی کی حدود میں داخل ہوتے ہی ان کی جیپ اچانک بے قابو ہو کر پر پیچ پہاڑیوں سے پھسلتی ہوئی کھائی میں جا گری۔ برف سے لدی اس کھائی نے دونوں کو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنا نوالہ بنا لیا۔

جب یہ اندوہناک خبر حویلی میں پہنچی تو مہروز خان گنگ رہ گیا۔ اس کے حواس منجمد ہو گئے۔

اتنی خوفناک۔

اتنی جان لیوا خبر سننے کا اس کا دل کب متحمل تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ بھر بھری مٹی کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ اس کا اونچا لمبا مضبوط وجود پورا کانپ اٹھا۔

"نہیں نہیں، کہہ دو کہ یہ خبر غلط ہے نصیب خان، کہہ دو۔" وہ چیخ اٹھا۔ "یہ کسی نے جان لیوا مذاق کیا ہے میرے ساتھ۔" وہ بکھر کر رہ گیا۔

حویلی کے در و دیوار ہل کر رہ گئے۔ پوری وادی کو اس خبر نے سوگوار کر دیا۔

یہ کیسا ستم ٹوٹا ہے اس حویلی پر۔

دو جوان موتیں ایک ساتھ۔

بچہ بچہ اس غم میں رو اٹھا تھا۔

ہر آنکھ اشکبار تھی۔

مہروز خان تو اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس کے دل کی دیواروں سے لہو رسنے لگا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دم غم کے اس بوجھ سے پھٹ جائے گا۔

ذولین خان کی صورت میں اس ننھے پھول کو وہ دونوں اس کے دامن میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے اسے دکھوں سے ہمکنار کر کے چلے گئے تھے۔

شاہ بانو اپنی جگہ ایستادہ پتھر کے بت کی طرح نصب رہی۔ وہ خالی ذہن دیوار کو گھورتی رہی۔

کیا گلناز کی موت پر اس نے ان دونوں کے اجڑنے کی جو بد دعائیں دی تھیں وہ اتنی جلدی اور یوں قبول ہو گئیں۔ کیا

انہیں قبول ہو جانا چاہئے تھا۔ یا ان کی زندگی کے دن ہی پورے ہو گئے تھے۔

وہ پوری آنکھیں پھاڑے، بے حس و حرکت دریچے کے پار کی دیوار دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔

جب کچھ ہوش میں آئی تب بھی آنکھوں سے ایک آنسو نہ ٹپکا۔

آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے یا دل کے ساحل پر کوئی ایسا جذبہ ہی نہ رہا تھا۔

اسے خود پر حیرت ہونے لگی کہ کیا یہ نفرت اتنی بڑھ چکی ہے کہ دل اتنا سخت اور بے حس ہو گیا ہے۔ جذبے اتنے سرد جیسے ڈھیر ساری برف تلے برسوں دبے رہے ہوں۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹولنا چاہا کہ وہ کیوں روئی نہیں۔ اس خبر نے اسے کیوں غمزدہ نہیں کیا۔

"ہاں میں کیوں روؤں۔ میرے پاس اب کوئی قطرہ نہیں رہا۔ وہ سارے آنسو میں نے گلناز کی موت پر لٹا دیئے ہیں۔ بس وہی ایک غم تھا جو مجھے ملا تھا۔ اس کے بعد سارے دکھ، سارے حادثات بے معنی اور بے وقعت ہو کر رہ گئے تھے۔

اس نے بہت سفاکی سے سوچا اور آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ان تمام منظروں سے ان تمام آوازوں سے بچنے کی سعی کی جو حویلی میں گونج رہی تھیں۔

دن ذرا آگے سرکے تو مہروز خان کو ذولین کا خیال آیا۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"شاہے! اب ہم دونوں کو مل کر اس کی حفاظت کرنی ہے۔ یہ امانت ہے میرے پاس۔" وہ ذولین کو سینے سے بھینچے بھاری آواز میں بولا تو شاہ بانو نے سر اٹھا کر دیکھا دو دمکتے سبز ہیرے عجیب سی خاموشی لئے اسے دیکھ رہے تھے، مگر اس کے اندر کوئی ایسا نرم جذبہ نہ ابھرا جس کا مہروز خان خواہش مند تھا۔ اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا۔

"تم مر کر بھی میرے سامنے ہی ہو فیروز خان۔" اس نے نفرت سے سوچا۔

اس دن شہریار آیا۔ اداس اور ملول بہن اور بہنوئی کی اندوہناک موت نے اسے اور ابٹی کو اجاڑ دیا تھا۔ ابٹی تو بستر سے جا لگی تھیں۔ جوان بیٹی کی موت نے انہیں گہرا صدمہ دیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ زرتاشہ یوں انہیں داغ مفارقت دے جائے گی۔

ابھی تو اس نے کھل کر مسکرانا سیکھا تھا۔

ابھی تو اس کے بکھر جانے کے دن نہیں تھے۔

وہ صدمے سے نڈھال تھیں۔

شہریار خود بے حد پریشان تھا۔ وہ ذولین کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا مدعا مہروز خان کے سامنے رکھا تو مہروز خان کی پیشانی پر ناگواری کے بل پڑ گئے۔

"تم کیا یہ سمجھتے ہو شہریار کہ میں فیروز لالہ کے بعد اسے باپ کا پیار نہیں دے سکوں گا یہ میرے لئے بوجھ ہے۔"

"نہیں، نہیں مہروز خان۔ باخدا یہ مطلب نہیں تھا میرا۔ وہ تو میں ابٹی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ وہ بہت یاد کرتی ہیں اسے۔" اس نے جلدی سے اس کی غلط فہمی دور کی۔ فیروز خان اور زرتاشے کی موت نے انہیں بالکل توڑ پھوڑ دیا ہے۔

"میں جانتا ہوں ایک ماں کے لئے یہ کتنا بڑا صدمہ ہو گا مگر تم یہ بھی جانتے ہو کہ فیروز لالہ میرا بھائی تھا اور زرتاشہ میری بھابھی۔ یہ دونوں ہستیاں حویلی کی طرح میرے دل کو بھی اجاڑ کر چلی گئی ہیں۔ اب ذولین ہی ہے ان کی نشانی اور میرا خون۔ میں معذرت خواہ ہوں شہریار۔" اس کا لہجہ اداس تھا اور شہریار مایوس اٹھ گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"میں کویت جا رہا ہوں۔ میری جاب وہاں ہو گئی ہے مستقل۔ ابٹی کو بھی لے جا رہا ہوں۔" اس نے کچھ سوچ کر مہروز خان کو اطلاع دی۔

"ابٹی یہاں رہیں گی تو پریشان رہیں گی۔"

"ہاں، دکھ کم کرنے کی سعی بہر حال کرنی پڑتی ہے۔ اب یہ دکھ یادیں بن کر دل پر کسی داغ کی طرح نقش رہیں گی۔" مہروز خان کی بڑی بڑی سنہری آنکھیں نم ہو گئیں۔ "تم کویت سے جب واپس آئو تو حویلی میں ضرور آنا۔ اس حویلی کے دروازے تم پر اور ابٹی کے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ ذولین بھی تمہارا منتظر رہے گا۔" اس نے جاتے وقت گرم جوشی سے اس سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔ پھر ذولین کو اس کی گود میں دیتے ہوئے بولا۔

"تم اس کے ماموں ہو۔ تمہارا اور اس کا رشتہ تاابد قائم رہے گا۔"

شہریار نے ذولین کو خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر ڈھیروں بوسے دیئے پھر اسے واپس مہروز خان کی گود میں ڈال کر چلا گیا۔

مہروز خان کی ساری محبتیں صرف اور صرف ذولین کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھیں، مگر پھر ایک دن اس کی محبتوں کا شریک 'اشمل خان' کی صورت میں آ گیا۔

بڑی بڑی بھوری آنکھوں والا، بالکل شاہ بانو کی صورت تھا۔

اتنے عرصے بعد حویلی میں خوشی کی کرن چمکی تھی۔ سب کے لب سچی بے لوث مسکراہٹ سے سج گئے۔

شاہ بانو کے پیر تو زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھیں جیسے کہکشاں اس کے پیروں کی دھول ہو۔

اشمل کے آجانے پر مہروز خان کی محبت ذولین کے لئے اپنی جگہ قائم تھی۔ جو شاہ بانو کو ناگوار گزرتی تھی۔ وہ اس محبت کا رخ صرف اور صرف اشمل خان کی طرف موڑ دینا چاہتی تھی۔ اشمل کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جتنی چاہت، جتنی چمک اُمڈتی، ذولین کو دیکھ کر اس کے اندر اتنا ہی زہر بھر جاتا۔

یہی جذبے۔

ایسے ہی سرد گرم احساسات لئے اپنی ڈگر پر چل رہے تھے۔

ذولین کو وادی کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ وہ اب اتنا سمجھ دار ہو گیا تھا کہ نرم اور گرم میں تمیز کر سکتا تھا۔ لبوں سے نکلتے ہر لفظ کو سمجھ سکتا تھا۔ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ فطرتاً سنجیدہ، خاموش طبع اور بے حد ذہین تھا۔ وہ صورت کے ساتھ ساتھ ہر انداز بھی فیروز خان سے چرا لایا تھا۔ سرخ سرخ لبوں کو بھینچے وہ شاہ بانو کو بس دیکھتا، اس کی آنکھوں سے نکلتی وہ ساری ناخوشگوار شعاعوں کی تپش محسوس کرتا تھا مگر اس نفرت کی وجہ جاننے سے قاصر تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس تپش کی شدت محسوس کرنے لگا۔

کئی موسم آئے اور گزر گئے۔

لمحے بوند بوند وقت کے پیالے میں گرتے رہے۔

ایسے میں اشتارا پیدا ہوئی تو زندگی میں دوبارہ ہلچل مچ گئی۔ مہروز خان تو بہت مسرور ہوا۔ اسے بیٹیاں بہت اچھی لگتی تھیں اور وہ بالکل مہروز خان کی صورت تھی۔ ویسی ہی چمکتی شربتی آنکھیں جن میں سارے جہاں کی نرمیاں تھیں۔

''اتنا خوبصورت اتنا بڑا تحفہ تم نے مجھے دیا ہے شاہے۔'' وہ اسے اٹھائے بے تحاشہ چوم رہا تھا۔

اس نے حویلی میں بڑی سی دعوت دے ڈالی۔ شہر سے فیصل ماموں بھی آ گئے۔ انہیں یہ سنہری گڑیا اتنی اچھی لگی کہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

شاہ بانو سے بولے۔

''شاہے، اسے تو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا اپنی بیٹی بنا کر۔''

''ہاں شاہ بانو! اسے تم مجھے دے دو۔'' ممانی بھی ماموں کی تائید میں بولیں تو شاہ بانو ہنس پڑیں۔

''ارے فیصل! شاہے نے مجھے اتنے عرصے بعد ایک پیارا سا تحفہ دیا ہے، وہ بھی تمہیں دے دوں۔'' مہروز خان جلدی سے بولے تو شاہ بانو نے انہیں گھور کر دیکھا۔

''کیوں جی، اشمل خان کو بھول گئے آپ۔''

''آں، ہاں نہیں۔ اصل تحفہ تو اشتارا ہے۔ بیٹا تو میں نے پہلے ہی پا لیا تھا ذولین کی صورت میں۔ اب تو ایک ننھی منی بیٹی کی ضرورت تھی۔'' مہروز خان اشتارا کو گود میں لئے اپنی ہی دُھن میں بولے اور ادھر شاہ بانو کا چہرہ رنگ بدل کر رہ گیا۔

مہروز خان کے منہ سے ذولین کا نام سن کر ان کا وجود انگاروں پر لوٹ گیا۔ مگر وہ چپ رہیں۔ اتنے سارے لوگوں میں کہتی بھی کیا۔

ذولین خان نے شعور کی زندگی میں قدم رکھا تو اس کو ماضی کی مدفون باتوں کا ادراک ہوا۔ شاہ بانو کا نفرت انگیز لہجہ اسے ہر لمحہ اپنی ہتک کا احساس دلاتا۔ وہ مہروز خان کی وجہ سے چپ بھی تھا تو ان کے اندر پکتا لاوا ذولین سے چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔

اس نے شہر کے کالج میں ایڈمیشن لے لیا اور وہیں ہاسٹل میں سیٹ ہو گیا۔ مہروز خان بے حد خفا ہوئے۔ ان کا خیال تھا روز صبح جیپ اسے شہر چھوڑ آئے گی اور واپس بھی لے آئے گی۔ ہاسٹل میں خوار ہونے کی کیا ضرورت ہے اتنی چھوٹی

عمر میں۔ مگر وہ نہ مانا۔ نہ اس نے کوئی شکوہ کیا۔

وہ جانتا تھا ہاسٹل کی ویران زندگی اس کے لئے کسی کشش کا باعث نہ ہو گی، بلکہ خاصی دقت طلب ہو گی، مگر یہ سوچ کر وہ مطمئن تھا کہ وہاں ایسی نگاہیں نہ ہوں گی جس میں اس کے لئے بیزاری چھلکتی ہو گی۔ یہ تو مہروز خان اور اشمل کا دم غنیمت تھا جو اس نے اتنے برس گزار دیئے۔ اب اسے وحشت ہوتی تھی۔

"انتقام اور نفرت کا یہ انداز بہت غلط اپنایا ہے آپ نے چچی خانم۔" وہ سلگتے ذہن سے سوچتا۔

وہ جب چھٹیوں پر حویلی آیا تو سوائے شاہ خانم کے سب ہی خوش ہوتے۔ اشمل تو اس دن سکول کی چھٹی کر لیتا۔

"ذولین! ہاسٹل کی زندگی کیسی ہے؟ میں بھی اب عنقریب آنے والا ہوں۔" وہ ہنس کر کہتا اور ڈھیروں سوالات کی بوچھاڑ کر دیتا۔

"اچھی ہے۔" وہ مختصراً کہہ کر ٹال جاتا۔ اس حویلی سے بہت اچھی ہے وہ سوچتا، مگر کچھ نہیں کہتا۔ اسے چچا خان کی عزت بھی عزیز تھی اور ان کی محبت بھی۔

میٹرک کر کے اشمل بھی ضد کر کے ہاسٹل میں رہائش پذیر ہو گیا۔ اسے روز روز اتنا لمبا سفر کر کے آنا جانا پسند نہیں تھا۔

"اس طرح یکسوئی سے پڑھائی نہیں ہو پائے گی بابا خان۔" وہ سنجیدگی سے کہتا۔ اسے اپنی پڑھائی ذہنی سکون کے ساتھ ازحد عزیز تھی۔

ذولین نے ایگری کلچر یونیورسٹی جوائن کر لی تھی جبکہ اشمل کا ارادہ ایم بی اے کرنے کا تھا۔

ذولین خان نے چھٹیوں پر آنا چھوڑ دیا تھا۔ کیا فائدہ ایسے گھٹے ماحول میں چھٹیاں گزارنے کا جہاں صرف چچی خانم کے

کڑے اصول چلتے تھے، جو رفتہ رفتہ پوری حویلی پر قابض ہو چکی تھیں اور چچا خان پس منظر میں چلے گئے تھے۔ سب کچھ اس کی نظر کے سامنے ہو رہا تھا۔ اس کے جامد لب اور خاموش نگاہیں دیکھ بھی رہی تھیں اور محسوس بھی کر رہی تھیں۔ اس نے چچا خان کی خفگی بھی خاموشی سے سہہ لی۔ مگر چھٹیوں پر آنا مکمل چھوڑ دیا۔ کبھی اگر دل کرتا تو ایک آدھ دن ملنے آجاتا۔

انہی گزرتے دنوں میں اس پر ایک عجیب سا انکشاف ہوا کہ وہ شربتی معصوم آنکھیں ہمہ وقت اس کی منتظر رہتی ہیں۔

نوخیز شرمیلی مسکراہٹ۔

متلاشی آنکھیں۔

اسے دیکھ کر خود بخود ہونٹ کے گلاب کھل اٹھتے۔

"نہیں نہیں، اشارا۔ تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔" اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ بڑی سی چادر میں لپٹی وہ اپنے سرو قد اور حسین چہرے کے ساتھ اس کے دل میں اترنا چاہ رہی تھی۔ اس انکشاف نے اسے گھبرا دیا۔

وہ جب جاتا تو اس کی آنکھوں کی والہانہ چمک، لبوں پر شگفتہ مسکراہٹ اسے متحیر کر جاتی۔

شاہ خانم سے ڈری سہمی وہ یہاں وہاں ہو جاتی مگر جیسے ہی شاہ خانم کی نگاہیں کہیں اور ہوتیں وہ چپکے چپکے اسے تکا کرتی وہ کم فہم یا اتنا سادہ لوح نہیں تھا کہ جذبات کے رنگ نہ پہچان سکے۔ وہ محبت کی اس روشنی سے آشنا تھا جس میں دل کے ہفت رنگ جذبے یکجا ہو جاتے ہیں مگر وہ جان کر نگاہیں چرا لیتا۔

قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے خود کو دیکھا۔ دراز قد، خوبرو، اس نے اپنی مکمل مردانہ وجاہت کو سرسری دیکھا پھر تخیل میں دو دمکتی آنکھوں کو لاتے ہوئے سوچا۔

"تم نے بہت غلط شخص کو چن لیا ہے اشتار امہروز، جس کا دل پتھرا گیا ہے۔" اس نے اپنے پتھریلے چہرے کو دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"تمہارا یہ نازک سراپا کسی پتھر سے ٹکرانے کے لئے نہیں بنا۔ تمہاری معصوم نوخیز امنگوں کو سوائے دکھ کے کچھ نہیں ملے گا۔"

جس دن وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے حویلی آیا، اس نے اسی روز انیکسی میں منتقل ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو شمل خان پھٹ پڑا۔

"کیوں؟ آخر تم ایسے تنہائی پسند اور قنوطی کیوں بن رہے ہو؟ آخر یہاں کیا مصیبت ہے تمہارے لئے۔" اس کا یہ اقدام اسے سخت ناگوار بلکہ دکھی کر گیا۔ البتہ بابا خان چپ تھے۔ وہ شاہ خانم کے رویئے سے واقف تھے۔ اس کے اندر موجزن نفرت کے اس بہر بیکراں سے بھی بہ خوبی آگاہ تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ اس نفرت کو ختم نہیں کر سکیں گے اور نہ ذولین کی غیرت کو مجروح دیکھ سکتے تھے۔ انہیں فیروز خان کی یہ نشانی بے حد عزیز تھی۔ اس کی عزت، اس کی انا بھی انہیں اتنی ہی عزیز تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ جیسے تم چاہو۔" انہوں نے رضامندی دے دی۔

اسی رات اشتار اپھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اس کا دل کرچی کرچی ہو گیا۔

"کیا ہم لوگ اتنے برے ہیں ذولین خان کہ آپ ہماری صورت دیکھنے کو بھی تیار نہیں۔" اس دن وہ انیکسی میں صفائی کروانے کے بہانے آگئی تھی۔ بے حد رندھے لہجے میں بولی تو وہ چونکا۔

وہ پہلی بار اس سے براہ راست مخاطب تھی۔

بھیگی بھیگی آنکھوں میں گہرا شکوہ ہلکورے کھا رہا تھا۔ دھیمے دھیرے لہجے میں درد سمیٹے، اس نے پہلی بار اسے اتنے غور سے دیکھا۔

گہرے گلابی رخساروں کے اوپر دو آنکھیں ایسے نظر آئیں جیسے دو ستارے ہلکی ہلکی پھوار سے بھیگ گئے ہوں اور ایسے میں ان کی جھلملاہٹ گہری ہو گئی تھی۔ وہ آج اسے قدرے مختلف لگ رہی تھی۔ وہ ان پر دو پر فسوں نمناک آنکھوں کے سامنے کتنے ہی ثانیے مسحور کھڑا رہا۔

"شاہ خانم کے ناروا رویئے کا یہ رد عمل ہے یا یہ بھی آپ کی کوئی ضد کا حصہ ہے۔" وہ بول رہی تھی اور وہ ششدر ہوئے جا رہا تھا۔ وہ بھلا اسے اتنا کیسے جان چکی ہے کہ وہ ضدی ہے، خود سر ہے اور شاہ خانم کے رویئے سے آشنا ہو گئی ہے۔

"تم جو بھی سمجھ لو۔" اس نے اچانک سارے جہان کی بیگانگی چہرے پر سجا ڈالی اور پلٹ کر بیڈ روم میں چلا گیا۔ وہ چند لمحے کھڑی رہی پھر باہر نکل گئی۔

یہ پہلا پتھر تھا جو اس کی طرف سے اسے لگا تھا۔ وہ تو اس منزل کی طرف لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی جہاں محبتوں اور عنائتوں کی خواہش جاگ اٹھتی ہے۔

ایسی عنایت۔

ایسی محبت جو صرف اور صرف اس کے لئے ہو۔

جس میں بے گانگی کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اور بے اعتنائی کی آنچ بھی نہ ہو۔

جہاں ہاتھ پھیلا کر انسان ڈھیر ساری محبت تھام کر صرف اپنے دامن سمیٹ لینے کا شائق ہو۔ مگر اسے تو پہلے قدم پر ہی ٹھوکر لگی۔

دل کے اندر دھواں سا بھر گیا۔

مگر نجانے کیوں ایک میٹھی میٹھی سی کسک تھی جو اب بھی سارے وجود کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔

اس شخص کی بے اعتنائی۔

آنکھوں کے سبزے میں سجی بے گانگی۔

اس کے قدموں کو پیچھے ہٹانے کی بجائے بہت تیزی سے آگے لے آئی۔

دل کے چراغ کی لو مدھم ہونے کی بجائے اور بھی تیز ہو گئی۔

شاہ خانم نے اسے انیکسی سے باہر نکلتے دیکھا تو ان کا چہرہ تن گیا۔ انہوں نے اسی وقت اپنے کمرے میں بلا کر یہ حکم صادر کر دیا۔

"آج کے بعد تم کبھی انیکسی کا رخ نہیں کرو گی۔ اس نے جب اپنے راستے الگ کر لئے ہیں تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے ان راستوں کی سمت جانے کی، سمجھ گئیں تم۔" انہوں نے بے حد شاطرانہ انداز میں سارا بار ذولین خان پر ہی ڈال دیا۔ وہ بھونچکا سی رہ گئی۔

'آپ کے غلط رویوں اور نفرت آگیں نگاہوں نے اسے اس اقدام پر مجبور کیا تھا'۔ وہ اندر ہی اندر پگھل گئی۔ 'یہ تو خونی رشتے ہیں شاہ خانم۔ انہیں کیسے کاٹ دیا جا سکتا ہے۔ جسم کا کیا ہے یہ تو روح اور خون کا سنگم ہے'۔ اس نے صرف سوچنے پر اکتفا کیا اور سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ذولین خان نے اپنے باپ کی زمینیں سنبھال لی تھیں۔ وہ بابا خان کی بھی بہت مدد کرتا تھا۔ اس نے اسی فیلڈ میں تعلیم حاصل کی تھی جس کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔

...☆☆☆...

"ٹھائیں۔ ٹھائیں۔" گولیوں کی تیز آواز پر شاہ خانم کی بند آنکھیں کھل گئیں۔ نہ جانے وہ کتنی دیر روتی رہی تھیں۔

"یہ کیسی آوازیں ہیں خیزراں؟" انہوں نے پیچھے کھڑی خیزراں کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھے بغیر پوچھا اور کھڑکی کے باہر دیکھا۔

اب منظر بدل چکا تھا۔ پورچ خالی تھا اور بارش کی بوچھاڑ تیز بوندوں میں بدل گئی تھی۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔

"پپ پتہ نہیں جی۔ میں معلوم کرتی ہوں۔" اس کی زبان ہمیشہ لکنت کھا جاتی۔

"یہ آوازیں اتنی خوفناک نہیں لگ رہیں۔ فائر صرف پہاڑوں پر ہی کئے گئے ہیں۔" انہوں نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں تم جاؤ معلوم کرو۔" وہ کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔ خیزراں کے باہر نکلتے ہی وہ پلٹیں اور چادر کے کنارے سے چہرہ صاف کیا۔ دریچے کے پٹ بند کر دیئے اور ہاتھ بڑھا کر کمرے کی ساری روشنیاں گل کر دیں۔ اس بڑھتے ہوئے اندھیرے سے انہیں وحشت ہو رہی تھی۔

خیزراں تھوڑی دیر بعد اندر آ گئی اور باادب ایک طرف کھڑی ہو کر دھیرے سے بولی۔

"زرسانگہ کی شادی طے ہو گئی ہے ناں، اس ہفتے کے آخری دن میں۔ اس کے یہاں لوگ ہوائی فائر کر رہے ہیں۔"

"آں اچھا اچھا۔" شاہ خانم نے ایسے سر ہلا دیا جیسے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔

"زرسانگے کے سارے رشتہ دار آگئے ہیں۔ پرلے گائوں میں اس کے ننھیال رہتے ہیں ناں۔" زیبل جانے کہاں سے ساری معلومات اکٹھی کرلائی تھی۔ اب اشارا کے لمبے بالوں کو دھیرے دھیرے سلجھاتی اسے بتارہی تھی۔

"بہت خوش ہیں سارے لوگ۔ اس کے ننھیال میں یہ پہلی شادی ہے ناں۔"

"اور تماش۔ اس کا کیا ہوگا؟"

"وہی جو زرسانگہ کا ہوگا بلکہ ہورہا ہے۔" زیبل اس کے سارے بالوں کو ہاتھ میں لپیٹ کر آئینے میں اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب۔" اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے لمبی لمبی پلکیں جھپکیں۔

"تم بھی بہت بھولی ہو خان زادی۔ بھلا یہ بھی نہ سمجھنے والی بات ہے۔"

"بتائو ناں زیبل۔" وہ اصرار کرنے لگی۔

"زرسانگہ کی شادی ہوجائے گی۔ ظاہر ہے دونوں دکھی ہیں۔ مگر وقت بڑا مرہم ہے۔ دکھوں کو کم کردے گا۔ ایک دن تماش بھی کسی اچھی لڑکی سے بیاہ کرلے گا۔" زیبل اتنے اطمینان سے بتانے لگی جیسے وہ واقعی ان دونوں کے مستقبل سے آگاہ ہو۔

اشارا ششدر رہ گئی۔

"کیا یہ سب اتنا آسان ہے؟ نہیں زیبے، یہ کہنا آسان ہے۔" اس نے زیبل کی بات کی نفی کردی۔ اس کی آنکھوں میں ایک انجانا کرب سمٹ آیا۔ وہ قدآدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ زیبل نے اس کے بالوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت چھوڑدی تو سارے طلائی بال لچک کر کمر اور شانوں پر بکھر گئے۔

"کیوں اشارا بی بی۔ تو پھر کیا ہوگا؟" زیبل نے اچھنبے سے پوچھا۔

"تم کہتی ہو وقت ہر زخم کا مرہم ہے۔ ہاں سچ کہتی ہو۔ مگر زیبے زخم تو بھر جاتے ہیں پر داغ تو رہ جاتے ہیں ناں، اور یہ داغ ساری زندگی کے لئے کسک بن جاتے ہیں۔" اس نے دریچے سے باہر جھانکا۔ گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ سیاہ بادلوں کے ٹکڑے اپنا سارا پانی زمین پر نچھاور کررہے تھے۔

"دیکھو بادل بھی رو رہے ہیں زرسانگے کے لئے۔ جانتی ہو آج زرسانگہ بھی اسی طرح ٹوٹ کر رو رہی ہوگی۔"

"ہاں، نجانے ان بادلوں کو کیسے خبر ہوجاتی ہے کہ آج کسی کے نین برس رہے ہیں۔ خود بھی شریک ہوجاتے ہیں۔" زیبل بھی اداس ہوگئی۔ اس کی دوست زری اتنے بڑے دکھ سے گزر رہی ہے، اکیلی تنہا۔ اپنے بھی تو دشمن بن گئے ہیں۔

"یاد ہے زیبل! تُو زری کو کوستانے کے لئے اکثر کہتی تھی کہ تماش سے اچھا نواب داد ہے، وہ تجھے زیادہ خوش رکھے گا، مگر نہیں۔ میں کہتی ہوں تماش اچھا ہے پر خلوص۔"

"ہاں کہتی تو تھی۔" زیبل ذرا شرمندہ سی ہوگئی۔ "میں بھی یہی سمجھتی تھی کہ وہ محض کاہل اور کام چور ہے اور زرسانگہ سے دل لگی کررہا ہے۔ اپنے لمحوں کو رنگین بنارہا ہے۔ مگر نہیں زیبل۔ دیکھو اس نے صرف زری کی خاطر خود کو یکسر بدل ڈالا۔ برسوں کی پختہ عادتیں چھوڑدیں۔ زمینوں کا کام سنبھال لیا۔ اپنی زندگی کو سنوار لیا اور زری کو پانے کے لئے رات دن ایک کرڈالا۔ مگر اسے کیا ملا۔ کچھ بھی تو نہیں۔" اس کی آنکھیں زرسانگہ کے غم میں ڈوب گئیں۔

"ہاں مقبول شاہ نے اس کے ماضی کو کسی صورت معاف نہیں کیا۔ خود ہی اپنی بیٹی کی خوشیوں کا دشمن بن گیا۔" زیبل کو اشارا کا ایک ایک لفظ سچ لگ رہا تھا۔ بالکل حقیقت۔

"تم جاؤ گی نہیں اشتارا بی بی، زرسانگہ کے پاس؟"

"میں۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر مضطربانہ انداز میں چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔ "نہ جانے شاہ خانم اجازت بھی دیں گی یا نہیں۔"

"دو روز بعد اس کا نکاح ہو جائے گا۔ پھر دو روز رک کر رخصتی ہو گی۔ تماش کے ماں باپ دوسرے گاؤں میں رہتے ہیں ناں، رخصتی رک کر ہو گی۔ تم بات تو کر لینا شاہ خانم سے۔ شاید وہ اجازت دے دیں۔" زیبل اس کی ٹوٹتی ہمتیں جوڑ کر بولی۔

"ہوں۔" اس نے کچھ سوچ کر سر ہلا دیا۔

بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ دھند یکلخت چھٹ گئی تھی۔ ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ ہر چیز دُھل کر نکھر آئی تھی۔ بڑے بڑے ناریل اور صنوبر کے درخت کھلکھلاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ لمبی لمبی کیاریوں میں سجے پھولوں کا رنگ نکھر آیا تھا____ شفاف دیواریں آئینوں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ بارش کے بعد ہر شے کے نقوش نمایاں اور دلکش ہو گئے تھے۔

اس نے سارا منظر بہت سپاٹ اور سرسری نگاہوں سے دیکھا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا، کوئی اور موسم ہوتا اس کے دل کا تو وہ اس پھیلے حسن کی ساری طراوت اپنے اندر اتار لیتی۔ دیوانہ وار یہاں وہاں نرم گھاس پر بھاگتی۔ رنگ برنگے پھولوں کو چومتی یا پھر تالاب کے کنارے بیٹھ کر آسمان پر ٹمٹماتے ستاروں کو تکتی رہتی۔ ہمیشہ کی طرح رفتہ رفتہ اس کی روشنی تیز ہو جاتی۔ پھر دفعتاً کہیں سے سنہری چاند نکلتا کسی ٹہنی کے پیچھے سے۔ پتوں کے پیچھے پیچھے چھن چھن کر اندھیرا بڑھ جاتا۔ پھر گہری تاریکی۔ ہر شے مہیب نظر آنے لگتی اور اس اندھیرے میں چیئر کے نوکیلے پتوں کی سرسراہٹ، معطر پھولوں کی خوشبو اور دھیمی دھیمی چاندنی کے علاوہ سب کچھ خاموش ہو جاتا۔ پھر کوئی اچانک پوری حویلی کو

مصنوعی روشنیوں سے نہلا دیتا۔ زیبل اس کے قریب کھڑی ہوتی۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتی تو وہ چونک اٹھتی۔

اسے یہ لمحے انتہائی پرفسوں لگتے تھے۔

آں۔ مگر آج اس کے دل کے افق پر صرف زرسانگہ کا دکھ پھیلا ہوا تھا۔ کسی گہری تاریکی کی طرح اس کے تخیل میں اس کی سیاہ بھنورا سی آنکھیں کبھی ہنس رہی تھیں کبھی رو رہی تھیں تو کبھی فریاد کناں تھیں۔

اس نے جب محبت کے فرحت آگیں سفر پر قدم رکھا ہو گا تو سوچا بھی نہیں ہو گا کہ یہ سفر اتنا پُرپیچ، اتنا پُرخار ہو گا۔ اتنا ڈھیر سارا دکھ اس کے ہمراہ سمت آئے گا۔ منزل کی بجائے گہری تھکان اس کا استقبال کرے گی۔

نارسائی کا دکھ نہ جانے کیسے زرسانگہ جھیل رہی ہو گی۔

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کے ذہن کی ساری سوئیاں بس زرسانگہ پر ہی اٹک کر رہ گئی تھیں۔

دوسرے دن وہ شاہ خانم سے زرسانگہ کے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے آگئی۔ شاہ خانم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تم زرسانگہ کے گھر جاؤ گی؟" انہیں اچھنبا سا ہوا۔

"اس کی شش شادی ہونے والی ہے ناں۔" اس نے ہمت کر کے دھیرے سے بات آگے بڑھائی۔

"ہوش میں تو ہو۔ تم یعنی شاہ خانم کی بیٹی اب ایک چھوٹے سے گھر کی معمولی سی لڑکی کی شادی کا بے تکا ہنگامہ دیکھنے جاؤ گی۔" ان کا لہجہ برہم بھی تھا اور استہزائیہ بھی۔

اشتارا کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اپنی دوست اپنی رفیق کی اس تذلیل پر اس کے اندر احتجاج کی سرد لہر اٹھی اور اندر ہی کہیں گم ہو گئی۔

اس نے لب دانتوں میں دبا لئے۔

"جانے دو شاہ ہے۔" باباخان جو کنارے کی بڑی سی کرسی پر براجمان تھے، پہلی بار بولے۔ انہیں اشارا کا معصوم اور بے بس چہرہ بولنے پر مجبور کر گیا۔

"مگر آپ جانتے ہیں، یہ کون لڑکی ہے۔" شاہ خانم کے لہجے میں حقارت سمٹ آئی۔

"ہاں، اس کے بچپن کی سہیلی ہے، ایک ساتھ کھیلی ہیں دونوں۔" باباخان نے یہ کہہ کر گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ بھڑک اٹھیں۔

"اونہہ، وہ کوئی اشارا کے بچپن کی سہیلی نہیں ہے اور اشارا تم نے۔" پھر بل کھا کر اشارا کو قہر برساتی نگاہوں سے دیکھا۔ "ہمیشہ ایسے بے حیثیت اور کم ظرف لوگوں سے دوستیاں باندھیں ہیں تم نے۔ بے وقوف، گدھی لڑکی۔ کب عقل آئے گی تمہیں۔ نہ تمہیں اسٹیٹس کی پرواہ ہے نہ حیثیت اور اپنی وقعت کی۔ کیا دلچسپی ہے ایسے لوگوں سے تمہیں؟"

وہ، وہ بہت اچھی ہے شاہ خانم۔" اس نے اپنی آنکھوں کا پانی اندر ہی اتار لیا۔ اس کی سماعت پر آگ بھرے تیر برس رہے تھے۔ زرسانگہ کی اس بے وقعتی پر اس کا دل کٹ سا گیا۔

"اونہہ، اچھی۔" انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"جانے دو شاہ ہے اسے، جلدی آجائے گی۔" باباخان کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ اشارا نے سر اٹھا کر باباخان کو دیکھا۔ شاہ خانم کی باتوں پر ان کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی مگر بے حد سپاٹ چہرہ لئے وہ اس کے حمایتی تھے۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" شاہ خانم جھنجلا گئیں۔

"تم جاؤ اشارا، مگر جلدی آنا۔ محمد سلام تمہیں چھوڑ آئے گا اور اسی کے ساتھ واپس آجانا۔" باباخان کی بات سن کر وہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ یہ دیکھے بغیر کہ شاہ خانم کے کیا تاثرات تھے۔ وہ جانتی تھی اب باباخان انہیں سنبھال لیں گے۔ وہ مزید ایک لمحہ بھی ٹھہر جاتی تو یقیناً شاہ خانم کا حکم ہی اسے سننا اور ماننا پڑتا۔

وہ جلدی اپنے کمرے میں گئی۔ اپنی گرم شال اوڑھ کر کاسنی ریشمی پردوں سے سجی پجیرو میں آبیٹھی۔

محمد سلام کو زرسانگہ کے گھر کا پتہ اس نے سمجھا دیا تھا۔ پجیرو دھیرے دھیرے ڈھلوانی راستوں سے گزرنے لگی، مگر اچانک محمد سلام نے روک دی۔

"کیا ہوا محمد سلام؟" اس نے حیرت سے استفسار کیا۔ وہ بالکل پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ محمد سلام کی سیٹ سے اس کا خاصا فاصلہ تھا۔

"پٹرول تو ختم نہیں ہو گیا۔"

"نہیں جی۔ یہ ذولین خان ہیں جی۔" وہ کھڑکی سے سر باہر نکال کر بولا تو وہ چونکی۔

"ذولین خان۔" اس نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ مشکی گھوڑے پر بیٹھا پستی رنگ کے شلوار سوٹ اور سیاہ جیکٹ میں ملبوس خاصا ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔ سبز آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح ایک عجیب سا طلسم تھا۔ ایسا طلسم جس نے اسے جکڑ رکھا تھا۔ یہی آنکھیں تو تھیں جس نے اس کے اندر ہیجان خیز احساسات جگا دیئے تھے۔

آج بھی اس کے دل کی بستی میں ہلچل مچ گئی۔

"کہاں جا رہے ہو محمد سلام؟" وہ سڑک کے دوسری طرف ڈھلوانی راستے پر گھوڑا روکے کھڑا تھا۔

"جی۔ وہ اشارا بی بی کو چھوڑنے جا رہا ہوں، کوئی کام ہے کیا؟" اس نے دروازہ کھول کر نیچے اترنا چاہا تو ذولین خان نے جلدی سے روک دیا۔

"نہیں نہیں۔ تم جائو۔" اس نے یہ کہتے ہوئے بے اختیار نگاہیں اس کھلے شیشے پر ڈالیں۔ اندر سے سیاہ چادر کے ہالے میں دو جگمگاتی آنکھیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

سبز سبز نگینوں سے نگاہیں ٹکرائیں تو اس نے جلدی سے رخ پھیر لیا۔ وہ اس سے خفا تھی جس کا برملا اظہار کر دینا چاہتی تھی۔ اپنی ہتک اسے ابھی تک یاد تھی۔

"چلو محمد سلام۔۔۔۔۔!" وہ تحکم بھرے لہجے میں بولی تو محمد سلام نے جھٹ سے پجیرو اسٹارٹ کر دی۔

ذولین خان نے اس کی آواز سنی جس میں گہری چبھن اور خفگی سمٹی ہوئی تھی۔

پجیرو دھیرے دھیرے سڑک پر پھسلتی آگے بڑھنے لگی تو وہ بھی گھوڑے کی راس کھینچ کر دوسری طرف اتر گیا۔

"میں تم سے اپنی ڈھیروں ہتک کا بدلہ نہیں لے سکتی ذولین خان۔ یہ تو بس ایک ہلکا سا احتجاج تھا۔" اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ نہ جانے گھوڑا لئے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ چھوٹی لمبی اونچی نیچی پہاڑیاں سنسان اور ویران تھیں۔

پجیرو زر سانگہ کے گھر کے قریب آکر رکی تو وہ اتر آئی۔ پھر محمد سلام کی طرف آتے ہوئے بولی۔

"تم اب جائو، مجھے ایک گھنٹے بعد لے جانا۔"

"نہیں بی بی جی، شاہ خانم نے حکم دیا ہے کہ پورے آدھے گھنٹے بعد ہی آپ کو لے جائوں۔"

"ٹھیک ہے تو آدھے گھنٹے بعد آجانا۔" اسے غصہ آگیا۔ شاہ خانم کے اتنے کڑے پہرے سے اسے وحشت ہونے لگی۔

"مگر۔ جی۔"

"اگر مگر کچھ نہیں۔" وہ چیخ اٹھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"جج۔۔۔۔۔۔۔جی بہتر۔۔۔۔۔۔" محمد سلام گھبرا گیا اور پجیرو اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔

وہ چند ثانیے تنے تنے چہرے کے ساتھ کھڑی رہی۔ وہ زر سانگہ سے مل کر گل بی بی کے پاس جانا چاہتی تھی۔ آج اسے موقع مل گیا تھا ورنہ تو شاہ خانم اس کے ایک ایک قدم کا حساب رکھتی تھیں اور وہ اس طرح اجازت لے کر بلند و بانگ اعلان کر کے گل بی بی کے گھر نہیں جا سکتی تھی۔ گھر تو کُجا وہ ان کے سامنے گل بی بی کا تذکرہ کرنے سے بھی گریز کرتی تھی، مبادا وہ برہم ہو کر اسی پر نہ برس پڑیں۔

زر سانگہ کا چھوٹا سا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ بچے، عورتیں، لڑکیاں ادھر ادھر آ جا رہی تھیں۔ وہ سب اس کے لئے قطعی اجنبی تھیں اور خود وہ سب کے لئے ناآشنا تھی۔

"ارے تم خان زادی، یہاں اس غریب خانے میں۔" نور جان اسے اپنے چھوٹے سے کچے پکے صحن میں دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

"کیوں، میں یہاں نہیں آسکتی؟" وہ ہولے سے مسکرائی۔

"نہ بی بی، کیوں نہیں آسکتی، یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے، آئو آئو اندر آئو۔" نور جان کا چہرہ چمک اٹھا۔

حویلی کی خان زادی کو یہاں دیکھ کر وہ مسرت سے کھلی جا رہی تھی۔ مہمان عورتیں اسے اجنبی اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، کچھ حیرت کا تاثر لئے، کچھ بے مقصد مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے۔

"زر سانگہ کہاں ہے نور جان!" اس نے رک کر پوچھا، وہ جلد از جلد زر سانگہ سے ملنا چاہتی تھی۔

"ہاں ہاں زر سانگے وہاں کنارے کے حجرے میں بیٹھی ہے ٹھہرو۔" نور جان نے پلٹ کر سامنے دیوار کے ساتھ بیٹھی دوپٹے پر گھنگرو لگاتی لڑکی کو پکارا۔

"بخت آرا، ذرا اسے زرسانگہ تک پہنچا آئو اور وہاں دروازہ ٹھیک سے بند کر دینا پرائی نظر نہ پڑ جائے۔" وہ پلٹ کر اشارا کو دیکھ کر بولی اور بلا مقصد مسکرا دی۔

وہ بخت آرا کے سنگ اس کنارے والے حجرے تک آ گئی۔ باریک لکڑی کا دروازہ بند تھا۔

"تم لوگوں نے اسے اکیلا چھوڑ رکھا ہے۔" دروازہ کھولتے ہوئے اس نے بخت آرا کو دیکھا۔

"جج جی۔" وہ گھبرا گئی۔ "ہم تو اس کے پاس ہی بیٹھتے ہیں پر وہ منع کرتی ہے۔ کہتی ہے میں اکیلی بیٹھنا چاہتی ہوں۔ ویسے دل آرا میری بڑی بہن اس کے پاس بیٹھتی ہے۔"

"اچھا اچھا اب تم جائو" اشارا نے اسے بھگا دیا اور خود دروازہ کھول کر اندر آئی تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

کنارے پر بچھی بے رنگ دری پر وہ اجاڑ اجاڑ ویران سی بیٹھی تھی۔ بڑی سی پیلی چادر میں بھی اس کا چہرہ پھیکا پھیکا لگ رہا تھا۔ ان چمکتی آنکھوں میں ڈھیروں کرب سمٹا ہوا تھا۔ وہ بے مقصد دری پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔ آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تو آنکھیں لحظہ بھر کو چمک اٹھیں جیسے ویران مزار پر دیئے جل اٹھے ہوں۔

"اشارے! تو تم۔۔۔۔۔۔" وہ بے تابانہ اٹھ کر اس کی طرف لپکی۔ اشارا نے بھی آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"اشارا! کہاں چلی گئی تھی۔ میرے پاس اب آئی ہو جب سب کچھ لٹ گیا۔" وہ نہ جانے کب کا سیلاب روکے بیٹھی تھی۔ یکلخت سارے بند ٹوٹ گئے۔

"زری!۔۔۔۔۔۔ زری، میری جان! تُو جانتی تو ہے، میں بھی اونچی اونچی دیواروں میں قید ہوں۔" اس نے زرسانگہ کے سارے آنسو اپنی چادر میں چن لئے۔ "کیا حالت بنا رکھی ہے تو نے، کیوں ایسا روگ جی کو لگا بیٹھی ہے۔" وہ اس

کے علیل چہرے کو دیکھ کر اضمحلال سے بولی اور اسے تھامے دری پر بیٹھ گئی۔

"یہ ظلم ہے اور اس سے بڑا ظلم تم خود پر کر رہی ہو زرسانگے۔ جب احتجاج کی طاقت نہیں تھی، اپنا حق مانگنے کی جسارت نہیں رکھتی تھی تو پھر کیوں اپنا آپ محبت کے نام پر لٹا بیٹھی۔" وہ بلک اٹھی۔ اپنی پیاری عزیز از جاں دوست کو دکھوں کے اس طوفان میں پامال ہوتا دیکھ کر اس کے دل کی دیواروں سے خون رسنے لگا۔

"تم یہ مجھ سے کہہ رہی ہو، یہ جانتے ہوئے بھی کہ محبت شعوری عمل نہیں ہے۔ بخدا اگر یہ دل میرے اختیار میں ہوتا تو میں کبھی کی اسے بھول جاتی۔"

"اب بھی بھول سکتی ہو، ہاں زری۔ تیرے حق میں اسے بھول جانا ہی بہتر ہے۔ کھرچ ڈال دل سے وہ سارے منظر جیسے تو نے کوئی خواب دیکھا تھا۔" اشارا اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بولی تو اس کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تجھ سے کوئی کہے کہ تو ذولین خان کو بھول جا۔ اس کے خیالوں سے فراموش ہو جائو۔" زرسانگہ نے کہا تو اس کی پلکیں لرز گئیں۔ پہلو میں دل بے قرار ہو کر پھڑ پھڑانے لگا۔ اس نے لب دانتوں میں دبا کر بے بس نگاہوں سے زرسانگہ کو دیکھا۔ یہ ظالم لڑکی ہمیشہ ایسے ہی تیر پیوست کر جاتی ہے۔

"نہیں اشارے، بھول جانے کا دوسرا نام واپس پلٹ جانا ہوتا ہے اور میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر آگے بڑھی تھی۔ میں نے کوئی روئی کے ٹکڑے بکھیر کر نہیں رکھے تھے واپسی کے سارے راستے کھو چکی ہوں میں۔"

"مگر زرسانگے اس کے سوا تمہارے لئے کوئی چارہ بھی نہیں تو نہیں ہے۔" وہ الجھ گئی یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پاگل ہو رہا تھا کہ اب زرسانگہ اس نئی زندگی کی ابتدا کیسے کرے گی جبکہ تماش خان کی محبت اس کے ہمراہ ہو گی۔

"میں تماش خان کو نہیں بھول سکتی۔ مر کے بھی نہیں۔ اس کی محبت میرے خون میں گردش کر رہی ہے۔ بھلا میں خون کے ایک ایک قطرے سے اسے کیسے صاف کروں۔ وہ میری روح ہے اور روح کے بغیر زندہ کیسے رہا جاتا ہے۔"

وہ سر گھٹنوں میں رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں بھی کتنی پاگل تھی اشتارے۔پت جھڑ میں بہاروں کے خواب دیکھتی رہی۔چاند ستاروں کو پکڑنے کی خواہش کر بیٹھی۔میں نہیں جانتی تھی منظریوں اچانک بدل جائے گا۔زندگی اپنی تمام تر بدصورتی اور ہولناکی کے ساتھ میرے سامنے یوں تن کر کھڑی ہو جائے گی۔میں بھی بے کل، بے نوا پتوں کی طرح بکھر جاؤں گی۔"

"ہاں میں تمہارا درد محسوس کر سکتی ہوں۔مگر میں خوفزدہ ہوں۔اگر۔۔۔۔۔اگر کہیں نواب داد کو ان سب باتوں کا علم ہو گیا۔۔۔۔۔اگر اسے شک ہو گیا تو۔۔۔۔۔" اشتارا نے بہتدنوں سے دل میں مچلتے خدشے کو زبان دی تو زرسانگہ نے چونک کر سر اٹھایا۔اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

"نہیں، نہیں۔۔۔۔۔اسے کیسے شک ہو سکتا ہے اور اگر یہ ہوا تو بھی نہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا حلق خشک ہونے لگا۔

نواب داد کا تنا ہوا چہرہ، سرخ سرخ کھڑی ناک، تخیل میں لہرانے لگی۔

اس پہلو پر تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔اپنی آنکھوں میں مچلتے تماش کے نام کے جذبے کو چھپانے کی کوشش ہی اب تک نہیں کی تھی۔

"وہ کیسے مزاج کا آدمی ہے، تماش کی طرح نرم مزاج یا؟"

"نہیں، وہ بہت سخت اور ظالم شخص ہے۔" زرسانگہ نے لرزتی آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔"اسے خبر نہیں ہونی چاہیے۔وہ بہت سفاک ہے بالکل میرے داجی جیسا۔" اس نے اپنے ٹھنڈے یخ ہاتھ اشتارا کے ہاتھ میں دے دیئے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔بڑی سیاہ آنکھوں میں وحشت سی اتر آئی تھی۔

"نہیں زری۔بھلا اسے کیسے خبر ہو گی؟" اشتارا نے اس کے سرد بے جان ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر دی۔

"تم اپنے آپ کو حالات کے بہتر دھارے پر کھلا چھوڑ دینے کی بجائے اپنے آپ کو سنبھالو۔کوئی مرد بھی وسیع القلب نہیں ہوتا۔ظرف کے معاملے میں سارے مرد صفر ہوتے ہیں۔چاہے وہ باپ ہو، بھائی ہو یا شوہر۔میں جانتی ہوں تم بہت بہادر ہو، یقیناً اپنے آپ کو سنبھال لو گی۔آنے والی زندگی کا حوصلے اور سمجھداری کے ساتھ سامنا کرو گی، کرو گی ناں؟" وہ اسے تسلی دینے لگی۔اس کی کمر میں بازو حمائل کر کے اس کے بکھرے وجود کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

"زیبل کہہ رہی تھی زری سے کہنا کہ صرف میری خاطر تھوڑا مسکرا لینا۔وہ کہہ رہی تھی زری مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے گلاب کے شگوفے کھل اٹھے ہوں۔ہر طرف مدھر پائل بج رہے ہوں۔" وہ جبراً مسکرا کر اس کی تشفی کرنا چاہ رہی تھی۔زرسانگہ روتے روتے مسکرا دی۔

"زیبل سے کہنا وہ میرے پاس ضرور آئے۔"

"کہہ دوں گی، اچھا اب میں چلوں گی۔"

"اتنی جلدی؟" وہ اداس ہونے لگی۔

"کیا کروں، بڑی مشکل سے آئی ہوں، اتنے دنوں سے گل بی بی کی طرف بھی نہیں گئی۔"

"شاہ خانم سے ڈرتی ہو تم بہت۔" زرسانگہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی، اس کی پلکیں جھک گئیں۔

"ہاں۔" اس نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔ "تم تو جانتی ہو زری! گل بی بی کے نام پر ہی شاہ خانم برہم ہو جاتی ہیں۔ تمہارے گھر کا بہانہ کر کے آئی ہوں نا، تو ان سے بھی مل آتی ہوں۔"

"اکیلی کیسے جاؤ گی وہاں تک۔ ٹھہرو میں بخت آرا کو تمہارے ساتھ بھیج دیتی ہوں، وہ تمہیں..."

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے انکار کر دیا۔ "بس تھوڑا راستہ ہی تو ہے، واپس یہیں آؤں گی۔ محمد سلام گاڑی لے کر آجائے گا۔ اچھا خدا حافظ۔"

زرسانگہ ایک بار پھر اس کے گلے لگ گئی۔ خود بخود ہی گرم گرم آنسو دونوں کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"میری باتیں ضرور مان لینا زری۔ یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔" اشارا الگ ہوتے ہوئے بولی تو اس نے سر ہلا دیا۔

زرسانگہ کے کمرے سے وہ باہر آگئی۔ چھوٹی سی راہداری میں خاموشی تھی۔ سب عورتیں نور جان بی بی کے چھوٹے سے کمرے میں جمع خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ وہ نور جان کو رک کر کمرے کی کھڑکی سے ہی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

اس کی نگاہیں زرسانگہ کے کمرے کے باہر دوسری طرف رکھی چھوٹی سی لکڑی کی الماری کے پاس کھڑے نواب داد پر نہ پڑ سکی تھیں جو کب سے کھڑا ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ اپنے کسی کام کے سلسلے میں داجی سے ملنے آیا تھا۔ مگر اس کے قدم تماش کے نام پر رک گئے تھے اور اس کی سماعت نے جو کچھ سنا اس کے دل کے لئے بہت اذیت ناک تھا۔

زرسانگہ کی سسکیاں۔

تماش کی چاہت میں اس کی ڈوبی آواز۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اس کی روح میں جیسے کند چھری پھیر دی ہو زرسانگہ نے۔

اس کا وجود کانپنے لگا۔ سرخ ہونٹ دانتوں میں دبانے سے اور بھی سرخ انگارہ ہو گئے۔ پیشانی پر شکنوں کا جال سا بن گیا۔ اس کی منگ جواب صرف ایک دن بعد اس کی منکوحہ ہو رہی تھی، تماش خان کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں خون اگلنے لگیں۔

وہ داجی کو ڈھونڈنے کی بجائے سب سے نظر بچاتا واپس باہر نکل گیا۔

...☆☆☆...

"امی، امی۔ کیا یہ فیصلہ، یہ خیال آپ ترک نہیں کر سکتیں۔" ماہ گل کی آواز میں رونے کا تاثر پیدا ہو گیا تھا۔ اسے گہرا صدمہ ہوا تھا، یہ اس کی ماں کیا کرنے لگی تھی؟

پھر یہ کسے امتحانات میں گھسیٹنے کا عزم کر چکی ہیں۔

"نہیں بدل سکتی میں۔ اس لئے کہ یہ فیصلہ صرف میرا ہی نہیں تمہارے ابو اور شاہ خانم کا بھی ہے جو غلط قطعی نہیں ہے۔" امی یہ کہہ کر کرسی سے اٹھنے لگیں تو ماہ گل نے جلدی سے انہیں بازو سے تھام کر دوبارہ بٹھا دیا اور خود ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔

"مجھے دیکھئے امی۔ آپ سب کے مشترکہ فیصلے کی بھینٹ چڑھ گئی ہوں میں۔ یہ وٹے سٹے کی شادیاں بربادی ہے سراسر۔ اگر ان میں سے کوئی فریق بھی دل سے راضی نہ ہوا یا اپنے شریک سفر سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہوئی تو، تو اس کی سزا سب کو ملتی ہے۔ جس طرح مجھے مل رہی ہے۔ آپ جانتی بھی ہیں کہ زمان بھائی اور شاردا بھابھی کی ازدواجی زندگی کی ناکامی کا دکھ میں بھی سہہ رہی ہوں۔"

"مگر یہاں یہ معاملہ نہیں ہے ماہی!" امی اس کے رونے پر نرم پڑ گئیں۔ اشتارا بہت معصوم اور پیاری بچی ہے اور اشمل بھی سلجھا ہوا پڑھا لکھا لڑکا ہے۔"

"امی، مجھے اشمل اور سحر گل کے رشتے سے انکار نہیں ہے۔ مگر، مگر امی اشتارا اور فروان، بہت بے جوڑ ہو گا یہ رشتہ۔ صرف جسمانی ساخت سے کچھ نہیں ہوتا۔ فروان ذہنی طور پر بہت پست ہے اور پھر وہ اشتارا سے ایک سال چھوٹا بھی ہے۔" وہ جھنجلا گئی۔

کیوں نہیں سمجھ رہی تھی اس کی ماں۔ جان بوجھ کر آنکھ بند کرنے سے یہ صاف نظر آنے والے مسئلے ختم نہیں ہو جاتے۔

"لیکن شاہ خانم کو کوئی تردد نہیں ہے۔" امی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ ماہ گل تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

"بات پھوپھی جان کی نہیں، اشتارا کی ہے۔ وہ پھوپھی جان کے کسی فیصلے پر انکار کرنے کی جسارت نہیں رکھتی۔ میری طرح سولی پر خاموشی سے چڑھ جائے گی اور قطرہ قطرہ پگھل کر ختم ہو جائے گی۔ خدا کے لئے امی، یہ سراسر ظلم ہو گا۔" وہ ہاتھ چھوڑ کر ملتجی ہو گئی۔ اس کی نظروں میں سحر گل اور اشتارا کے معصوم چہرے گھومنے لگے۔

کچھ بھی ہو گا گھاٹے میں یہ لڑکیاں ہی رہیں گی۔

یہ معصوم معصوم چہرے۔

خاموش بے زبان بیٹیاں۔

کیسی ماں ہے یہ ایک بیٹی کی عبرت سے سبق نہیں لیتی۔ دوسری کو بھی سوئے مقتل کھینچے لئے جا رہی ہے۔

اس نے بھیگی بھیگی آنکھوں سے امی کی طرف دیکھا تو وہ رخ پھیر کر کھڑی ہو گئیں۔ اور اس کی تمام تر تاویلوں کو اس

کے سارے آنسوئوں کو پس پشت ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"اوہ خدایا۔" اس نے کانپتے لب دانتوں میں مضبوطی سے جکڑ کر دیوار سے ٹیک لگائی۔ 'امی اور ابو نے میرے دکھ پر شاید آنکھیں بند کر لی ہیں یا میرے دکھ کو، میری بے سکونی کو محسوس ہی نہیں کر سکے ہیں اب تک۔"

پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا تو مسعود شاہ بھی تھا۔

انٹلکچوئل تو زمان بھائی بھی تھے۔

مگر کہاں گئی ان کی وہ تعلیم؟

کہاں کھو گئی وہ تربیت؟

اونہہ اس مقام پر آ کر سارے مردوں کی ذہنیت ایک ہی ہو جاتی ہے چاہے وہ ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ۔ معصوم تو شاردا بھابھی ہیں۔ مگر پھر بھی زمان بھائی ان سے نباہ نہیں کر سکتے۔ محض کم تعلیم ان کے دکھوں کا سبب بن گئی۔ مگر مجھ میں کیا کمی تھی۔ پڑھی لکھی سلجھی ہوئی۔ میرے نصیب میں ان دکھوں کا سبب کیا ہے۔

یہی نا کہ مسعود شاہ، بہن کے دکھ پر آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تو اپنی مردانگی کی ضربیں مجھے لگاتا ہے۔ شاید اسی طرح بہن کے دکھ میں کمی آ جائے۔ آہ کاش۔ اس طرح کمی ہی آ جاتی۔ میری اذیت بھابھی کی خوشی بن جاتی۔ مگر افسوس ہم دونوں ہی خالی ہاتھ ہیں۔

خوشیوں اور مسرتوں کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں تو ہتھیلیوں پر صعوبتوں کے رنگ چمٹ جاتے ہیں۔

اب قصوروار کون ہے۔

میں؟

شارداباھبی

مسعود شاہ یازمان بھائی۔

اگر اس میں سے قصوروار کوئی بھی نہیں تو پھر؟

یہ والدین کے کئے گئے فیصلے ہی غلط تھے ____ وہی قصوروار ہیں، ہاں۔

"آپی، آپی۔" فروان اسے پکارے جارہا تھا۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی ذات کا سارا کرب آنسو کی صورت بہہ رہا تھا۔

"آپی، کیا ہو گیا ہے؟" فروان اس کے دونوں شانے تھام کر جھنجھوڑنے لگا۔

اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں سوائے آنسوئوں کی دبیز چادر کے کچھ بھی نہ تھا۔ فروان پریشان ہو گیا۔

"میرا دل چاہتا ہے آپی میں مسعود بھائی سے خود بات کروں۔ آخر آپ کا کیا قصور ہے جو سزا سہہ رہی ہیں۔" فروان کا دل کٹ گیا۔ اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے نازک شانے پر رکھ دیا۔

"اگر تم کہو آپی تو میں آج ہی۔"

"نہیں، نہیں فروان۔" اس نے جلدی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ "یہ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں ذرا سی ٹھیس پر چکنا چور ہو سکتے ہیں۔"

"اونہہ، کون سا اس رشتے کا پاس کر رہے ہیں مسعود بھائی۔" وہ جل اٹھا۔

"نہیں فروان، میں تو بس ایسے ہی رو رہی تھی۔" اس نے فروان کو مشتعل دیکھ کر بات ٹالنی چاہی پھر کچھ سوچ کر

بولی۔

"پتہ ہے امی کیا چاہتی ہیں"؟

"کیا؟" فروان نے پوری آنکھیں کھول کر ماہ گل کی طرف دیکھا جیسے وہ کوئی بہت ہی پراسرار بات کہنے کو تھیں۔

"اشمل بھائی اور سحر گل کا آپس میں رشتہ ہو جائے اور۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" فروان نے اس کا جملہ کاٹ کر مسرت کا اظہار کیا۔ "ہاں اور، اور کیا؟"

"اور۔" ماہ گل نے کرب سے لب دانتوں میں جکڑ لئے۔ "تت، تمہارا اور اشارا کا رشتہ۔" اس نے جملہ پورا نہ کیا اور ہمدردی سے فروان کی سمت دیکھا، مگر اس کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔

فروان کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ لب بے حد خوبصورت انداز میں مسکرانے لگے۔ وہ اچانک ہی جذبات کی یورش سے ہنس پڑا۔

"آ۔۔۔۔۔ آپ سچ کہہ رہی ہیں آپی؟" اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"اوہ گاڈ! اتنی بڑی خبر آپ نے مجھے یوں کھڑے کھڑے سنا دی، بغیر مٹھائی کے۔ کیا میرے جذبوں کا اتنی جلدی انعام مل گیا۔" وہ مارے خوشی کے ناچ اٹھا۔

"زندگی یوں بھی مہربان ہو جاتی ہے آپی۔" وہ تیزی سے پلٹا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ماہ گل پھٹی پھٹی آنکھوں میں تحیر آمیز بے یقینی سمیٹے اسے بھاگتا دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ مائوف ہونے لگا۔

"اوہ، میرے خدا۔ تو کیا فروان، فروان بھی۔" اسے لگا جیسے وہ ابھی چکرا کر فرش پر آ گرے گی۔

...☆☆☆...

اشارا، زرسانگہ کے گھر سے نکل کر جلدی جلدی چلنے لگی۔ راستے ناہموار تھے۔ اسے چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ دوسری طرف گزرتی شفاف سڑک پر چلنے سے گریز کر رہی تھی۔ اس نے چادر کا نقاب منہ پر لگالیا۔ مبادا کوئی دیکھ نہ لے۔ زیبل کی غیر موجودگی میں وہ پہلی بار تنہا نکلی تھی۔ وہ چھپ کر گل بی بی کے گھر جتنی بار بھی گئی تھی زیبل اس کے ہمراہ تھی۔

مگر آج نہ جانے کیوں اسے زیبل کو ساتھ لینے کا خیال ہی نہ آیا اور اب اسے اپنی اس حماقت کا شدید افسوس ہونے لگا۔

اس نے ایک طرف رک کر دائیں بائیں دونوں طرف نگاہیں دوڑائیں اور راستے کا تعین کرنے لگی۔ برسات کی وجہ سے ابھی تک اطراف میں چھوٹے چھوٹے نالے پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ کچھ سوچ کر بائیں طرف مڑ گئی اور تیزی سے چلنے لگی۔ مگر خاصی دور نکل جانے کے بعد اس کا دل زور سے دھڑکا۔ اس کی چھٹی حس نے خبردار کر دیا کہ وہ غلط راستے پر آنکلی ہے۔

”اوہ خدایا۔“ وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ اس نے دور دور تک نگاہیں ڈالیں۔ ویران اور سنسان سڑک پر جو کسی ذی روح کے استعمال میں نہ تھی، سڑک کے اطراف ٹوٹی پھوٹی چھوٹی چھوٹی کھائیاں تھیں۔

وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پلٹی مگر اس کے قدم جیسے فرش نے جکڑ لئے ہوں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں دہشت پھیلنے لگی اور حلق میں جیسے کانٹے سے چبھنے لگے۔

پھر اچانک میکانکی انداز میں اس کے پیر حرکت میں آ گئے۔

ہیبت ناک موت کا خوف، اس کے خون کو بجائے جمانے کے مشتعل کر گیا۔

اسے بہرکیف اپنا دفاع کرنا ہی تھا۔

اس نے بغیر اطراف کے دیکھے آگے دوڑ لگا دی۔

ناہموار راستے۔

چھوٹی چھوٹی کھائیاں۔

پانی سے بھرے اونچے اونچے گڑھے۔ اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اندھا دھند بھاگنے لگی، پھر اچانک اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی جو پوری فضا میں پھیل گئی۔

شاہ خانم کا وجود تھرا اٹھا۔ اُن کی آنکھوں میں غصے کے ہمراہ اضطراب سمٹ آیا۔

”کہاں چلی گئی ہے اشارا؟ ____ تم سب لوگ منہ دیکھتے رہ گئے۔ میری بیٹی کو اگر کچھ بھی آنچ آئی تو میں پوری وادی کو تباہ و برباد کر دوں گی۔“ ان کی پاٹ دار آواز حویلی کے در و دیوار کو لرزائے دے رہی تھی۔

محمد سلام تھر تھر کانپ رہا تھا جیسے یہ سارا قصور اسی کا ہو اور ابھی شاہ خانم اسے موت کی سزا کا حکم سنا دیں گی۔

”محمد سلام! تم نے نور جان سے پوچھا نہیں کہ وہ نکل کر کس طرف گئی تھی؟“ انہوں نے کوئی چوتھی بار یہی سوال پوچھا۔

”جج ____ جی ____ پوچھا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ خان زادی کوئی آدھا گھنٹہ پہلے ان کے گھر سے نکل چکی تھیں ____ اور جی میں تو گل بی بی کے گھر بھی معلوم کر آیا تھا۔“ اس نے چوتھی بار وہی جواب دیا اور پھر سمٹ کر کھڑا ہو گیا۔

زبیل الگ دیوار میں سمٹی، لرز رہی تھی اور لمحہ لمحہ گن رہی تھی کہ ابھی ____ بس ابھی شاہ خانم کا عتاب اس پر نازل ہوا ہی چاہتا تھا۔

اشتارا کے یوں اچانک غائب ہو جانے پر ساری حویلی میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ عزت خان بھاگا بھاگا زمینوں کی طرف گیا تا کہ باباخان کو اشتارا کے یوں اچانک غائب ہو جانے کی اطلاع کرے۔ پسینے میں شرابور ہانپتا کانپتا وہ زمینوں تک آیا تو باباخان وہاں موجود نہیں تھے ____ وہ ذولین کی طرف بھاگا۔

"کیا بات ہے عزت خان؟" ذولین نے سامنے پڑا رجسٹر بند کرتے ہوئے خان کو گھبرایا ہوا اپنی طرف آتے دیکھ کر پوچھا۔

عزت خان اس کے سامنے رک کر اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرنے لگا۔

"اب بول بھی دے عزت!" قابل نواز جو ذولین کے پاس ہی کھڑا تھا، عزت خان کو خاموش دیکھ کر بولا۔

"وہ جی ____ اشتا ____ تارا بی بی ____" وہ گھبراہٹ میں ہکلا کر بولا۔

"کیا ہوا اشتارا کو؟" ذولین خان چونک اٹھا۔

"وہ جی ____ پتہ نہیں، خان زادی غائب ہو گئی ہیں کہیں۔"

"کیا! ____ غائب ہو گئی ہے؟" ذولین خان اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اسے لگا جیسے عزت خان نے ڈھیروں پتھر اس کے سر پر لڑھکا دیئے ہوں۔

"وہ اپنی سہیلی زرسانگہ کے گھر گئی تھیں۔ محمد سلام گاڑی میں چھوڑ آیا تھا۔ مگر جب لینے گیا تو بی بی وہاں سے نکل چکی تھیں۔ مگر پھر جانے کہاں غائب ہو گئیں۔ محمد سلام نے تو ہر راستے میں پڑنے والی سڑک دیکھ ڈالی۔ گل بی بی کے گھر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

بھی پتہ کر آیا مگر ____ مگر وہاں بھی نہیں ہیں۔" اس نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل بتا ڈالی۔

"اب کیا ہو گا جی؟" قابل نواز بھی گھبرا گیا۔ اس نے ذولین خان کی طرف مضطرب نگاہوں سے دیکھا۔

اس خبر پر ذولین کا دماغ چند سیکنڈ کے لئے چکرا کر رہ گیا تھا۔ ڈھیر سارے پریشان کن خیالات ذہن میں در آئے تھے۔

"وہ کہاں جا سکتی ہے ____ مجھ سے خفا تھی، شاہ خانم سے خوفزدہ بھی تھی۔ مگر نہیں، وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتی۔ اور اگر یہ اس کی کسی شعوری حرکت کا فعل نہیں ہے تو پھر ____ کون لے جا سکتا ہے اُسے؟" ذہن سخت منتشر ہو گیا۔

مضبوط دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

"قابل نواز ____" اس نے زور سے پکارا۔

"جی ____ جی خان!" قابل نواز جلدی سے بولا۔

"تم یہ رجسٹر سنبھالو، میں دیکھتا ہوں جا کر۔" اس نے رجسٹر قابل نواز کو دے دیا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے چابی نکالتا ہوا تیزی سے جیپ کی طرف دوڑا۔

ہر گزرتے لمحے میں اس کے ذہن میں مختلف خیالات آ رہے تھے۔

ہیبت ناک ____

پریشان کن ____

روح کو لرزا دینے والے ____

اس کی کشادہ پیشانی پر اضطراب کے کئی بل پڑ گئے تھے۔

اس طرح کہاں جاسکتی ہے اشتار؟ ____ یہ سوال اس کے لئے اُلجھن کا باعث تھا۔اس نے جیپ فُل اسپیڈ پر چھوڑ رکھی تھی۔

اُونچے نیچے ناہموار راستوں پر جیپ جھٹکے کھاتی، اُچھلتی، تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ زرسانگہ کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے جیپ روک دی۔اب اُسے سوچنا تھا کہ اشتارا کس راستے سے جاسکتی ہے؟

گل بی بی کے گھر محمد سلام پتہ کر آیا تھا،اس کا مطلب تھا کہ گل بی بی کے گھر آنے جانے والے عام راستوں پر محمد سلام نے نگاہ ڈالی ہو گی۔

اس کے دائیں بائیں دو سڑکیں تھیں، بائیں جانب نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا ذہن ٹھٹکا۔اگر اشتارا کا یہ شعوری عمل ہے تو یقیناً یہ راستہ ہو سکتا ہے۔

'خودکشی ___'

'نہیں ___' اس کا مضبوط سینے میں مقید دل یوں دھڑکا جیسے ابھی ساری پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔اس کا ذہن یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ اشتارا اس طرح کی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔وہ بظاہر دُور تھا مگر اسے سب سے زیادہ جانتا تھا۔

بہر کیف، اسے اب اشتارا کو ڈھونڈنا تھا۔اس نے نگاہیں اطراف میں ڈالتے ہوئے بائیں سڑک پر جیپ موڑ دی۔

مگر ٹوٹے پھوٹے راستوں کی وجہ سے اس نے جیپ کنارے پر ہی روک دینا مناسب سمجھا اور خود نیچے اُتر آیا۔

اچانک اس کی نگاہ سڑک کے کنارے چھوٹی کم گہری کھائی میں جا پڑی جس میں اُگی خودرو جھاڑیوں میں سیاہ کپڑا

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس جانب لپکا اور دوسرے ہی لمحے اس کی سبز آنکھوں کی ساری توانائیاں جاگ اُٹھیں۔ کھائی میں وہ بے ہوش پڑی تھی۔اس کا نقاب چہرے سے اُتر چکا تھا اور چادر جھاڑیوں میں پھنس کر کہیں کہیں سے پھٹ گئی تھی۔

"اشتارا ____"

اس نے قریب آکر بہت نرمی سے اُسے پکارا مگر وہاں گہرا سکوت تھا۔گلابی چہرے پر سیاہ پلکیں جامد تھیں۔ سفید ہاتھ سینے پر تھا جبکہ دوسرا ہاتھ زمین پر اُگی چھوٹی چھوٹی خاردار جھاڑیوں کے اوپر گرا ہوا تھا جہاں سے سرخ خون کی باریک لکیر نکل کر جم گئی تھی۔

وہ پہلی بار اس کے اتنے قریب آیا تھا۔اس کا کھلا، شفاف چہرہ نگاہوں سے اتنا قریب تھا کہ خود بخود اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔اتنی قربت پر اس کے دل میں عجیب قسم کی لہریں سی اٹھنے لگیں۔کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اپنے دل کی ساری حالت پوشیدہ رکھ کر اس حُسن ضوفگن سے رُخ موڑ کر چلا جاتا۔ مگر اس وقت وہ اس حالت میں قطعی نہیں تھی۔ وہ بے یار و مددگار، بے ہوش ایک کھائی میں پڑی تھی۔

اس نے آہستگی سے اس کی پیشانی کو چھوا۔

"اشتارا!" وہ قدرے اس کی طرف جھکا۔ پھر اچانک اس کے لمس کی کرنیں اُسے بیدار کرنے لگیں۔ساکن پلکیں تھر تھرائیں، گلاب گلاب لب وا ہوئے۔

"آہ ____" ایک ہلکی سی سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

"اشتارا! آنکھیں کھولو۔" دھیمے، گمبھیر لہجے کی یہ سرگوشی اشتارا کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور چند لمحے اپنے سامنے بیٹھے ذولین خان کو خالی خالی نگاہوں سے تکنے لگی۔

گزرے لمحے یکلخت اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے ____ سیاہ بڑے بڑے خونخوار کتے نہ جانے کہاں سے نکل کر اس کے پیچھے لپکے تھے۔ اتنی ہیبت ناک آواز کے ساتھ اسے دیکھ کر بھونکے تھے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے بھاگ کھڑی ہوئی تھی اور پھر اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی تھی۔

ایک تواتر سے سارا منظر نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

یکلخت اسے اپنی حالت کا خیال آیا تو بوکھلا اٹھی ____ جھاڑیوں میں پھنسی چادر کھینچ کر جسم میں ڈالی اور اُٹھ کر پیچھے کھسک کر بیٹھ گئی۔

"مم۔۔۔۔۔۔ میں ڈر گئی تھی کتوں سے۔" اُس نے پلکیں جھکا دیں۔ وہ بغور اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز پر وہ اپنی محویت سے بیدار ہوا۔

"آں۔۔۔۔۔۔ ہاں ____ شکر ہے کہ تم ٹھیک ہو۔" وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "تمہیں اس طرح تنہا کہیں بھی نہیں جانا چاہئے۔ شاید گل بی بی کی طرف جا رہی تھیں۔" اس نے صحیح اندازہ لگایا۔

"ہاں۔" وہ مختصراً بولی اور اٹھنے کی سعی کرنے لگی۔ مگر درد میں ڈوبا جسم ساتھ نہ دے سکا اور ایک کراہ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑائی تو ذولین نے جلدی سے تھام لیا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی ستارہ آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا۔

اس کی آنکھوں کی جھلملاہٹ سے وہ اس کی تکلیف کو محسوس کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے چہرے کی کرختگی میں نرمی پیدا ہو گئی تھی۔

"ہمت کرو ____ میری جیپ قریب ہی کھڑی ہے۔ دیکھو، موسم بھی اپنا رخ بدل رہا ہے۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ مٹیالے بادل نہ جانے کہاں کہاں سے آکے جمع ہو رہے تھے۔

"کیا واقعی موسم اپنا رُخ بدل رہا ہے؟" اُس کے لہجے کی نرمی پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ لمحہ بھر کے لئے اپنا سارا درد بھلا بیٹھی ____ وہ اس کے اتنے قریب کھڑا، اس کے لئے

پریشان تھا۔ اس کے وجود کو سہارا دیتے ہوئے، سارے جہاں کی حلاوت سموئے۔ کیا یہ خواب نہیں تھا؟

"محمد سلام نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈا۔ شاید ان راستوں پر نہیں آیا۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"تو کیا تم پریشان ہو کر مجھے ڈھونڈنے نکل آئے؟ آہ ____" اُس کے اندر ایک سرشاری سی اُترنے لگی۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کبھی تو اس بے درد کی زندگی میں کوئی لمحہ اس کا اپنا ہو۔

پھول سا نرمل لمحہ، آج اس کو مل گیا تھا تو وہ کیسے کھو دیتی۔

'اے مغرور آنکھوں والے! آج یہ کرم کیوں؟' اُس نے اپنی ابریشمی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ سرمئی کُرتے، شلوار میں وہ اس کے سامنے تھا۔ ہمیشہ کی طرح جاذبِ نظر۔ اُس کے دل کا سکون غارت کر رہا تھا۔ آج ان آنکھوں میں فکر مندی تھی، پریشانی تھی۔

"اشارا ____ اشارا! کیا پاگل ہو گئی ہو؟" وہ اُسے خواب کی سی کیفیت میں دیکھ کر جھنجھلا اٹھا۔ "چلو آؤ ____" اُس نے اس کے نرم بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

"ٹپ۔۔۔۔۔۔ ٹپ۔۔۔۔۔۔ ٹپ۔۔۔۔۔۔"

آسمان سے بوندیں تواتر سے گرنے لگیں۔ پھر اچانک یہی بوندیں تیز ہو گئیں۔ وہ اس کے بازو کا سہارا لئے دھیرے دھیرے چلنے لگی۔

اچانک ذولین خان کی نگاہ اس کی سفید مرمریں کلائی پر پڑی جہاں سے خون دوبارہ بہنے لگا تھا۔ اس نے جیپ کے پاس

اُسے روک کر اس کی کلائی تھام لی۔

"بہت زیادہ خون بہہ رہا ہے۔"

"ہاں، شاید کوئی نوک دار پتھر لگ گیا تھا۔" اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

ذولین خان نے جیکٹ کی جیب سے اپنا رومال نکالا اور اس کی کلائی تھام کر زخم پر مضبوطی سے باندھنے لگا۔ اشارا چند ثانیے حیرت سے اسے دیکھتی رہی ____ یہ یکایک زندگی کا رُخ کیسے بدل گیا ____؟ کیا اس کی بیزار طبیعت میں پیار پیدا ہو گیا تھا یا محض ہمدردی تھی؟

وہ آنکھیں پوری کھولے اس ستم گر کو دیکھنے لگی جو آج اُسے حیرتوں کے سمندر میں لمحہ لمحہ دھکیل رہا تھا۔

کاش ____ کاش یہ لمحے امر ہو جائیں۔ یہ وقت کبھی نہ ختم ہو ____ وقت کی نبضیں تھم جائیں۔

اس کے دل میں یہ خواہش مچل کر رہ گئی۔

ذولین خان نے رومال باندھ کر نگاہیں اوپر اٹھائیں تو وہ سحر انگیز ستارہ صفت نگاہیں اسی کی جانب محو تھیں۔

یکایک اس کے مضبوط سینے میں مقید دل میں شعلہ سا لپکا۔

وہ کچھ کہتی آنکھیں

ایسی ساگر سا گر آنکھیں

اتنا جاذب نظر چہرہ۔

معاً اس نے لب بھینچ کر نگاہیں پھیر لیں۔

ایک کرب سمٹ آیا اس کے دل کی سرزمین پر۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا، یہ شنگرفی لب، یہ گلاب، گل تر سے بھی خوش رنگ عارض، یہ طلائی رنگ گیسو، یہ شفق رنگ چہرہ اس کا نہیں بن سکتا۔

وہ انجام سے باخبر تھا اور خوفزدہ بھی کہ یہ خوش رنگ گھٹائیں کہیں دُور برس جائیں گی اور وہ یونہی تشنہ لب رہ جائے گا۔

نہیں ____ وہ تشنگی کے عذاب سے دوچار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے دل کے اندر مچلتے شعلوں کو ہوا دینے کی بجائے ان پر بے حسی کی برف جما دینا چاہتا تھا۔

ہر جذبہ، ہر احساس، ہر خیال منجمد کر دینا چاہتا تھا۔

"ذولین خان! کیا یہ صرف "ہمدردی" ہے ____؟" اشارا کے لبوں پر بے اختیار یہ سوال مچل اٹھا۔

ذولین خان نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی اور امید افزا نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ معصوم معصوم چہرہ ذولین کے دل کو گھائل کر دینے کو کافی تھا۔

"تم خان چچا کی امانت ہو اور میں خان چچا سے وابستہ ہر شے کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

وہ ساری نرمیاں، لہجے کی ساری حلاوت یکسر غائب ہو گئی تھی۔

وہ چٹان صفت لہجہ جو اشارا خان کے دل کی نرم نرم دیواروں کو لہو کر گیا۔ وہ سناٹے میں رہ گئی۔ کیا یہ محض خواب تھا؟ ____ اس کی آنکھوں میں سجی کاجل کی لکیر بے اختیار بھیگتی چلی گئی اور آنکھیں یکسر سمندر بن گئیں۔

محبت بالآخر دُکھ ہی دیتی ہے۔ وصل ہو یا ہجر، یہ کانٹوں سے پُر راستہ ہے جو قدموں کو فگار کر دیتا ہے۔

اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ لمحوں میں جڑ پکڑتی اُمیدیں پھر سے سوکھنے لگی تھیں۔ دل ٹوٹتے ہی جسم کی ساری تکلیف جاگ اٹھی۔ ننھی ننھی خوشگوار بوندیں اسے آگ میں لپٹی گولیاں محسوس ہونے لگیں۔

"ذولین خان! کیا واقعی آپ جیسے نظر آتے ہیں اندر سے بھی ویسے ہی ہیں؟" اُس نے بکھرتے لہجے میں پوچھا تو وہ چونکا۔

اس کا دل اندر ہی اند پگھلنے لگا۔

"نہیں اشتار امہروز! میرے دل پر بے اعتنائی اور نفرت کی محض راکھ جمی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی یہ اُڑنے لگتی ہے تو اندر سے بہت نرم، بہت شیتل نظر آتا ہے۔'

"ہاں شاید ____" اس نے بہت کھردرے اور کرخت لہجے میں جواب دیا اور جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

وہ جلد از جلد حویلی پہنچ جانا چاہتا تھا۔

وہ اس کے قریب بیٹھی اس کے دل کی دنیا کو زیروزبر کر رہی تھی۔ عجیب سے شوریدہ سر جذبے دل کے ساحل پر سر پٹخ رہے تھے ____ وہ ٹوٹنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہارنے سے خوفزدہ تھا۔

اس کے وجود سے اٹھتی مہکی مہکی خوشبو اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ اس کے قرب کی آنچ اس کی ہستی پر طلسم طاری کر رہی تھی۔

"نہیں ذولین خان! تم انتقام لے رہے ہو ____ اپنی محرومیوں کا بدلہ لے رہے ہو۔ ایک شخص کی نفرت کا انتقام تم اس کی پوری صنف سے لے رہے ہو۔ یہ مردانگی نہیں ہے ذولین خان!" وہ اچانک پھٹ پڑی۔ اس کا دل غموں کے بوجھ سے ٹوٹنے لگا تھا۔

وہ متحیر رہ گیا۔ خود بخود اس کا پیر بریک پر پڑا اور جیپ اچھل کر رک گئی۔

"تم بظاہر چٹان نظر آنے والے، دراصل بزدل ہو، کم ہمت ہو۔ تم اپنے اندر کی جمع شدہ آگ کو ٹھنڈا نہیں کر سکتے تو مجھ پر برساتے رہتے ہو ____ شاید اس طرح میرا تڑپنا شاہ خانم کو بکھیر کر رکھ دے ____ میری لمحہ لمحہ موت شاید ان کا سکون غارت کر دے۔ ہے نا یہی بات؟ بولو، جواب دو۔" وہ دیوانی ہو گئی۔ وہ اس کا بازو تھام کر جھنجھوڑنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کا سمندر بہنے لگا۔

"اشتارا!" وہ چیخ اٹھا ____ اس کے دونوں ہاتھ اپنے قوی ہاتھ میں جکڑ لئے۔

"چھوڑ دو مجھے ____ چھوڑ دو۔" وہ اس سے بھی زور سے چیخی۔ "تم ایسے مرد ہو جو محض ہر لمحہ، ہر وقت اپنی انانیت کی تسکین کا سامان ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ تم نے یہ کھردرا لبادہ صرف اور صرف میرے لئے پہن رکھا ہے ____ محرومیوں، اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا بدلہ اشمل خان سے یا بابا خان سے کیوں نہیں لیتے؟ ____ تم نے ایک عورت کے ہاتھوں دُکھ سہے ہیں ____ تم بزدل ہو، محض اپنی ...." وہ جنونی آواز میں چلا رہی تھی مگر اس کے بقیہ لفظ حلق ہی میں رہ گئے۔

"چٹاخ" کی آواز کے ساتھ ہی اس کے نرم رخساروں پر سرخ نشان اُبھر آیا تھا۔ ذولین کے تھپڑ نے اُسے گنگ کر دیا تھا۔

بڑی بڑی آنکھوں کی پتلیاں ساکن ہو گئیں۔ انگارہ ہوتے رخسار پر ہاتھ رکھ کر اس نے ذولین خان کو ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"میں اپنی ذاتیات میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں دے سکتا۔ میری زندگی میری ذاتی ہے۔ چاہے میں کسی طرح بھی بسر کروں۔" اس نے تپتے ہوئے لہجے میں کہا اور جیپ اسٹارٹ کر دی۔

'مگر میں کیا کروں کہ میرے حصے کی ساری روشنیاں تمہاری ہتھیلی میں اُتری ہیں۔ چاہو تو تم مٹھی کھول کر میرا دل منور کر دو۔ چاہو تو ظلمتوں میں دھکیل دو۔'

وہ سوچنے لگی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی سسکیاں ذولین خان کے دل کی دیواروں سے ٹکرا کر اس کے لئے اذیت کا باعث بن رہی تھیں۔ مگر وہ چپ رہا۔ خود اس کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن سخت منتشر ہو گیا تھا۔ وہ اس کی تسلی تشفی کرنے کو قطعی آمادہ نہ تھا۔

اس کی روح بے قرار تھی۔ اس کے دل میں عجیب جذبے مچل مچل اٹھتے تھے مگر ذہن ان جذبوں کی پذیرائی کے لئے تیار نہ تھا۔ دل ودماغ کے چکر میں گرفتار آدمی دوطرفہ ہوا کے درمیان نرم ونازک شاخ کی مانند ہوتا ہے جو کسی وقت بھی بادِ مخالف کے تیز جھونکوں سے ٹوٹ سکتی ہے۔ اور وہ کسی قیمت پر بھی ٹوٹنے کو تیار نہ تھا۔

اس نے جیپ حویلی کی طرف جانے والی سیدھی سڑک پر ڈال کر ایک نظر اس کے آزردہ جمال پر ڈالی۔

"تم محبت کو کیا سمجھتی ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ مگر وہ چپ رہی۔ احساسِ تذلیل سے اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا____ وہ اس سفاک انسان کی طرف اب دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"یقیناً کوئی خوشنما پھول یاد مکتا رنگ____ جسے ہاتھ بڑھا کر مٹھی میں جکڑ لو گی۔ ہے نا؟ اگر یہی سوچ رہی ہو تو یہ سراسر بے وقوفی ہے____ ہم جہاں کھڑے ہیں وہاں محبت وقت کے اس منہ زور وسیع سمندر میں ڈولتی پرانی ناؤ کی طرح ہے۔"

'نہیں ذولین خان! یہ سب خود کو بہلانا ہے۔ جو محبت کے لمس سے آشنا نہیں ہوتے نا، وہ اسے اتنی ہی خوفناک شے سمجھتے ہیں۔" اس نے کرب سے سوچا مگر کہا کچھ نہیں۔

جیپ حویلی کے بڑے سے پورچ میں رکی تو وہ چہرہ چادر سے رگڑ کر اس کی سمت دیکھے بغیر اترنے لگی۔

"اشتارا!" ذولین نے اُسے پکارا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ "اب آئندہ اس طرح تنہا چھپ کر کہیں مت جانا۔ ضروری نہیں ہر بار تم حادثاتی موت کو شکست دے سکو۔" اس کا لہجہ ناصحانہ تھا۔ اشتارا نے لب بھینچ لئے۔

"کاش میں اس وقت موت کو شکست نہ دے سکی ہوتی۔ لمحہ لمحہ ہزیمت کے احساس کا شکار ہونے سے تو یہی بہتر ہوتا۔" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا اور نیچے اتر آئی۔

آزردہ چہرہ۔

بھیگی بھیگی پلکیں۔

اور لہجے کا اتنا بکھراؤ۔

ذولین خان کی پسلیوں میں دبا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اس نے کلائی سے رومال کھینچ دیا۔ رومال کی سخت رگڑ سے خون دوبارہ بہنے لگا۔

"یہ کیا کر رہی ہو اشتارا؟" وہ جیپ سے اتر آیا۔ اس کی آنکھوں میں خفگی سمٹ آئی۔

"میں ہمدردی سے نفرت کرتی ہوں۔" اس نے اس کی برہمی کا قطعی نوٹس نہ لیا۔

ادھر عزت خان اشتارا کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر اچانک دوسری طرف پریشان کھڑے شاہ خانم اور بابا خان کی طرف دوڑا۔ مگر بابا خان اور شاہ خانم اسے دیکھ چکے تھے۔ وہ پورچ کی طرف بڑھے۔

"اشتارا بیٹی!" بابا خان کے بے قرار وجود میں جیسے ٹھنڈک سی اتر گئی۔

"بب____ بابا خان!" وہ بابا خان کو دیکھ کر دیوانہ وار ان کی طرف لپکی اور ان کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

زیبل اور خیزراں بھی اس طرف دوڑی آئی تھیں۔

"ایک گڑھے میں پھسل کر گر گئی تھی۔" ذولین خان سب کو مختصراً بتا رہا تھا۔ "پہاڑی کتے ان کے پیچھے بھاگے تھے۔"

"خدا کا شکر بچ گئی۔ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں بیٹا؟" باباخان نے اس کے بالوں پر پیار بھرا بوسہ دے کر پوچھا۔

'بہت چوٹیں آئی ہیں باباخان! آپ تو کیا کوئی بھی اس کا مداوا نہیں کر سکے گا۔' وہ دل ہی دل میں کہہ کر رہ گئی۔

"نہیں، بس بے ہوش ہو گئی تھی۔" اس نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

شاہ خانم بھی قریب آ گئی تھیں۔ انہوں نے ایک نظر ذولین خان پر ڈالی اور لب بھینچ لئے۔ ان کے اندر بسی نفرت کے انگارے پھر سے جلنے لگے۔ وہ ذولین کے ہمراہ آئی تھی۔ اتنا سفر بھی اسی کے ہمراہ طے کیا۔ انہیں بھلا کیسے گوارا ہوتا ____ وہ ویسے بھی اشارا کا جھکاؤ ذولین کی طرف وقت کے ساتھ بڑھتا دیکھ کر پریشان ہو کر رہ گئی تھیں۔

"آؤ ____ اندر آ جاؤ۔" انہوں نے اشارا کو سنبھالا۔ زیبل نے بھی دوڑ کر اشارا کو تھام لیا۔

"آؤ ذولین! تم بھی اندر آؤ۔" باباخان نے اسے جاتا دیکھا تو پکارے۔

"نہیں خان چچا! میں اب ذرا زمینوں کی طرف جاؤں گا۔ ویسے بھی خاصا وقت برباد ہو گیا ہے۔"

اس نے دانستہ یہ جملہ شاہ خانم کو جتانے کے لئے کہا اور بڑے بڑے ڈگ بھرتا جیپ کی طرف آ گیا۔

...☆☆☆...

"اچھا تو جناب! آپ کو اپنی دھرتی کی یاد آ گئی اچانک، یا کسی الہڑ دوشیزہ کی یادیں دل میں گھنگرو بجا رہی ہیں؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"اُوں، ہوں ____ احسن! کبھی تو سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر میرے پاس آیا کرو۔" وہ اپنا سیاہ چمڑے کا بیگ بھر رہا تھا، پلٹ کر اس کی طرف تنبیہی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"کیوں ____ تم ایک سنجیدہ سب کے لئے کافی نہیں ہو، میں بلاوجہ لوگوں کی ویران زندگی کو مزید ویران کر دوں۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"سنو، تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" وہ گھوم کر بیڈ پر بالکل اس کے سامنے دراز ہو گیا۔

"تم نے کوئی سوال ہی کب پوچھا ہے ____ صرف بکواس کی ہے۔" اس نے بیگ کی زپ بند کر کے بیگ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"پوچھ تو رہا ہوں ____ اپنی دادی یاد آ رہی ہے یا کوئی مٹیاری؟"

"بہت عرصہ ہو گیا ہے حویلی گئے ہوئے۔ سوچا ایک ہفتہ یہاں پڑے رہنے سے بہتر ہے وہاں گزار آؤں۔ باباخان اور شاہ خانم بھی بہت کہتے ہیں۔" اس نے احسن کے بے تکے سوال کا انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا تو احسن نے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے، ہمیں اُداس کر کے جا رہے ہو۔"

"تو تم بھی چلو نا میری وادی میں۔" اس نے الماری کھول کر اپنا سیاہ کُرتہ شلوار نکالتے ہوئے احسن کو دعوت دی۔

"ہاں یار ____ ضرور آتا۔ مگر تین دن بعد میری فیانسی کی سالگرہ ہے۔"

"خوب ____ اتنے جھگڑے کے بعد بھی تم اس کی سالگرہ میں شرکت کرو گے۔" اشمل خان استہزائیہ ہنسا۔

"تم ایک محبت بھرا دل نہیں رکھتے اس لئے ہنس رہے ہو یار! دل اپنی دسترس میں ہوتا تو اس کی صورت بھی نہ

دیکھتا۔ ویسے جانا بھی ضروری ہے۔ اگر نہیں گیا تو اس "دردِ سر" کو ایک اور بہانہ مل جائے گا شکوہ کرنے کا۔" اس نے ہمیشہ کی طرح اپنی منگیتر کو دردِ سر کے خطاب سے نوازتے ہوئے کہا۔

"اچھا سنو!" وہ بیڈ سے اُتر آیا۔ "وہاں سے جلدی واپس آجانا۔ یہ نہیں کہ وہیں چپک کر رہ جاؤ۔"

"ارے نہیں، وہاں زیادہ دن کیسے رہ سکتا ہوں ____ یہاں الیکشن سر پر ہیں۔ اچھا ہاں، سنو۔ جونہی یونیورسٹی کے حالات معمول پر آتے دکھائی دیں، تم مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔ اور ہاں، اپنی گاڑی کی چابی یہیں چھوڑ کر جاؤ۔"

"کیوں؟" احسن نے بغور اسے دیکھا۔ "تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟"

"وہ ورکشاپ میں پڑی ہے۔ شاید کل صبح تک مل جائے۔ اور مجھے اس وقت شاپنگ کرنی ہے۔"

"تو کیا میں بس میں لٹکتا ہوا جاؤں گا؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"اوفوہ بھئی، میں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دوں گا۔ بلکہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں تمہاری فیانسی کے گھر بھی ڈال آؤں گا۔" وہ پہلی بار پُر مزاح انداز میں کہتا ہوا باتھ روم میں جا گھسا اور احسن بند دروازے کو گھورتا رہ گیا۔ پھر ایک میگزین اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اشمل باتھ روم سے نمودار ہوا۔

"ویسے ریحان پراچہ نے یہ ہنگامہ کر کے اپنے ہی حق میں برا کیا ہے۔ دیکھو نا، اب سراج کیانی کو سب نے فائرنگ کرتے دیکھا ہے۔" اس نے تولیہ کرسی کی پشت پر پھیلا کر گزرے ہوئے واقعے پر تبصرہ کیا۔

"ہوں ____ مگر ہمارے جلسے کا بیڑہ غرق تو ہو گیا نا۔" احسن میگزین پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی چال ہو۔ شر پسند اسٹوڈنٹس تو ویسے بھی اس کی ہی طرف داری کر رہے ہیں۔ ویسے

ہشمینہ ابرار نے اس کی تنظیم میں آکر ہمارا بیڑہ غرق ہی کیا ہے۔"

احسن کی بات پر اشمل خان کی نگاہوں میں بے ساختہ ہشمینہ ابرار کا سرخ سرخ چہرہ اور غصے میں بھری آنکھیں لہرا گئیں۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تم ایک لڑکی سے ڈر گئے ____ جبکہ میرے خیال میں وہ ہمارے لئے قطعی بے ضرر ہے۔" اس نے بالوں پر برش پھیرتے ہوئے کہا۔

"واہ ____ خوب ____ ہشمینہ ابرار اور بے ضرر۔ بڑی جلدی ترقی کر رہے ہو۔" احسن نے معنی خیز تبسم سے اشمل کو گھورا۔ مگر اشمل قطعی نہ سمجھ سکا۔ قدِ آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے پلٹ کر احسن کو دیکھا۔

"کس قسم کی ترقی؟"

"آج وہ تمہیں بے ضرر لگی ہے ____ کل کلاں "پیاری" لگنے لگے گی۔ اور اس کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔"

"تمہاری تان ہمیشہ اسی طرح کی باتوں پر ٹوٹتی ہے۔" اشمل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

احسن نے جو نتیجہ نکالا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اُسے احسن کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔

"کبھی تو انسانیت کے لبادے میں رہ کر گفتگو کر لیا کرو۔" اس نے آئینہ کی طرف دیکھا اور برش بالوں میں پھیر کر ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ دیا اور میز پر پڑی چابی اٹھا لی جو کہ احسن کی گاڑی کی تھی۔

"تو میں کیا حیوانیت کے لبادے میں آتا ہوں تمہارے پاس؟" احسن نے منہ بنایا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ویسے یار! تم واقعی اس لطیف احساس سے خالی ہو جسے محبت کہتے ہیں۔"

"میرے خیال میں تمہارے اندر یہ احساسات کچھ زیادہ ہی مقدار میں جمع ہو گئے ہیں۔ بہر کیف، میرے لئے یہ

موضوع نہایت فضول سا ہے۔ سو میں تو چلا۔" وہ اپنا پرس اٹھا کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

"موضوع فضول ہو گا۔ مگر میں تو فضول نہیں ہوں جو مجھے اس طرح بے آسرا چھوڑے جا رہے ہو۔" احسن جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"تو پھر نہایت شرافت سے میرے ساتھ چلو۔" اس نے پلٹ کر احسن کی جانب دیکھا جو جلی کٹی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کے اس انداز پر اشمل خان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

احسن کو اس کے گھر پر ڈراپ کر کے وہ خود مارکیٹ چلا آیا۔ وہ وادی جانے سے پہلے سب کے لئے کچھ تحائف لے کر جانا چاہتا تھا۔ پورے تین ماہ کے بعد وہ حویلی جا رہا تھا۔ اس کا دل اندر سے بے حد سرشاری محسوس کر رہا تھا۔

"شاہ خانم، بابا خان، اشارا____ فرداً فرداً سب کے چہرے اس کی نگاہوں تلے آ کر مسکرائے جا رہے تھے۔

ذولین خان____ اس کا دوست____ اس کا عمزاد____ اس کا بچپن کا ساتھی۔ اس کے عنابی لب بے اختیار ذولین خان کی محبت میں مسکرا اٹھے۔

'کتنا مشکل شخص ہے ذولین____ مگر نہ جانے کیوں شاہ خانم اس سے کبیدہ خاطر رہتی ہیں۔'

وہ گاڑی کو شاپنگ سنٹر کے سامنے پارک کر کے نیچے اتر آیا اور پُر رونق سڑک کے کنارے بنی روش پر دھیرے دھیرے چلنے لگا۔ اس کے دائیں طرف بہت سی دکانیں تھیں جو طرح طرح کی چیزوں سے سجی ہوئی تھیں۔ روئیں دار کوٹ، بالوں والے ملائم جوتے، خوش نما قالین، لیڈیز بوتیک____ وہ ہر دکان پر گہری نظر ڈال کر سوچنے لگا۔ اُسے بہت سی چیزیں خریدنی تھیں۔ سب سے پہلے اسے کیا لینا چاہیئے۔ شاہ خانم کے لئے خوبصورت شالیں، بابا خان کے لئے عمدہ سوٹ کا تحفہ اور اشارا کے لئے ڈھیروں چیزیں____ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اشارا اُسے بے حد عزیز تھی۔

وہ ابھی خریداری سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ معاً ایک بڑی سی دکان کے پاس ایک مانوس چہرہ نظر آیا۔ اسے پہچاننے میں قطعی دشواری نہ ہوئی۔ وہ اشناس تھا۔ اشناس نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور دوسرے ہی لمحے دونوں بغل گیر ہو گئے۔

"واہ یار! ابھی اسی شہر میں ہو اور مجھے بتایا نہیں۔" اس نے شکوہ کیا تو اشمل خان مسکرایا۔

"بس اب آخری سال ہے____ ویسے کل وادی جا رہا ہوں ایک ہفتے کے لئے۔ تم سناؤ، سب ٹھیک ٹھاک ہیں؟"

"جی____ سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ چلو میرے ساتھ گھر۔ وہاں خوب باتیں ہوں گی۔" اشناس نے اسے سوچنے کی مہلت نہ دی اور اسے تھامے کار پارکنگ سائیڈ پر لے آیا۔

"ارے نہیں اشناس! پھر کبھی سہی۔"

"کیوں____ آج کیوں نہیں؟____ میں جانتا ہوں تمہاری یہ پھر کبھی آئے گی ہی نہیں۔" اشناس نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

" بھی اس دن خفا ہوئے تھے مجھ پر کہ تمہیں جب اشمل ملا تھا تو اُسے گھر کیوں نہیں لائے؟ آج ان کی ناراضگی ختم کر دوں گا۔" اُس کا لہجہ حتمی تھا۔

اشمل خان نے زیادہ تامل نہ کیا۔ ویسے بھی اشناس سے اس کی خاصی فرینڈشپ تھی۔ وہ اس کی گل بی بی کی نند کا بیٹا تھا۔ اس مضبوط رشتے داری نے اُسے زیادہ سوچ بچار کرنے پر مجبور نہ کیا۔

بہت عرصے بعد وہ ابرار احمد کے خوبصورت بنگلے میں آیا تھا وہ بہت خوش ہوئے تھے اور ڈھیر سارے لوازمات امی نے ان کے سامنے میز پر سجا دیئے تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"ان سارے تکلّفات کی کیا ضرورت تھی آنٹی؟" اس نے امی کے شفیق چہرے کی طرف دیکھ کر شکایتی لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیں۔

"اشناس کی بیوی کو بہت شوق ہے مہمانوں کو اپنے ہاتھ کی بنی چیزیں کھلانے کا۔ خوش ہوتی ہے وہ۔" انہوں نے کہا تو اشناس بے ساختہ ہنس پڑا۔

"کم کم کھانا____ بعد میں کچھ ہو جائے تو اس کے ہم ذمے دار نہیں ہوں گے۔" اس نے اشمل کو دیکھ کر کہا۔

"اچھا، تو وہ اپنے تجربات مہمانوں پر آزماتی ہیں۔" اشمل نے بھی پُر مزاح انداز میں کہا۔

"اور سنائو، وادی میں سب خیر خیریت ہے؟ پچھلے ماہ بڑی زوروں کی برف باری ہوئی تھی۔" اشناس نے سنجیدہ گفتگو کا آغاز کیا۔

"مجھ سے زیادہ تو وہاں کی تمہیں خبر رہتی ہو گی____ پھوپھا جان آتے رہتے ہیں نا یہاں۔"

"ہاں، ہاں____" ابرار احمد نے سر ہلایا۔ وہ بتا رہے تھے، شاندانہ کی منگنی کر دی ہے۔"

"اچھا____" اشمل خان کے لئے یہ نئی خبر تھی۔ تو آخر پھوپھا جان راضی ہو گئے۔ کسی ایک رشتے پر اُسے واقعی دلی مسرت ہوئی۔ اُسے تو شاندانہ اور حور مینا کو دیکھے بھی ایک سال ہو گیا تھا۔ شاہ خانم جانے کیوں ان رشتوں کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی بجائے انہیں اُکھاڑ دینے کے درپے تھیں۔ پرانی رنجشوں کو وہ وقت کے ساتھ ساتھ اور بھی مضبوط کر رہی تھیں۔ نفرت، حسد اور ناچاقی جیسے جذبات کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہئے۔ انہیں تو کسی پانی کے بلبلے کی طرح ہونا چاہئے۔ بنا اور بکھر گیا۔ یا جیسے گہرے بادل گرجے، برسے اور پھر مطلع صاف۔

مگر یہ اس کی سوچ تھی۔ اور وہ اپنی سوچ، اپنے خیالات شاہ خانم پر حاوی نہیں کر سکتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"تمہیں نہیں خبر اس کی؟" امی نے اسے اس خبر پر حیران اور خوش ہوتا دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں____ میں تین ماہ سے وادی گیا ہی نہیں۔ اور پھر فون پر بھی کوئی ایسی بات نہیں بتائی ہے شاہ خانم نے۔ خیر اب جائوں گا تو گل بی بی سے خود ملوں گا۔"

"آپ اپنی گاڑی کی چابی تو دیں پلیز۔" اس کھنکتی مانوس آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ اس کی مضبوط ہتھیلی میں جمی چائے کی پیالی میں ہلکا سا ارتعاش ہوا۔

"بالکل نہیں، اسے چابی مت دیجئے گا۔ یہ آپ کی گاڑی کا بھی حشر نشر کر آئے گی۔" اشناس اس کی حیرانگی سے بے خبر کہہ رہا تھا۔ مگر ہثمینہ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی۔ اچانک اس کی نظر اشمل خان پر پڑی۔ اس کے قدم اپنی جگہ ایسے جم گئے تھے جیسے اب کبھی بھی ہل نہیں پائیں گے۔ مخالف پارٹی کا لیڈر "اشمل خان خل زئی" اس کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

دونوں عالمِ تحیر میں گھر کر رہ گئے۔ اس چہار دیواری میں ایک دوسرے کی موجودگی دونوں کے لئے استعجاب کا باعث تھی____ اشمل خان نے پہلی بار اُسے گہرے کاسنی سرسراتے ریشمی لباس اور بکھری ہوئی ابریشمی زلفوں اور بے تحاشا جگمگاتی آنکھوں میں سجی کاجل کی لکیر کو دیکھا تھا۔ وہ عام دنوں سے زیادہ حسین اور منفرد لگ رہی تھی اور وہ کسی حسین تراشیدہ مجسّمے کی طرح ایک جگہ نصب تھی۔

"تمہاری گاڑی کو کیا ہوا ہے؟" ابی اس سے پوچھ رہے تھے۔ وہ یوں چونکی جیسے اس بیوٹی کوئن کو سو سال نیند لینے کے بعد اچانک ایک شہزادے نے جگا دیا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے سارے حواس مجتمع کئے۔

"وہ________ مم________ میری گاڑی پول سے ٹکرا گئی۔" اس نے نگاہیں کی طرف اٹھا کر صاف گوئی سے کہہ دیا۔ "اس کا بریک خراب ہو گیا تھا ابی!" اس نے یہ کہتے ہوئے ایک بار دزدیدہ نگاہوں سے اشمل خان کی طرف

دیکھا۔ مگر اب وہاں ایک گہری بے نیازی سمٹ آئی تھی۔

وہ سنہری، بھوری آنکھیں کسی جھیل کی مانند پُر سکون ہو گئی تھیں۔اس کے وجیہہ چہرے پر چند لمحے پہلے در آنے والا تحیر کا شائبہ تک نہ تھا۔

بہت کمال حاصل تھا اسے اپنے تمام تر جذبات پر۔ مگر اس کے ذہن کی سُوئی بری طرح اٹک گئی تھی کہ اشمل خان کی اس کے ڈرائنگ روم تک رسائی کس سلسلے یا کس رشتے کی کڑی ہے۔

"اوہ سوری____ابی اچانک چونکے۔"اشمل! یہ ہشمینہ ہے، میری بیٹی۔اس نے بھی یونیورسٹی جوائن کی ہے۔" انہیں اشمل کی موجودگی کا احساس ہوا تو تعارف کرانا مناسب سمجھا۔

"جی____" اشمل خان نے رسمی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر ایک انجان نگاہ اس پر ڈالی۔

"اور ہشمینہ بیٹی! یہ اشمل ہے، تمہاری ممانی کا بھتیجا یعنی شاہ خانم کا بیٹا۔"

"دھڑ۔۔۔۔۔۔دھڑ۔۔۔۔۔۔دھڑ۔۔۔۔۔۔"

ہشمینہ کے حواس پر ایک بار پھر بجلی سی لپک گئی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر ایک بار پھر اشمل خان کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ کوئی عجوبہ رہا ہو۔اس نے گل بی بی کے پاس شاہ خانم کی تصویر دیکھی تھی۔

ایسی ہی شفاف آنکھیں تھیں۔

ایسی ہی مغرور کھڑی ناک۔

"اچھا____یہ لو چابی۔اور دیکھو بیٹا! دھیان سے چلانا۔" ابی نے جیب سے چابی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تاکید کی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اس نے جلدی سے چابی اچک لی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاں____سیاست میں وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو اچھی سیاست کرنا جانتے ہیں۔ محض لفاظی یا منفی سوچ اپنا کر کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔" اشمل خان کے لفظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ وہ اشناس کے کسی سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔اب ان کے درمیان موضوع سیاست تھا۔

"اب تو لڑکیاں بھی محض تفریحاً سیاست میں داخل ہو رہی ہیں۔" اُس کے جملے در پردہ اس کو سنانے کے لئے تھے۔

ایک دہکتا انگارہ اُسے جیسے چھو گیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔اس کا دل چاہا وہ پلٹ کر کوئی سخت بات اُسے سنائے۔ مگر اپنی پوزیشن کا خیال کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

ہمیشہ کی طرح اشمل خان نے یہاں بھی ایک بے ساختہ طنز کیا تھا۔اس کی ذات پر وہ سلگتی باہر آئی تو بھابی کچن کے دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔اسے دیکھا تو جلدی سے بولیں۔

"اے، جانتی ہو کون آیا ہے؟____شاہ خانم کا بیٹا، اشمل خان۔"

"جانتی ہوں____" اس نے کندھے اچکائے اور فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں انڈیلنے لگی۔ اس لمحے اس کے کھولتے ذہن کے لئے ٹھنڈے پانی کی اشد ضرورت تھی۔

"تم جانتی ہو؟" بھابی متعجب ہو گئیں۔

"یہ وہی اشمل خان ہے جو مخالف پارٹی کا لیڈر رہے۔" غٹا غٹ گلاس خالی کر کے اس نے بھابی کی سماعت پر نئے انکشاف کا دھماکا کیا۔

"ایں____" بھابی اپنی جگہ سے اچھلیں اور اس تک آپہنچیں۔ "کک____کیا وہی اشمل____اوہ گاڈ!"

"بہت کرتی تھیں نا اُس کی حمایت آپ۔" اس نے بھویں اچکا کر بھابی کو دیکھا۔ "وہی ہے شاہ خانم کا لاڈلا سپوت۔"

"نہیں ____ یہ بہت مختلف ہے شاہ خانم سے۔ ممانی جان اس کی بہت تعریفیں کرتی تھیں۔" بھابی نے جلدی سے اس کے خیال کی نفی کی۔ "ویسے تم کیا پہلے ہی سے جانتی تھیں کہ یہ شاہ خانم کا بیٹا اشمل خان ہی ہے؟" بھابی ابھی تک حیران تھیں۔ ان کی حیران آنکھیں ہثمینہ کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"نہیں ____ یہ دونوں انکشافات مجھے خود آج ہی ہوئے۔" بہر کیف اس نے اپنے اوپر سے حیرانگی کے تمام در بند رکھے۔ اطمینان سے شانے اچکائے اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اس شخص نے ہر بار مجھ پر بے جا طنز کیا ہے ____ ہماری تنظیم پر کیچڑ اُچھالا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ الیکشن میں بری طرح شکست کھائے تاکہ ساری اکڑ دھری کی دھری رہ جائے۔" اس کا غصہ ہنوز قائم تھا اور لہجہ خاصا تیز اور درشتگی لئے ہوئے تھا۔

"بھابی ہمیشہ کی طرح اس کی جھنجلاہٹ پر ہنس پڑیں۔

"ویسے تمہارے ریحان پراچہ سے تو اچھا ہی ہے۔"

"صورتاً کہہ رہی ہیں نا آپ؟" اس کی نگاہیں شکایتاً بھابی کی سمت اُٹھیں۔

"ہر لحاظ سے۔" بھابی کو اسے چھیڑنے میں لطف آرہا تھا۔ "دیکھو نا، شریف لڑکا ہے۔ پھر پہاڑی نوجوان جس کے عزائم بھی پہاڑ جیسے ہیں۔ اس کا کردار تو صاف و شفاف ہی رہا ہے ____ پھر ریحان پراچہ تو لوگوں کی نگاہوں میں کئی عرصے تک مشکوک رہا ہے۔"

بھابی کی اس بات پر اُسے اُس دن ہوٹل والا منظر یاد آگیا۔ ریحان پراچہ کا وہ مذاق۔ مگر اس نے جلدی سے سر جھٹک

دیا ____ وہ بھابی کی کسی بات پر قائل ہونا نہیں چاہتی تھی۔

'ہو سکتا ہے ریحان پراچہ کی وہ حرکت محض مذاق ہی ہو ____ اس نے مجھ سے معذرت کر لی تھی۔' ہمیشہ نے خود ہی تاویل پیش کی۔

"آپ کو بھلا اشمل خان کے کردار کی پارسائی سے کیسے آگاہی حاصل ہو گئی؟ دُور کے ڈھول سہانے ہی لگتے ہیں۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ بھابی ہمیشہ اس کا غصہ بڑھا دیا کرتی تھیں۔ اس کا سرخ ہوتا چہرہ اور گہری گہری سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتی جھنجلاہٹ انہیں لطف اندوز کرتی تھی۔ وہ پھر خوب ہنستی تھیں۔

آج بھی وہ اس کے غصے کو ہوا دے رہی تھیں۔

وہ گلاس رکھ کر پلٹی تو ٹھٹک گئی ____ اشمل خان اپنے شاندار سراپا کے ساتھ بالکل سامنے ہی کھڑا تھا۔ ڈرائنگ روم میں فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ جب کہ اشناس، اشمل خان کو "ایک منٹ" کا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف گیا تھا اور وہ نہ جانے کب سے یہاں آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ بھابی تو جھٹ سے کچن میں ہی گھس گئی تھیں۔

"بہت خوبصورت خیالات ہیں میرے بارے میں آپ کے۔" اس کا لہجہ بڑا چبھتا ہوا تھا۔ "ایک مخالف پارٹی کی سیکرٹری کو ایسے ہی خیالات رکھنے چاہئیں۔ یہی تو سیاست کا پہلا اصول ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔

وہ شاید اس بے ساختہ جملے کے لئے قطعی تیار نہ تھی، بوکھلا کر رہ گئی۔

وہ بھوری بھوری آنکھیں اندر باہر کے اُجالوں سے سرشار اُسی پر مرکوز تھیں۔

"میں قدر کرتا ہوں آپ کے ان تمام جذبوں کی۔" وہ بدستور طنز کے تیر چلا رہا تھا۔

"مسٹر اشمل خان! آپ یہاں ہمارے مہمان بن کر آئے ہیں۔ ورنہ آپ کے ہر سوال کا میرے پاس بہت سخت جواب

ہے۔"

"اوہ____ مگر میں نے تو قطعاً کوئی سوال نہیں کیا آپ سے۔" اس نے بے حد شائستہ لب و لہجے کے ساتھ اس کی سماعت پر تیر پیوست کر دیا۔ "بہر کیف____" اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ میرے پھوپھا جان کی لاڈلی بھانجی ہیں۔ کچھ تعلق تو ہے اس وادی سے آپ کا۔"

وہ مبہم مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو اس کا دل جل کر خاکستر ہو گیا۔ اس کا دل چاہا کہ طنز کے تیر برساتے انسان کا خوبصورت چہرہ بگاڑ کر رکھ دے۔ ہر بار وہ اس کے سامنے اسی انداز میں آ کر اس کے وجود میں انگارے بھر دیتا تھا۔ اس شخص کو اپنی بے تحاشا وجاہت پر گھمنڈ تھا۔

یا ڈھیر ساری ذہانت پر۔

یا پھر یہ انداز اس کے مزاج کا خاصہ تھا۔

آج تک اس کے جملوں پر کوئی سخت جوابی حملہ نہیں کر سکی تھی۔ شاید اس لئے کہ اس کے تمام پہلو ہمیشہ کمزور رہے تھے۔

اور آج بھی وہ اس پر ڈھیر سارے نشتر برسا گیا اور وہ جارحانہ رویہ اختیار نہ کر سکی تھی کہ وہ اس کے گھر میں مہمان بن کر آیا تھا اور اس کی کوئی بھی جذباتی حرکت اشناس بھائی یا بھابی کی نگاہوں میں آ کر خود اس کے لئے خفگی کا باعث بنتی۔

سو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ غصے کے بڑے بڑے گھونٹ حلق سے اتار گئی۔

"ہشمینہ ابرار احمد! میری شکست کے لئے دعائیں کرنے سے بہتر ہے اپنی فتح کی دعائیں مانگیں۔ اچھا اوکے____ میرے خیال سے اگلے مہینے یونیورسٹی میں ضرور ملاقات ہو گی۔" اس کا لہجہ بے حد سادہ تھا۔ "خدا حافظ!"

ہشمینہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا مگر پھر جلدی سے پلکوں کی دراز باڑھ جھکالی۔ نہ جانے کیوں وہ اس شفاف چہرے پر چمکتی آنکھوں سے نگاہیں نہ ملا سکی۔

وہ سامنے بڑے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مگر ایک عجیب سی سجل سجل روشنیاں اس کے چاروں طرف چھوڑ گیا۔

زردی مائل سیاہ آنکھوں کے نامانوس سے دھندلکے پھیلتے گئے تو ہشمینہ نے سر جھٹک دیا۔

"ہوں____ بدتمیز انسان۔" اس نے منہ پھیر کر کچن کی طرف دیکھا۔ بھابی اپنی بے تحاشا مسکراہٹ روکے ہوئے تھیں۔ اس سے نگاہیں ملیں تو کھل کھلا کے ہنس پڑیں۔

"بات مت کیجئے گا آپ بھی مجھ سے۔" وہ ایک جلتی نگاہ بھابی پر ڈال کر دھم دھم کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

...☆☆☆...

کہ تُو آج اپنے سائے تک سے لرزاں ہے

سیہ نفرت کی زنجیر گراں پہنے

زمانے بھر سے نالاں ہے

کبھی نیلے سمندر سے نہنگ اُمڈے

کبھی اودی گھٹاؤں سے لہو برسا

یہ عالم ہے کہ آئینوں سے خوف آیا

اندھیرا سا اندھیرا ہے

اگر تُو میری طرف دیکھے

مجھے پلکیں اٹھانے دے

تو شاید میری آنکھوں میں

وہ کرنیں تجھ کو مل جائیں

بھری دنیا میں تُو جن کو گنوا بیٹھا

میرے ہاتھوں میں ہیں اوراق گم گشتہ تمنا کے

تو یہ صبح فردا کے

کہ میں انسان کی پہلی وفا

پہلی محبت کی نشانی ہوں

وہ تالاب میں لگے فوارے سے نکلتے مچلتے پانی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ کبھی کبھی جھک کر تالاب کے ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈال کر تھوڑا سا پانی بھر کر اپنی سفید مرمریں کلائی پر سجے زخم پر لگاتی۔ وہ زخم اب مندمل ہو گیا تھا مگر دل میں لگا وہ زخم اب بھی تازہ تھا۔

وہ نشتر جو ذولین خان نے لگایا تھا اس کی چبھن اب بھی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر نجانے کیوں، حزن اور نئے انوکھے دکھ کے ساتھ کبھی پچھتاوا اس کے دُکھ کے ہمراہ نہیں آیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کرب اس کے اندر سمٹ آتا تھا مگر قدم پیچھے ہٹا لینے کا اس نے تصور ہی نہیں کیا۔ یا اپنے اتنے آگے بڑھ آنے پر کوئی ملال یا پچھتاوے نے اس کا پیچھا نہیں کیا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس کا دل اس ظالم انسان کے لئے اب بھی اسی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اب بھی اس کے خوابوں اور اس کے تصورات پر اسی کا قبضہ تھا۔ لیکن وہ شخص پہلو تہی کر رہا تھا۔

وہ اسے پیچھے دھکیل رہا تھا اور وہ اسی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"اشتارا بی بی! اشتارا بی بی!" نوراں اس کے پاس کھڑی اُسے پکار رہی تھی۔ اُس کے یوں سامنے آجانے پر اُس کے خیالات کا تسلسل چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ وہ عالم مدہوشی سے عالم ہوش میں واپس آگئی۔ اُسے یہ مداخلت ناگوار گزری۔

"کیا بات ہے نوراں؟ کیوں بے وقت پریشان کرتی ہو؟" اس نے خفگی سے نوراں کو دیکھا۔

"جج۔۔۔۔۔۔۔جی وہ آپ کا فون۔" نوراں گھبرا گئی۔

"میرا فون ____؟" وہ متعجب ہوئی۔ "کس کا؟" وہ تالاب کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ "چلو دیکھتی ہوں۔" وہ خود سے ہی سوال کرتی، جواب دیتی آگے بڑھ گئی۔

"معاف کر دیں خان زادی! آپ کا فون نہ آتا تو میں آپ کو پریشان نہ کرتی۔" نوراں اس کے پیچھے چلتے ہوئے بے چارگی سے بولی تو اشتارا رک گئی اور پلٹ کر نوراں کو دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرائی۔

"ارے نہیں نوراں! ____ بس مجھے ایسے ہی ذرا غصہ آگیا۔ بھلا تمہارا اس میں کیا قصور؟" اس نے نوراں کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔

وہ اندر آئی اور ریسیور اٹھا کر بولی۔

"ہیلو!"

"آخاہ، کیسی ہو تارا؟" دوسری طرف فروان کی شگفتہ آواز آئی تو وہ لمحہ بھر کے لئے حیران رہ گئی۔

"اوہ_____ تم ہو۔" اس نے ایک گہری سانس باہر نکالتے ہوئے کہا۔ اس کا خیال تھا شاید ماہم آپی نے اُسے پکارا ہو گا۔

"کیوں، یہ بندہ بشر آپ کو یاد نہیں کر سکتا؟"

"کیوں نہیں_____ مگر اس بے وقت یاد کرنے کا مقصد؟" وہ سائیڈ پر رکھی سیٹ پر بیٹھ گئی اور اپنے اوپر چھائی بے کلی کو جھٹکتے ہوئے ہولے سے مسکرائی۔

"ارے ہم تو ہمہ وقت آپ کی یادوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔" اس نے خوابیدہ لہجے میں کہا تو اشتارا چونک سی گئی۔ یہ اندازِ سخن ہمیشہ صرف اسی کے لئے ہوتا تھا۔ یہ خیال اُسے کبھی آکر پریشان ضرور کرتا تھا۔

"ممانی جان، ماموں اور سب کیسے ہیں؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"جناب! پورا اہل خانہ ٹھیک ٹھاک، بخیریت ہے_____ اب الگ الگ سب کی خیریت پوچھنے مت میٹھ جانا۔ تم اپنا حال سناؤ۔" وہ بے حد خود اعتمادی اور بذلہ سنجی سے بول رہا تھا۔

ریسیور تھامے اشتارا کا ہاتھ نم ہو گیا۔ فروان سے ملے، اُسے دیکھے ایک سال کا عرصہ بیت گیا تھا۔ نہ جانے کیسا اور کتنا بڑا ہو گیا ہو گا۔ اتنا پُر اعتماد اور ایسا تیز و طرار۔

"فروان! تم مجھ سے ایک سال چھوٹے ہو، آپ کیوں نہیں کہتے مجھے؟" اس نے کچھ سوچ کر کہا تو فروان کی بے ساختہ ہنسی ایئر پیس سے اُبھری۔

"کیوں_____ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔"

"واہ_____ کیا ٹھیک کہہ رہی ہو؟ صرف ایک سال بلکہ دس ماہ کے فرق پر میں تمہیں آپ جناب کہوں۔ پتہ ہے تارا! یہ آپ واپ فاصلوں کو بڑھاتے ہیں۔"

"جو عمر کا فاصلہ ہے وہ تو بہر حال رہے گا ہی_____" اُس نے سہولت سے اُسے قائل کرنا چاہا۔

"خیر، میرے نزدیک یہ کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ تم نے مجھے دیکھا ہے، اب میں تم سے قد میں کتنا بڑا ہوں۔ جناب! پورے چھ فٹ کا۔ اور تم میرے سامنے بالکل چوہیا لگتی ہو۔" وہ نہایت غیر سنجیدہ تھا اس موضوع پر۔

"اچھا کم از کم تارا ہی کہنا چھوڑ دو_____ مجھے سب اشتارا کہتے ہیں، سو تم بھی۔" وہ نہ جانے کیوں غیر شعوری طور پر فروان کو یہ جتا دینا چاہتی تھی کہ وہ بہر حال اس سے ایک سال بڑی ہے۔

"سب کہتے ہیں نا۔ اس لئے میں نہیں کہتا۔ میں منفرد اور الگ حیثیت چاہتا ہوں اپنی۔"

"فروان!" اشتارا کا سارا وجود لرز ا۔ اُس کا لہجہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ فروان کا اندازِ بیان اسے لمحہ لمحہ استعجاب میں دھکیل رہا تھا۔ "تم میرے کزن ہو، میرے بھائی۔ بس یہی تمہاری حیثیت ہے۔ یہی تمہارا مقام ہے میرے لئے۔"

"ارے تم تو خفا ہو گئیں_____ میں تو مذاق کر رہا ہوں تارو!" وہ زور سے ہنسا اور اس ہنسی میں اس نے ساری خفگی ختم کرنے کی سعی کی۔ "یہ بتاؤ تم شہر کیوں نہیں آئی تھیں؟ ممی پپا سب تمہیں یاد کرتے ہیں بہت۔" اس نے یکسر موضوع بدل دیا۔

"فروان! تم بہت شریر ہو۔" اس کا دل جو بیٹھا جا رہا تھا، اب ذرا معمول پر آ گیا۔

"ارے، ابھی کہاں ہم نے کوئی شرارت کی ہے۔ اچھا سنو، جھٹ پٹ پروگرام بناؤ شہر آنے کا۔"

"قطعی نہیں____اب تم لوگ آئو۔ میں مہمان نوازی کرنا چاہتی ہوں۔" وہ بولی۔

"ارے میرا تو دل چاہتا ہے ابھی اُڑ کر اس حسین وادی کی حسین دوشیزہ کے پاس پہنچ جائوں۔ مگر ہائے یہ امتحانات کی مصیبت۔" وہ پھر پٹڑی سے اُترنے لگا۔ مگر اشارا نے کوئی مداخلت نہ کی۔ محض یہ انداز اس کی مزاج کی شرارت کا خاصہ سمجھ کر نظر انداز کر گئی۔

"کب ہو رہے ہیں تمہارے ایگزام____بی۔کام پارٹ ون کا ایگزام دے رہے ہو نا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں، بالکل____اس کا مطلب ہے تم میرے بارے میں اتنی بے خبر نہیں ہو۔ تھینک یو۔"

"بکومت____چند دن پہلے سحر نے فون کیا تھا۔ وہی بتا رہی تھی۔ اس کے بھی تو ایگزام ہو رہے ہیں نا۔" اس نے اس کی خوش فہمی بھک سے اُڑا دی۔

"تارا! میں نے تم سے بہت اہم باتیں کرنے کے لئے فون کیا تھا۔ مگر خیر____" وہ یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز میں عجیب سی کیفیت تھی۔

"ہوں____تو پھر کہو نا۔" وہ متجسس ہوئی۔

"مگر نہیں____آج نہیں۔"

"ایں____کیوں؟" جب فون اسی لئے کیا ہے تو پھر آج کیوں نہیں؟ کیا بہت زیادہ اہم بات ہے؟"

"بہت زیادہ____دنیا کی ساری باتوں سے زیادہ اہم۔"

"اچھا____" وہ متعجب ہوئی۔ "ایسی کیا بات ہے؟ کہو نا، میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اس نے اصرار کیا۔

"کہوں گا____مگر آج نہیں۔ پھر کسی ایسے ہی دن کی خوبصورت ساعت میں۔ ہو سکتا ہے مجھے کچھ کہنے کی

ضرورت ہی پیش نہ آئے۔" وہ عجیب الجھے الجھے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

اشارا کی سمجھ سے بالاتر تھا اس کا یہ انداز۔

"اچھا، اس وقت تو خدا حافظ____دعا کرنا میں کامیاب ہو جائوں۔"

"کس میں؟" اشارا نے ہنس کر ازراہِ مذاق پوچھا۔

"ہر امتحان میں۔" وہ بھی شگفتہ انداز میں ہنس پڑا اور وہ بھی ہنس پڑی۔ پھر اس کے فون رکھنے کے ساتھ ہی خود بھی ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

وہ اس ساری گفتگو کے دوران فروان کو قطعی نہ سمجھ سکی۔ یہ ایک سال پہلے والا فروان تو قطعی نہیں لگتا تھا۔ عجیب اُلجھی اُلجھی اور معنی خیز گفتگو تھی اس کی____پل میں سنجیدگی، پل میں شرارت۔

وہ کتنا بدل گیا تھا____اس کے ہر انداز میں نیا پن محسوس ہو رہا تھا۔ آج وہ اس کے اس نئے انداز پر کچھ دیر سوچ میں غرق رہی اور پھر گہری سانس لے کر لائونج سے باہر آ گئی۔

اچانک حویلی کے گہرے سناٹے میں زیبل کی سسکیوں بھری چیخیں اُبھریں اور وہ دہل کر رہ گئی۔

"ستم ہو گیا____ستم ہو گیا خان زادی! ستم ہو گیا____خدایا! ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ یہ کیا ظلم ہو گیا۔"

وہ بڑے گیٹ سے اندر آئی۔ پھر روش پر اسی طرح شور مچاتی ہوئی رہائشی حصے کی طرف آ گئی۔

"بکھرے بال، متوحش چہرہ اور روتی پیٹتی، اس لہجے میں شاہ خانم کے آرام میں خلل پڑنے کی بھی پرواہ نہ تھی۔ وہ اشارا کی طرف دوڑتی ہوئی آئی اور پھر اس کے قدموں میں بیٹھ کر بلک بلک رونے لگی۔

"سب کچھ اُجڑ گیا خان زادی! سب کچھ ختم ہو گیا۔" وہ اپنا سر پیٹنے لگی۔

اشارادم بخود کھڑی تھی۔ایک انجانے خدشہ سے لرزی۔

"زے۔۔۔۔۔۔۔۔بل۔۔۔۔۔۔۔کک۔۔۔۔۔۔۔کیااُجڑ گیا۔" اس کی آواز لرزنے لگی تھی۔

"سب کچھ خان زادی! سب کچھ۔" وہ بدستور روتے ہوئے بولی۔

زبیل کی سسکیوں کے شور سے پوری حویلی گونج رہی تھی۔شاہ خانم، خیزراں، نوراں سب لائونج سے باہر راہداری میں جمع ہو گئیں۔

"زبیل!" شاہ خانم دھاڑیں۔"یہ کیا ہنگامہ مچار کھا ہے؟"

مگر زبیل بدستور روتی رہی۔اپنے آپ کو پیٹتی رہی۔اُسے آج شاہ خانم کے غصہ کی پرواہ نہ تھی۔اس کا سارا وجود دُکھ سے چور چور ہو رہا تھا۔

"زبیل! خدا کے لئے بتائو، کیا بات ہو گئی ہے؟" اشارا اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے شانے جھنجھوڑنے لگی۔

"وہ____وہ زر سانگہ۔" زبیل کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔وہ مستقل رو رہی تھی۔سارا چہرہ آنسوئوں سے تر ہو رہا تھا۔

"کیا____کیا ہوا زر سانگہ کو؟____آج تو اس کا نکاح ہونا تھا۔" اشارا کا دل پہلو میں بری طرح دھڑکا۔زبیل کے شانے پر دھرے ہاتھ لرز کر رہ گئے۔

"نواب داد نے____زر سانگہ کو____گگ____گولی مار دی ہے۔" اس نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے یہ اندوہناک خبر سنائی۔

اشارا یوں پیچھے ہٹی جیسے ننگے تار کو چھو لیا ہو۔

"وہ مر گئی ہے خان زادی۔۔۔۔۔۔۔۔مر گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔" زبیل یہ کہہ کر فرش پر سر ٹکا کر تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

یہ خبر سن کر شاہ خانم بھی چند ثانیے کے لئے سناٹے کا شکار ہو گئیں۔خیزراں اور نوراں کے چہرے بھی خوف سے زرد پڑ گئے۔

"یہ جھوٹ ہے زبیل! کہہ دے یہ جھوٹ ہے، یہ جھوٹ ہے۔" اشارا اچانک ہذیانی انداز میں چلائی اور زبیل کا بازو جھنجھوڑنے لگی۔

"نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔زر سانگہ کیسے مر سکتی ہے؟" غم کے اس بوجھ سے اشارا کا دل پھٹنے لگا۔"میری زری نہیں مر سکتی۔۔۔۔۔۔۔۔یہ جھوٹ ہے۔" وہ پاگلوں کی طرح چلانے لگی!

"نہیں، نہیں____میری زری نہیں مر سکتی____وہ زندہ ہے____وہ نہیں مر سکتی۔"

شاہ خانم نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور جھنجھوڑنے لگیں۔

"اشارا! پاگل مت بنو____ہوش میں آئو۔"

"شش۔۔۔۔۔۔۔۔شاہ۔۔۔۔۔۔۔خانم! زر سانگہ مر گئی____اُسے نواب داد نے گولی مار دی۔" وہ جھلملاتی آنکھوں سے شاہ خانم کو دیکھنے لگی۔

"ہاں، مجھے پتہ ہے____اس کی موت یونہی لکھی تھی۔اب تم یا ہم کچھ کر تو نہیں سکتے۔" ان کا لہجہ ترش ہو گیا تھا۔وہ شاک جو انہیں کچھ دیر پہلے لگا تھا اب زائل ہو چکا تھا۔

مگر اشتارا کے دل کی دیواروں سے تو خون رِس رہا تھا۔ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اس کی دوست، اس کی رفیق زر سانگہ اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی ہے۔ ابھی دو دن پہلے ہی تو اس کے گلے سے لگی اپنے دُکھ پر آنسو بہا رہی تھی اور وہ خود اُسے ڈھیروں تسلیاں دے کر آئی تھی۔ اس کے گمان میں کب تھا کہ یہ زر سانگہ سے اس کی آخری ملاقات ہو گی، اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائے گی۔

تقدیر کے اس ستم پر اس کا دل کٹ کٹ کر گرنے لگا۔

اس نے بہت شاکی نظروں سے شاہ خانم کے بے حِس چہرے کو دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے ان کی گرفت سے خود کو چھڑا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

زیبل اب زمین سے اٹھ کر دیوار سے منہ لگائے بے آواز رو رہی تھی۔

چند سیکنڈ بعد اشتارا خود کو چادر میں ڈھانپے باہر نکلی۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ گلابی چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا اور سنہری آنکھیں آنسوؤں کی دبیز چادر میں چھپ گئی تھیں۔ اس نے کسی کی جانب نہیں دیکھا اور تیزی سے رہائشی حصے سے باہر نکل گئی۔ شاہ خانم چونکیں، پھر اس کے ارادے کو بھانپ کر اُسے پکارا۔

"اشتارا! ٹھہرو اشتارا!"

مگر اس نے سنا ہی نہیں اور پورچ میں کھڑی پجیرو میں بیٹھ گئی۔ زیبل بھی روتی بلکتی بھاگتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ اُسے شاہ خانم نے بھیجا تھا۔ وہ اشتارا کو تنہا نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔

محمد سلام نے زیبل کے کہنے پر جلدی سے پجیرو کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

زر سانگہ کے چھوٹے سے گھر کے باہر ایک کہرام بپا تھا۔ شادی کی غرض سے جمع ساری رشتے دار عورتیں، لڑکیاں

بین کر رہی تھیں۔ نور جان بی بی تو سر دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر اب بے ہوش ہو کر چارپائی پر پڑی تھیں۔

اشتارا اندر بھاگتی ہوئی آئی۔ چیخوں اور سسکیوں نے اس کا دل اور بھی بھاری کر دیا۔ سامنے چارپائی پر زر سانگہ کا ٹھنڈا یخ وجود بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کے پورے جسم کو سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

"زر۔۔۔۔۔۔ری۔۔۔۔۔۔ی۔۔۔۔۔۔" اشتارا اس کے سرد چہرے پر جھک کر بلک اٹھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور خوبصورت گلابی لب جامد تھے۔ اشتارا پاگلوں کی طرح اس کے چہرے کو چومنے لگی۔ اس کی بند آنکھوں، ٹھنڈے رخساروں اور بے جان ہاتھوں کو تھام کر لبوں سے لگا کر روتی رہی۔

"یہ ___ یہ کیا ہو گیا مقبول شاہ؟" اس نے دوسری طرف بیٹھے مقبول شاہ کے ساکت چہرے کو دیکھتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا۔ "کیوں کیا نواب داد نے ایسا ___ کیا حق پہنچتا تھا اُسے؟"

مگر مقبول شاہ کے سرد چہرے اور سرخ آنکھوں نے کوئی جنبش نہ کی۔ اس کا پتھریلا چہرہ اور سرخ آنکھیں زر سانگہ کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔

"بس کرو خان زادی!" کسی نے آہستگی سے اس کے نرم شانے پر ہاتھ رکھا۔

"مقبول شاہ! تم بولتے کیوں نہیں ___ کچھ کہتے کیوں نہیں ہو؟" وہ مقبول شاہ کی اس پتھر دل خاموشی پر بپھر اٹھی۔ "کیا تمہیں زر سانگہ کا کوئی غم نہیں ہے ___ بولو، کیا اس سانحے کا تمہیں کوئی دکھ نہیں ہے ___ کیسے باپ ہو تم؟"

"خان زادی۔۔۔۔۔۔۔۔ہوش کرو۔۔۔۔۔۔۔خان زادی!" زیبل اور دوسری عورتیں اُسے پکڑنے لگیں مگر وہ جنونی انداز میں مقبول شاہ کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑ رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔

"تم اسے صرف ایک بوجھ سمجھتے تھے نا؟____اس کی کسی خواہش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے زبردستی پھینک دینے پر مصر تھے۔دیکھو____دیکھو،اب یہ بوجھ خود تمہارے کندھوں سے اُتر گیا۔"

"خان۔۔۔۔۔۔زا۔۔۔۔۔دی۔۔۔۔۔۔" مقبول شاہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔اس کا سرد چہرہ لال ہو گیا۔اس کے نتھنے پھڑ پھڑانے لگے۔لب کانپنے لگے۔"یہ کیا کہہ رہی ہو تم خان زادی____؟" اس کی بھاری آواز لڑکھڑا گئی۔لمبا چوڑا مقبول شاہ سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے زرسانگہ پر جھک گیا اور اس کی پیشانی پر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ رکھ دیئے۔

"اس پاگل لڑکی کے نصیب میں ایسی ہی موت تھی۔"نواب داد بھی اپنی جگہ درست ہے۔کوئی مرد یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی منکوحہ کے دل میں کسی اور مرد کا بسیرا ہو۔"

اس نے اپنی نم نم، سرخ آنکھیں اوپر اٹھا کر اشتارا کو دیکھا۔اس کا بوڑھا جھریوں زدہ چہرہ آہستہ آہستہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

"نواب داد نے مجھے رقعہ بھی بھیجا تھا۔اس میں سب کچھ لکھ دیا تھا۔مجھے تو دُکھ اسی بات کا ہے کہ میں اس بیٹی کا باپ ہوں جس نے اس عمر میں میرے کندھے جھکا دیئے۔مر کے بھی رسوائی میرے کندھوں پر ڈال دی ہے۔مجھے اگر پہلے خبر ہوتی تو میں خود اسے گولی مار دیتا۔"

مقبول شاہ کی آواز شدتِ ضبط سے لرز رہی تھی۔اس نے آہستہ سے زرسانگہ کے چہرے پر چادر ڈال دی اور لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

زبیل اشتارا کو زبردستی حویلی لے کر آئی تھی۔اس کی حالت بے حد خراب تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"اتنا نرم دل رکھتی ہو اشتارا!____ہر ایک کے غموں پر اپنا دل زخمی کر ڈالتی ہو۔" شاہ خانم نے لب بھینچ لئے۔وہ کرسی پر بیٹھی تھی اور اس کے سامنے جہازی سائز پلنگ پر اشتارا غفلت کی حالت میں پڑی تھی۔انہوں نے بابا خان کے کہنے پر اسے خواب آور گولیاں پانی میں گھول کر پلا دی تھیں تا کہ طویل نیند اس کے اعصابی تناؤ کو ختم کر دے۔

تقریباً چھ گھنٹے ہو گئے تھے اسے سوئے ہوئے۔شاہ خانم مضطرب سی تھیں۔

"کیوں رکھتی ہو اتنا گداز دل کہ ہر لمحہ دکھ تمہارے وجود کو روندتے رہیں۔بے وقوف لڑکی!ان بے توقیر لوگوں کے معمولی معمولی دُکھوں پر خود کو نڈھال کر ڈالتی ہو۔"

اشتارا کی اس حالت پر انہیں بے حد رنج ہو رہا تھا۔وہ اشتارا کو اس روپ میں دیکھنے کی قطعی خواہاں نہیں تھیں۔اُسے تو وہ مکمل طور پر اپنے جیسا دیکھنا چاہتی تھیں۔اپنی تکمیل کے اس رنگ کو وہ"شعلہ وقت" دیکھنا چاہتی تھیں۔یہ نرم، لچکدار شاخ کی مانند کیونکر بن گئی کہ ہر بے حقیقت جھونکا اسے اپنی مرضی سے جھکا کر گزر جاتا ہے۔

"تم نے مجھے مایوس کر دیا اشتارا!" انہوں نے ایک گہری اور طویل سانس سینے سے خارج کی اور کرسی سے کھڑی ہو گئیں اور بے آواز قدموں سے چلتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ساری رات اشتارا تقریباً نیم غنودگی میں رہی۔دوسری صبح اس کا وجود نڈھال ہو رہا تھا۔بڑی بڑی سنہری آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے۔گلاب رخسار ماند ہو گئے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے؟" شاہ خانم اس کے اوپر جھکیں اس سے پوچھ رہی تھیں۔اس نے اپنی بوجھل پلکیں اوپر اٹھا کر بس ایک نظر شاہ خانم کو دیکھا پھر پلکیں جھکا دیں۔

"میں چاہتی ہوں تم کچھ دن کے لئے شہر اپنے ماموں کے گھر چلی جاؤ۔تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"ماموں کے گھر ہی کیوں؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔ "اگر آپ کا خیال ہے کہ اس حویلی سے باہر نکل کر میرا دل بہل جائے گا تو پھر گل بی بی بھی تو ہیں۔" وہ جانے کیوں کہہ گئی۔

شاہ خانم کے چہرے پر تناؤ سا آ گیا۔

"اشارا!" انہوں نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "کیوں دانستہ ایسی باتیں کر کے میرے غصے کو ہوا دیتی ہو؟ یہ جانتے ہوئے ہوئے بھی کہ____" انہوں نے اپنے سرخ لب بھینچ لئے۔

"یہی تو جاننے سے قاصر ہوں کہ گل بی بی سے اتنی شدید نفرت کیوں ہے آپ کو____ کیا بگاڑا ہے انہوں نے آپ کا؟" احتجاج کی کئی سرد لہریں اس کے اندر سے اٹھیں مگر لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح کچھ نہ بول پائی۔ بس اتنا کہہ سکی۔

"نہیں، میں ماموں کے گھر ابھی نہیں جانا چاہتی۔"

"ٹھیک ہے____ جیسی تمہاری مرضی۔" اس کا یہ جواب شاہ خانم کو ناراض کر گیا۔ اسی لمحے خیزراں اندر آئی۔

"شاہ خانم جی____ وہ اشمل خان آئے ہیں۔"

"کیا____ اشمل آیا ہے؟" شاہ خانم پہلے حیران ہوئیں پھر خوشی سے کرسی سے کھڑی ہو گئیں اور تیزی سے دروازے کی طرف لپکیں۔ اشارا کا حیران چہرہ بھی اس خبر پر چمک اٹھا تھا۔ اشمل کے لئے وہ کتنا تڑپی تھی۔ ایسے اُداس لمحوں میں یہ ہمدرد بھائی کس قدر یاد آتا تھا۔

وہ بیڈ سے اُتر کر خود بھی دروازے کی طرف بھاگی۔ وہ بابا خان کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"کیسی ہیں آپ شاہ خانم؟"

"ٹھیک ہوں____ تم کیسے ہو؟ بہت انتظار کروایا اس بار تم نے۔" شاہ خانم نے محبت سے اس کے شانوں پر ہاتھ پھیرا۔ "ہر دن تمہیں یاد کرتے ہوئے گزرتا ہے۔ کب ختم ہو گی تمہاری یہ پڑھائی؟" ہمیشہ کی طرح ان کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ ان کی آنکھیں ترستی رہی تھیں اشمل کے انتظار میں۔ ان کا دل بیٹے کی محبت سے لبریز تھا۔ آج اشمل کو دیکھ کر ان کے اندر ڈھیروں ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

"ارے، اشارا! تم کیسی ہو؟" اشمل دروازے میں استادہ اشارا کو دیکھ کر جلدی سے مسکرا کر اس کی طرف بڑھا اور وہ بے اختیار سی ہو کر اشمل خان کے شانے سے لگ کر بے ساختہ بلک اٹھی۔ اپنے ماں جائے کو دیکھ کر ڈھیر سارے غم اس کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں میں ڈھل گئے تھے۔

"ارے۔۔۔۔۔۔ ارے۔۔۔۔۔۔ اشارے۔۔۔۔۔ پاگل ہو گئی ہو کیا؟ بھئی اس میں رونے کی کیا بات ہے؟" اس نے اپنے مضبوط بازوؤں میں اسے کسی نازک آبگینے کی طرح سمیٹ لیا اور پھر اسے اپنے ساتھ لئے بڑے کمرے میں آ گیا۔ وہ اب بھی دھیرے دھیرے رو رہی تھی۔ اچانک وارد ہونے والے آنسوؤں کی یورش نے اس کی قوتِ گویائی سلب کر لی تھی۔

"اس کی سہیلی زرسانگہ کا کل انتقال ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے۔" بابا خان نے دھیرے سے بتایا تو اشمل خان چونکے۔

"زرسانگہ____ کیا وہی زرسانگہ جو اس کے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتی تھی؟" اُسے ماضی کی وہ دوڑتی بھاگتی بچی یاد آ گئی۔

"ہاں، وہی لالہ! وہ مر نہیں گئی، اُسے مار دیا گیا ہے۔" وہ روتی ہوئی بولی۔

"مار دیا گیا ہے؟" اشمل خان کی آنکھیں حیرانی سے پھیلیں۔

"اس کے منگیتر نواب داد نے اُسے گولی ماردی۔"

"اوہ، گاڈ___" وہ تاسف سے بولا۔ "بہت ظلم ہے یہ تو۔"

"ارے، یہ کہاں کی باتوں میں لگ گئے تم___ بیٹھو آرام سے۔ تھک گئے ہو گے تم۔" شاہ خانم اُسے پریشان ہوتا دیکھ کر جلدی سے بولیں۔ انہیں یہ موضوع بے حد گراں گزر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ تھکے ہارے اشمل خان کو وادی کے گھروں کی دلدوز داستانیں سنائی جائیں۔

"پاگل ہوگئی ہو اشتارا تم تو___ کیوں رکھتی ہو ایسا چڑیا جیسا دل۔" انہوں نے اشتارا کو ڈانٹا جو ابھی تک آنسو بہا رہی تھی۔

"غم تو ہوگا نا اسے___ آخر اس کی بچپن کی سہیلی تھی۔ خیر خدا اُسے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ شاید اس کے نصیب میں یہی لکھا تھا۔ بس کرو اشتارا بیٹی!" بابا خان اپنی جگہ سے اٹھ کر اشتارا کے پاس آگئے اور اس کا سر سہلانے لگے۔

"زیادہ دل پر لو گی تو طبیعت بگڑ جائے گی۔ دیکھو اشمل بھی آیا ہے، صرف چند دنوں کے لئے۔ اس کے ساتھ اچھا وقت گزارو۔" بابا خان اسے سمجھانے لگے۔

"صرف چند دن کے لئے کیوں؟" شاہ خانم نے اشمل کو دیکھا جو اس خبر پر ابھی تک اُداس بیٹھا تھا۔ جلدی سے چونکا۔

"ہاں بس_____ وہ بھی یونیورسٹی ہنگامی حالت میں بند ہوگئی ہے، اس وجہ سے آگیا۔" "بس___ شکر کریں اتنے دن بھی مل گئے۔ آپ سب کو دیکھ لیا۔" وہ شاہ خانم کے چہرے پر پھیلتی ناراضگی کو محسوس کر کے دھیرے سے مسکرایا اور پھر جھک کر فرش پر پڑے بیگ کی زِپ کھولنے لگا۔

"ڈھیر ساری شاپنگ کی ہے آپ لوگوں کے لئے۔"

"ہر بار کہا ہے زیادہ دن کے لئے آیا کرو۔ ہر بار ایک ہفتہ رہ کر بھاگ جاتے ہو۔ کیا شہر کی زندگی اتنی ہی راس آگئی ہے؟" وہ خفا ہو کر کرسی سے کھڑی ہوگئیں۔ "نہیں چاہیئے تمہاری کوئی بھی لائی ہوئی چیز۔"

"ارے ارے شاہ خانم! آپ تو خفا ہوگئیں۔" اشمل گھبرا کر کھڑا ہوگیا اور ان کے قریب آکر انہیں بازو سے تھام کر بولا۔

"شہر کی زندگی بہت پھیکی ہے۔ بس پڑھائی کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں۔ ورنہ سچ پوچھیے تو یہیں آجانے کو جی چاہتا ہے۔ کیوں اشتارا! میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟" وہ ماحول کے کھنچاؤ کو کم کرنے کے لئے پُرمزاح انداز میں بولا تو اشتارا سر اٹھا کر محبت سے دیکھنے لگی۔

"نہیں لالہ! آپ جھوٹ نہیں بولتے۔ مگر ہر بار حویلی والوں کو ناراض کر دیتے ہیں۔ صرف چند دن___ ان دنوں میں شاہ خانم آپ کی صورت دیکھتی رہتی ہیں ڈھیر ساری باتوں کے لئے۔ آپ رُکتے ہی نہیں۔"

"ہا___ ہاہا___" اشمل خان زور سے ہنس پڑا۔ "کیا کروں، مجبوری ہے اشتارا!" وہ شاہ خانم کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اتنا لاڈلا تھا میں تو پھر پڑھنے کے لئے کیوں بھیجا؟ رکھتیں مجھے جاہل گنوار۔" اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ شاہ خانم بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکیں۔ انہوں نے ممتا بھری نظروں سے جوان توانا بیٹے کو دیکھا جو ان سے قد میں کہیں اونچا تھا مگر ان کے لئے ابھی بچہ ہی تھا۔

"ارے، ذولین کا کیا حال ہے؟" اشمل نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے ذولین کے بارے میں پوچھا اور جھک کر بیگ سے چیزیں نکالنے لگا۔

ذولین کے نام پر شاہ خانم کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ ان کے نازک نتھنے پھولنے لگے تھے۔

اشتارا نے ان کی ناگواری واضح طور پر محسوس کی تھی مگر خاموش رہی اور اشمل کے پاس بیٹھ گئی۔ باباخان جو کب سے ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہے تھے، ذولین کے نام پر جلدی سے بولے۔

"ہاں___ ٹھیک ہے۔ وہ آج کل کوئی نیا تجربہ کرنا چاہ رہا ہے شفتالو کی فصل کے لئے۔ دیکھو کتنا کامیاب ہوتا ہے۔" باباخان اسے تفصیل بتانے لگے۔ وہ دلچسپی سے سننے لگا۔

"ہاں___ اس کا آج تک کوئی تجربہ ناکام نہیں ہوا۔" اس نے سر ہلایا۔

"یہ دیکھئے شاہ خانم! آپ کے لئے یہ شال لایا ہوں___ بہت محبت سے خریدی ہے۔" اس نے سیاہ پھولوں کی گرم شال خانم کی طرف بڑھادی۔

"تم ذولین سے مل لینا۔ وہ تمہارا بہت انتظار کر رہا تھا۔" باباخان کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"ہاں___ ہاں___ ضرور، کیوں نہیں۔ میں اس کے ساتھ شکار کا پروگرام بھی بنانا چاہ رہا ہوں۔ پھر پتہ نہیں کب میرا حویلی آنا ہو۔" وہ باباخان سے باتیں کرتے ہوئے بیگ سے شاپنگ کی ہوئی چیزیں بھی نکال رہا تھا۔

شاہ خانم کی اندر کی ناگواری سے بے خبر،

اشتارا کے دل کی تیز ہوتی دھڑکنوں سے بے نیاز،

اشمل خان مسلسل ذولین خان کی باتیں کر رہا تھا۔ بے حد اپنائیت اور محبت سے۔ اور شاہ خانم کا دل چاہ رہا تھا کہ اس موضوع کو فوراً ختم کر دیں۔ ذولین سے اشمل اور باباخان کی یہ محبت انکے اندر حسد اور غصے کو بھڑکانے لگی تھی۔ ضبط کے معاملے میں تو وہ ویسے بھی صفر تھیں۔ اچانک غصے سے کرسی سے اٹھیں اور کمرے سے نکل گئیں۔

ان کا یوں برہمی سے کمرے سے اٹھ کر باہر جانا اشمل کو متحیر کر گیا۔ پھر اس نے استفسارانہ نگاہوں سے اشتارا کی سمت

دیکھا جو پلکیں اوپر اٹھائے اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس جواب تھا مگر باباخان کی موجودگی کا احساس کر کے وہ خاموش رہی اور چہرہ جھکا لیا۔

'آپ خود بھی اچھی طرح جانتے ہیں لالہ! ذولین سے نفرت ان کی نئی تو نہیں ہے۔ ان کی جڑیں تو بہت پرانی اور اندر تک پیوست ہیں۔' اس نے صرف سوچنے پر اکتفا کیا۔

اشمل کے آجانے سے اشتارا کا دل کسی حد تک بہل گیا۔ زرسانگہ کا غم فراموش تو نہ ہوا مگر کسی حد تک کم ضرور ہو گیا تھا۔ ہاں رات کی تنہائی میں کبھی کبھی کسک دینے لگتا۔

وہ دریچے کا پردہ ہٹائے باغ کے اس احاطے پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی جہاں اشمل ذولین خان کے ہمراہ مرمریں بینچ پر بیٹھا تھا۔ وہ جو باتیں کر رہے تھے اسے کچھ سنائی نہیں دے رہی تھیں مگر اشمل خان کی ہنسی کبھی کبھی اس کی سماعت سے ٹکرا جاتی۔ ذولین خان کے مسکراتے لب اُسے نظر آ رہے تھے اور وہ حیران ہوتی جا رہی تھی۔ یہ خاموش آنکھیں، یہ جامد لب، کیا مسکرا بھی سکتے ہیں؟

اتنی پُرفسوں، اتنی سحر انگیز مسکراہٹ اس نے آج سے پہلے کہاں چھپا رکھی تھی جیسے باغ کے سارے پھول اس تبسم کے آگے ماند پڑ گئے ہوں۔ بڑی بڑی آنکھوں کے زمردیں ہیرے کتنے روشن اور منور تھے۔

وہ بغیر پلکیں جھپکائے یہ مغرور چہرہ دیکھ رہی تھی جو آج متبسم تھا۔

'کیوں ذولین خان!___ پھر وہ ساری بے اعتنائیاں میرے حصے میں کیوں؟___ وہ بے رخی کا غبار صرف اور صرف میرے لئے کیوں؟___' اُس کا دل یکلخت اداس ہو گیا۔

اس نے اس کے حسین چہرے سے نگاہیں ہٹالیں اور پردہ کھینچ لینا چاہا کہ اشمل نے اسے پکارا۔

”اشتارا!“ اس کی آواز خاصی اونچی تھی۔اس نے دوبارہ دریچے سے باہر جھانکا۔

”جی لالہ!“ اس نے بھی اونچی آواز سے جواب دیا اور ذولین کی سمت سرسری نگاہ ڈالی۔وہ اب دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔اُف،یہ بیگانگی ____ اُس کا دل کٹ گیا۔

”ادھر آئو باہر اشتارا!“ اشمل کا لہجہ تحکمانہ تھا۔اسے لامحالہ تکمیل کرنا پڑی حالانکہ اس کا دل قطعی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص کے سامنے جائے جس نے ہمیشہ ہی اس پر سحابِ غم ہی برسائے ہیں۔ہر لمحہ اس کی ذات کی نفی ہی کی تھی۔

اس نے اپنی پشت پر بکھرے بالوں پر چادر پھیلادی اور اس کے دونوں کنارے آگے لپیٹ لئے اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی لان کے اس احاطے کی طرف آگئی۔

”کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ ____ سارا دن کمرے میں بند رہتی ہو،بالکل چپ چاپ،کچھ ہنسا بولا کرو۔پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں۔کیا ہوگیا ہے تمہیں؟“ اس کے قریب آنے پر اشمل نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”چہرہ دیکھا ہے کتنا زرد ہو رہا ہے ____ بیٹھو یہاں۔“ اس نے اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے قریب گھاس پر بٹھالیا۔

”ٹھیک تو ہوں لالہ!“ اس نے لمبی لمبی پلکیں اوپر اٹھائیں،پھر جلدی سے جھکادیں۔وہ سحر انگیز نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔گہری گہری سمندر صفت آنکھیں اتنے قریب تھیں کہ اس کے دل میں ایک بار ہلچل ہونے لگی۔

”ٹھ ____ ٹھیک ہی تو ہوں۔آپ کو تو وہم ہوگیا ہے۔شاید زرد شال کا عکس پڑ رہا ہے میرے چہرے پر۔“ اس نے اشمل خان کی طرف دیکھا جو تشویش کی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

”چلو آئو ____ باہر چلتے ہیں۔موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔“ اس نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا گئی۔

”آئو ذولین!“ اشمل اور ذولین دونوں کھڑے ہوگئے۔اشمل نے اپنی جیکٹ کی جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر ذولین کو تھمادی۔”آئو اشتارا!“ اشمل نے اُسے پکارا جو دم بخود بیٹھی تھی۔

ذولین خان کے ہمراہ جانے کے نام سے ہی اس کے اندر کا حال عجیب ہو رہا تھا۔مگر انکار کرنا اشمل خان کو خفا کرنا ہوتا اور وہ خفا ہو کر بھی اُسے زبردستی لے جاتا۔وہ اس کے انکار کو اہمیت ہی نہ دیتا۔ضدی تھا،لے جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔اس کا انکار بے معنی ہو کر رہ گیا۔وہ لامحالہ کھڑی ہوئی مگر اندر سے اس کا دل بری طرح کانپ رہا تھا اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

ذولین گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔وہ اشمل کے ہمراہ آئی اور پچھلی سیٹ پر دبک کر بیٹھ گئی۔

اس کے بیٹھتے ہی ذولین نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔

”زرسانگہ کا غم اپنی جگہ مگر یہ بھی تو سوچو کہ مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مر جاتا۔اور پھر وہ اپنے خدا کے پاس بہت خوش ہوگی۔وہ تو معصوم اور بے گناہ تھی نا۔“ اشمل راستے میں اسے سمجھاتا رہا۔”سمجھ رہی ہو نا اشتارا!“ اس کی مستقل خاموشی پر اشمل نے اسے پکارا تو اس نے جلدی سے جواب دیا۔

”جج۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔ سمجھ رہی ہوں۔“ اس نے سر ہلادیا۔”مگر زندہ لوگوں کے ناروا رویے پر دُکھی تو ہونا چاہئے نا۔“ اس نے خالصتاً یہ جملہ ذولین خان کو سنانے کے لئے کہا تو اشمل نے اُسے دیکھا۔

”کیا مطلب؟“

"بس کبھی کبھی لوگوں کے رویے دکھ دے جاتے ہیں۔ پتہ نہیں سب کے دل کیوں نرم نہیں ہوتے۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

ذولین خان کا مضبوط ہاتھ ایک لمحے کے لئے لرز اٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ درپردہ اشتارا اُسے ہی کہہ رہی ہے۔ اس نے صرف ایک نظر اُسے آئینے میں دیکھا۔ خوبصورت آنکھوں میں مٹامٹا کاجل، چہرے پر زرد اور گلابی رنگ کا امتزاج، چادر سے طلائی زلفیں بکھر کر ہوا کے جھونکے سے اُڑ رہی تھیں۔ حزن میں عجیب سی جاذبیت تھی۔ اس نے جلدی سے نگاہیں ہٹالیں۔ وہ اس چہرے کے سحر میں ڈوب جانا نہیں چاہتا تھا۔ جو ہستی اس کے لئے نہیں تھی، اُسے قلب و نظر میں بسانے کا کیا فائدہ۔

"تم شاہ خانم کے بارے میں کہہ رہی ہو؟" اشمل کی آواز پر وہ چونکی۔

"آں۔۔۔۔۔ نن۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔ بس ایسے ہی، نہ جانے کیوں کچھ پرانی باتیں یاد آگئی تھیں۔" اس نے بہ دقت تمام خود کو سنبھالا۔ یہ اشمل لالہ سے وہ کیسی باتیں کرنے لگی تھی۔ اس نے رُخ کھڑکی کی طرف کرلیا اور اپنے خیالات کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ وہ اپنے اندر مچلتے طوفان کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ اب پہاڑیوں سے گرتی آبشار کے پاس آگئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے سرسراتے جھونکے اور متحرک ندی کی آوازوں کا شور ماحول میں ایک طلسم پیدا کررہا تھا۔ آبشار کا سفید پانی پتھروں پر گرتا اور اس کے ٹھنڈے چھینٹے جسم و جاں پر گرتے تو ایک کیف آور طراوت اندر تک سرایت کرجاتی۔

وہ ایک اُونچے پتھر پر بیٹھ گئی۔ ساری فضا دُھلی دُھلی ہوئی تھی، نکھری نکھری سی تھی۔ وادی اتنی وسیع کبھی نہ دکھائی دی تھی جتنی آج دکھائی دے رہی تھی۔ غم زدہ ہوتے ہوئے بھی اشتارا کو فضا سحر انگیز لگ رہی تھی۔ شاید ذولین خان کی موجودگی کا اثر تھا۔

اشمل، ذولین کے ہمراہ آبشار کے قریب ٹہلتا رہا۔ کبھی اونچی پہاڑی پر وہ دونوں چڑھنے لگتے۔ اشتارا کو یہ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ زندگی کتنی عجیب ہے۔ سکون کے بعد طوفان اور طوفان کے بعد پھر سکون۔ کبھی لگتا ہے جیسے سب کچھ ختم ہوجائے گا۔ کبھی یوں لگتا ہے کہ ہر چیز کی زندگی پھر عود کر آئی ہے، ہر شے تھرکنے لگی ہے۔

وہ یونہی بیٹھی سوچ رہی تھی۔ سامنے بڑے پہاڑ کے پیچھے سورج دھیرے دھیرے غروب ہورہا تھا۔ آسمان شفق رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ کچھ شفق رنگ کرنیں اشتارا کے چہرے کو چھو جاتیں تو اس کا چہرہ جگمگانے لگتا۔ وہ یونہی لاپرواہ سی بیٹھی تھی، اس رنگین منظر میں کھوئی ہوئی۔ مگر ذولین خان کے طاقت ور سینے میں مقید دل طوفان سے گزر رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں اس حسین عورت پر اُٹھتیں تو اس کے اندر کی زنجیریں ٹوٹنے لگتیں۔ وہ جذبے پھر سے بیدار ہونے لگتے جن کو اس نے بڑی مشکلوں سے سلایا تھا۔ وہ رنگ پھر سے اُبھرنے لگتے جس سے وہ پہلو تہی کرتا رہا تھا۔

'کب تک ذولین! خان تم اپنے خیالات، اپنے احساسات پر بے حسی کی برف برساؤ گے۔ برف کو بہرحال پگھلنا ہی ہوتا ہے۔'

وہ جیسے ایک دم اس ماحول سے کٹ گیا۔ اشتارا خان کے دھیان کی تیز ہوا اُسے دُور ہی دُور اُڑائے لے جارہی تھی ______
آج اُس نے شدت سے محسوس کیا کہ ازل کی بے نمو مٹی سے جس کونپل نے سر اٹھایا تھا آج وہ جڑ پکڑ کر ایک تناور درخت بن چکی ہے۔ اس کے سینے میں مقید پتھر آج نہیں بلکہ اس روز بیدار ہوگیا تھا جب وہ خوبصورت آنکھیں اس کی انیکسی میں منتقل ہونے پر شکوہ کناں تھیں۔ گو کہ اس نے اپنے جذبوں پر مصلحت کی برف جمادی تھی مگر تمنا کا شعلہ بالآخر بھڑک کر ہی رہا۔ وہ قربتوں کے الم سے خوفزدہ تھا۔ یکلخت ہی اس کے دل میں یہ خواہش مچل کر رہ گئی کہ وہ اشتارا کے قریب بیٹھ کر اس کا نازک ہاتھ تھام کر وہ سب کچھ کہہ دے جو آج تک نہیں کہہ سکا۔ اس کے سارے بہے اور ان بہے اشک چن لے، اس کی آنکھوں کے گہرے سمندر میں ڈوب کر اپنی زندگی کے ہولناک سناٹوں کی بے پناہ خامشی اور زخم زخم تنہائی سے چند ساعت بے گانہ ہوجائے۔

محبت کو لمحہ اذیت اور عفریت سمجھنے والا آج خود اس لمس کا خواہش مند تھا۔

ایک لمحے کے لئے تمام شکستگی کا احساس زائل ہو گیا۔

بازارِ سود و زیاں میں ہمیشہ زیاں ہی تو نہیں___ آرزو حاصل رائیگاں ہی نہیں۔ سب کچھ کھو کر شاید یہاں اس کے مقدر میں اب کچھ پالینا ہی لکھا ہو۔

اس نے ایک گہری سانس سینے سے آزاد کی اور نگاہیں ڈوبتے سورج کی کرنوں پر جما دیں۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اس کی انا کا سورج بھی اب اسی طرح دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

ندرت کی ہنسی تھی کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ایئر پیس سے اُبھرتی یہ کھلکھلاتی ہنسی ہشمینہ کی ساعت پر چبھ رہی تھی۔

"اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے؟" وہ چڑ گئی۔

"ہا۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔۔ ہنسنے کی ہی تو بات ہے۔ یہ ریحان پراچہ کو سوجھی کیا کہ تم سے اتنا بڑا مذاق کر بیٹھا۔ ہاہاہا۔۔۔۔۔" وہ پھر زور سے ہنسنے لگی۔

"میں تمہارا گلا دبا دوں گی ندرت! بند کرو یہ ہنسی۔" وہ دہاڑی۔

وہ ندرت کو یہ قصہ سنا کر اب پچھتا رہی تھی کہ ریحان پراچہ نے اُسے ہوٹل میں میٹنگ پر بلوا کر جوک کیا تھا۔ اب ندرت کی متواتر ہنسی اُسے سلگا رہی تھی۔

"یار! تم نے ریحان پراچہ کا منہ نہیں توڑ دیا۔ تمہیں تو میں ایسا ہی سمجھتی تھی۔" وہ اس کی ناراضگی پر اپنی ہنسی کو

بمشکل روکتے ہوئے بولی

"اس نے مجھ سے معذرت کر لی تھی۔" وہ ریسیور تھامے صوفے پر دراز ہو گئی۔

"چہ___خوب___ریحان پراچہ کی معذرت پر تم نے اُسے معاف کر دیا۔ فرض کرو اگر یہ حرکت کوئی اور اسٹوڈنٹ تمہارے ساتھ کرتا تب؟___ کیا تم اس کا سر نہ پھاڑ دیتیں؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ ندرت کی بات اچھی طرح نہ سمجھ سکی۔

"محض اس کی پارٹی کی سیکرٹری ہو اس لئے اس کی یہ حرکت تم نے برداشت کر لی ہے۔ نہ جانے اب آگے کیا کیا برداشت کرنا پڑے۔" وہ طنز سے ہنسی تو ہشمینہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"اس کی پارٹی کی سیکرٹری بن کر میں بِک نہیں گئی ہوں۔ تم جانتی ہو آج تک کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ مجھ سے غلط انداز میں بات ہی کر لے۔ اور پھر میں نے کہا نا کہ ریحان پراچہ کو اپنی اس حرکت پر افسوس تھا شدید۔"

"ٹھیک ہے بابا___مان لیا۔" ندرت نے اُسے بہت زیادہ مشتعل دیکھ کر خود ہی بات کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔ "ویسے ہشمینہ ابرار! ایک بات بتا دوں تمہیں کہ ریحان پراچہ اس قابل نہیں ہے کہ تم جیسی لڑکی اس کے لئے اتنی سرگرم عمل ہو جائے۔ اگر وہ تمہاری محنتوں پر جیت گیا تو مجھے شدید افسوس ہو گا۔ کیونکہ وہ اس جیت کا قطعی مستحق نہیں۔ اور پھر اس کا کردار بھی۔۔۔۔۔۔۔"

"کردار، کردار۔۔۔۔۔۔ یہاں بھلا کس کا کردار مثالی ہے؟___ ہُوازدی آئیڈیل پرسن؟" اس نے ندرت کا جملہ کاٹ کر تڑخ کر کہا تو ندرت برجستہ بولی۔

"اشمل خان ہے ایک آئیڈیل انسان___ آئیڈیل لیڈر۔"

ندرت کی بات پر وہ لمحہ بھر چپ ہو گئی۔ اس کی نگاہوں میں چند دن پہلے کا واقعہ گھوم گیا۔ وہ اونچا لمبا، پہاڑی انسان جو واقعی آئیڈیل پرسن تھا مگر اس کے واسطے سے اس کے ذہن میں کوئی خوشگوار یاد نہیں تھی۔ اس نے ہمیشہ اس پر طنز ہی کیا تھا۔ اور پارٹی کے توسط سے صرف اور صرف اس کی ذات کو نشانہ بنایا تھا۔ اس نے لب بھینچ لئے۔ اس کی نگاہوں میں دو بھوری بھوری آنکھیں لہرا گئیں۔

"کہو، ہے نا آئیڈیل کیریکٹر؟" ندرت چہک کر بولی۔

"اونہہ ___ یہ محض تمہارا کوئی قلبی جذبہ بول رہا ہے۔" اس نے بھی ندرت پر چوٹ کرنے کا موقع ضائع نہ کیا۔ لیکن اُس کی اس بات پر ندرت کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"نہیں یار! کوئی قلبی جذبہ نہیں ہے۔ تمہیں تو پتہ ہے، ہم بی ایس سی آنرز کے بعد سسرال سدھار جائیں گے۔"

"کون سے سسرال؟" ہثمینہ حیرت سے اُچھلی۔ "کب ہو رہی ہے تمہاری شادی؟"

"اچھا، انجان مت بنو ___ تمہیں بتایا تو تھا، بھابی کے انجینئر بھائی وقاص احمد سے۔"

"او۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔ کیا معاملہ واقعی سیریس ہے؟ ___ میں تو سمجھی یہ بھی تمہاری ان فضول باتوں کا ایک حصہ ہے۔" ہثمینہ پہلی بار کھل کر ہنس پڑی۔ اُسے بھی ندرت کو چڑانے کا موقع مل گیا تھا۔

"انتہائی بدتمیز لڑکی ہو تم۔" وہ برا مان گئی۔ "اب میں اپنی شادی میں تمہیں قطعی نہیں بلاؤں گی۔"

"نہ بلانا ___ مجھے تمہارے انجینئر وقاص احمد عرف وکی کو دیکھنے کا شوق نہیں۔" اس نے بھی برجستہ کہا۔

"ارے ہاں۔۔۔۔۔۔ اشمل خان اپنی وادی گیا ہوا ہے آج کل۔" ندرت پھر اشمل خان کا ذکر لے بیٹھی۔ "تمہیں پتہ ہے؟" اس نے ہثمینہ سے پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"نہیں۔" وہ صاف انجان بن گئی۔ اس نے ندرت کو بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اشمل خان اس کی اکلوتی ممانی کا بھتیجا ہے۔ خوامخواہ ندرت کو فضول بکواس کا نادر موقع مل جاتا۔

"ہو گی وہاں اس کی کوئی منگیتر و نگیتر ___ ہے نا؟"

"مجھے کیا پتہ؟" اس نے لاپرواہی سے کہا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اشمل خان اس بندھن سے ابھی تک آزاد ہے۔

"ویسے یہ اشمل خان، بہت گہرا انسان ہے ___ اگر کوئی منگیتر و نگیتر نہ بھی ہوئی تو "وہ" ضرور ہو گی۔"

""وہ" سے تمہاری کیا مراد ہے؟" ہثمینہ چونکی۔

ندرت زور سے ہنس پڑی۔ "یار! کوئی پہاڑی دوشیزہ اس کی راہ تک رہی ہو گی، آنکھیں فرشِ راہ کئے، دید کی آس لئے، من انگنا میں ڈھیروں دیے جلائے اس کی منتظر ہو گی۔" وہ کہتے کہتے ہنسنے لگی۔ مگر نہ جانے کیوں ہثمینہ ابرار کے لب قطعی نہ مسکرا سکے۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ سارا جسم لرز اٹھا۔ ذہن کے پردے پر بھرپور انداز میں اس کا سراپا آٹھہرا۔

"ضروری تو نہیں اس کے وادی جانے کا یہی ایک مقصد ہو۔" اس کے منہ سے اچانک یہ جملہ پھسل پڑا۔ وہ خود بھی حیران رہ گئی۔ اس کا تو آج تک کوئی راستہ بھی اشمل خان کی طرف نہیں جاتا تھا۔

"ہاں ضروری تو نہیں۔ میں تو ایسے ہی مذاق کر رہی ہوں۔ اور بالفرض ایسی بات ہوئی بھی تو وہ کون سا ڈھنڈورا پیٹتا پھرے گا۔" ندرت اس کے دل کی بدلتی حالت سے بے خبر بولتی رہی۔ "میرے خیال سے اب یونیورسٹی کھلنے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں ___ دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

پھر ندرت نے اِدھر اُدھر کی کتنی ہی باتیں کر ڈالیں اور پھر فون رکھ دیا۔

مگر ہثمینہ ابرار کے وجود پر ایک عجیب سی بے کلی طاری ہوگئی تھی۔ اس نے سوچا ندرت نے تو اس سے ڈھیروں باتیں کیں، ہر موضوع پر، ہر شخص پر، مگر اس کے ذہن کے پردوں پر صرف اشمل خان کا چہرہ ہی کیوں ٹھہر کر رہ گیا۔

اس کے احساسات کی ساری حسّیں سنسنا کر رہ گئیں۔

وہ فون اسٹینڈ کے پاس سے ہٹ آئی۔ پلٹی تو بے اختیار اس کی نگاہ سامنے چمکتے قدِ آدم آئینے کے سامنے پڑی۔ اس کا حسین عکس اسی کو تک رہا تھا۔ انجان اور اجنبی انداز میں۔ خود اس کا عکس حیران تھا کہ آج اس کی سوچوں کی وادی میں اشمل خان کا سراپا کیوں لہرا رہا ہے____ لاکھ ذہن جھٹکنے کے باوجود وہ عکس اتنی ہی مضبوطی سے جما ہے۔

وہ خالی خالی نظروں سے اپنے عکس کو تکتے ہوئے بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ ریشمی بال یہاں وہاں بکھر رہے تھے مگر اس سے زیادہ اس کا ذہن منتشر ہو رہا تھا۔

اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے عکس کے پیچھے ایک اور حسین عکس اُبھرنے لگا ہے۔ یہ عکس اشمل خان کا تھا۔

دلکش، پُرفسوں۔

سجیلی سجیلی، اندر باہر کے اجالوں سے سرشار آنکھیں۔

'اُف خدایا!' اُس نے گھبرا کر آنکھیں موند لیں اور پھر جب دوبارہ آنکھیں کھولیں تو وہ عکس غائب ہو چکا تھا۔

اس کا سارا چہرہ ٹھنڈے قطروں سے چمکنے لگا۔

'میرے اللہ! میں کہاں کھوئی جا رہی ہوں؟ نا آشنا راستے میری منزل تو نہیں ہیں۔'

اس نے آئینے میں ایک نظر اپنے سراپا پر ڈالی اور پھر برش میز پر پٹخ کر وہاں سے ہٹ گئی۔

'کیا تمہارے اندر بھی ایسے ہی نازک جذبے پلنے لگے اور تم ان نازک احساسات کی اسیر ہو گئیں؟'

'نن۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔' دل کی اس وحشت سے گھبرا کر اس نے جلدی سے ایک میگزین اٹھا لیا اور کمرے کا داخلی دروازہ پورا کھول کر خود بیڈ پر نیم دراز ہوگئی اور باہر امی اور بھابی کی باتوں کے شور سے اپنے اندر کے شور کو کم کرنے لگی۔ لیکن سوچوں پر کس کا اختیار ہوتا ہے____ میگزین ہاتھ میں تھا اور خیالات کا پرندہ اُڑتا ہی چلا جا رہا تھا۔

اُس نے میگزین ریک پر واپس پٹخ دیا اور پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دراز سے گاڑی کی چابی نکال کر باہر نکل آئی۔

ذہن کو تمام پریشان اور اُلجھی اُلجھی سوچوں سے چھٹکارا دینے کے لئے تیز ڈرائیونگ کر کے بے مقصد سڑکوں پر گھومنا اس کا بہترین مشغلہ تھا لیکن اس وقت یہ مشغلہ ضرورت بن گیا تھا۔ وہ اپنے دل کو کسی بھی کمزور لمحے، کسی نازک جذبے کے حصار سے ہر ممکن طریقے سے بچانے کی خواہش مند تھی۔

غیر معروف سڑک پر وہ اپنی بلیک شیراڈ بھگاتی رہی۔ فٹ پاتھ پر لگے بڑے بڑے درخت تیزی سے پیچھے بھاگتے رہے۔ اچانک اس نے کچھ سوچ کر گاڑی کا رخ بازار کی طرف کر دیا۔ اُسے یاد آیا کئی دنوں سے وہ کاٹن کے سوٹ خریدنے کا سوچ رہی تھی مگر یونیورسٹی کی مصروفیات کے باعث وہ بازار کی طرف آ ہی نہ سکی تھی۔

وہ ایک بڑے بوتیک سینٹر پر جا کر رک گئی اور چند لمحے غور کرتی رہی کہ کیا خریدے کہ بالکل اچانک اس کی پشت پر ایک مردانہ آواز اُبھری۔ نہایت بے تکلّفانہ انداز میں کسی نے پکارا تھا۔

"ارے ہثمینہ ابرار____ آپ یہاں۔"

وہ پلٹی تو ٹھٹک گئی۔ سراج کیانی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے پہلو میں ایک بے حد فیشن ایبل لڑکی کھڑی تھی جو اس کے

لئے قطعی اجنبی تھی۔

اس کی آنکھیں بے اختیار چمکیں۔ "تم یہاں؟"

"جی ___ بس، شاپنگ کرنا تھی نعیمہ کو۔" اس نے ایک مسکراہٹ قریب کھڑی لڑکی پر ڈالی تو وہ بھی کھل کر مسکرائی۔

"آپ بھی شاپنگ کے لئے آئی تھیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ مگر ہشمینہ کا دماغ دفعتہ اس دن یونیورسٹی میں کی گئی فائرنگ کی طرف چلا گیا جس میں سراج کیانی پیش پیش تھا۔ اس کے دماغ میں جھما کا سا ہوا۔ اُسے سراج کیانی کی اچھی طرح خبر لینی تھی۔ ارد گرد کے لوگوں کا خیال اس کے ذہن سے ایک لمحے کے لئے نکل گیا۔ وہ کہاں کھڑی ہے، کس جگہ ہے؟ وہ بھول گئی اور اچانک اموشنل ہو گئی۔

"تم نے بدھ والے روز فائرنگ کی تھی نا، اشمل خان کے جلسے کے دوران ___ اُس روز سے میں تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ تم نے اتنی گھٹیا حرکت کیوں کی تھی؟" وہ بھڑک کر بولی تو سراج کیانی اس اچانک اور غیر متوقع حملے پر بوکھلا گیا۔

"مم۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔ کک۔۔۔۔۔۔ کب؟"

"بکومت ___ زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں۔ میں ینگ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی سیکرٹری ہونے کے ناطے تمہاری ممبر شپ کینسل کر کے تمہیں اس فیڈریشن سے ایکسپیل کر سکتی ہوں۔ مجھے اتنا اختیار ہے۔" اس کی آواز تیز ہو گئی۔ ادھر سے گزرنے والے لوگ حیرانی سے اس شعلہ جوالہ کو دیکھنے لگے۔ خود سراج کیانی سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ آئی ہوئی لڑکی بھی اس سچویشن پر متحیر رہ گئی۔

"مس ہشمینہ! آپ کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا اور دو طرفہ بنی دیوار سے جا ٹکا۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو سراج! میں نے خود تمہیں شہزاد جمال پر فائر کرتے دیکھا تھا۔ میں چاہتی تو ان کے رپورٹ کروانے پر گواہ بن کر تمہارا نام لے سکتی تھی۔ مگر صرف ہماری فیڈریشن کی عزت کی خاطر اس اقدام سے باز رہی۔" وہ قہر برساتی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

"پلیز، ہم مصروف فٹ پاتھ پر کھڑے ہیں۔" سراج کیانی نے جلدی سے اُسے لوکیشن کا احساس دلایا۔ وہ بری طرح خجل ہو رہا تھا۔ لوگ اُسے ایک لڑکی سے ڈانٹ کھاتا دیکھ کر نہ جانے کیا تاثر لے کر آ، جا رہے تھے۔ اور سچ تو یہ تھا کہ اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ کھسیا گیا تھا۔ ہشمینہ کی طرف سے کئے گئے اس اچانک حملے نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

"بات بدلنے کی کوشش مت کرو۔ یہ بتاؤ تم نے کس کی ایماء پر اتنی بڑی حرکت کی تھی؟ سراج کیانی! میں اپنی تقریر میں جس بات کے خلاف کہتی ہوں تم عملاً وہی کرتے ہو۔" وہ غصے سے بولی۔

اس کی حرکت نے اسے اشمل خان کے سامنے بے حد شرمندہ کیا تھا۔ شاید لاشعوری طور پر اس شرمندگی کے احساس نے اسے اتنا غضب ناک کر دیا تھا۔

"میں نے یہ حرکت ریحان پراچہ کی ایماء پر کی تھی۔" وہ اب سنبھل کر دھیرے سے بولا تو وہ حیران رہ گئی۔ پھر چلائی۔

"نہیں۔۔۔۔۔۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ریحان پراچہ اس بات سے بے خبر ہے۔ وہ اس موقع پر موجود ہی نہیں تھا۔"

"بائی گاڈ۔۔۔۔۔۔ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔" سراج کا لہجہ سچائی کی چغلی کھا رہا تھا۔ "مجھ سے ریحان پراچہ نے خود کہا تھا۔ اس وقت ہم دونوں آفس میں موجود تھے۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود ریحان سے بات کر لیں۔"

"کیا___؟" ہثمینہ ابرار سناٹے میں رہ گئی۔ اُسے لگا جیسے سراج کیانی کا یہ انکشاف اس کے سر پر پتھر بن کے لگا ہو۔

تو گویا ریحان پراچہ نے اُس سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔ اُسے اندھیرے میں رکھ کر، سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ ساری کارروائی کی گئی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر سراج کیانی کو خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی نگاہیں قطعاً جھوٹ نہیں بول رہی تھیں۔

"او گاڈ___ تو اس کا مطلب ہے ریحان پراچہ نے مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔" اس کا تن من جل اٹھا۔ وہ غصے سے پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

سراج کیانی حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر ہولے سے مسکرا دیا۔

"تو ہثمینہ ابرار! تم ابھی تک ریحان پراچہ کی اصلیت سے ناواقف ہو۔'

اُس نے نعیمہ کی طرف دیکھا، پھر سر جھٹک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور دُکان کے اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆...

"میرا فیصلہ غلط نہیں تھا زمان! تمہارے غلط رویے نے اسے غلط ثابت کر دیا ہے۔ کیا کمی ہے شاردا میں___ کیوں تم اس کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہو پاتے؟ اپنی بہن کا بھی خیال نہیں ہے تمہیں؟"

امی کی آواز اُس کے کمرے تک پہنچ رہی تھی___ آج پھر وہ زمان بھائی سے اُلجھ رہی تھیں۔

"میں نے آپ کو پہلے ہی کہہ دیا تھا، میں شاردا کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کروں گا۔ زندگی مجھے گزارنی تھی امی! اور فیصلہ آپ اور پپا نے کیا۔ اب جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کا اندازہ آپ کو اس وقت ہونا چاہئے تھا جب آپ نے میرے انکار پر بھی اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنایا تھا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"زمان___!" امی کی تیز آواز کانپ گئی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں امی۔ آپ تو ماں تھیں۔ پھر ماہ گل اور میرے لئے کیوں بہتر نہیں سوچا؟"

"کیا غلط کیا ہے میں نے؟___ تم ناشکرے ہو۔" امی بھڑک اٹھیں۔ ان کی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کا رنگ سمٹ آیا تھا۔ انہیں ماہ گل کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ شاردا اور زمان کے روز روز کے جھگڑوں نے اُس کی زندگی کو بھی ان جھگڑوں کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انہیں آج بھی اپنے کئے گئے فیصلے پر پشیمانی نہیں تھی۔ البتہ زمان کے ناروا رویے پر شاکی ضرور تھیں۔

"صرف صورت سب کچھ نہیں ہوتی امی! میری اس کے ساتھ ذہنی مطابقت نہیں ہو سکی ہے۔ وہ جو سوچتی ہے، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اور میں جو کچھ کہتا ہوں اُسے ناگوار گزرتا ہے۔ وہ میرے دل میں جگہ نہیں پا سکی ہے۔" زمان کا لہجہ بے حد کڑوا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ امی نے اسے دیکھا پھر دھیرے سے بولیں۔

"تم اپنے دل میں وسعت پیدا کر لو زمان!___ خود بخود ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔"

"اونہہ، وسعت۔" زمان بھائی استہزائیہ انداز میں ہنسے۔

"تم کیا کسی اور لڑکی کو پسند کرتے تھے؟" امی نے کچھ سوچ کر پوچھا تو زمان بھائی ایک لمحہ خاموش رہ گئے، پھر دھیرے سے رخ دریچے کی طرف موڑتے ہوئے بولے۔

"ہاں___ کرتا تھا کبھی۔ مگر اب ایسی کوئی بات نہیں۔ اُس لڑکی کا دھندلا سا تصور بھی نہیں ہے میرے ذہن میں۔"

زمان بھائی کی بھاری آواز ماہ گل کی سماعت پر برچھی کی طرح لگی۔ یہ کیسا مرد ہے جسے چاہا تھا کبھی، اب اس کا تصور بھی نہیں رہا۔ اور اب ایک بیوی کو معتبر درجہ دینے کے حق میں نہیں۔ ایسے مرد کے ساتھ کیسے کسی کی ذہنی ہم آہنگی ہو سکتی ہے جس کا دل اتنا تنگ ہو جو محض اپنی خواہش، اپنی سوچ پر فریق ثانی کو گھسیٹنا چاہے۔

"زمان! تم ماہ گل کی خاطر ہی کچھ سوچو۔" امی کی آواز میں دُکھ مترشح تھا۔ تم کیسے بھائی ہو کہ بہن کے اُجڑنے کا تماشا دیکھتے رہتے ہو۔ ایک ماں کے آنسوؤں کا بھی احساس نہیں۔ اپنی زندگی صرف اپنے لئے ہی وقف نہیں کر لیتے زمان!" امی صوفے پر ڈھے سی گئیں۔ ماہ گل کے غم نے انہیں اندر سے تھکا ڈالا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا امی! کہ مسعود شاہ کیوں ماہ گل سے انتقام لے رہا ہے۔ میرے اور شاردا کے معاملے میں ماہ گل کو بیچ میں گھسیٹنا کہاں کا انصاف ہے؟" زمان بھائی کی آنکھوں میں غصہ اُمڈ آیا۔

"انصاف کا نام مت لو زمان! تمہارے منہ سے انصاف کا لفظ جچتا نہیں۔" امی کے لبوں پر تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ "مسعود شاہ بہن کے اُجڑنے کا تماشا یوں بیٹھا نہیں دیکھ سکتا، تمہاری طرح۔ وہ خود غرض بن کر صرف اپنی دنیا میں مگن نہیں رہ سکتا۔ خاندان والوں کی باتیں اُس کی غیرت کو جگاتی ہیں۔" امی یہ کہہ کر صوفے سے کھڑی ہو گئیں اور کمرے سے نکل گئیں۔

امی کے لفظ تیر بن کر زمان بھائی کے دل میں کھب گئے۔ ایک عجیب سی کیفیت اس کی آنکھوں میں پھیل گئی ____ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

امی باورچی خانے کی طرف جا رہی تھیں۔ اُسے غصے سے نکلتا دیکھ کر ٹھٹکیں۔ وہ ان کے سامنے آگیا۔

"آپ نے مجھے بے غیرت ہونے کا طعنہ دیا ہے امی! میں آج ہی شاردا کو لے کر آتا ہوں ____ مگر ____" وہ لب بھینچ کر ایک لمحہ رُکا، پھر بدستور تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ اپنی دنیا میں رہے اور میرے معاملات سے بے نیاز رہے تو اس

کے یہاں رہنے پر مجھے انکار نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ پلٹ کر بڑے بڑے قدم اٹھاتا پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

ماہ گل کھڑکی کا پردہ ہٹائے زمان بھائی کو پورچ تک جاتا دیکھتی رہی۔ پھر امی کے مطمئن اور مسکراتے چہرے پر نگاہ پڑی تو کرب سے اس نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔ پھر ایک گہرا سانس سینے سے آزاد کیا۔

'اونہہ ____ ایک بیوی کو اتنا بے اختیار رکھنا کہ وہ شوہر کے معاملات میں مداخلت کی مجاز نہ ہو اس کے لئے کڑا امتحان ہی تو ہے۔ کوئی عورت اپنے مرد کی بے نیازی، بے مروّتی برداشت نہیں کر سکتی۔ چاہے وہ کتنی ہی ظالم ہو۔ یا اس کی وسعت قلبی کے کتنے ہی ڈنکے بج چکے ہوں۔'

اس کے دل پر ملال کی کثیف فضا چھا گئی۔

امی خوش تھیں کہ شاردا بھابی کے آجانے سے ماہ گل بھی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ مسعود شاہ آکر اُسے لے جائے گا۔ ہاں ان کا یہ خیال بھی غلط نہیں تھا۔ ماں ہونے کے ناطے ان کی طمانیت سے بھری مسکراہٹ بھی اپنی جگہ درست تھی۔ وہ اپنے تئیں کسی طرح بیٹی کو آسودہ دیکھنے کی متمنی تھیں۔ مگر وہ کیا جانتیں کہ یہ صرف بہلاوا تھا۔

مسعود شاہ اگر سب کی نظروں میں غیرت مند بھائی تھا تو اس کے لئے ایک جابر شوہر تھا۔ اس کی غیرت اور حمیت اس کے لئے عذابِ جاں ہی رہی تھی۔ پھر کیسے وہ اس شخص کے ہمراہ جائے جو صرف اُسے اس لئے خوش رکھتا تھا کہ اس کی بہن اپنے گھر میں خوش رہے۔ اس کی زندگی میں تو آسودگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

اس کی زندگی تو صرف چند ماہ خوشیوں کا گہوارہ رہی تھی۔ اب تو ان خوشیوں کا دُھندلا سا عکس بھی ان آنکھوں میں نہیں رہا تھا۔ اس کے ماضی کے سمندر میں تو صرف دُکھ اور بے ثمر خواہشوں کا خزانہ دفن تھا۔

اس کی آنکھوں میں بنجر ماہ و سال بکھرے پڑے تھے اور حال کی کوئی تسلی بخش صورت نہ تھی۔

"نہیں مسعود شاہ! تم لاکھ غیرت مند سہی، کبھی میرے محبوب شوہر تھے۔ مگر میں نے اب تمہاری زندگی سے مکمل طور پر نکل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'

یہ فیصلہ کر کے ماہ گل نے ایک عجیب سا دکھ اپنے وجود میں سرایت ہوتا محسوس کیا۔ بہر حال زندگی یوں بھی کانٹوں سے پُر راستہ ہی تو ہے۔ وہ تو ہمیشہ ناآسودگی کے جال میں خود کو قید محسوس کرتی رہی تھی۔ اب اس جال کو کاٹ کر بھی اس کے سامنے کوئی روشن شاہراہ نہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ مگر یہ لمحہ لمحہ شکستگی کا عذاب موت سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ مسعود شاہ! تم ایک ساتھ ہی مجھے موت کے گھاٹ اُتار دو، یا پھر ہمیشہ کے لئے سمیٹ لو۔"

اس نے اپنی بھیگی بھیگی پلکیں موند لیں۔ بہت سارے دُکھ اس کی آنکھوں کے سامنے جاوداں تھے۔ غم کی گہری دُھند میں اُسے کچھ بھی تو نظر نہیں آرہا تھا۔

"ٹھک۔۔۔۔۔ ٹھک۔۔۔۔۔ ٹھک۔۔۔۔۔"

کوئی اس کا دروازہ مسلسل بجا رہا تھا۔ وہ چونکی اور جلدی سے آگے بڑھ کر دروازے کا لاک کھول دیا۔ سامنے ہی فروان کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے آپی ____ سو گئی تھیں کیا؟ میں کب سے دروازہ بجا رہا ہوں۔" وہ اندر آگیا اور ماہ گل کو بغور دیکھا۔

"نہیں تو ____ بھلا یہ کون سا سونے کا ٹائم ہے۔" اس نے بہ دقت تمام خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور مصنوعی مسکراہٹ سے لب سجا لئے۔

"ہوں ____ میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ ماہی آپی سحر کی طرح اتنی بے اصول کب سے ہو گئیں ____ اور ویسے بھی بھوک لگ رہی ہو تو نیند کس کافر کو آسکتی ہے۔ کیوں؟ آپ کو بھی یقیناً بھوک

لگ رہی ہو گی۔"

فروان کی بات پر وہ مسکرائی۔

"نہیں ____ کوئی خاص نہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔ جب نگاہوں کے سامنے ڈھیر سارے دکھ ہوں اور کوئی روشنی کی رمق نظر نہ آرہی ہو تو زندہ رہنے کی یہ ساری احتیاجات ثانوی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

"کیوں، آپ کو بھوک نہیں لگ رہی؟ دیکھئے تو، پورے دو بج گئے ہیں اور میں مارے فاقوں کے مر رہا ہوں۔" فروان نے عجیب سی مسمسی صورت بنائی کہ ماہ گل بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی۔ بوجھل ماحول میں فروان کا جملہ لطیف احساسات جگا گیا۔

"بالکل بچے ہو۔" وہ اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"نہ۔۔۔۔۔ آپی! پلیز۔ یہ سراسر میرے چھ فٹ قد اور میری بھرپور جوانی کی توہین ہے۔" اس نے برجستہ احتجاج کیا۔

"ہاں، تمہیں بچہ کہنا دراصل بچوں کی بھی توہین ہے نا۔" اس نے چھیڑا تو فروان ہنس دیا۔ وہ دونوں باتیں کرتے کھانے کی میز تک آ گئے۔ امی میز سجا رہی تھیں۔

"تم سحر کو لینے نہیں گئے فروان؟" امی اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"اس نے مجھے منع کر دیا ہے ____ کہہ رہی تھی کہ ہم سب فرینڈز ایک ساتھ آئیں گے۔ آج آخری پیپر ہے نا ____ شاید کچھ ہلا گلا کرنا تھا نہیں۔" وہ امی کو تفصیلاً بتاتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ماہ گل آپی کے چہرے پر سحر گل کے لئے پیار بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ہاں____آج وہ امتحانات سے فارغ جو ہو گی۔ آخری پیپر دینے کے بعد ایسی ہی خوشی ہوتی ہے۔" ماہ گل نے مسکرا کر کہا۔

اس وقت اچانک دروازہ کھلا اور سحر گل اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر عجیب بدحواسی چھائی ہوئی تھی۔ اس بدحواسی کا سبب کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

آج بھی ہمیشہ کی طرح وہ گلی کے کنارے اپنی بائیک روکے کھڑا اس کا منتظر تھا۔ بلیک پینٹ اور پیلی شرٹ میں اس کا حلیہ اس روایتی عشّاق جیسا تھا جو نہ جانے کتنوں کی زندگیوں میں زہر گھول چکے ہوتے ہیں۔ اس کا دم خشک ہونے لگا تھا۔ وہ پورے ایک ماہ سے نہ جانے کہاں سے آکر گلی کے کنارے کھڑا رہتا اور سحر گل جونہی کالج بس سے اُتر کر گلی میں آتی، وہ اسکوٹر سے اتر کر اسکوٹر دھیرے دھیرے گھسیٹتا ہوا اس کے پیچھے چلنے لگتا۔ کبھی کوئی گانا گنگنانے لگتا اور کبھی بہت کچھ کہنے کی خواہش لئے اس کے بے حد قریب سے گزرتا۔ پھر ٹھٹکتا، پلٹتا اور اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکراتا۔

آج بھی وہ اسکوٹر روکے کھڑا تھا۔ سحر گل کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ اس نے قدم اور بھی تیز کر دیئے تھے۔ ہوا سے اُڑتی چادر کو اس نے اچھی طرح جسم کے گرد لپیٹ لیا اور چہرہ جھکا کر انجان بنتی اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھنے لگی تو وہ دفعتاً اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"کبھی نظر اُٹھا کر دیکھ بھی لیا کیجئے کہ کوئی آپ کے انتظار میں آنکھیں فرشِ راہ کئے کھڑا ہے۔" اس نے والہانہ نگاہوں سے اس کی سہمی سہمی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور پھر ہاتھ میں تہہ کیا ہوا کاغذ اس کے ہاتھ میں پکڑے پرس کے اوپر ڈال کر تیزی سے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اُس کی یہ حرکت اتنی غیر متوقع تھی کہ سحر گل چند ثانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھتی رہ گئی۔ پھر اچانک ہوا

کے جھونکے سے کاغذ کی پھڑ پھڑاہٹ پر وہ چونکی۔ سفید تہہ کیا ہوا کاغذ اس سے پہلے کہ ہوا کے جھونکے سے نیچے گر جاتا، اس نے گھبرا کر اسے مٹھی میں جکڑ لیا۔ وہ اسکوٹر پر بیٹھ کر غائب ہو چکا تھا مگر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس کی مٹھی سے پسینے کی لہریں بہنے لگیں۔ دل یوں دھڑ دھڑ کرنے لگا جیسے ابھی ساری پسلیاں توڑ کر باہر آ گرے گا۔

رسوائی کا خوف یکلخت ہی اس کے سارے وجود پر طاری ہونے لگا۔ اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا، پھر آہستگی سے چور نگاہوں سے گلی میں نگاہیں ڈالیں۔ اطراف کے بنگلوں میں گہری خاموشی اور مہیب سناٹا تھا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نام ونشان نہیں تھا۔ اس نے اطمینان کا گہرا سانس سینے سے آزاد کیا اور جلدی جلدی بڑے بڑے قدم اُٹھاتی اپنے بنگلے کی طرف بڑھنے لگی۔

باہر اُسے دیکھتے ہی اُس کے پالتو کتے بلڈوگ نے شور مچانا شروع کر دیا تھا مگر وہ اس کے سفید نرم بالوں والے سر پر ہاتھ پھیرنے کی بجائے دھم سے ادھ کھلے گیٹ کو پورا کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

سب ڈرائنگ روم میں لنچ کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ فروان کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پردہ ہٹا ہوا تھا اس لئے وہ سب سے نظر بچاتی ہوئی سیدھی اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔

وہ کمرے میں بند ہو کر اپنے بکھرے حواس مجتمع کرنا چاہتی تھی۔ دل کی بے ہنگم دھڑکنوں کو قابو میں کرنا چاہتی تھی۔

ماہ گل آپی جو کرسی ہٹا کر کھڑی ہوئی تھیں، سحر کو یوں چوری چھپے اپنے کمرے میں بھاگتا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ نہ اس نے ہمیشہ کی طرح بلند آواز میں امی کو سلام کیا تھا، نہ ہاتھ میں پکڑا پرس یا بیگ سٹنگ روم کے کنارے لگی کرسی پر پٹخا تھا اور نہ امتحانوں کے بوجھ سے آزاد ہونے کی خوشی منائی۔ اس کا یہ خلافِ معمول انداز دیکھ کر وہ متحیر رہ گئی۔

"سحر آگئی ہے کیا؟" امی نے پوچھا تو ماہ گل نے سر ہلا دیا۔

"ہاں، شاید اپنے کمرے میں گئی ہے۔"

"واہ____ اتنی خاموشی سے؟آج تو اس کا آخری پیپر تھا۔اُسے تو خوب شور شرابے کے ساتھ آنا چاہئے تھا۔" فروان نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا کرسی پیچھے دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

اس کی آمد کا یہ نیا انداز سب ہی نے محسوس کیا مگر بے حد سرسری انداز میں۔ جبکہ ماہ گل کا ذہن اُلجھ رہا تھا۔

"جاؤ بلقیس!____ سحر کو کھانے کے لئے بلا لاؤ۔" امی نے کچن کی سنک پر برتن دھوتی بلقیس کو پکارا تو وہ جلدی سے سحر گل کے کمرے کی طرف بڑھی۔

فروان اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔امی کچن میں بکھری چیزوں کو ترتیب دینے میں مصروف تھیں اور ماہ گل سٹنگ روم کے کنارے صوفے میں دھنس گئی تھی۔

"وہ، سحر بی بی کہہ رہی ہیں انہیں بھوک نہیں ہے۔" بلقیس نے آکر امی کو اطلاع دی۔

"اچھا، چلو____ جب وہ کھانے آئے تو تم اُسے دے دینا۔ شاید اس وقت بھوک نہیں ہو گی۔" امی نے اس غیر معمولی بات کا زیادہ نوٹس نہ لیا۔ مگر ماہ گل کے لئے یہ سب بہت مختلف تھا۔وہ کچھ سوچ کر اٹھی اور سحر گل کے کمرے کی طرف بڑھی۔اس کی حسیات بہت تیز تھیں۔کسی کا خلافِ عادت انداز اس کی چھٹی حِس کو بیدار کر دیتا تھا۔

وہ کمرے میں آئی تو سحر گل انہی کپڑوں میں وہی چادر اوڑھے بستر پر اوندھے منہ پڑی تھی۔

"سحر!کیا بات ہے؟" ماہ گل نے اس کے سرہانے بیٹھ کر آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا نرم ہاتھ رکھا مگر دوسرے لمحے گھبرا گئی۔ہولے ہولے سسکیاں لینے سے سحر گل کا بدن ہل رہا تھا۔

"سحر____!"

"آپی____ آپ____" سحر گل اٹھ بیٹھی۔

"تم____ تم رو رہی ہو؟" ماہ گل نے اچنبھے سے اُسے دیکھا۔اس کا پسینے سے تر چہرے اور سہمی ہوئی آنکھوں میں جھانکا۔"کیا بات ہے سحر؟" اس نے سحر گل کے دونوں شانے تھام کر تشویش کی نظروں سے دیکھا تو ایک لمحے کے لئے سحر گل گھبرا گئی۔کسی خوف نے اس کا دل اندر سے جکڑ لیا۔فطری شرم اور ایک انجانے خوف نے اُسے ماہ گل کو سب کچھ بتانے سے گریز کیا۔

"وہ بس____ بس____ پپ____ پیپر اچھا نہیں ہوا ہے آج میرا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے چہرہ جھکا لیا۔

ماہ گل کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اس کے اندر جھانک رہی تھیں،اس کے سینے کی تہہ میں چھپے ایک خوف کو محسوس کر رہی تھیں۔ پھر کیسے اس کی بات پر یقین کر لیتی۔

"ہاں آپی!بس اس لئے مجھے رونا آرہا تھا۔ورنہ____"

"جھوٹ مت بولو سحر!____ تمہاری معصومیت اور سچی باتیں ہی تو مجھے پسند ہیں۔" ماہ گل نے اس کا جملہ کاٹ دیا اور اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولی۔"مجھ سے کچھ مت چھپاؤ سحر!بتا دو سب کچھ۔میں تمہاری اچھی دوست بھی تو ہوں نا۔شاباش!"

سحر گل نے کرب سے لب کاٹ لئے،شرم سے اس کا چہرہ تپنے لگا۔

"آ۔۔۔۔۔۔۔پی۔۔۔۔۔۔۔بخدا میں نہیں جانتی اُس کو۔۔۔۔۔۔۔۔وہ خود ہی بہت دنوں سے اسکوٹر پر گلی کے کنارے کھڑا رہتا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔آنکھوں سے جھڑی بہہ نکلی۔

"مم۔۔۔۔۔۔۔میں نے کبھی غور سے بھی نہیں دیکھا آپی!آج یہ خط اُس نے میرے پرس کے اوپر پھینک دیا۔"

اس نے تکیے کے نیچے سے تڑامڑا پرچہ نکال کر ماہ گل کی طرف بڑھایا تو ماہ گل کا دل پوری قوت سے دھڑکا۔ دل سکڑا اور پھیلا اور رگوں میں خوف کے خدشے دوڑ گئے۔ اس نے پرچہ سحر گل کے ہاتھ سے لے کر کھولا اور پڑھنے لگی۔

وہی بے ہودہ اور گھسے پٹے فلمی ڈائیلاگ سے بھرا محبت نامہ تھا____ محبت کے موضوع پر بے لاگ تبصرے۔ خود کو مجنوں اور فرہاد سے زیادہ بہترین عاشق اور باوفا ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی____ ماہ گل نے لب بھینچ لئے اور ایک گہری سانس لے کر خط بند کر دیا۔ اس کی شریانوں میں دُکھ گردش کرنے لگا۔ نوجوانوں کی اس بے راہ روی پر وہ کٹ کر رہ گئی۔

اس نے خط کو مٹھی میں جکڑ لیا اور ایک نظر سحر گل پر ڈالی۔ وہ ایک نازک دور سے گزر رہی تھی۔ نرم و نازک شاخ کی مانند____ جو کسی بھی تیز جھونکے سے جھک سکتی تھی، ٹوٹ سکتی تھی۔ اور جب اس نازک عمر میں حُسن کا بے ساختہ پن بھی ہو تو اچھے اچھوں کی عقلیں خبط ہو جاتی ہیں۔ پاکیزہ اٹھنے والی نگاہیں بھی بہک جاتی ہیں۔ چھلکتی، لہکتی عمر جو کسی بڑے امتحان کی متحمل نہیں ہوتی اور پھر دنیا کسی وسیع منہ زور سمندر کی طرح ان کے آگے پھیلی ہوتی ہے۔

کوئی منہ زور موج اسے اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ اگر ساحل پر کوئی ہاتھ تھامنے والا نہ ہو تو ڈوب جانا یقینی ہوتا ہے۔

اور وہ ہر حال میں سحر گل کا نازک ہاتھ تھام کر رکھنا چاہتی تھی۔ کسی ماں کی عمر بھر کی ریاضت ایک نازک برتن کی طرح چھناکے سے ٹوٹ جائے، یہ کب گوارا ہو گا۔

اس نے بہت نرمی اور شفقت سے سحر گل کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"اچھا کیا تم نے مجھے بتا دیا____ اب اس کا توڑ مجھے ہی کرنا ہو گا۔"

"آ____ آپ کیا کریں گی؟" سحر گل کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ بڑی بڑی خم دار پلکوں کو بغیر جھپکائے ماہ گل کو دیکھنے لگی۔

"سوچوں گی اس کے بارے میں بھی۔" ماہ گل اٹھنے لگی تو سحر نے جلدی سے اس کا بازو تھام لیا۔

"نن۔۔۔۔۔۔نن۔۔۔۔۔۔ نہیں آپی! ایسے مرد بہت برے ہوتے ہیں۔ اگر اس نے۔۔۔۔۔ نہیں آپی! آپ کچھ مت کیجئے گا۔"

"سحر!" ماہ گل نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ اس کی آنکھوں میں شرارے بھر گئے۔ ایسے آوارہ اور بدچلن مرد نہ جانے کتنی لڑکیوں کو اس طرح تعلیم سے محروم کر دیتے ہوں گے اور کتنوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا لیتے ہوں گے۔ اس کا توڑ ہونا چاہئے۔ سزا لڑکی کو نہیں، ایسے اوباش کو ملنی چاہئے کہ وہ آئندہ عبرت کدہ بن جائیں ہر نظر کے لئے۔ ماہ گل کا چہرہ غصے سے تپ اُٹھا۔

"تت۔۔۔۔۔۔ تو آپ۔۔۔۔۔۔ ززز۔۔۔۔۔۔ زمان بھائی سے کہہ دیں گی؟" سحر گل کا دم خشک ہونے لگا۔

"ارے نہیں بے وقوف____" ماہ گل اس کے خوف پر ہولے سے مسکرا دی پھر اسے تھپک کر بولی۔

"میں سوچوں گی کوئی حل۔ فی الحال تو تمہارے ایگزام ختم ہو گئے ہیں، تم گھر میں ہی ہو نا۔ بس ریلیکس رہو۔"

ماہ گل اُسے تسلی دے کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کا ذہن سخت منتشر ہو رہا تھا۔ اس خط نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ نہ جانے کن والدین کی ایسی بے راہ رو اولاد ہو گی۔ ملک کی روح کو زندگی بخشنے والے نوجوان ملک میں تیرگی پھیلا رہے ہیں۔ نوجوانوں کی ایسی حرکتوں پر اس کا دل ماتم کرنے لگا۔ اب اُسے ہی کوئی حل سوچنا تھا۔ وہ اپنے گھر کی جانب بڑھتی رسوائی کے قدم وہیں روک دینا چاہتی تھی۔

...☆☆☆...

اشمل خان گل بی بی سے مل کر واپس حویلی آیا تو احسن کا فون آ گیا۔ اس نے یونیورسٹی کھل جانے کی اطلاع دی تھی۔

چنانچہ وہ دوسرے دن ہی واپس شہر جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

شاہ خانم کے پاس رات کے طعام کے بعد آیا تو شاہ خانم نے منہ پھیر لیا۔ اس کے جانے پر وہ اس سے خفا تھیں جس کا برملا اظہار کر دینا چاہتی تھیں۔

"کیا ضرورت ہے تمہیں ہاسٹل میں رہنے کی ____ اتنے سال تو مجھ سے دور رہے ہو۔ یاد نہیں آتی میں؟"

"یہ بات نہیں ہے شاہ خانم! میں یکسوئی سے پڑھنا چاہتا ہوں ____ اور اب تو میرا آخری سال ہے۔ پھر تو مجھے تا عمر حویلی میں ہی رہنا ہے۔"

"تم ایک سال کی بات کر رہے ہو، میں تو ابھی تمہارے جانے پر خفا ہوں۔" شاہ خانم نے اسے دیکھا پھر اپنی مخصوص کرسی پر تن کے بیٹھ گئیں۔ "تمہارے آنے سے اس حویلی میں کچھ رونق ہو گئی تھی۔"

"آپ کے پاس اشارا ہے ____ پھر ذولین بھی تو ہے۔" اشمل نے دانستہ ذولین کا ذکر کیا تو شاہ خانم کا چہرہ تن گیا۔

"ذولین کا نام مت لو میرے سامنے ____" انہوں نے اشمل خان کو بری طرح جھڑک دیا۔ مگر اشمل ان کی ڈانٹ پر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے ان کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں شاہ خانم؟ ____ کیوں آپ ماضی کی وہ تلخ کتاب بند نہیں کر دیتیں؟ بلا تقصیر کے ذولین کو کیوں سزاوار سمجھتی ہیں؟"

"اشمل ____ بند کرو یہ موضوع۔" شاہ خانم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ غصے سے کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔

"نہیں بند کر سکتا میں یہ موضوع۔ بات کرنا چاہتا ہوں میں ذولین کے بارے میں۔"

"تو کرو اپنے باپ سے اس موضوع پر بات۔ میرا ذولین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔" شاہ خانم نے نخوت سے لب

بھینچ لئے اور دھم دھم کرتیں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اشمل غصے سے مٹھیاں بھینچتا اُلجھ کر شاہ خانم کو جاتے دیکھ رہا تھا۔

اشارا جو کنارے کھڑی ماں اور بیٹے کی یہ تلخ کلامی سن رہی تھی، اشمل کے قریب چلی آئی۔

"جاتے جاتے آپ کو شاہ خانم سے تلخ نہیں ہونا چاہئے تھا لالہ! کسی تلخ بات کو بھلانے اور نفرت کو ختم کرنے کے لئے اتنے ماہ و سال کافی ہوتے ہیں۔"

اشمل نے اُسے دیکھا۔ اس کی ستارا آنکھیں بجھی ہوئی تھیں اور ان میں دُکھ گردش کر رہا تھا۔

"نفرتوں کے یہ دروازے اگر بند ہو سکتے تو میں ہی سب سے پہلے آگے بڑھتی۔ یہ ذولین سے نفرت میرے دل میں تیر کی طرح پیوست ہوتی ہے۔" اشارا کے لب کانپ گئے۔

اشمل بری طرح چونکا اور چند لمحے اس کا جھکا ہوا سر اسی انداز میں رہ گیا۔ وہ عجیب نگاہوں سے اشارا کو تکنے لگا۔

"اش۔۔۔۔۔۔تارا۔۔۔۔۔۔۔کہیں تم۔۔۔۔۔۔ذولین سے۔۔۔۔۔۔۔" اشمل نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اشارا بری طرح گھبرا گئی۔

یہ اشمل لالہ کے سامنے اس نے کیا کہہ دیا ____ کہیں اس کی آنکھیں، اس کا چہرہ وہ راز طشت از بام تو نہیں کر رہا جس کو وہ امانت کی طرح چھپاتی رہی تھی۔ اس نے جلدی سے پلکیں جھکا دیں اور قدم دروازے کی طرف بڑھا دیئے۔

"اشارا!" اشمل نے اُسے پکارا تو وہ رک گئی اور پلٹ کر بولی۔

"پلیز اشمل لالہ! کوئی سوال مت پوچھئے۔ میں کسی جواب کی متحمل نہیں ہو سکتی۔" اس کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔ وہ رکی نہیں اور قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئی۔

اشمل خان تحیر کے عالم میں گھر کر رہ گیا۔اشتارا کی آنکھوں میں مہکتے ذولین کے نام کے رنگ بہت واضح تھے۔وہ لاکھ لبوں پر قفل لگائے رہی تھی مگر آج اس نے اس کی آنکھوں میں لکھی وہ تحریر پڑھ لی تھی۔

وہ چند ثانئے سُن سارہ گیا۔پھر کرب سے لب بھینچ لئے۔'نہ جانے کیوں ہم جانے بوجھے صاف راستوں کو چھوڑ کر پُر پیچ راستے کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔'

پابندیوں کی زنجیریں جتنی مضبوط ہوتی ہیں،بغاوتوں کے علم اتنے ہی بلند ہوتے جاتے ہیں۔

وہ اپنی ساری حیرانگیاں،ساری سوچیں اپنے ذہن ودل سے جھٹک کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دوسرے دن ہی وہ شہر چلا گیا۔شاہ خانم سے اپنی کج خلقی کی ڈھیروں معافیاں مانگ گیا تھا اور بہت جلد دوبارہ آنے کا وعدہ کر گیا تھا۔

اشتارا کو لگا جیسے وہ اپنے ہمراہ یہ دمکتا رنگ اور روزوشب کی ساری رونقیں سمیٹ کر لے گیا ہو اور ایک گردشِ لیل و نہار چھوڑ گیا تھا۔

وہ سخت بے کل ہو گئی تھی۔ایسے میں وہ لان میں ٹہلتے ٹہلتے ذولین خان کی انیکسی کی طرف آگئی۔

ذولین خان اس وقت انیکسی میں موجود نہیں تھا مگر اس کا دروازہ نیم وا تھا۔وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ صاف ستھری انیکسی میں گہرا سکوت تھا مگر ایک عجیب سی مدھر خوشبو بکھری ہوئی تھی جس سے وہ نامانوس نہ تھی۔ وہ جب بھی انیکسی میں آتی عجیب سے احساسات اُسے گھیر لیتے۔

کبھی بہت کچھ کھو لینے کا غم حاوی ہو جاتا تو کبھی سب کچھ پا لینے کا عزمِ نو ہوتا۔نئے اور انوکھے جذبے پھر پیدار ہونے لگتے اور اس کے ساتھ ڈھیر سارا کرب بھی روح میں سمٹ آتا۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو حیران رہ گئی۔خاردار جھاڑیوں اور مہیب سناٹے سے سجا لان کا پچھلا حصہ اس کے سامنے تھا۔ عجیب ویرانی اور الجھی الجھی شاخوں کی سوکھی ٹہنیاں اور درختوں سے گرے ہزاروں خشک پتے ایک نامہربان گوشے میں جمع تھے۔

اُس نے پیلی گھاس اور اُجاڑ سے اس صحرا جیسے باغ کو دیکھا۔ایسا لگتا تھا جیسے بہاروں نے ادھر کا کبھی رُخ ہی نہیں کیا ہے____ایسا لگا جیسے ذولین خان کے دل پر بھی ایسے ہی خزاں آلود موسم نے بسیرا کر لیا ہے۔یکلخت اس نے گھبرا کر دریچے کے دونوں پٹ بند کر دیئے۔اس کے دل میں نامانوس سی وحشت چھانے لگی۔

'دلوں کی ویرانیاں اور اندھیرے کم کرنے کی سعی کے لئے انسان اُجالے اور مسرتوں کی جانب بھاگتا ہے اور تم____' اُس نے تصور میں ذولین کو مخاطب کیا۔'اپنے اندر مزید اُداسیاں،ویرانیاں سمیٹ رہے ہو____یہ اُجاڑ اُجاڑ منظر تو زندگی کی رنگینیوں کو ڈھونڈنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔' اس نے جلدی سے دریچے کا بولٹ چڑھا دیا۔یوں جیسے اب یہ کبھی نہیں کھلے گا۔

اچانک گھڑی کے الارم نے اُسے چونکا دیا۔وہ گھبرا گئی اور جلدی سے پلٹ کر داخلی دروازے کی جانب بڑھی۔ مگر پھر ٹھٹک گئی۔ سرسری اُٹھتی نگاہ ریک پر پڑے اپنے زرد رومال کی طرف اٹھی جو سلیقے سے تہہ کیا ہوا رکھا تھا۔اپنا رومال یہاں دیکھ کر اُسے حیرانگی کا شدید جھٹکا لگا____یہ رومال وہ اکثر اپنے سنہری بالوں میں لگایا کرتی تھی۔ پھر یہ رومال اسے کہیں نظر نہ آیا اور آج اس کو یہاں ایک ظالم،نامہربان شخص کے کمرے میں اتنی حفاظت سے تہہ کیا ہوا دیکھ کر حیرانگی کا غلبہ فطری عمل تھا۔

وہ تیزی سے ریک کے قریب آئی اور اپنا رومال اٹھا لیا۔ مگر پھر اس کے نیچے سیاہ مخملی جلد والی ڈائری دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھیل گئیں____نہ جانے کیوں اُسے محسوس ہوا جیسے یہ ڈائری بہت اہم ہو اور اسے بہت حفاظت سے رکھا

گیا ہے۔

مگر ایک ایسا شخص جو زندگی کی لطافت اور نازک احساسات سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو، جس نے ہمیشہ حُسن و عشق کے دریچوں میں جھانکنے سے گریز ہی کیا ہو اس کے پاس اس کی گنجائش ہی کہاں کہ وہ کوئی نازک احساسات ڈائری میں قلم بند کرے۔

اُس نے ذولین خان کے سرد مہر وجود کو نگاہوں میں لا کر سوچا مگر اس کے باوجود دل کے اندر یہ خواہش مچلی کہ وہ یہ ڈائری کھول کر دیکھے کہ جو شخص ایک گہرے سمندر کی طرح تھا، کسی سربستہ راز کی طرح شاید اس کی زندگی کے کچھ ورق اس کے سامنے کھل جائیں۔اُس نے بے حد آہستگی سے اپنے نرم نرم ہاتھوں سے وہ گداز مخملی ڈائری اٹھالی اور دھیرے سے کھول لیا___!

وہ ڈائری اس کے سامنے کھلی پڑی تھی۔ جس کے پہلے صفحے پر ایک دمکتی نظم اُس کی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں تحریر تھی۔

تیسری آہٹ

سلگتی دوپہر کو ایک پل میں شام کرتی ہے

اُترتی ہے سوادِ ہجر میں کچھ اس طرح جیسے

صدائے آشنا کوئی

گھنے، گہرے اندھیرے جنگلوں کی بے یقینی میں

روشنی کا کام کرتی ہے

آہ___ مگر اب یہ خوبصورت آہٹ کئی دنوں سے میری سماعتوں میں رس گھولنے نہیں آئی۔ شاید اشارا خان نے میری بے اعتنائی اور کج خلقی سے سہم کر اپنے قدم پیچھے ہٹا لئے ہیں۔

میری سرد مہری نے اس کے نازک دل پر بہت کاری وار کئے ہیں۔ مگر اس کی ستارا آنکھیں میرے دل کے اندر پلتے شوریدہ جذبوں کو دیکھ ہی نہیں پاتیں۔

مگر نہیں___ قصور اس کا کہاں ہے۔ میں نے اپنے جذبوں پر سرد مہری اور بے اعتنائی کے اتنے دبیز پردے لگا رکھے ہیں۔ مگر اب ایسا لگتا ہے جیسے وہ سارے پردے دھیرے دھیرے

اُٹھ رہے ہیں۔ میں ہار گیا___ اشارا خان کی لا متناہی چاہت کے سامنے اور معصوم محبت کے آگے۔

مگر اس بار کوئی ملال، کوئی پچھتاوا نہیں ہے___

اشارا ان انکشافات کی منہ زور لہروں میں چکرا کر رہ گئی۔ یہ ذولین خان کی تحریر تھی۔ جس نے اپنے دلی جذبات کھول کر اس میں بکھیر دیئے تھے۔ اس نے الٹ پلٹ کر بے یقینی سے دیکھا تو آگے لکھا تھا۔

"اشارا" جو میرے لئے زندگی سے بھرپور نام ہے اور ایسا طمانیت انگیز نام جس کی خوشبو میرے اندر باہر اُجالے بکھیر دیتی ہے۔

میں وہ شام نہیں بھولا جب وہ آبشار کے قریب پتھر پر بیٹھی چھوٹے چھوٹے پھولوں کو عجیب بے چینی سے ایک ایک کر کے نوچے جا رہی تھی۔ پھر اچانک اُس نے دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو ان نشیلی آنکھوں کا فسوں میرے اندر شعاعیں سی بھر گیا___ اس کی ملکوتی آنکھوں کی روشنی میرے دل کے در و دیوار پر پھیل گئی اور مجھے لگا جیسے میرے چاروں طرف اُجالا ہی اُجالا ہو گیا ہو۔

اس سے آگے اس سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ایک ایک لفظ اس کی رگوں میں زندگی کا نیا رس گھولنے لگا۔یہ انکشاف اس کے اندر مسرت انگیز احساس بھرتا گیا۔مارے خوشی کے اس کا دل یوں دھڑکنے لگا جیسے ابھی ساری پسلیاں توڑ کر باہر آنکلے گا۔جب غم کے الاؤ میں اُمیدیں بجھنے لگی ہوں اور آنکھوں میں درد کے بوجھل سے گرداب پڑنے لگے ہوں،اب آرزوئوں کی شمعیں گل ہونے لگیں اور خوابوں کے پھول مرجھانے لگیں تو اچانک قافلۂ بادِ صبا کہیں سے آنکلے، تاریک شب کو کاٹ کر روشن ستارہ چمکنے لگے تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جانے کی بدمست خوشی جو نہال کر دے آج اُسے حاصل ہو گئی تھی۔

ایک بہت بڑا راز اس پر آشکار ہو گیا تھا____ایک سربستہ راز جسے پالینے کی بہکی بہکی خوشی نے اُسے مسرور کر دیا۔اس کے لئے اتنا بہت کچھ تھا۔

وہ تو اپنی وسیع سمندر جیسی محبت کے بدلے میں ایک قطرے کی خواہاں تھی۔اتنی ڈھیر ساری محبت نے تو اس کے پیاسے دل کو سیراب کر دیا تھا۔اس انکشاف کے سامنے تو اُسے اپنی محبت بھی ہیچ نظر آنے لگی۔

اس نے ڈائری اپنے کانپتے ہاتھوں سے ریک پر رکھ دی____اچانک اُسے اپنے قریب کسی ذی روح کی موجودگی کا احساس ہوا۔اُس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ذولین خان بے حد اطمینان سے اُسے ہی تک رہا تھا۔

”میں بھی کتنا پاگل ہوں____بھلا دل کی باتیں بھی صفحات پر رقم کرنی چاہئیں۔“

اُس نے جھک کر ریک پر رکھی ڈائری اٹھالی۔

”کیا۔۔۔۔۔۔ذو۔۔۔۔۔۔۔ذولین خان۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔سچ ہے؟“ اشارا نے کسی لرزتے چاند کی طرح حیرت زدہ آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

ذولین نے اسے دیکھا، پھر ڈائری واپس ریک پر رکھتے ہوئے کھل کر مسکرایا تو اُسے لگا جیسے گلاب کھل اٹھے ہوں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کیسی پُر سکون مسکراہٹ تھی۔

اُس کے ذہن پر ہر دم چھائی اُداسی چھٹ گئی تھی۔دل کا مطلع شفاف ہو گیا تھا۔

”ہاں____اتنا ہی سچ جتنا بہاروں میں پھولوں کا کھلنا، رات کے بعد دن کا آنا____ہاں اشارا خان! تمہاری محبت کا نرم و شیریں احساس ہی تو ہے جس نے ازل سے میرے دل کی بے نمو مٹی میں سبزہ اگا دیا۔“ اُس نے قریب آ کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط گرم ہاتھوں میں تھام لئے اور اس کی خوابیدہ آنکھوں پر تھرکتی پلکوں کی باڑ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا واقعی مجھے اتنا چاہتی ہو کہ میرے حقیر سے لفظوں نے تمہیں اتنی بے پایاں مسرت بخش دی____ایسا کیا ہے مجھ میں اشارا! کہ خود کو لمحہ لمحہ اذیت دیتی رہی؟“ وہ اُس سے پوچھنے لگا۔

اشارا اس کی اتنی قربت پر پگھل رہی تھی۔اس کے سوال کا جواب کیا دیتی۔وہ تو اپنی اس بدمست خوشی میں کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی ہو۔

”بولو نا اشارا____میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔صرف اندھیرے میں بھٹکتا ایک نقطہ۔اور تم ایک آبدار موتی۔تمہارے گلاب وجود نے مجھے روشنی کی طرف کھینچا ہے۔“ اس کے لفظوں میں چاہتوں کے چراغ جل رہے تھے اور لہجے میں پھول کھل رہے تھے۔

”اتنے عرصے تک آ۔۔۔۔۔۔آپ خود کو آزماتے رہے تھے یا مجھے؟“ وہ اُس کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔”اتنی بے پایاں خوشی ذولین خان! مجھ سے تو نہیں سنبھل رہی۔“ اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور خوش نما آنکھوں کے ساحل پر آنسوؤں کے کئی ستارے لرزنے لگے تھے۔

یہ خوشی کے دمکتے موتی تھے جنہیں ذولین خان نے آہستگی سے اپنے پوروں میں چن لیا۔

ذولین خان کی محبت کے احساس نے اس کے چہرے کو گلنار بنا دیا تھا۔اس کا حُسن دوچند ہو گیا تھا___ آنکھیں خمار آلود ہو گئی تھیں۔چہرہ فطری حیا سے جھکتا چلا جا رہا تھا۔

ذولین خان بغیر پلکیں جھپکائے اُسے دیکھتا رہا۔

پھر اچانک وہ پلٹی اور انیکسی کے داخلی دروازے کی جانب بھاگی۔

...☆☆☆...

الیکشن کی رونق اپنے عروج پر تھی۔جگہ جگہ پولنگ بوتھ قائم تھے جن کو طلبہ وطالبات گھیرے ہوئے تھے۔

آج ہر پارٹی کے ممبرز کے دل کی رفتار عام دنوں سے مختلف ہو رہی تھی۔جیت یا ہار کی خبر سننا تھی۔نہ صرف پارٹی کے ممبران بلکہ ہر اسٹوڈنٹ آج ہر درجہ متجسس اور ایکٹو تھا۔ہر اسٹوڈنٹ اپنے آپ کو اہم شخصیت سمجھ رہا تھا چونکہ اپنے ووٹ کی قدر و قیمت سے آگاہ تھا۔

پارٹیز کے اسپورٹرز اب بھی سب کو کنوینس کر رہے تھے۔آخری وقت تک ایڑی چوٹی کا زور لگانے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھے۔اس ساری افراتفری، شور شرابے سے بے نیاز ہثمینہ ابرار آفس میں بیٹھی تھی۔اس کے دل کی حالت عجیب تھی۔نہ اس کے اندر وہ پہلی سی گرم جوشی تھی نہ ہار کا خدشہ تھا اور نہ جیتنے کی اُمنگ۔

ریحان پراچہ کی غلط بیانی پر اُس کا سارا جوش، وہ سارا تپاک سرد پڑ گیا تھا۔وہ سخت ملول ہو گئی تھی۔اُسے گہرا شاک پہنچا تھا۔سراج کیانی نے اسے بیچ سڑک پر صاف کہہ دیا تھا کہ وہ سب ہنگامہ اس نے ریحان کی ایماء پر کیا تھا۔اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں کس لیا ہو۔سیکرٹری ہونے کے ناطے اس نے اپنی پارٹی کی پارسائی ثابت کرنے، اسے اونچا مقام دینے کے لئے جلسوں میں کیا کچھ نہ کہا تھا۔وہ سب کتنا بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ایسی سستی اور اوچھی سیاست کرنا اس کو سخت ناپسند تھا۔اس نے اپنی پارٹی کی ساکھ مضبوط کرنے کے لئے انتھک محنت کی تھی۔مخالف پارٹی کے

لیڈر اشمل خان کے طنز سہے تھے۔محض ریحان پراچہ کی خاطر، اُس کو یونین کا صدر بنانے کے لئے اس نے ساری کلفتیں برداشت کیں۔مگر ریحان پراچہ کی ذات کا یہ پرت آج اس کے سامنے کھلا تو وہ دنگ رہ گئی۔ساری اُمنگیں، ساری گرم جوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔اُسے اب کوئی سروکار نہ تھا کہ کون سی پارٹی جیت رہی ہے اور کون شکست کا منہ دیکھے گا۔

وہ سخت کبیدہ سی کرسی میں دھنسی بیٹھی تھی۔تبھی ندرت اس کے پاس آبیٹھی۔

"کیا بات ہے ہثمینہ؟" وہ اُسے یوں پژمردہ دیکھ کر متحیر رہ گئی۔ایک سرگرمِ عمل سیکرٹری کو عین الیکشن کے دن اتنا بددل دیکھ کر وہ عالم تحیر میں گھر گئی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟___ میں تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔میں سمجھ رہی تھی کہ تم کہیں اسٹوڈنٹس کو کنونس کرنے میں مصروف ہو گی۔" ندرت اپنا بیگ ٹیبل پر پٹخ کر اُس کے سامنے میز پر ہی بیٹھ گئی۔اُس نے اشمل خان کی پارٹی کے ڈھیر سارے بیجز لگا رکھے تھے اور اس کے جھنڈے کے رنگ کا دوپٹہ پہن رکھا تھا۔

ہثمینہ نے اُسے دیکھا مگر برہمی کا کوئی تاثر اس کے چہرے پر نہیں اُبھرا۔اُس نے تو محسوس ہی نہ کیا کہ وہ آج یوتھ فیڈریشن کا چلتا پھرتا اشتہار بن آئی ہے۔

"کیا بات ہے ہثمینہ؟" ندرت اُس کی مسلسل خاموشی پر تشویش سے بولی تو اُس نے ایک گہرا سانس سینے سے آزاد کیا۔

"بس سکون کی طلب ہو رہی تھی___ اس لئے یہاں آبیٹھی۔"

"کیا؟___ آج اور سکون کی طلب؟" ندرت زور سے ہنسی۔پھر اس کی جانب قدرے جھکتے ہوئے بولی۔"ڈیئر! برا مت ماننا، آج تو لگتا ہے ریحان پراچہ کی پارٹی کے کسی بھی ممبر کو سکون شاید ہی نصیب ہو۔آئی تھنک اشمل خان ہی

وکٹری اسٹینڈ پر پہنچے گا ___ ہی از دی نیچرل ونر۔" ندرت نے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بناتے ہوئے کہا تو ہثمینہ ابرار کے دل کو دھچکا سا لگا۔ بہر کیف وہ اپنی ڈھیر ساری محنت کو رائیگاں ہوتے دیکھنے کا دُکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اُس نے اپنی پوری آنکھیں کھول کر ندرت کو دیکھا۔

"تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو؟ یہ تو کاؤنٹنگ کے بعد ہی فائنل ہوگا۔"

"بھئی میں تو اپنے اندازے کے مطابق کہہ رہی ہوں۔" ندرت میز سے اتر کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگی۔

باہر ایک افراتفری اور بے قراری کا عالم تھا ___ یوں لگتا تھا جیسے زندگی کی ساری رونق، ساری بے قراری یہیں سمٹ آئی تھی۔

ندرت کی آنکھوں میں بھی زندگی تھرکنے لگی۔

"چلو ہثمینہ! باہر چلتے ہیں۔" وہ پلٹ کر بولی اور کھڑکی کا پٹ بند کر کے ہثمینہ کی طرف آگئی۔ "تم یوں دبکی بیٹھی ہو۔ مجھے تو لگتا ہے دال میں کالا ضرور ہے۔ ورنہ تم اتنی مردہ دل تو نہیں ہو۔ اور کم از کم آج کے دن یہ گہری اُداسی۔" ندرت کھوجتی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ "ہے نا کوئی بات؟" وہ قدرے اس کی سمت جھکی۔

"فضول ___ کوئی دال میں کالا والا نہیں ہے۔" وہ اُسے دھکیل کر کھڑی ہو گئی اور پھر چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر چھوٹا سا بیگ کندھے پر ڈال کر اس کے ساتھ باہر آگئی۔

"دیکھو تو اسٹوڈنٹ کیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم دونوں کو دیکھ رہے ہیں۔" ندرت اپنے اطراف اچٹتی نگاہ ڈال کر ہنس کر بولی۔

"کہاں اشمل خان کی پارٹی کی کارکن اور کہاں ینگ جنریشن فیڈریشن کی سرگرم سیکرٹری ___ شاید لوگوں کو ہم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

دونوں کا یوں ساتھ ساتھ چلنا اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ دونوں دھیرے دھیرے چل رہی تھیں۔

"ٹھیک ہی تو ہے ___ مجھے تو ویسے بھی تم سے بات تک نہیں کرنی چاہئے۔ آج تم مکمل یوتھ فیڈریشن کا جھنڈا بن کر آئی ہو۔" ہثمینہ نے اُسے تیز نظروں سے گھورا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

"آخاہ ___ مس ہثمینہ ابرار! کیا آپ اپنے قیمتی ووٹ سے ہمیں محروم رکھیں گی؟" احسن نہ جانے کہاں سے آنکلا۔ وہ ہمیشہ کی طرح دل جلانے والے انداز میں بولا تو ہثمینہ نے ہونٹ سکیڑ کر ناگواری سے اُسے دیکھا۔

"میرا ووٹ اور آپ کے نام۔"

"جی ___ ہماری تنظیم کے نام۔" اُس نے سر خم کرتے ہوئے کہا تو ہثمینہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"مسٹر احسن! آپ کو اتنی خوش فہمی کب سے ہو گئی کہ میں، یعنی ینگ فیڈریشن کی سیکرٹری، اشمل خان کے حق میں ووٹ دوں گی؟" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ مگر احسن ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"بھئی ندرت صاحبہ! میں تو آپ کی فرینڈ کو بہت باشعور سمجھتا تھا۔" وہ ندرت کی طرف مڑتے ہوئے بولا تو ندرت بے ساختہ ہنسی کو روک کر جلدی سے بولی۔

"تو ٹھیک ہی سمجھتے تھے۔ ہثمینہ ابرار جتنی باشعور ہے، اتنی ہی غیرت مند بھی۔ وہ اپنی پارٹی سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔ آپ جیسے لوگ اس کے قدم نہیں ڈگمگا سکتے۔"

"چہ ___ خوب۔" احسن پُرزور انداز میں ہنسا۔

"چلو ندرت!" ہثمینہ، ندرت کو مزید بولنے پر تیار دیکھ کر اُسے تقریباً کھینچتی آگے بڑھ گئی۔

"اشمل خان کی پارٹی کی سرگرم کارکن صاحبہ! میری حمایت میں بول کر تم کیا ایکسپوز کر رہی تھی؟" وہ منہ بنا کر

بولی تو ندرت اچھلی۔

"آں____ہاں____کیا____کیا مطلب تمہارا؟"

"ظاہر ہے تم میری حمایتی تو قطعی نہیں ہو____ورنہ اپنا ووٹ میرے حق میں ہی دیتیں۔"

"اُف____میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟" ندرت کی آنکھوں میں اُلجھن اتر آئی۔ وہ سر پکڑ کر بے بسی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ "دیکھو ہشمینہ! دوستی اور رشتے ناطے اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر ووٹر پر ایک بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے جو اسے مکمل غیر جانبدار ہو کر نبھانا ہوتی ہے۔ میں جانتے بوجھتے ایک ایسے شخص کے حق میں ووٹ کیسے دے دوں جو اسٹوڈنٹس کے مسائل کے حل میں مخلص نہیں ہے۔ محض مفاد پرستی اور شو آف کے لئے الیکشن میں کھڑا ہوا ہے۔ ریحان پراچہ کے بارے میں تم اتنا نہیں جانتیں جتنا میں جانتی ہوں۔" ندرت یہ کہہ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جہاں اُلجھن کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

وہ ندرت کی اس بات کو جھٹلانے کی بجائے اس کی سمت دیکھتے ہوئے کچھ سوچ کر بولی۔

"اشمل خان کتنا مخلص ہے اس کا اندازہ تمہیں کس طرح ہے؟" وہ لائبریری کے کشادہ شفاف زینے پر بیٹھ گئی۔

"ایک ووٹر ہونے کے ناطے میں دونوں میں سے بہتر اشمل خان کو سمجھتی ہوں۔ بظاہر اس کا کردار صاف رہا ہے۔ اور پھر میں اشمل خان کے مخلص ہونے کا دعویٰ تو نہیں کر رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ اسٹوڈنٹس کے لئے کتنا ایماندار ہے مگر____" وہ ایک لمحہ رکی پھر اس کے قریب زینے پر بیٹھ گئی ہے۔ "کچھ بھی ہے، اس کا منشور حقیقت پسندانہ ہے۔ اور ابھی تک اس نے جلسے میں جو کچھ کہا ہے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ پھر ریحان پراچہ کی طرف سے پھیلائی گئی وہ بدامنی کسی بھی امن پسند طالب علم سے چھپی نہیں ہے۔" اس نے آخری جملہ طنزیہ انداز میں کہہ کر ہشمینہ کو دیکھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ہشمینہ نے لب بھینچ لئے۔ وہ واقعہ تو خود اس کے ذہن کو بھی جھنجھوڑے دے رہا تھا۔

"ہشمینہ ابرار! ریحان پراچہ نے تمہیں اتنا چکا چوند والا بڑا عہدہ دے کر دراصل تمہیں اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ تم محض اب بے وفائی سے گریزاں ہو۔ ورنہ تو تمہارے لئے بھی ینگ فیڈریشن میں کوئی چارم نہیں ہے۔"

"شٹ اپ۔" اس نے ندرت کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔ "میں قطعاً کسی اُلجھن میں گرفتار نہیں ہوں۔" اُس نے جلدی سے اضطراب پر خفگی کا پردہ ڈال دیا اور ندرت کو تیوری چڑھا کر دیکھنے لگی۔ وہ اپنی کمزوری یا پریشانی ندرت پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم سب کے بارے میں بے تکے اندازے لگانے میں بہت ماہر ہو گئی ہو۔" وہ برہمی سے اُسے دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

"تو کیا واقعی تم ریحان پراچہ کو اشمل خان سے بہتر سمجھتی ہو؟" ندرت اُس کی کلائی پکڑ کر اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

ہشمینہ کا چہرہ یکلخت کسی احساس کے تحت تپ اٹھا۔ اس نے اپنی لانبی لانبی پلکیں اُٹھا کر ندرت کو دیکھا۔ کیسے دل جلانے والے انداز سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں صورت کی بات نہیں کر رہی۔" ندرت نے وضاحت کی، پھر زور سے ہنس پڑی۔

"تم اشمل خان کو میری چڑ بنا رہی ہو____" ہشمینہ اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے تند لہجے میں بولی اور رُخ پھیر لیا۔ نہ جانے کیوں ندرت کی آنکھوں میں مچلتی شرارت نے اُسے نروس کر دیا تھا____اُسے لگا جیسے وہ اس کے اندر کہیں جھانک رہی ہے۔ اور شاید وہ جذبے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہے جو اشمل خان کے نام کے ساتھ اس کے دل کے ساحل پر مچل رہے ہوں۔ ایک عجیب ہیجان خیز احساس اُسے اپنی گرفت میں لینے لگا۔

ندرت بھرپور انداز میں ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چڑ___ ہوں___ خوب کہی تم نے بھی۔ اگر اس چڑ کی جگہ کوئی اچھا سا دوسرا جملہ لگا دوں میں تو؟"

"لگتا ہے تمہارے پاس فضول باتوں کا خاصا اسٹاک جمع ہے___ میں نے ابھی تک ووٹ نہیں دیا۔" ہشمینہ اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتی بولی اور زینہ اتر کر آگے بڑھ گئی۔

"ہشمینہ ابرار! تم جیسی پاگل اور معصوم لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ میری باتوں کی اہمیت تمہیں ایک دن ضرور محسوس ہوگی۔ محض انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تم نے۔ ورنہ تو اشمل خان نے تمہیں، بہت نہ سہی، کچھ امپریس ضرور کیا ہے۔" ندرت ہنستی ہوئی بولی۔ مگر ہشمینہ سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔

"گدھی لڑکی___" ندرت پیر پٹخ کر اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر خود دوسری طرف جانے لگی۔

جوں جوں وقت سرکتا گیا، اسٹوڈنٹس کے دلوں میں عجیب عجیب احساسات جاگنے لگے۔ ہار یا جیت کس کا مقدر بنتی ہے؟___ ایک اشتیاق سب کی آنکھوں میں پھیل گیا تھا۔

ہشمینہ کا بجھا ہوا دل بھی بیدار ہونے لگا۔ بہر کیف اُس نے اپنی فیڈریشن کے لئے سر توڑ محنت کی تھی۔ ایک ایک لمحہ اپنی تنظیم کا پرچم بلند کرنے کے لئے صرف کیا تھا۔ اب نتائج کی ساعت قریب تھی تو وہ کیسے غافل رہ سکتی تھی۔

بالآخر انتظار کی نامہربان ساعتیں بھی ڈھل گئیں۔ کوئی پانچ بجے کے قریب نتائج کا اعلان ہوا اور اشمل خان خل زئی بھاری اکثریت سے فاتح قرار دیا گیا۔ یونیورسٹی میں ایک شور ہنگامہ بپا ہو گیا جو چہار دیواری کو دہلائے دے رہا تھا۔ اشمل خان کی فتح پر مسکراتے چہرے اور کھنکتے قہقہوں نے جیسے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

"یار اشمل! یہ اتنی بڑی خوشی مجھے تو سنبھالنی مشکل ہو رہی ہے۔ تم دیوانے کیوں نہیں ہوئے؟" احسن اُس کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

مسرور اور مطمئن چہرے پر نگاہ ڈال کر مسرت سے مغلوب لہجے میں بولا تو وہ ہنس پڑا۔ آج اس کی ہنسی میں سارے جہاں کی شادابی اور شگفتگی گھلی ہوئی تھی۔

"صد شکر کہ مجھے اپنے جذبات پر کنٹرول ہے___ دیوانہ بن گیا تو میرا وجود سب کے لئے بیکار ہی ہوگا۔" اس نے کرسی سے اٹھ کر احسن کی پیٹھ تھپکی۔ "تم بھی دیوانگی کو پرے ہی رہنے دو مائی ڈیئر فرینڈ! ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ سب کی توقعات پر پورا اترنا ہے۔ اور جس دن ہم واقعی کچھ کر دکھائیں گے اور سب کی توقعات پر پورا اُتریں گے، دراصل وہی دن ہماری فتح کا ہوگا۔"

اس نے بے حد متانت سے کہا۔ اسی لمحے ایک شور اٹھا اور ایک بڑا غول آفس میں آگھسا۔ کسی کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھے تو کوئی مٹھائی کے ڈبے اٹھائے ہوئے تھا۔ سب نے اشمل خان کو گھیر لیا۔

"مبارک ہو سوہنے یار!" سب سے پہلے نعیم نے اس کے گلے میں بڑا سا گلاب اور موتیے کا مہکتا ہار ڈال دیا۔

"یہ فتح کا سب سے پہلا لڈو میری طرف سے۔" افتخار نے اُس کے منہ میں بڑا سا لڈو ٹھونس دیا۔

پھر تو سب ہی جیسے خوشی سے اشمل پر کود پڑے۔ دھڑا دھڑ ہار اُس کی گردن میں ڈالتے گئے۔ کوئی مٹھائی تقسیم کرنے لگا اور ایک دوسرے کے منہ میں لڈو ڈالنے لگے۔ اُونچے اُونچے قہقہے اُمڈتے رہے۔

"ابے شہزادے! تُو کہاں پیچھے دبکا کھڑا ہے۔ ادھر آ تو سویٹ ہارٹ! تم نے تو اس فتح کے لئے گولی بھی کھائی ہے۔" احسن پیچھے دبے شہزاد جمال کو کھینچ کر اشمل خان کے قریب لے آیا اور شہزاد، اشمل کے گلے لگ گیا۔ اشمل خان نے بھی اُسے محبت سے لپٹا لیا۔

پھر وہ سب ہجوم اشمل خان کو گھیرے ہوئے بڑے سے لان میں لے آیا۔

"زندہ باد اشمل یار!"

"جیئے جیئے اشمل خان۔"

ایسا زبردست نعروں کا غلغلہ اٹھا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اتنے شور ہنگامے میں اشمل خان کو اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ان سب کے نرغے میں مسکراتا، سب کی مبارک باد وصول کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھ چلتا احسن بھی سخت متوحش تھا۔

"یار! کہیں کچلے ہی نہ جائیں۔" اسے اپنی جان کے لالے پڑتے محسوس ہوئے۔ نعیم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"تم اتنی آسانی سے نہیں مروگے پیارے! سو کو کچل کر ہی مروگے۔"

"ہاں، تمہیں تو سب سے پہلے کچلوں گا۔" احسن نے اُسے گھورا۔

اشمل کو لان میں بنے بڑے سے اسٹیج پر چڑھا دیا گیا۔ وہ ڈائس پر ہاتھ مار کر اس شور وغل کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں آپ سب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی ووٹ میری نذر کیا۔ آج میری فتح میں آپ سب جوانوں کا ہاتھ ہے۔ لیکن میں اس دن کو اپنی فتح کا دن سمجھوں گا جب آپ لوگوں کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ جب میری ذات کسی کے لئے باعث تسکین ہو گی۔ دراصل یہی دن تو میری پرکھ کا دن تھا جس میں آپ لوگوں نے مجھے معتبر کر دیا ہے اور خود مجھے پہلی سیڑھی پر چڑھایا ہے۔ مگر اب بقیہ سیڑھیاں مجھے خود طے کرنی ہیں اور آپ کے اعتبار پر پورا اُترنا ہے۔"

اشمل خان کی بھاری آواز گونج رہی تھی۔ سارے اسٹوڈنٹس ہمہ تن گوش تھے۔ ریحان پراچہ تو چند ثانئے کے لئے

دنگ رہ گیا۔ فتح کا سہانا خواب دیکھنے والی آنکھیں تحیر میں گم تھیں۔ ہار کا تصور ہی اس کے لئے قیامت خیز تھا۔

دولت کا گھمنڈ، پُرکشش پرسنیلٹی کا زعم سائے کی طرح اس کے ساتھ لپٹا رہا تھا۔

خواہش کے حصول کے لئے اس نے منفی راستہ اختیار کرنے میں کبھی عار محسوس نہ کیا تھا۔ اس نے اپنا مقصد صرف پانا، پانا اور سب کچھ پالینا بنا رکھا تھا۔ پھر وہ اتنی بڑی ہار کیسے برداشت کر لیتا۔ اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے جائز، ناجائز ہر طریقہ اختیار کر چکا تھا۔ پھر بھی اتنی بڑی شکست اُس کا منہ چڑا رہی تھی۔

وہ تڑپ اٹھا۔

اشمل خان کے نعرے اُس کے وجود میں آگ بھر رہے تھے۔

اُس کا دل پھیلا سکڑا اور رگوں میں خون نہیں انگارے دوڑنے لگے تھے۔

"نہیں، نہیں ___ میں اتنی آسانی سے شکست نہیں کھا سکتا۔" وہ نفرت اور غصے سے چیخ اُٹھا۔

سراج کیانی نے اُسے دیکھا، پھر سر جھکا لیا۔

"بہرحال، جیت تو اشمل خان کا مقدر بن گئی ہے۔"

"شٹ یور ماؤتھ۔" وہ بھڑک اٹھا۔ اس نے سراج کیانی کو آگ بھری نظروں سے دیکھا اور پھر غصے سے سامنے رکھی کرسی کو ٹھوکر لگائی۔

"ریحان پراچہ نے آج تک کسی کی برتری قبول نہیں کی ہے۔ اسے نیچا دکھانے والا اب تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ اشمل کیا ہے ___ ہنہہ ___"

"تم بھول رہے ہو ریحان! یہاں فاتح وہی ہے جس کے گلے میں ہار ہے، جسے اسٹوڈنٹس نے چن لیا ہے۔اشمل خان ہمارا طاقتور حریف تھا، سو جیت گیا۔" سکندر پہلی بار بولا۔اُس کے لہجے میں پسپائی تھی۔اُس نے کھلے دل سے ہار تسلیم کرلی تھی۔

"تم بھول رہے ہو سکندر! کہ یہاں جیت اُس کی ہے جو بہت زیادہ طاقتور ہے۔اور اپنی طاقت کا استعمال بھی جانتا ہے۔" ریحان پراچہ نے سکندر کو دیکھا۔اُس کی آنکھوں میں اپنی برتری اور اپنے اثر ورسوخ کے مالک ہونے کا خمار ہلکورے لے رہا تھا۔

"تو اب تم کیا کرسکتے ہو؟" سراج کیانی نے اُسے حیرت پاش نظروں سے دیکھا۔

"فی الحال کچھ نہیں۔" اُس نے لب بھینچ لئے۔اُس کی آنکھوں میں اشمل خان کیلئے نفرت کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔ہزیمت کا احساس اُسے اندر ہی اندر جلا رہا تھا۔

ہشمینہ ابرار کی ساری محنت اکارت گئی۔

اُس کا اسٹوڈنٹس کے سامنے بہتر انداز میں آنے کا ڈرامہ بھی فلاپ ہو گیا۔اُس نے اپنے اندر کے منفی ریحان کو چھپا کر ایک نئے ریحان پراچہ کے روپ میں سب کے سامنے آکر اپنی ساکھ بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، مگر محض ایک دن بلکہ چند گھنٹوں میں وہ سب اکارت گئی۔

اُسے لگا جیسے لوگ باہر اُس پر ہنس رہے ہوں گے، اُس کا مذاق اُڑا رہے ہوں گے، اُس کی ناکامی پر لمبے لمبے اور مزاحیہ فقرے چست کر رہے ہوں گے۔

"اشمل خان____" اُس نے نفرت سے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔اُس کے لفظ اُس کی سماعت پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔صرف وہی تھا جس نے اُسے اس فتح سے دُور کر دیا، اس کی برتری کے احساس کو خاک میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ملا دیا۔اس شکست کا احساس اُسے اکسا رہا تھا۔

باہر فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ریحان پراچہ کو ووٹ دینے والے بھی کئی اسٹوڈنٹس اب اس خوبصورت جشن میں پیش پیش تھے۔چڑھتے سورج کے پجاری کے مصداق وہ بڑھ چڑھ کر اشمل خان کو مبارکباد دے رہے تھے۔

جیئے جیئے اشمل خان کے نعرے لگ رہے تھے۔

ہشمینہ ابرار کو تو لگ رہا تھا جیسے سارا آسمان اُس پر آگرا ہو اور اُس کی رُوح دب کر نہ سسک سکتی ہو اور نہ کھل کر قہقہے لگا سکتی ہو۔نہ وہ اس خوشی مناتے انبوہ کثیر میں شامل ہو کر خود بھی مسرت کا جام پی سکتی تھی نہ ریحان پراچہ کی شکست پر اُس کے ساتھ بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رو سکتی تھی۔

اُسے لگا جیسے اُس کا وجود عمیق گہرائیوں میں اُترتا چلا جا رہا ہو۔ایسی فضائوں میں جہاں کچھ بھی نہیں تھا، جہاں صرف دل دوز تاریکی تھی۔

ہار کا گہرا دُکھ اور

اپنی محنت کے عبث جانے کا کرب۔

اُس کا دل اُداسی میں گھر کر رہ گیا اور رُوح جیسے غم واندوہ میں دب کر رہ گئی ہو۔

آنکھیں بے اختیار چھلک اٹھیں۔اُسے اشمل خان کے جیتنے کا اتنا دُکھ نہیں تھا جتنا اپنی بے غرض اور بے لوث محنتوں کے عبث جانے کا دُکھ تھا۔اُسے ریحان پراچہ کے ہارنے کا غم نہیں تھا، اپنی سبکی کا احساس مارے دے رہا تھا۔ہائے! اتنی ذلت تو میں نے آج تک کبھی اٹھائی نہیں۔اُس کا دل لہو لہو ہو رہا تھا۔وہ کامن رُوم کے دروازے پر کھڑی تھی۔ وہیں دروازے سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگی۔یکسر سارے ماحول سے کٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے

لگی۔اُس کی آنکھوں سے لرز کر نکلنے والے سارے آنسو دُور کھڑے اشمل خان کے دل پر آتشِ سیال کی مانند گر رہے تھے۔وہ بیکراں ہجوم کے درمیان تھا مگر اُس کی طرف سے بیگانہ نہیں تھا۔

وہ اسٹیج سے اُتر آیا اور اس ہجوم سے نکلتا کامن رُوم کی جانب بڑھا اور پھر ٹھٹک گیا۔چند ثانئے اُس کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔مایوسی اور ناکامی کے دُھوئیں میں لپٹا ہوا اُداس چہرہ اُس کے بالکل سامنے تھا۔ہمہ وقت تمتناہٹ سے سجی بڑی بڑی آنکھیں اس لمحے آنسوئوں کی تپش سے چراغ ہو رہی تھیں۔

ٹپ۔۔۔۔۔۔ٹپ۔۔۔۔۔۔ٹپ۔۔۔۔۔۔تیزی سے گرتے موٹے موٹے قطرے رخساروں کو بھگوئے دے رہے تھے۔اشمل خان کے دل کو جیسے کسی نے آہنی حلقے میں کس لیا ہو۔وہ تیزی سے آگے بڑھا اور کامن رُوم کے دروازے سے ذرا فاصلے پر رُک گیا۔ہثمینہ نے اپنی لرزتی بھیگی پلکیں اُوپر اُٹھائیں تو اشمل خان کو یوں روبرو دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔اپنی شکست کا اعتراف وہ یوں کھلے عام کر رہی تھی۔اُس کا چہرہ تپ اُٹھا اور آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔

اُس نے کرب سے ہونٹ کاٹ ڈالے اور رُخ پھیر لیا۔

...☆☆☆

"ماہی ___ خدا کا واسطہ، مجھ پر رحم کرو۔" امی اُس کے سامنے کھڑی ملتجی تھیں۔

اُس نے کرب سے لب دانتوں میں جکڑ لئے۔

"میرا ہی کچھ خیال کر لو ___ جائو بات کر لو۔اُس نے تیسری دفعہ فون کیا ہے شاید تمہیں۔"

"ہاں ___ اس لئے کہ اب اس کی بہن یہاں آچکی ہے۔وہ مجھے لے جانے کی خواہش کرے گا۔" اُس نے تیزی

سے امی کی بات کاٹ دی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماہی! جذباتی مت بنو۔آخر شاردا بھی تو ہے ___ دیکھو زمان اُسے لینے گیا اور وہ آگئی۔وہ بھی تو یہی زندگی گزار رہی ہے۔" امی کی آنکھوں میں نم ناکی پھیل گئی۔

"کیوں گزار رہی ہے ___ یہی تو میں پوچھتی ہوں۔کیوں خود کو اُس نے اتنا ارزاں کر لیا ہے۔کیوں آگئی ہے وہ زمان کے ساتھ ___ اُسے نہیں آنا چاہئے تھا۔اُسے نہیں آنا چاہئے تھا۔" وہ غصے اور بے بسی کے مشترکہ احساس سے چیخ اٹھی۔امی گھبرا گئیں۔

"نہیں ماہی! نہیں۔عورت میں لچک رہے تبھی اچھی ہے۔چل آ، بات کر لے مسعود شاہ سے۔" امی اُسے بازو سے تھام کر زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹتی ہوئی اس کمرے میں لے آئیں جہاں اسٹینڈ پر مسعود شاہ کا فون ہولڈر رکھا تھا۔

"دیکھ ماہی! جذبات کی دنیا میں سوچ کے پہلو نہیں آتے۔تم ٹھنڈے دل سے سوچو، غصہ تھوک دو اور اس کی بات سن لو۔وہ جو کہے اسے مان لو۔تمہیں خدا کا واسطہ، اپنے مستقبل کو کوئی داغ مت لگا دینا۔جھکا لینا سر۔" امی کی آواز رندھ گئی۔وہ ملتجی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

ماہ گل نے بے تحاشا دُکھ اور کرب سے امی کو جاتے دیکھا اور پھر فون کی طرف بڑھی۔ریسیور اُٹھاتے ہوئے اس کے ہاتھ بری طرح کانپنے لگے ___ میں سر نہیں جھکا سکوں گی امی! ___ اُس کے دل میں درد سا اُٹھا اور سارے بدن میں پھیل گیا۔

"ہیلو!" اُس نے بمشکل کانپتی آواز کو قابو میں کیا اور لہجے کو سپاٹ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

"ماہی! میں مسعود بول رہا ہوں۔" مسعود شاہ کی بھاری آواز گونجی اور ماہ گل کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"جانتی ہوں___اب تعارف کی کہاں ضرورت رہ گئی ہے مسعود شاہ! اب تو ہم ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف ہو چکے ہیں۔" اُس کا لہجہ دُکھ کے ساتھ استہزائیہ تھا۔

ایک لمحے کو مسعود شاہ خاموش رہ گیا، پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ "کیسی ہو؟"

"جیسی تم چھوڑ گئے تھے، اس سے کچھ بہتر ہوں۔"

"پلیز ماہی!" وہ اُس کے کاٹ دار لہجے پر تڑپ گیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ نمایاں ہو گئی۔ "میں مانتا ہوں کہ تم نے بھی کچھ دُکھ اٹھائے ہیں۔ مگر میں بھی مجبور رہا ہوں___تم شاید اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ میں نے یہ سارے دن سخت بے سکونی میں گزارے ہیں۔"

"مرد اور مجبور___خوب۔" وہ زور سے ہنسی۔ "نہیں مسعود شاہ، نہیں۔ مرد اس وقت مجبور ہوتے ہیں جب سارے اختیارات ان کے ہاتھ سے نکل چکے ہوں یا بستر مرگ پر ہوں۔ اور تم تو اب بھی بااختیار ہو۔"

"ایسے اختیارات کا کیا فائدہ ماہی جن میں اپنا سکونِ دل بھی نہیں حاصل کر سکا۔" اُس کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ "کاش ماہی! میں بے اختیار ہی ہوتا۔"

"مت یہ ڈرامہ کرو مسعود شاہ! مت عورتوں والا لہجہ اپناؤ۔ تم ایک بھڑکتی آگ ہو مسعود شاہ، جس میں میرا وجود بھسم ہو چکا ہے___تم نے کبھی اعتدال کا راستہ اختیار ہی نہیں کیا۔ تم لوگوں کی باتوں سے نہیں ڈرے بلکہ صرف زمان خان سے انتقام لینے کے لئے مجھے کانٹوں پر گھسیٹتے رہے ہو___یہ جانتے ہوئے بھی کہ عورت شاردا کے روپ میں ہو یا ماہ گل کے، بے قصور ہے۔ تمہارے ان سفاکانہ رویوں نے نہ شاردا کو سکھ لوٹایا ہے اور نہ زمان خان کو تڑپایا ہے___تم سارے مرد صرف اپنی انا کے دائرے میں گھومتے رہتے ہو، اپنے لئے جیتے ہو، اپنی انا کی تسکین چاہتے ہو، کسی بھی طرح۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس کے اندر ایک آتش فشاں بپا تھا۔ ایک کرب کا سمندر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

تھا۔

ایک ناآسودگی کا جال تھا جو کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

"یا تم بزدل ہو مسعود شاہ! یا جابر___اور میں ایک بزدل یا جابر شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں آنسو پی پی کر تھک چکی ہوں۔ میں اب یہ تنور موسم نہیں سہار سکتی۔ نہیں سہار سکتی مسعود شاہ!"

"ما۔۔۔۔۔۔۔ہی!" مسعود شاہ بے قرار ہو گیا۔ "اتنے الزام تم نے مجھ پر لگا دیئے ہیں ماہی!"

"نہیں مسعود! یہ الزام نہیں ہے۔ اب میں اس قابل بھی نہیں رہی کہ تمہیں آئینہ دکھا سکوں۔ میں تو خود آئینے کی طرح ٹوٹ چکی ہوں۔ کرچی کرچی ہو گئی ہوں۔ اب اپنا آپ سمیٹا بھی نہیں جا رہا۔"

"میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔" اُس نے اپنا فیصلہ سنایا تو وہ بھڑک اٹھی۔

"نہیں مسعود! پلیز مت آنا۔ ماہ گل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے کو تیار ہے مگر اب وہ جھک نہیں پائے گی۔" اُس کا لہجہ اچانک پتھر ہو گیا۔ "اگر ہو سکے تو شاردا کو بھی لے جاؤ، ہمیشہ کے لئے۔ ایک غیرت مند بھائی بن کر اُسے تحفظ دو۔ زمان خان کے پیروں کی ڈھول مت بننے دو اُسے۔ یہاں قربانی بھی رائیگاں ہے۔ یہاں جھکے ہوئے سر پر کوئی تاج نہیں رکھتا، بلکہ کچل دیا جاتا ہے۔" اس نے مسعود شاہ کو اور کچھ بولنے کا موقع نہیں دیا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

مگر دوبارہ گھنٹی چیخ اٹھی۔

اُس نے جلتی آنکھوں سے فون کو دیکھا۔

ایک۔۔۔۔۔دو۔۔۔۔۔تین۔۔۔۔۔چار۔۔۔۔۔گھنٹی مسلسل بج رہی تھی اور اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی سماعتوں پر کوئی آہنی ضربیں پڑ رہی ہوں۔

"مجھے لمحہ لمحہ امتحان میں مت گھسیٹو مسعود شاہ!" اُس کے لبوں سے ایک سسکاری آزاد ہو گئی اور اُس نے آہستگی سے فون اُٹھالیا۔

"تمہیں یہ سارے شکوے مجھ سے نہیں زمان سے کرنے چاہئیں۔ جابر میں نہیں، تمہارا بھائی ہے۔ بلاجواز شاردا کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہا ہے۔ مسعود شاہ کی چبھتی آواز اُبھری۔

"تم سب اندھے ذہن سے سوچنے والے مرد ہو ___ تم سب اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو جو مظالم ڈھانے کا کوئی جواز نہیں رکھتے۔ اس میں چاہے میرا بھائی ہو، شوہر ہو یا کوئی اور۔"

"میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔" اُس نے اُس کی بات نظر انداز کر دی۔ اُس کا لہجہ اب ملتجی نہیں تحکمانہ تھا۔ ماہ گل کی روح تک سلگ اٹھی۔

"اگر مجھے لے جانا چاہتے ہو تو پہلے اسٹیمپ پر مجھے لکھ کر دو کہ شاردا کے دُکھ کا حساب تم مجھ سے نہیں مانگو گے۔ مجھے وہ عزت دو گے جو میرا حق ہے۔ بے گھری کا یہ طمانچہ اب مجھ سے نہیں جھیلا جائے گا۔" وہ نفرت اور غصے سے چیخ اُٹھی۔ "بولو مسعود شاہ! چپ کیوں ہو گئے؟" وہ اُسے خاموش پا کر تلخی سے ہنسی۔

"میں تمہارا شوہر ہوں اور تمہاری کسی بھی شرط کا پابند نہیں ہوں۔ میں تمہیں بغیر شرط کے بھی لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔" اُس کی مردانگی عود کر آئی۔ وہ غصے سے بولا مگر ماہ گل متاثر نہ ہوئی۔

"میں اپنی زندگی پر پورا اختیار رکھتی ہوں۔ اسے جس طرح بھی چاہوں گزاروں۔ اور اب میں زندہ رہنے کی طرح زندہ رہوں گی۔ تم سے الگ اپنی زندگی خود بناؤں گی۔"

"ما۔۔۔۔۔۔ہی۔۔۔۔۔۔" وہ غصے سے پھنکارا۔ "تم بھول رہی ہو کہ تمہیں آزاد کرنے یا نہ کرنے کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے اور میں ایسا کوئی جذباتی فیصلہ تمہیں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"چہ، خوب ___ تم مردوں کو اسی اختیار پر تو گھمنڈ ہے۔ سارا غرور اسی اختیار کا تو ہوتا ہے۔ مگر میں تمہارا گھمنڈ خاک میں ملا دوں گی۔" وہ زور سے ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔

"ماہ گل!" مسعود شاہ چلایا۔ "تم کیا آزاد ہونا چاہتی ہو؟" اُس کے لہجے میں استعجاب تھا۔ ایک لمحہ کے لئے ماہ گل کا سارا بدن کانپا، ہنسنے سے اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ تیزی سے رخساروں پر لڑھکتے گئے۔ اُس نے جلتی آنکھیں بند کر لیں اور دل کے اندر کے شور کو دباتے ہوئے کہا۔

"ہاں ___ ہاں مسعود شاہ! اب میں دنیا کے سارے جھمیلوں سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ ان تمام عذابوں سے، اس قید سے، ان آہنی زنجیروں سے جو میرے پیروں میں کسی زہریلے سانپ کی طرح لپٹی ہوئی ہیں۔ میں اس حبس زدہ ماحول سے نکل جانا چاہتی ہوں جہاں میں سانس روکے کھڑی ہوں۔" وہ ہسٹیریائی انداز میں چلا رہی تھی۔ مگر دوسری سمت مسعود شاہ فون رکھ چکا تھا۔

"میں لمحہ لمحہ اس کا عذاب نہیں جھیل سکتی۔ کسی نئے دُکھ کی پذیرائی کرنے کی اب سکت مجھ میں نہیں ہے۔ نہیں ہے مجھ میں سکت۔ آئی ہیٹ یو مسعود شاہ!" وہ فون اسٹینڈ پر سر جھکا کر بلک اٹھی۔ درد کی بھرپور ٹیسیں بدن کو جھلسائے دے رہی تھیں۔

"خدایا! کب ختم ہوں گی آخر یہ درد کی راتیں۔۔۔۔۔۔"

"ماہی ___" شاردا بھابی نے دھیرے سے اُس کے شانوں کو تھاما۔

"تم نے اچھا نہیں کیا ماہی!" انہوں نے اس کا چہرہ اپنی سمت کیا۔ "تم تو پھر بھی مجھ سے اچھی ہو کہ مسعود بھائی تم سے محبت تو کرتے ہیں۔"

"نہیں، بھابی! نہیں۔" اُس نے بھابی کی بات کی نفی کی۔ "یہ محبت نہیں ہے، اذیت ہے عمر بھر کے لئے۔ محبت

کرنے والے انسان ایسے نہیں ہوتے۔"

"ماہ گل! مسعود بھائی جابر نہیں۔ ہاں شاید بزدل ہیں۔ مگر ماہی! جابر شوہر سے بزدل مرد پھر بھی بہتر ہوتے ہیں۔"
شاردا بھابی کا لہجہ درد انگیز تھا۔ ان کی آنکھوں میں اپنی اُجاڑ زندگی کا عکس سمٹ آیا۔ وہ تو بلا جواز زمان کے ستم کا نشانہ بن رہی تھیں۔ اس کے مظالم پر قطرہ قطرہ پگھل رہی تھیں۔

اس کی محبت کے لئے تڑپی تھیں۔

اس کی نگاہِ التفات کی منتظر تھیں۔

زندگی کے اس نئے سفر پر آکر اس نے کچھ پایا ہی نہیں تھا۔ کوئی لمحہ بھی تو ان کا اپنا نہیں تھا۔ کوئی خوشگوار یاد جس کے سہارے وہ بقیہ عمر ہی بتا دیتیں۔

وہ سارے کونپل کونپل خواب تو زمان خان کی بیوی بن کر نہ جانے آنکھوں سے نکل کر کہاں بہہ گئے تھے۔ اب تو ان آنکھوں میں بیتے دنوں کی دُھول چبھ رہی تھی اور آنے والے دنوں کا خوف سینے کی تہہ میں لپٹ کر رہ گیا تھا۔

ماہ گل نے اُسے دیکھا تو چند لمحے کو اُسے اپنا دکھ کم تر محسوس ہونے لگا۔ اپنا غم نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گیا اور شاردا کا زرد زرد مضمحل چہرہ رہ گیا۔ وہ پہلے ایسی تو نہیں تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن میں ہمہ وقت معصوم شرم سجی رہتی۔ دھیمی پیاری مسکراہٹ جو گلاب لبوں کو ہمہ وقت گھیرے رہتی۔ یہ عارض وہ تو نہیں تھے۔ اب تو یہ چہرہ گردِ غم سے بالکل بدل چکا تھا۔ ماہ گل کا دل سوختہ پروانے کی مانند بکھرتا چلا گیا۔ اُس نے دھیرے سے شاردا کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھاما۔

"شاردا! تمہیں نہیں آنا چاہئے تھا۔ زمان بھائی کے پیروں کی دھول نہیں بننا چاہئے۔ زمان خان نے تمہیں کیا دیا ہے____ ایک سسکتی زندگی۔ پھر تم کیوں اپنا وجود یوں روندنے چلی آئی ہو۔ یہاں فریاد رس کوئی نہیں ہے۔"

اس کی بات پر شاردا بھابی نے اُسے دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر صوفے پر خود کو گرا لیا۔

"اپنی اس بے وقعتی اور تذلیل پر تو کبھی کبھی مر جانے کو دل چاہتا ہے۔ مگر ماہی! مرنا بھی زندہ رہنے کی طرح ہی کٹھن اور مشکل ہے____ جانتی ہو ماہی! تمہارے علاوہ میری دو اور بھابیاں ہیں۔ جن کی نگاہوں میں ترحم کی ایسی چبھن ہوتی ہے کہ دل چاہتا ہے زمین پھٹ جائے اور میں اس میں اسی لمحے سما جاؤں۔ شوہر کی ناپسندیدہ بیوی اور تضحیک کا نشانہ بنی عورت میکے میں بھی مجرموں کی طرح رہتی ہے۔ میں صفیہ اور عنبر بھابی کی نگاہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی____ میں زمان کے ظلم سہہ لوں گی۔ مگر ہر آتی جاتی عورتوں کی زبانوں کے خنجر اپنے سینے میں نہیں اُتار سکتی۔"
وہ سسک اُٹھیں۔

آج ماہ گل کے سامنے انہوں نے اپنا آپ کھول کر رکھ دیا تھا۔ کتنے دُکھ ان کی آنکھوں کے سامنے جاوداں ہو گئے اور آنسوؤں کی صورت لڑی لڑی بہنے لگے۔

ماہ گل کا لہجہ پھٹنے لگا۔ غم کے اس بوجھ سے اس کا دل بیٹھنے لگا____ وہ جھک کر شاردا بھابی کے قدموں میں بیٹھ گئی اور ان کے گھٹنوں پر اپنے کانپتے لب رکھ دیئے۔

مسعود شاہ کو واقعی اس کی ضرورت نہ رہی یا پھر اس کے انکار اور سخت رویے نے اُسے کبیدہ کر دیا تھا۔ ماہ گل کے جذباتی فیصلے نے اُسے آتشیں کر دیا تھا۔ اس نے پھر ماہ گل کو فون نہ کیا۔

امی تو ماہ گل سے ناراض ہو بیٹھی تھیں۔

"تُو، تو پڑھی لکھی، سمجھ دار لڑکی ہے ماہی! تجھے تو جاہل عورتوں جیسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔" ان کی آنکھوں میں ناراضگی کے ساتھ دُکھ تھا۔

"عورت چاہے جاہل ہو یا پڑھی لکھی، ان کے دکھ، ان کے احساسات ایک ہی ہوتے ہیں امی! اس معاشرے میں نہ

تعلیم نے عورت کے دکھ کو کم کیا ہے اور نہ اونچی سوسائٹی نے۔ عورت تو اس تنگ و تاریک، پُر پیچ ہیبت ناک سفر پر گامزن ہے برسوں سے۔ نہ تعلیم نے اس کے راستے منور کئے ہیں اور نہ دولت کے انبار نے اس کی خوشیوں کی ضمانت دی ہے۔" اس نے امی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں سارے جہاں کا گلہ سمٹ آیا تھا۔ ایک تیرگی تھی کہ دل کے در و دیوار میں پھیلتی ہی چلی جا رہی تھی۔

اس کی غم ناک آنکھوں سے کئی ستارے گر کر ٹوٹے تو امی تڑپ اٹھیں۔

"ماہی! میرے ساتھ کچھ دنوں کے لئے وادی چلو۔ شاہ خانم بہت کہتی ہے اور اسی ہفتے مجھے جانا ضروری ہے۔" انہوں نے ماہ گل کے ملول وجود کو اپنی پناہوں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"وادی! میں؟___" اُس نے حیرت سے استفسار کیا۔ "آپ کا جانا ضروری کیوں ہے؟"

"تمہیں نہیں پتہ۔" امی اس کی پھیلی پھیلی آنکھوں میں جھانک کر ہولے سے مسکرائیں تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں۔" پھر اچانک چونکی، کہیں اشارا اور فروان___" اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور دل زور سے دھڑکا۔

"ہاں۔" امی اس سے الگ ہو کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ "فروان اور سحر بھی امتحان سے فارغ ہو گئے ہیں۔ انہیں بھی لے چلوں گی۔"

"امی!" اس کے رگ و پے میں تھکن سی بڑھ گئی۔ "کیا اشارا راضی ہو جائے گی؟ میرا مطلب ہے فروان اور___؟"

"ماہی___!" امی نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ "تمہیں میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اشارا بہت معصوم لڑکی ہے اور شاہ خانم کی کہی ہوئی بات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بول سکتی۔"

"یہی تو دُکھ ہے امی! کہ اگر جبر بھی کیا گیا تو وہ شاردا کی طرح سہہ لے گی۔" اس نے بہت جلتی نگاہوں سے امی کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جانتی تھی کہ امی کے اس فیصلے کے سامنے اس کی ساری دلیلیں عبث جائیں گی۔ وہ تو اپنے اور شاردا کے دُکھ میں اتنا ڈوب چکی تھی کہ اب کسی کے حق میں لڑنے کے قابل بھی نہ رہی تھی۔

"ماہ گل! کیا تم نہیں جاؤ گی میرے ساتھ حویلی؟" امی نے اُسے جاتا دیکھ کر پکارا۔ "اشارا تمہیں یاد کرتی ہے۔"

"جاؤں گی___ کب جا رہی ہیں آپ؟" وہ پلٹ کر پوچھنے لگی۔

"بس چند دن کے اندر۔" امی صوفے سے اٹھتے ہوئے بولیں اور اس کے قریب آ کر محبت سے کہنے لگیں۔ "تیرا بھی دل بہل جائے گا۔ تھکے ذہن کے لئے آب و ہوا کی تبدیلی اچھی رہتی ہے۔" انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو ماہ گل نے سر جھکا لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سحر گل ابھی نہا کر نکلی تھی۔ اس کے لمبے بالوں میں پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔ وہ لان میں بیٹھ کر انہیں سلجھانے لگی تھی۔ تبھی بل ڈوگ زور زور سے بھونکنے لگا جیسے کسی اجنبی شخص کو دیکھ لیا ہو۔

"ارے کیا ہوا ڈیئر؟ کیا دن میں بھی چور گھس آیا؟" وہ بلڈوگ کے شور پر کرسی سے کھڑی ہوئی اور بڑبڑاتی ہوئی بڑے گیٹ کی جانب بڑھی۔

"بھوں، بھوں، بھوں___" اُس کی آواز تیز ہو گئی تھی۔

"لگتا ہے بھوک لگ رہی ہے۔" وہ خود ہی قیاس کرتی گیٹ کے قریب آئی اور بڑا سا کنڈا زور لگا کر کھول دیا۔

"دل سے مانگی دعائیں اتنی جلدی قبول ہو جاتی ہیں آج یقین آگیا۔" یہ آواز، یہ چہرہ اس کے لئے ناآشنا قطعی نہیں تھا۔ وہ آنکھوں میں وارفتگی کی چمک لئے، لبوں پر مسکان سجائے بلڈوگ سے خود کو بچائے گیٹ کی دوسری جانب کھڑا تھا۔

سحر گل کا سارا وجود سُن سا ہو گیا۔

...☆☆☆...

ذولین نظریں اٹھائے اشتارا کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا دُھلا دُھلا چہرہ، پشت پر بکھری ریشمی زلفیں، پیشانی پر بندھا ہوا زرد ریشمی رومال ___ ذولین خان کے اتنے غور سے دیکھنے پر اشتارا کا چہرہ گرم ہو گیا۔ اس نے لرزتی پلکیں جھپکائیں۔

"اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں ذولین خان؟" وہ اس کی محویت سے خود کو پگھلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

"سوچ رہا ہوں اور افسوس کر رہا ہوں ان لمحوں پر جو تمہیں دکھ دیتے ہوئے گزار دیئے۔" وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ رکا۔

فوارے کا ترنم تالاب کے بدن میں ہلچل مچا رہا تھا۔ ڈھلتی شام نے سارے ماحول کو خوابیدہ سا کر دیا تھا اور اشتارا خان بھی اس لمحے کوئی خوابیدہ گلاب لگ رہی تھی۔

ذولین کی محبت نے اس کے دل کے آنگن کو مسرتوں کے گلہائے رنگا رنگ سے بھر دیا تھا۔ اس کے التفات نے اس کی محبت کو اوج عطا کیا تھا۔

وہ بے حد مسرور تھی۔

اس کے بہت سے بنجر لمحوں کا شہر بہار کے گلنار گلابوں کی طرح ملا تھا۔ ذولین خان اس سے نفرت نہیں کرتا تھا بلکہ

اس کی محبت اپنے دل میں بسائے رہا تھا۔ اس نے اپنی لرزتی ریشمی پلکیں جھکا دیں۔

"ذولین خان! ان لمحوں کی خراشوں نے تو مجھے جینے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ میری محبت کی سچائی اور ثابت قدمی نے ثابت کیا ہے۔ اور اب یہ پھول میرے دامن میں جو آپ ڈال رہے ہیں ان کی خوشبو میرے شب و روز کو مہکائے گی۔ اس راہ میں آکر تو میں رازِ سرشاری سے آگاہ ہوئی ہوں۔"

اُس کی دھیمی خوبصورت آواز ذولین کی سماعتوں پر پھوار کی طرح پڑ رہی تھی۔ اُس نے اپنی سبز آنکھیں مسلسل اُس کے چہرے پر مرکوز رکھی تھیں۔

سورج کی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنوں سے کہیں زیادہ اشتارا خان کا چہرہ روشن تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے صاف و شفاف پانی کے تال کے نیچے طلسماتی چراغ جل رہے ہوں۔

وہ تالاب کے کنارے اس کے سامنے سنگ مرمر کی سطح پر بیٹھ گیا۔

"اشتارا ___!" اُس نے آہستگی سے اپنے گرم ہاتھوں میں اس کے دونوں ٹھنڈے ہاتھ تھام لئے۔ "جانتی ہو یہ دنیا، یہ زندگی میرے لئے کسی کشش کا باعث نہیں تھی۔ کبھی کبھی میں سوچتا تھا کہ میں اس شور مچاتی متحرک دنیا کا ایک بے حس جزو کیوں بن کر رہ گیا ہوں؟ جگمگاتے منظر میرے دل کو کیوں منور نہیں کرتے۔ مگر پھر اچانک میرے اُجڑے ہوئے دل میں تمہاری محبت کی طراوت پھیل گئی اور مجھے لگا جیسے شفق کی ڈھیر ساری جگمگاہٹوں نے میرے وجود کا احاطہ کر لیا ہو۔ ایسی جگمگاہٹ جس کے سامنے سارے فانوس ماند تھے۔" اس نے محبت اور مسکراہٹ کی بے پناہ لطافت کے ساتھ اشتارا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ صبح میرے لئے بہت جاذبیت اور تازگی لئے ہوئے تھی۔"

تالاب کی سطح پر رنگ برنگے پھولوں اور سورج کی کرنوں کے عکس تھرک رہے تھے۔ مگر اشتارا تو ذولین خان کا وہ حسین اور سحر انگیز عکس تک رہی تھی جو اُس کی مشام جاں کے لئے راحت تھا۔

ذولین خان کے لہجے میں چاہتوں کے چراغ جل رہے تھے اور آنکھوں میں وہ دلنواز رنگ جھلک رہے تھے جو اس کے لئے تسکین کا باعث تھے۔

"اشارا! میں قربتوں کے الم سے خوفزدہ تھا مگر یہ سچ ہے کہ میری نگاہیں تمہیں فاصلوں سے چاہتی آئی ہیں۔ تمہارا یہ معصوم چہرہ میری آنکھوں کی روشنی بنا رہتا ہے۔ مگر اشارا! اب یہ روشنی مجھ سے چھن تو نہیں جائے گی۔"

"ذولین خان!" اشارا نے تڑپ کر پلکیں اُوپر اٹھائیں مگر پھر جلدی سے جھکا دیں۔ اُس کی شفاف سبز جھیلوں میں اُسے نظر بھر دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

ذولین خان اس کی شرم پر محظوظ ہو کر کھل کر مسکرایا اور ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔ آفتاب دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے تیز ہوئے تو نئی نئی نکلی ہوئی کونپلوں کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ شفق پھولی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے حویلی کے اطراف کھڑے پہاڑوں کی چوٹیاں سرخ ہونے لگیں۔ پھر آہستہ آہستہ تاریکی بڑھنا شروع ہوتی چلی گئی۔

وہ دونوں یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

اچانک حویلی کی ساری بتیاں جل اٹھیں اور یکلخت ہر شے مصنوعی روشنی سے دمکنے لگی۔

تب وہ دونوں چونک گئے۔

اس تیزی سے گزرتے لمحوں کا انہیں قطعی احساس ہی نہ ہوا تھا۔ معاً اشارا کے دل پر شاہ خانم کا خوف پھیلنے لگا۔

اس نے خوف زدہ نظروں سے اطراف میں دیکھا۔ باغ کا یہ حصہ ابھی خاموش تھا اور شاہ خانم کے کمرے کی جانب کھلنے والی کھڑکی بھی ابھی بند تھی۔ اُس نے شکر کا سانس لیا۔ پھر کہیں سے زیبل کی آواز آئی تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور

رہائشی حصے کی جانب بھاگی۔

"خان زادی! ایسا لگتا ہے جیسے ڈھیر ساری خوشیاں تمہارے دامن میں آگری ہیں۔" زیبل رات دودھ دینے اس کے پاس آئی تو اُسے آئینے کے سامنے بیٹھا مسکراتے دیکھ کر اس نے دھیرے سے کہا تو اشارا کے لبوں کی تراش میں بکھری مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"مجھے نہیں بتاؤ گی خان زادی؟ میں تو تمہاری خوشیوں میں خوش ہونا چاہتی ہوں۔" زیبل دودھ کا گلاس کارنر ٹیبل پر رکھ کر اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

"کیا بتاؤں زیبے! کوئی ایسی بات ہی نہیں۔" اس نے بتانے سے گریز کیا۔ آپوں آپ ڈھیر ساری شرم اس کے اندر آسمائی۔ اب وہ اسے کس طرح اور کن لفظوں میں آگاہ کرتی کہ ذولین خان کے دل کے دروازے اس کے لئے وا ہو گئے ہیں۔

وہ آج نہیں بلکہ کئی عرصے سے اس کے دل پر راج کر رہی تھی۔ اس کی محبت سے اس کا پورا وجود منور تھا۔

"بات تو کوئی نہ کوئی ضرور ہے اشارا بی بی! ورنہ تو یہ چہرہ اتنا گلابی کیوں ہو رہا ہے۔ کہیں ذولین خان____" زیبل نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ہنس پڑی۔

"تم کہتی تھی نا زیبے! کہ ذولین خان پتھر ہے____ مگر وہ پتھر نہیں ہے۔ وہ تو ریشم سے بھی زیادہ نرم ہے۔" اس کے لہجے میں سارے جہاں کی حلاوت سمٹ آئی اور دھڑکنوں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔

"زیبل! ایسا لگتا ہے جیسے یہ دل پھٹ جائے گا۔ میں اتنی زیادہ خوشی کیسے سنبھالوں زیبے؟" اس نے اچانک زیبل کے ہاتھ تھام لئے۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور پلکوں کے کناروں پر دو ستارے چمک اُٹھے۔ زیبل نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر تھپکی دی۔

"خدا تمہیں لمبی عمر دے خان زادی! اور یہ خوشیاں پا کر تم نہال ہو جائو۔" زیبل کا دل مسرت سے بھر گیا تھا۔ آج اتنے برسوں بعد اس نے اشارا کو اتنا مسرور، اتنا شاداں دیکھا تھا۔

زیبل نے اس کے خندہ زن حُسن کو دیکھا اور اپنی روح کی خاموشیوں میں اس کے لئے بہت سی دعائیں مانگ لیں۔

☆☆☆...

"محنت کے رائیگاں جانے کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے ہشمینہ! میں جانتا ہوں۔ مگر مضبوط لوگ اپنی شکست کے آنسوئوں کو بہنے نہیں دیتے۔" اشمل خان اچانک اس کے سامنے آ رکا۔ "میں تو تمہیں بہت بہادر، بہت مضبوط لڑکی سمجھتا رہا تھا۔ مگر تم تو___" خلافِ عادت اس کے لہجے میں نرمی مترشح تھی۔ اس نے آپ کی بجائے اسے اپنائیت سے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

ہشمینہ نے رخ موڑ کر اس طویل قامت اور نشیلی آنکھوں والے شخص کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر طنز کی پرچھائیں نہ تھی۔ لہجے میں کوئی کاٹ نہ تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ اندر ہی اندر بکھر کر رہ گئی۔ واقعی اپنی شکست کا اعتراف یوں آنسوئوں سے کر کے اس نے بزدلی کا ثبوت دیا تھا۔

اپنی شکست کو یونہی عام روایتی روتی دھوتی لڑکیوں کی طرح قبول کر لیا تھا۔ اُس کا دل اور بھی اُداس ہو گیا۔

رگوں میں ڈھیر سارا کرب بکھر کر رہ گیا۔

"مجھے مبارک نہیں دو گی ہشمینہ؟" وہ بے حد متانت سے بولا تو اس نے اپنے کانپتے لب دانتوں میں دبا کر اسے دیکھا۔

"میں تو منتظر تھا کہ تم___"

"ضروری نہیں کہ بہادر لوگ اپنے حریف کو گلدستے بھی پیش کریں کہ میں تو ویسے بھی بقول آپ کے بزدلی کا ثبوت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

دے رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں غصہ لہرا گیا۔ وہ پلٹ کر قدم اٹھاتی کامن روم میں چلی آئی۔

اشمل خان کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔ کمرہ خالی تھا اور گہرا سکوت چھایا تھا۔ چند لمحے ان دونوں میں سے کسی نے اس سکوت کو توڑنے کی سعی نہ کی۔

ہشمینہ نے کرسی پر خود کو گرا لیا___ وہ اشمل خان کی موجودگی پر سسکیوں کو دبا رہی تھی۔ مگر دل کی گہرائیوں سے امڈتے ہوئے یہ نوکیلے آنسو اب بھی رخساروں پر بھٹک رہے تھے۔

اشمل خان کی معنی خیز نگاہیں مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اور ہشمینہ ابرار کے دل میں عجیب سی وحشت چھا رہی تھی۔ یہ مسخر کر دینے والی قوت رکھتی آنکھیں اُسے پریشان کئے دے رہی تھیں۔

"پلیز اشمل خان! مجھے تنہا چھوڑ دیں۔" اس نے چہرہ جھکا کر ملتجی لہجے میں کہا۔

"تمہیں ریحان پراچہ کی شکست کا دکھ ہے یا میری فتح کا تمہیں کوئی پرسنل شاک ہوا ہے؟" اس نے کچھ سوچتے ہوئے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی اور سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ مگر نہ جانے کیوں زیادہ دیر اس چہرے کی سمت نہ دیکھ پائی۔

"میری آپ سے کوئی ذاتی یا خاندانی دشمنی نہیں ہے اشمل خان! یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ چڑ گئی۔ کیا حق پہنچتا تھا اس شخص کو اس کی بے بسی کا تماشہ دیکھنے کا۔

"خدا نہ کرے___" وہ برجستہ بولا اور پھر ہولے سے ہنس دیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کے قریب آ کر اس کے جھکے سر پر پھیلے ریشمی بالوں پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

"اگر میرے مقابلے پر ریحان پراچہ کی بجائے تم ہوتیں تو مجھے تمہاری تنظیم کی یہی شکست پر یقیناً رنج پہنچتا۔

مگر ___ میں یہ کہنے میں قطعی عار محسوس نہیں کروں گا کہ ریحان پراچہ کی ہار نے مجھے اپنی فتح سے بھی زیادہ خوشی بخشی ہے۔ وہ اس قابل ہرگز نہیں تھا کہ جیت اس کا مقدر بنتی۔" اس کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ تیزی تھی۔ وہ رکا نہیں اور قدم اٹھاتا کامن روم سے باہر نکل گیا۔

ہشمینہ ابرار کی سوچوں میں تلاطم برپا کر کے ___ اس کے درد کی آگ کو بڑھا کر۔

'اُف خدایا ___' بے بسی کے آنسوئوں سے خود اس کا دل ہی زخم زخم ہو رہا تھا۔

اشمل خان نے تمام اراکین پارٹی کو اور اس خوشی میں شریک اسٹوڈنٹس کو جشنِ مسرت منانے سے سختی سے روک دیا تھا۔

اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ کوئی جشن نہیں ہوگا، نہ کوئی ہنگامہ۔ کیونکہ یہ جیت میرے پاس ان تمام اسٹوڈنٹس کی امانت ہے۔ ابھی جشن منانے کا موقع نہیں آیا۔ ابھی ہم نے ان کے لئے کچھ نہیں کیا۔ یہ خوشی کے شادیانے اس وقت بجنے چاہئیں جب ہم ان کی توقعات پر پورا اتریں گے۔ جب یہ درس گاہ واقعی امن کا گہوارہ بن جائے گی اور یہ خطہ تمام ہنگاموں سے پاک ہو جائے گا۔

سب نے اس کے فیصلے کو سراہا۔ اُس کی قدرومنزلت ہر نگاہ میں بڑھ گئی۔ خود ہشمینہ کے لئے بھی وہ کسی شاک سے کم نہ تھا۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اس فتح پر وہ ہر رات جشن منائیں گے اور شکست خوردہ پارٹی کے زخموں کو ہرا کرتے رہیں گے۔ مگر اب اشمل خان کا یہ فیصلہ اسے بھی حیران کر گیا۔ اس کی شخصیت کا یہ دلکش پہلو اس کے سامنے آیا تو وہ دل ہی دل میں اسے سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

دوسرے دن وہ ریحان پراچہ کے آفس میں بیٹھی تھی۔

"یہ ہار اب ہمیں قبول کر لینی چاہئے اور اشمل خان کی پارٹی کے سامنے اپنے مسائل رکھ کر اس کا بہتر حل حاصل کر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سکتے ہیں ہم۔" اس نے متانت سے کہا۔ وہ ساری رات خود کو سنبھالتی رہی تھی اور اشمل خان کی فتح کو ذہنی طور پر قبول کرنے پر آمادہ کرتی رہی تھی۔ سیاہ چادر کے ہالے میں دمکتا چہرہ حزن اور سنجیدگی کی آمیزش سے اور بھی جاذب نظر لگ رہا تھا۔ وہ چند ثانیے اُسے دیکھتا رہا۔

"اسٹوڈنٹس کے مسائل ہی ہمارے اپنے مسائل ہیں۔ ہمیں اشمل خان کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ تاکہ اگر وہ واقعی مخلص ہے تو اپنا کام احسن طریقے سے انجام دے سکے۔

"اونہہ، تعاون۔" ریحان پراچہ زور سے ہنسا۔ "ہشمینہ ابرار! ریحان نے آج تک کسی کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ ہار ایک الگ چیز ہے مگر اشمل خان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا مجھے کبھی قبول نہیں ہوگا۔" اس کے لہجے میں تلخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ہشمینہ نے اُسے دیکھا۔

"میں سمجھی نہیں ___ اسٹوڈنٹس نے اشمل خان کو اپنا لیڈر چن لیا۔ اب ہمارے پاس کیا رہ جاتا ہے؟"

"بہت کچھ۔ ابھی کسی نے میری طاقت دیکھی نہیں ہے۔" اس کے لبوں پر پراسرار سی مسکراہٹ لہرانے لگی۔

ہشمینہ اُلجھ سی گئی۔ اس نے سراج کیانی کی طرف دیکھا جو خود ریحان پراچہ کی طرف متوجہ تھا مگر بے حد مطمئن اور نارمل انداز کے ساتھ۔ گویا ریحان پراچہ کی گفتگو کا پس منظر بے حد احسن طریقے سے سمجھ رہا تھا یا اسے سمجھا دیا گیا تھا۔

"ہمارے حمایتی اب بھی ہمارے پاس ہی آتے ہیں اپنے مسائل لے کر۔" وہ کرسی پر ٹِک کر ہشمینہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں ___ یہی تو میں کہتی ہوں کہ اب ان مسائل کو ہمیں اشمل خان کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور ان کا مؤثر حل حاصل کرنا چاہئے۔ ایک طرح سے یہ اشمل خان کی بھی آزمائش ہوگی۔"

"اونہہ___اشمل خان___اشمل خان۔" ریحان پراچہ سلگ اٹھا۔اس نے زور سے اپنے سامنے رکھی تپائی پر لات ماری۔"میں اشمل خان کو یونین کا لیڈر قبول نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔"

"ریحان___" ہشمینہ کا چہرہ تپ اٹھا۔ریحان پراچہ کی اس حرکت پر اسے اپنی ہتک کا احساس ہوا۔وہ غصے سے کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"سس۔۔۔۔۔۔سوری۔۔۔۔۔۔ویری سوری۔" وہ جلدی سے سنبھل گیا۔اس نے ہشمینہ کے تپتے چہرے کی طرف دیکھا اور لب بھینچ لئے۔

"دراصل ہم اسٹوڈنٹس کے مسائل خود حل کرنا چاہتے ہیں۔" سراج کیانی نے یکدم پیدا ہونے والے ماحول کے تناؤ کو جلدی سے ختم کرنے کی کوشش کی۔

"پلیز مس ہشمینہ!آپ تو سیکرٹری ہیں___آپ کو تو ریحان پراچہ کی حمایت کرنا چاہئے۔"

"حمایت۔" اس نے سراج کو دیکھا۔"کس بات کی حمایت؟میں کسی غلط بات کی حمایت نہیں کر سکتی سراج!یہ تم جانتے ہو اچھی طرح۔" اُس کی تیوری چڑھ گئی۔وہ بدستور خفگی سے بولی۔

"ہمیں اشمل خان کو آزمائش میں ڈالنا چاہئے کہ آیا وہ واقعی اسٹوڈنٹس کے مسائل حل کرنے کا اہل ہے یا نہیں اور اگر وہ اس قابل ہوا تو ہمیں اس سے مکمل تعاون کرنا چاہئے۔" وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔مگر اس کا چہرہ ابھی تک انگارہ ہو رہا تھا۔ریحان پراچہ نے اُسے دیکھا۔

"کاش ہشمینہ!تم میرے دل کے تاروں میں یوں ہنگامہ نہ مچاتیں___میرے دل کی مسند پر نہ بیٹھی ہوتیں تو میں تمہاری باتوں کا جواب اپنے اس انداز میں دیتا جو میری ذات کا خاصا ہے۔مگر اے حسین دوشیزہ!تمہاری خفگی میرے دل کو گوارا نہیں۔"

وہ نیم وا آنکھوں سے چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔تپے تپے چہرے کے ساتھ وہ بولتی اس وقت بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ریحان پراچہ کے جذبوں میں ایک طوفان بپا ہو گیا۔اس کا دل بہکنے لگا۔مگر وہ جلد ہی سنبھل گیا۔اس وقت جذبات کی زد میں بہنا نہیں چاہئے تھا۔اس کے لئے بہت وقت تھا۔ابھی اس کا مقابلہ اشمل خان سے تھا اور اسے اپنی شکست کا بدلہ لینا تھا۔ہر ممکن،ناممکن طریقے سے۔

"یہ بہت ضروری ہے مسٹر ریحان!یہ اپنی شکست کا اعتراف نہیں بلکہ وسعت قلبی کی نشانی ہے۔"

"بہت خوب___میں آپ کی وسعت قلبی کی داد دیتا ہوں مس ہشمینہ!مگر میرا نقطہ نظر کچھ اور ہے۔میرے طریقے کچھ مختلف ہیں۔میرے اور میرے ساتھیوں کے کچھ مطالبات ہیں۔" ریحان پراچہ بولا۔

"ہاں۔اور یہی مطالبات تم۔۔۔۔۔۔"

"نہ۔۔۔۔۔۔نہیں ہشمینہ ابرار!" ریحان پراچہ نے اُس کی بات کاٹ دی۔"میں اپنے مطالبات اشمل خان کے ذریعے نہیں منوا سکتا۔بلکہ میں اپنی طاقت کا استعمال کر کے۔۔۔۔۔۔یعنی۔۔۔۔۔۔" وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور مسکرایا۔شفاف میز کی سطح پر ہشمینہ کی گردش کرتی انگلیاں رک گئیں۔

"یعنی___؟"

"یعنی سر حیدر کو اغواء کر کے۔"

"رر۔۔۔۔۔۔ریحان۔۔۔۔۔۔" ہثمینہ کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔اس نے بے یقینی اور خوف کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ ریحان پراچہ کو دیکھا۔

اُس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ ریحان پراچہ اس حد تک پستی میں گر سکتا ہے۔ایک ایجوکیٹڈ گھرانے کا لڑکا اتنی اوچھی سوچ بھی رکھ سکتا ہے۔

اُس کا سارا بدن لرز اٹھا۔

ایک محترم استاد کو وہ محض اپنی غرض کے لئے آلہ کار بنائے گا۔

"اُف خدایا!" اُس کا سر چکرانے لگا ___ اس کی آنکھوں میں شعلے سے لپکنے لگے۔

"ریحان پراچہ ___ ! تم۔۔۔۔۔۔ تم سر حیدر کیانی کو کڈنیپ کرو گے؟" اس نے تحیر آمیز بے یقینی سے دیکھا۔

"مجبوری ہے مس ہثمینہ! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔۔۔۔۔۔"

"شٹ اپ!" وہ اس کا جملہ کاٹ کر دھاڑی۔"تم اتنے کم ظرف ہو، ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرو گے ___ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں جس پارٹی کے لئے اتنی تگ و دو کرتی رہی، اپنی ساری محنت جس تنظیم کے لئے صرف کی اس کا لیڈر خود اتنا پست ذہن کا ہو گا۔"

وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور ریحان پراچہ کو قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگی۔"ایک استاد کی بے قدری اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ خود اس کا اسٹوڈنٹ جسے وہ تعلیم دیتا رہا ہو اس کے بارے میں اتنا غلط سوچے۔اُسے محض اپنے مفاد کے لئے چارہ بنائے۔ویری سیڈ ریحان پراچہ! تم نے اپنی برسوں کی تعلیم محض ایک غلط سوچ اور گھٹیا جملے پر ضائع کر دی۔"

اس کی رگوں میں انگارے دوڑنے لگے تھے اور چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"ارے مس ہثمینہ! تم تو سیریس ہو گئیں۔اتنا ہرٹ ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

ریحان پراچہ سٹپٹا گیا۔اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہثمینہ اس حد تک مشتعل ہو جائے گی۔اس کے قریب بیٹھا سراج بھی اس غیر متوقع صورتِ حال پر پریشان ہو گیا۔اُسے ریحان پراچہ کی جلد بازی پر غصہ آنے لگا۔کیا ضرورت تھی اسے اپنے مستقبل کے پلان سے آگاہ کرنے کی۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہثمینہ ابرار ایک مضبوط کردار اور عالی خاندان کی لڑکی ہے۔جو ایسی حرکتیں تو کیا، غلط بات بھی برداشت نہیں کر سکتی ___ اور سچ تو یہ تھا کہ ریحان پراچہ کے حق میں جو ووٹ ڈالے گئے تھے وہ بھی ہثمینہ کے اعلیٰ کردار اور اس کی شرافت کے پیش نظر دیئے گئے تھے۔

اب اس کا اس بات پر بھڑکنا تو قدرتی عمل تھا۔

اُستادوں کا احترام کرنے والی ہثمینہ کے لئے یہ بات کسی شاک سے ہر گز کم نہ تھی۔معاملے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے سراج کیانی سنبھل کر فوراً بولا۔

"پلیز ہثمینہ! آپ بیٹھئے۔دراصل آپ ریحان کے مذاق کو نہیں سمجھ سکیں۔"

"کیا۔۔۔۔۔۔مذاق؟" وہ یوں اُچھلی جیسے اس کے پیروں کے آگے سانپ ڈال دیا گیا ہو۔"یہ مذاق ہے ___ نہیں سراج!"

"ہاں۔۔۔۔۔۔ہاں، بالکل۔یہ محض ایک جوک ہے۔تم نے سیریس لے لیا ہے۔" ریحان پراچہ بھی سر ہلانے لگا۔اسے بھی ماحول کے تناؤ کا اور اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"ریحان تو ہمیشہ ایسا ہی مذاق کرتا ہے۔ بھلا جس استاد نے ہمیں تعلیم دی ہے ہم اس کے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں؟ اس طرح کے کام کم از کم ہمارے بس میں نہیں ہیں اور نہ ہمارے تصور میں۔" سراج کیانی کہہ رہا تھا۔

مگر ہثمینہ کا دل اس بات کو مذاق ماننے پر قطعی تیار نہ تھا۔ جس انداز سے ریحان پراچہ نے یہ بات کہی تھی، اس کی آنکھیں جن میں مکروہ ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم بھی تھا، وہ بھلا کیوں کر سراج کیانی کے بہلاوے میں آ جاتیں۔

"ہم یہ باتیں پھر کسی دن کے لئے اٹھا رکھتے ہیں ___ یہ بتاؤ، تم کیا پیو گی، چائے یا ٹھنڈا؟"

تنے تنے ماحول اور متفکر ہثمینہ کو دیکھتے ہوئے ریحان پراچہ نے مسکرا کر موضوع بدل دیا۔ "جاؤ سراج! ٹھنڈا ہی لے آؤ۔"

"او کے ___" سراج اٹھ کر باہر لپکا۔

"نہیں، پلیز ___ تھینک یو! میرا موڈ نہیں ہے اس وقت۔" ہثمینہ نے جلدی سے انکار کر دیا۔ مگر سراج کیانی اس اثناء میں باہر نکل چکا تھا۔

"اگر یہ مذاق بھی ہے تو بہت بھونڈا بلکہ کسی حد تک نازیبا۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے ریحان پراچہ کی سمت دیکھا اور وہ کھل کر ہنس دیا۔

"چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔ آج موسم بھی اچھا ہے۔"

اس نے دل آویز تبسم سے اسے دیکھا۔ پھر اٹھ کر اس کی کرسی کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ "ہثمینہ! کیا تم اپنی پارٹی کو درمیان سے ہٹا کر کسی اور خوشگوار موضوع پر باتیں نہیں کر سکتیں؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ہثمینہ کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہماری دوستی کو خاصا طویل عرصہ ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود یوں لگتا ہے کہ جیسے ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔ ہمارے درمیان اجنبیت کے طویل فاصلے حائل ہیں۔" اس کا لہجہ پُرشوق اور خوابیدہ سا تھا۔

ہثمینہ کی روح تک سلگ اٹھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں ایک ساتھ ناگواری کے کئی رنگ لہرائے۔

"مسٹر ریحان! میرا اور تمہارا تعلق صرف پارٹی افیئرز تک ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔" وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ مگر ایک قدم آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ جلدی سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

شوق کا ایک جہاں لئے۔

اس کی راہیں مسدود کئے۔

"یہ تو ایک واسطہ تھا۔ یا یوں کہہ لو کہ ایک سیڑھی تھی تم تک ___"

"ری۔۔۔۔۔۔ حان۔۔۔۔۔" ہثمینہ نے نفرت اور غصے سے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

"تم۔۔۔۔۔ تم نے اپنی پارسائی میں مجھے شریک محض اپنی اسی پست ذہنیت کے لئے کیا تھا۔ اوہ گاڈ ___ ریحان! میں نے تمہارے بارے میں کسی سے صرف سنا ہی تھا مگر آج یقین ہو گیا کہ تم۔۔۔۔۔"

"نہیں، نہیں ___ پلیز، دراصل میں تو۔۔۔۔۔۔"

"شٹ اپ!" اس کا لہجہ انتہائی کرخت ہو گیا تھا۔

"میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ پارٹی افیئرز سے ہٹ کر بھی ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔" اس نے اسے باہر کی طرف لپکتے دیکھ کر اپنی پوزیشن سنبھالنے کی کوشش کی۔

"منافقت سے کام مت لو____ تمہاری آنکھیں تمہارے اس جھوٹ کا ساتھ قطعی نہیں دے رہیں۔" اس نے ایک نخوت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

اس کی آنکھوں میں پھیلے مکروہ جذبات اور وحشیانہ چمک کو نفرت سے دیکھا۔

"براہِ مہربانی آئندہ تم مجھ سے کوئی واسطہ رکھنے کی کوشش مت کرنا____ میں تم جیسے منافق اور گھٹیا سوچ رکھنے والے شخص سے بات کرنا تو در کنار صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گی۔" وہ تنتنا کر بولی اور آفس سے باہر نکل گئی۔

ریحان پراچہ کتنے ہی ثانیے گنگ کھڑا رہا۔

یکلخت ہی اُس کا خون کھول اٹھا۔

آج پہلی بار کسی لڑکی نے اس کی یوں کھلے عام بے عزتی کی تھی۔ اس لڑکی نے جسے شاید اپنے بے پناہ حُسن پر ناز تھا۔ اپنی پارٹی پر فخر تھا۔ اس کے منہ پر الفاظ کے بھرپور طمانچے مارے تھے اُس نے۔

اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"اونہہ____ بہت زعم ہے تمہیں اپنی پارسائی کا ہشمینہ ابرار!____ اس طرح کے بہت سے غرور میں خاک میں ملا چکا ہوں۔ ایسی بہت سی لڑکیوں کی اکڑ نکالنا جانتا ہوں۔"

اُس نے سامنے رکھی تپائی پر زور سے لات ماری اور سلگتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔

ریحان پراچہ کی فضول باتیں سن کر ہشمینہ کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔ اس سے پھر ایک پیریڈ بھی نہ لیا گیا اور وہ گھر چلی آئی۔

اپنی کم فہمی پر اُسے رہ رہ کر غصہ آرہا تھا کہ وہ اتنا عرصہ ریحان پراچہ کو کیوں نہ سمجھ سکی۔ اس کے ہاتھوں بے وقوف بنتی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

رہی۔ لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرے۔

بظاہر وہ اسے ایک لاپرواہ اور آزاد طبع بندہ سمجھ کر مطمئن رہی۔ وہ اس کے دل میں پلتے اتنے مکروہ جذبوں سے غافل رہی۔

سوچ سوچ کر اس کی روح کی آگ اور بھی بھڑک رہی تھی۔ ندرت کی کہی ہوئی باتیں اُسے آج سچ ثابت ہوتی لگ رہی تھیں۔ اس نے کتنی بار اس سے کہا تھا۔

"ریحان پراچہ، اسٹوڈنٹس کے مسائل میں ہر گز مخلص نہیں ہے۔ محض مفاد پرستی اور شو آف کے لئے وہ الیکشن میں کھڑا ہوا ہے۔ ریحان پراچہ کے بارے میں اتنا تم نہیں جانتیں جتنا میں اور دوسرے لوگ جانتے ہیں۔ اس نے یہ لبادہ تو اب اوڑھا ہے۔"

ندرت نے ایسے جملے ایک بار نہیں کئی بار کہے تھے اور اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کی بات پر کان نہیں دھرے تھے۔

وہ ساری رات بے قراری سے کروٹیں بدلتی رہی۔

اپنی کم فہمی کا ماتم کرتی رہی۔ خود کو ملامت کرتی رہی۔

صبح اٹھی تو سارا وجود بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے ناشتہ نہیں کیا اور صرف گرم گرم دودھ پی لیا۔

بھابی نے اُسے دیکھا اور مسکرا دیں۔

"لگتا ہے اشمل خان کی فتح کا دُکھ ابھی گیا نہیں ہے۔"

"نہیں بھابی! اچھے انسان کی فتح پر دکھ نہیں ہوتا۔ چاہے وہ ہمارا حریف ہی کیوں نہ رہا ہو۔" اس نے کہا تو بھابی بری

طرح چونکیں۔

"ایں ___ یہ تم کہہ رہی ہو؟" انہوں نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا ہو۔

"ہاں، یہی حقیقت ہے ___" اس نے بھابی کی حیران آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور زور سے ہنس پڑی۔

"یہ تم اتنی اعلیٰ ظرف کب سے ہو گئی ہو؟" اس نے اپنا بیگ میز سے اٹھانا چاہا اور بھابی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "کہیں اشمل خان کا جادو تو نہیں چل گیا ___ مطلب کیوپٹس کا۔"

"جی نہیں ___" اس نے جلدی سے ان کا جملہ کاٹ دیا اور خفگی سے ان کی طرف دیکھا اور پھر ان کی مسکراتی آنکھوں سے نظریں ہٹا کر جلدی سے بیگ اٹھا کر باہر بھاگی۔

یونیورسٹی آئی تو سڑک پر ہی ندرت اس سے آٹکرائی۔

"اے ___ سنا تم نے۔" وہ جیسے اسی کی منتظر تھی۔

"کیا ہوا؟" اس نے متعجب ہو کر اُسے دیکھا۔

"کل شام سر حیدر کیانی کو کسی نے اغواء کر لیا ہے۔ پوری یونیورسٹی میں کھلبلی مچ گئی ہے۔ خاص کر سارے لیکچرارز میں۔"

"ک ـــــــ کیا؟" ہشمینہ اپنی جگہ سُن سی رہ گئی۔ اُسے لگا جیسے اس نے اس کے سر پر پتھر دے مارا ہو۔

"بہت سے اسٹوڈنٹس پر شک کیا جا رہا ہے۔" ندرت قدرے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں گویا ہوئی۔ مگر ہشمینہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ جگہ ایسی باتوں کے لئے قطعی موزوں نہیں تھی۔ اس نے ندرت کو ایک نظر دیکھا اور پلٹ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔

"ارے ___ مگر تم کہاں جا رہی ہو؟"

"اشمل خان کہاں ہے؟" وہ اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پلٹ کر بولی تو ندرت اچھل پڑی۔

"کیا ___ کیا ___ تم اشمل خان پر شک کر رہی ہو؟"

"شش ـــــــ آہستہ۔" اس نے اس کی پاٹ دار آواز پر اسے تنبیہی نظروں سے گھورا تو ندرت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"میں کسی پر شک نہیں کر رہی ہوں۔ صرف سوال پوچھا ہے تم سے۔" اس نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا۔

ندرت نے اسے دیکھا۔ شاید اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اخذ کرنا چاہا مگر کچھ نہ جان سکی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی مستور تھی۔

"وہ ہے۔ یونیورسٹی آیا ہے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"او کے۔" اس نے ندرت کے تمام سوالات کو نظر انداز کر دیا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ "میں جا رہی ہوں گھر۔ سنو، یوں میرے گھر بھاگ جانے پر کہیں تم مجھ ہی پر شک نہ کرنے لگ جانا۔" اس نے اگنیشن میں چابی ڈال کر ندرت کے ہونق چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو ندرت زور سے ہنسی۔

"بڑی بدتمیز ہو____ مگر یار! تمہارا یوں بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"نہ سمجھ میں آنے والی کوئی بات نہیں۔"

"مگر کچھ پتہ بھی تو چلے۔ یہ آناً فاناً آنا اور جانا۔۔۔۔۔" ندرت کا آگے کا بقیہ جملہ حلق میں ہی لہرا کر رہ گیا۔ وہ زن سے گاڑی اس کے قریب سے گزار کر آگے لے گئی۔

"عجب گدھی لڑکی ہے۔" ندرت اُڑھتی دھول کو دیکھتی رہ گئی۔ پھر پلٹ کر اندر آگئی۔

ہثمینہ کے ذہن کے تاروں کو ندرت نے یہ خبر سنا کر جیسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ اس کے ذہن کی ساری طنابیں سُن سی ہو گئی تھیں اور سوچوں کی ساری سُوئیاں ایک ہی جگہ اٹک کر رہ گئی تھیں۔

سر حیدر کیانی کا اغواء۔۔۔۔۔ جس میں ریحان پراچہ سو فیصد ملوث تھا۔ اُسے اس بات کا یقین تھا۔

'تو ریحان پراچہ! تم نے اپنی پستی میں اُتر کر بالآخر دکھا دیا۔ اپنا یہ رُوپ زیادہ عرصہ نہ چھپا سکے۔'

اس نے گاڑی اپنے بنگلے کے سامنے روک دی اور جلتے ہوئے ذہن کے ساتھ اندر آکر سیدھی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ امی کو سلام کیا اور نہ بھابی کو منہ دکھایا۔ وہ جانتی تھی بھابی اس کے یوں واپس آجانے پر ضرور سوال کریں گی اور وہ اس وقت کسی طرح کے جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس کا ذہن سخت پراگندہ ہو رہا تھا۔

ریحان پراچہ کی اس حرکت نے اُسے گہرے دُکھ میں دھکیل دیا تھا۔ اس کی نظر میں استاد کا اغواء گناہِ عظیم تھا۔

ایک لفظ بھی سکھانے والا معلم ہوتا ہے۔ کجا سر حیدر جنہوں نے ان سب کو پورے ایک سال تعلیم دی۔ کورس سے ہٹ کر زندگی کی اُونچ نیچ سے آگاہ کیا۔ اچھے بُرے کی تمیز سکھائی اور سارا سال وہ اپنے لیکچرز میں اخلاق کی اہمیت پر زور دیتے رہے۔ اب خود اپنے ہی ایک اسٹوڈنٹ کے ناشائستہ اور نارواوریے کا شکار ہو گئے۔

اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون کھول اٹھا تھا۔

ریحان پراچہ سے اُسے شدید ترین نفرت محسوس ہونے لگی۔ اُس نے گاہے بگاہے اُسے پہلے بھی اپنی باتوں اور رویوں نے شاک پہنچایا تھا مگر آج____ اُس کی رگوں میں نفرت کا زہر دوڑنے لگا۔ وہ اضطرابی انداز میں ٹہلنے لگی۔

سر حیدر کے اغواء کا صرف اسے ہی علم تھا۔ دوسرے لوگ شکوک وشبہات میں گرفتار تھے اور اس وقت اسے محض خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

اس کے سینے میں طوفان اٹھا۔

یہ راز اسے کھول دینا چاہئے____ مگر کس کے سامنے؟

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے بنے اور مٹے۔

'ایسی کوئی شخصیت ہو سکتی ہے جو معاون ثابت ہو سکتی ہو؟'

'اوہ خدایا____ کیا کروں؟' اس نے تھک کر ہونٹ چبا ڈالے۔

یکلخت اس کے تصور میں ایک مغرور چہرہ، ایک مضبوط سراپا آ ابھرا۔

وہ شہد رنگ آنکھیں اپنے پورے سحر اور تمام تر رعنائیوں کے ہمراہ تخیل میں آٹھہریں۔ "اشمل خان" اُس کا دل پوری قوت سے دھڑکا اور کتنے ہی لمحے اپنی اس ناہمواری کے ساتھ دھڑکتا رہا۔

'ہاں اشمل خان____ جو اس وقت اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے گا۔'

اس کے دل نے اشمل خان کو چن لیا اور عقل حیران رہ گئی کہ وہ اشمل خان سے کب اور کیسے متاثر ہو چکی ہے۔ کیا محض اس کی فتح نے متاثر کر دیا ہے؟

'اوہ گاڈ____' اُس نے گھبرا کر سر کو جھٹکا جیسے اپنے ذہن و دل کے قریب کسی انجانے سے، ناآشنا سے دُھند کے تنگ ہوتے دائرے سے خود کو بچانے کی سعی کی ہو۔

اور پھر کچھ سوچ کر تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔ مگر پھر سوچ کر اس کے قدم رک گئے۔

اس وقت اشمل خان یقیناً اپنے آفس میں موجود ہو گا اور اس کا فون کرنا اسے دوسروں کی نظر میں مشکوک کر سکتا تھا۔ یوتھ فیڈریشن کا کوئی بھی ممبر اس کی آواز باآسانی پہچان سکتا تھا____ ضروری تو نہیں تھا کہ اشمل خان ہی فون ریسیو کرے۔

ایک انجانے خوف نے اُسے روک دیا۔ وہ فون کے پاس سے ہٹ گئی۔ اب اُسے انتظار کرنا تھا۔ طویل انتظار کہ کب اشمل خان ہاسٹل پہنچتا ہے۔

اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ابھی گیارہ بج رہے تھے۔ اس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار گہرے ہو گئے۔ اس نے خود کو بیڈ پر گرا لیا اور تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

پھر نجانے کس لمحے نیند نے آگھیرا۔ بھابی کی تیز آواز بھی اُسے اُٹھا نہ سکی۔

"اے ہثمینہ! تم کب آئیں؟____ اور چھپ کر سو بھی گئیں۔" ان کی حیرت آمیز آواز اُبھری۔ "اے ہثمینہ____" بھابی نے جھک کر اسے تقریباً جھنجھوڑ ڈالا۔ "ایسی گہری نیند____ توبہ، کب سے آ کر پڑی ہو یہاں؟"

"کیا قیامت آگئی ہے؟" اس نے کروٹ بدل کر بھابی کو گھورا۔

"لمبی تان کر سو گئیں۔"

"سونا جرم ہے کیا؟" وہ اٹھ بیٹھی اور بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی۔

"جرم تو نہیں مگر____"

"میں صبح ہی آگئی تھی واپس۔"

"ایں۔۔۔۔۔۔۔ کیا؟" بھابی اُچھل کر رہ گئیں۔ "صبح____ مگر کیوں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ان کی آنکھوں میں حیرانگی، تشویش کا روپ دھار گئی۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔

"ارے نہیں ڈاکٹر بھابی! طبیعت بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہے۔" اس نے مسکرا کر ان کا ہاتھ اپنی پیشانی سے ہٹا دیا اور ایک لمبی جمائی لے کر تکیے کو اٹھا کر گود میں بھینچ لیا۔ بھابی کھسک کر اس کے قریب آگئیں۔

"تو پھر بتاؤ نا____ ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ تم واپس آکر یوں چھپ چھپائے لیٹ گئیں اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔" بھابی کی تفتیشی رگ پھڑکنے لگی۔ تجسّس کی لہریں مچلنے لگیں۔ اُسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"آپ کو تو سی آئی ڈی ہونا چاہیے۔ یہ اتنی تفتیش۔"

"نہ بتاؤ____ دفع ہو۔" بھابی خفا ہو کر بیڈ سے کھڑی ہو گئیں۔ "میں تو تمہیں لنچ کے لئے بلانے آئی تھی۔ کچھ خبر ہے ڈھائی بج رہے ہیں۔"

"کیا۔۔۔۔۔۔۔" بھابی کے جملے پر وہ چونکی۔ "اوہ، ڈھائی بج گئے____" اُس نے وال کلاک کی طرف دیکھا اور پھر بستر سے چھلانگ لگا کر فون کی طرف لپکی۔

"واقعی مجھے نیند آگئی تھی۔ وہ بھی بے وقت۔" اس نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے خود کو ملامت کی۔

"کیوں ڈھائی بج گئے ہیں تو کیا ہوا؟" بھابی اس کے یوں اُچھلنے اور فون کی طرف بڑھنے پر حیران ہو رہی تھیں۔ پھر ان کو دوسرا جھٹکا لگا جب ہشمینہ ایک نمبر ڈائل کر کے اشمل خان کو بلانے کا کہہ رہی تھی۔

"جی ___ میں اشمل خان خل زئی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ وہ بیس نمبر کمرہ میں ہیں۔ پلیز انہیں بلادیجئے۔"

بھابی متعجب سی اس کی طرف بڑھیں۔

"ہش۔۔۔۔۔۔مینہ۔۔۔۔۔۔"

"شش۔۔۔۔۔۔۔۔" ہشمینہ نے جلدی سے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے کچھ پوچھنے سے باز رکھا پھر جلدی سے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ دوسری جانب اشمل خان کی شستہ اور گمبھیر آواز اُبھری۔

"یس ___ اشمل خان اسپیکنگ۔"

"مم۔۔۔۔۔۔ میں ہشمینہ بول رہی ہوں۔" اس کی آواز دھیمی ہوتے ہوئے لڑکھڑائی۔ دوسری طرف ایک لمحے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ بالکل غیر متوقع بات تھی۔

نہ اشمل خان کے گمان میں تھا اور نہ ہشمینہ ابرار نے کبھی سوچا تھا کہ اسے کبھی خود اشمل خان سے رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔

دونوں طرف چند ثانیے خاموشی رہی۔ پھر اشمل خان کی آواز اُبھری۔

"جی ___ خیریت ہے؟"

"جی دراصل مجھے کام تھا آپ سے۔ آپ کو بے وقت ڈسٹرب کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔"

"ارے نہیں ہشمینہ ابرار! مجھے مسرت ہوئی کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا۔ میرے لائق کوئی خدمت؟" اس کا لہجہ

سادہ مگر پُر تجسّس تھا۔ ہشمینہ ہونٹ دانتوں میں چبا کر سوچنے لگی پھر جلدی سے بولی۔

"میں سر حیدر کیانی کے اغواء کے سلسلے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی جیسے پہلی بار اشمل خان سے مخاطب ہوئی ہو۔ حالات نے ان کے درمیان ایک گہری دیوار خود بخود کھڑی کر رکھی تھی جسے اشمل خان کے رویے اور ہشمینہ ابرار کے غصے نے اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔

ہشمینہ کی انا نے قدم پیچھے روک رکھے تھے ورنہ دونوں اس دیوار کے پیچھے کھڑے عجیب سے خلفشار میں گرفتار اس دیوار کو ڈھانے کے خواہاں تھے۔

"ہوں ___ سر حیدر کیانی کا اغوائ ___ ہاں، بہت پست حرکت ہے۔ مگر تم اس سلسلے میں۔۔۔۔۔۔"

"میں یہاں فون پر آپ سے کچھ نہیں کہہ سکوں گی۔ میرا مطلب ہے میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ مجھے وقت دیں گے؟" اس کی خود اعتمادی آہستہ آہستہ لوٹ رہی تھی۔

"وائے ناٹ ___ کل یہیں آفس میں۔۔۔۔۔۔۔"

"نہیں ___" اُس نے جلدی سے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ "میں کسی کی نظر میں نہیں آنا چاہتی۔" اُس نے صاف گوئی سے کہا۔ اشمل خان معاملے کی سنگینی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"اوکے ___ پھر جہاں چاہو۔" اس نے گویا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔

ہشمینہ کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"کیفے لالہ زار میں۔۔۔۔۔۔آج شام کو۔" اُس نے یہ کہہ کر اس طرح پلکیں جھکا دیں جیسے اشمل خان اس کے بالکل سامنے ہے اور اس کی پُر تجسّس آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز ہوں۔ اس کی نرم نرم ہتھیلیوں سے پسینہ بہہ نکلا۔

"اوکے____" اُس کے منہ سے رضامندی کا ایک لفظ نکلتے ہی ثمینہ نے جھٹ ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پھر ایک گہری سانس لے کر پلٹی تو اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی۔ بھابی ہونق سی کھڑی اس کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھیں۔

"ادھر آئیں____ آپ کو بتا ہی دوں۔ ورنہ خدانخواستہ اتنی پیاری آنکھیں پھٹ ہی نہ جائیں۔" وہ ان کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی اور ان کا بازو تھام کر انہیں اپنے بیڈ تک لے آئی۔

...☆☆☆

وہ اُسے اپنے روبرو وارفتگی سے اپنی جانب دیکھتا پا کر کتنے ہی ثانیے گنگ رہی۔

سکون سے گزرتے ہوئے شب و روز میں اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ شخص مجنوں کا جانشین یہاں تک پہنچ جائے گا۔

'یاخدا____ اس سے کیا چوک ہو گئی؟' اس کے جسم سے پسینہ موتی کی لڑیوں کی صورت بہنے لگا۔

"میں نے اس دہلیز پر قدم رکھتے ہی شدت سے یہ دعا مانگی تھی کہ یا رب دیدارِ محبوب نصیب ہو۔" اس کی آواز تیر کی طرح اس کی سماعت سے ٹکراتی ہوئی اس کے دل میں پیوست ہو گئی۔ مارے خوف کے اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔ اس کی قوتِ گویائی سلب ہونے لگی۔ وہ آڑی ترچھی شوخ نگاہیں اس کے جسم کے آرپار ہو رہی تھیں۔

"آ۔۔۔۔۔آپ کیوں آئے ہیں؟" اس نے بے حد مشکلوں سے پھنسی پھنسی آواز کھینچ کر باہر نکالی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ کیونکہ وہ اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ مسکراتا، بے حد نڈر انداز لئے جو اس کے خوف نے اُسے بخش دیا تھا۔

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔" وہ زور سے ہنسا۔ "صرف تمہیں دیکھنے آیا ہوں سحر گل! صرف تمہیں۔"

"اُف____ وہ یوں بدک کر پیچھے ہٹی جیسے اس کے پیروں میں کسی نے بم رکھ دیا ہو۔ اس کی پیشانی جلنے لگی۔ رسوائی کا خوف اس کی رگوں میں دوڑنے لگا۔

"شرم آنی چاہئے آپ کو____ ایک شریف لڑکی کو بلاوجہ تنگ کر رہے ہیں۔ میں تو آپ کو جانتی تک نہیں۔" اس نے اپنی پوری ہمتیں مجتمع کر لیں۔ آج وہ نڈر بن کر گھر تک آ گیا تھا، کل کلاں کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔ یہ سوچ کر وہ اندر ہی اندر لرزنے لگی۔ وہ اپنے آپ میں ہمت پیدا کرنے لگی۔ اس نے ایک سرسری نگاہ سنسان گلی میں ڈالی اور پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہ بالکل خائف نہیں تھا۔ اُلٹا اس کے جملے پر تمسخرانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"میں اپنے بھائی سے آپ کو مار بھی لگوا سکتی ہوں۔"

"ہوں۔۔۔۔۔خوب۔۔۔۔۔میں نے تم سے محبت کی ہے ڈیئر! اور پھر تم نے بھی تو میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ میں اس سفر میں تنہا ہرگز نہیں ہوں۔"

"کیا____" اُس کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "جھوٹ بول رہے ہو تم____ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ورنہ____" اس کی آواز غصے کی یورش سے پھٹنے لگی۔

"خط و کتابت تو جاری رہی ہے نا ہمارے درمیان۔"

"ذلیل انسان____" بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھا اور اس کے رخسار پر آ پڑا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی خونخوار

آنکھوں سے گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تمہاری اس حرکت پر میں بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر خیر___" وہ اچانک نرم پڑ گیا۔ "تم سے محبت جو کرتا ہوں۔"

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" اس نے جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑا لی اور دروازہ بند کرنے کی سعی کی۔ مگر وہ پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

"چلا جاتا ہوں___ مجھے بھی تمہاری عزت بہت عزیز ہے۔ اور اس گھر کی بھی۔ میں تمہیں پریشان کرنے قطعی نہیں آیا ہوں۔"

"تو پھر کیوں آئے تھے؟" وہ سلگ ہی تو گئی۔ کس مزے سے وہ اسے جتا رہا تھا کہ وہ اسے پریشان کرنے نہیں آیا تھا جیسے وہ ابھی سرِ راہ اُسے عزت کی بلندیوں پر ہی تو پہنچا رہا تھا۔

"چلے جائو تم، خدا کے لئے۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو___ اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں جنہیں تم___" اس کی آنکھیں بے بسی کے آنسوئوں سے بھر گئیں۔

امی، ماہی اور بھابی___ گھر میں سب ہی موجود تھیں۔ اس وقت کوئی بھی یہاں آسکتا تھا یا پھر اس گلی میں کسی کی بھی آنکھیں یہ تماشا دیکھ سکتی تھیں۔ اس کے بعد اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔

"تم شام فضہ کے گھر آنا___ وہیں باتیں ہوں گی۔" وہ گیٹ سے ہٹ کر دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"فض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ضہ۔۔۔۔۔۔۔" وہ ہکلائی۔

"ہاں___ تیسری گلی کی وہی لڑکی جو تمہاری بہت اچھی دوست ہے۔ ہاں، میری بھی بہت غمخوار سی کزن ہے۔ اچھا___ بائے۔" وہ پلٹا مگر پھر کچھ سوچ کر اس کی طرف مڑا۔

"اگر نہ آئیں تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ کتنے ہی ثانیے گنگ کھڑی رہی___ اپنے اطراف کھڑی ان اونچی اونچی دیواروں کی طرح۔ فضہ کے گھر۔۔۔۔۔۔ شام کو۔۔۔۔۔۔ فضہ۔۔۔۔۔۔ اُس کا دماغ چکرانے لگا۔ تو وہ فضہ کمال کا کزن ہے۔ یہ افسوس ناک انکشاف اس کے کلیجے میں تیر کی طرح لگا تھا۔

اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا اور اسی دروازے سے سر ٹکا کر بلک اٹھی۔

"مولا! میں بہت کمزور ہوں___ اتنی بڑی آزمائش کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ رحم کر خدایا___ رحم کر!"

ابھی تک اس کے جملے سر پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ مگر ملنے کا حکم وہ اسے دے گیا تھا۔ یہ اس کی عزت کی موت ہی تو تھی۔

اب ایک شریف گھرانے کی بیٹی، ایک آوارہ اور بدقماش لڑکے سے ملاقاتیں کرنے جائے۔

'ہائے اللہ___ میں کہاں جائوں؟' وہ بے قراری سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

اچانک دروازہ کھلا تو وہ دھکا کھا کر آگے اُچھلی۔

"ارے___ تم یہاں کیوں کھڑی تھیں؟" فروان اس کے دھکا لگنے پر گھبرا گیا۔

"آں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔ نہیں وہ بس ایسے ہی۔" اس نے جلدی سے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے کہا اور تقریباً بھاگ کر پورٹیکو کے ساتھ لان بھی عبور کر گئی۔ فروان اُسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔

بکھرے بال، متوحش چہرہ، روئی روئی آنکھیں۔ اور اس وقت مین گیٹ پر اس کا کھڑا ہونا۔ وہ اُلجھ سا گیا۔ کوئی بات ہے ضرور۔ وہ سوچنے لگا۔ وہ اندر آیا تو سامنے ہی ماہ گل آپی اُسے نظر آئیں۔

"تم آگئے فرو___ کیا بات ہے؟" انہوں نے اس کے چہرے پر تردد کی پرچھائیں دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔

"سحر کہاں ہے؟" وہ ان کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"شاید کمرے میں ہے___ کیوں، خیریت تو ہے؟" ماہ گل کا ماتھا ٹھنکا۔ "کیا بات ہے فروان؟"

"ارے نہیں___ کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی کام تھا۔" اس نے ماہ گل آپی کے چہرے پر پھیلتی تشویش کو دیکھا تو جلدی سے سر جھٹک کر بے مقصد مسکرا دیا۔

"فروان!___ ماہی! اِدھر آئو۔ فون ہے شاہ خانم کا۔" امی کی آواز پر دونوں چونک پڑے۔

"فون ہے آنٹی کا___ بڑے دنوں بعد یاد کیا ہمیں۔" وہ مسکرایا۔

"ہاں___ میں نے اشارا سے کہا تھا کہ تم تو فون ہی نہیں کرتیں۔" ماہی آپی مسکرا اُٹھیں۔ فروان ان کے پیچھے لائونج کی طرف بڑھ گیا۔

سحر گل کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں میں کسی نے بہت سے انگارے پکڑا دیئے ہوں۔ اُسے جلتے شعلوں میں دھکیل دیا گیا ہو۔

بدنامی، رُسوائی، جلتی آگ ہی تو ہے۔ ایک بھڑکی ہوئی آگ جس کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا۔ صرف راکھ کا ڈھیر___

'نہیں، مجھے اس آگ میں خاکستر نہیں ہونا۔ خدایا، میرے دامن کو اس آگ سے بچائے رکھنا۔'

کرب سے اس نے آنکھیں بھینچ لیں۔

گھڑی کی سوئیاں بہت تیزی سے چکر لگا رہی تھیں۔ اس کے دل کی حالت سے بے خبر۔ وقت تیزی سے سرک رہا تھا۔

دھوپ تیزی سے ڈھل رہی تھی اور شام کے سائے دریچوں پر پھیل رہے تھے۔ اس کے ذہن میں بے اختیار جھماکا سا ہوا۔ ایک خیال بجلی کی طرح چمکا۔ وہ تیزی سے فون کی جانب لپکی۔ فضہ کمال کا فون نمبر اُسے زبانی یاد تھا۔ اس نے سوچا فضہ یقیناً اس سارے معاملے سے آگاہ ہوگی اور اس کی اچھی اور بہترین رفیق ہے۔ یقیناً اس کی مدد کرے گی اور اپنے کزن کو اس گھنائونی حرکت سے باز رکھے گی۔

اس نے دھڑکتے دل اور ڈھیر ساری امیدوں کے ساتھ فضہ کا نمبر ڈائل کیا تو دوسری جانب فضہ کی کھنکتی آواز اُبھری۔

"فضہ! میں سحر گل بول رہی ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ارے سحر! تُو___ کیسے یاد کر لیا___ وقت مل گیا مجھ جیسی بے کار سی لڑکی سے بات کرنے کا؟" اُس نے حسب عادت اُسے لتاڑا۔ "پورے پندرہ دن بعد اپنی آواز سنا رہی ہو کم بخت! میں تیری طرف ہی آنے کا سوچ رہی تھی مگر پھر سوچا چھوڑو ایسی بے مروّت اور بے وفا لڑکی کا منہ دیکھنے سے کیا فائدہ۔" وہ اپنی کہے جا رہی تھی۔

"فضہ!" سحر گل کی سسکاری نکل گئی اور فضہ بری طرح چونکی۔

"کیا بات ہے سحر گل! تم رو رہی ہو___ ایں، کیا ہو گیا___ گھر میں تو خیریت ہے نا؟ تمہارا ابلڈوگ تو ٹھیک ہے یا پھر۔۔۔۔۔"

"سب ٹھیک ہے، سوائے میرے۔" وہ فون کو اسٹینڈ سے اٹھا کر صوفے کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے رندھے لہجے میں بولی۔

"یار سسپنس مت پھیلائو____ کیا ہو گیا ہے____ بتائو نا!" فضہ کی آواز میں تشویش اُمڈ آئی۔

وہ کتنے ہی ثانیے بے آواز آنسو بہاتی رہی اور اپنی آواز صاف کرنے لگی یا شاید اُسے بتانے کے لئے مناسب لفظ ڈھونڈ رہی تھی۔

"سحر! بتائو نا____ کیا بات ہے؟ یار! اب مجھے غیب کا تو علم ہے نہیں کہ صرف آنسوئوں سے سب کچھ جان لوں۔ ہاں البتہ میرے لب نمکین ہو گئے ہیں۔ شاید تمہارے آنسوئوں کا ذائقہ چکھ رہی ہوں۔" وہ آخری جملہ اسے نارمل کرنے کے لئے بولی۔ مگر سحر گل نے جیسے اس کا کوئی لفظ سنا ہی نہیں یا سمجھ نہ سکی۔ دھیرے سے بولی۔

"فضہ! میرا مسئلہ تمہارے گھر تک بھی آسکتا ہے____ یا شاید وہیں سے شروع ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی تمہارے اس کزن کو نہ اس کے نام سے واقف ہوں۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ ایک آوارہ مزاج شخص ہے اور مجھے رسوائیوں میں دھکیلنے کے درپے ہے۔"

"سحر!" فضہ کا لہجہ ایک دم ڈھیلا ہو گیا۔ "کہیں تم منصور کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہو؟"

"میں اس کا نام نہیں جانتی۔" اس کا رُندھا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "وہ شخص میری زندگی میں رسوائیاں بھر دینا چاہتا ہے۔ یہ محبت کا کون سا طریقہ ہے فضہ! یوں سرِ عام ایک لڑکی کو تکتے رہنا، پھر اُسے محبت نامہ بھیجنا اور ایک دن اس کے گھر تک چلے آنا اور دھمکی کے ساتھ اسے ملاقات کا حکم دینا۔" وہ بپھر پڑی۔ کوئی تو تھا اس کا ہمدرد و غمگسار____ اس کی باتوں کو سن کر اسے ملامت نہ کرنے والا بلکہ اس کا حل سوچنے والا۔

"میں مر جائوں گی فضہ! اسے سمجھائو____ وہ جس راستے پر خود ہے، اسی پر مجھے بھی گھسیٹنا چاہتا ہے۔ وہ سراسر تباہی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کا راستہ ہے۔"

"ٹیک اِٹ ایزی سحر!" فضہ کی آواز اُبھری۔ "میں شاید کچھ بھی نہیں سمجھ سکی۔ سوائے صرف اس کے کہ منصور کا اگلا ٹارگٹ اب تم ہو۔"

"کیا۔۔۔۔۔۔۔ تم ان سارے معاملات سے لاعلم ہو؟ جبکہ اس نے آج مجھ سے ملنے کا مقام تمہارا گھر ہی چنا ہے۔" سحر گل کے لہجے میں حیرانگیاں سمٹ آئیں۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا، فضہ کمال اس بات سے لاعلم ہو جبکہ وہ لڑکا جس کا نام منصور ہے اسی کے گھر اسے بلا رہا تھا۔

"نہیں فضہ! تم پہلو تہی کر رہی ہو____ تم جانتی ہو سب کچھ ورنہ____"

"بائی گاڈ سحر! اس نے مجھے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ مگر ہاں____" وہ چونکی۔ "وہ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی آیا ہے اور مجھے سٹنگ روم میں بلا رہا تھا۔ بقول اس کے وہ مجھ سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہے۔ آئی تھنک وہ اہم باتیں یہی ہوں گی____ اُسے پتہ ہے کہ آج مما اور پاپا ایک پارٹی میں جا رہے ہیں شام چار بجے۔ اُس نے تمہیں کون سا وقت دیا ہے؟" فضہ نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں سوچ اور تشویش کے رنگ بھر گئے۔

"پانچ بجے____" اُس نے یوں بتایا جیسے اپنی موت کا مقررہ وقت اُسے بتا رہی ہو۔ اور پھر ایک تیز سسکاری لے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔۔ بڑا مکار ہے وہ۔" فضہ نے ایک گہری سانس کھینچ کر باہر نکالی۔ "وہ میرا اسیکنڈ کزن ہے____ میری تائی کا پوتا۔ شروع ہی سے اس کا ہمارے گھر بہت کم آنا جانا ہے۔ دراصل تائی پہلے ہمارے قریب ڈیفنس میں رہتی تھیں۔ پھر ہم لوگ دور چلے گئے، میرا مطلب ہے یہاں آ گئے۔ مگر وہ آتا رہا۔ بہت آزاد اور بے باک طبیعت پائی ہے مسٹر نے۔" وہ رکی، پھر دھیرے سے بولی۔ "وہ تمہیں کب سے جانتا ہے____ کسی اور کو اس معاملے کی خبر

ہے؟“

”صرف ماہی آپی جانتی ہیں۔ جب اس نے خط دیا تھا مجھے اور اس کے بعد ایگزام کے ختم ہونے پر گھر بیٹھ گئی تھی تو مجھے بھی سکون ہو گیا تھا اور ماہی آپی بھی مطمئن تھیں۔ مگر اب وہ گھر تک آ گیا ہے۔“ اُس نے فضہ کو ساری تفصیل بتا دی۔ ”میں نے یہ بات ماہی آپی کو نہیں بتائی فضہ! تم نہیں جانتی جب وہ اس کا خط پڑھ رہی تھیں تو اس وقت مجھے کتنی ذہنی اذیت ہوئی تھی۔ مجھے اپنا آپ بے حد حقیر اور پست لگا تھا۔ میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ اب میں انہیں بتا کر ویسے ہی عذاب سے دوچار نہیں ہو سکتی اور پھر جب کہ ان کے پاس کوئی حل بھی نہیں۔“

”میں جانتی ہوں تمہارا پرابلم سحر! ٹیک اِٹ ایزی۔“ فضہ نے اسے از حد آزردہ ہوتے دیکھ کر تشفی دی۔ ”سنو، میں تمہیں ایک گھنٹے بعد فون کروں گی۔ وہ آیا بیٹھا ہے۔ ذرا اس کا بھی تو حالِ دل سنوں۔“ وہ ہنسی۔ سحر گل کے اندر کرب کی ایک تند لہر دوڑ گئی۔

”اُسے سمجھانا فضہ! ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ ایک شریف گھرانے کی بیٹی کے لئے یہی اذیت کیا کم ہے کہ وہ کسی کی ہوس زدہ نگاہوں کے حصار میں ہے۔ اب لوگ گھر پر انگلی اٹھائیں گے____ نہیں فضہ! ایسا نہیں ہونا چاہئے۔“

”تم فکر مت کرو____ میں اُسے سمجھاؤں گی۔ اچھا، خدا حافظ۔ اور ہاں، ایک گھنٹے کے بعد میں فون کروں گی۔ تم انتظار کرنا۔“ فضہ نے فون رکھ دیا۔

وہ خود بھی ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس پر سر جھکا کر بقیہ آنسو بھی بہانے لگی۔

وہ اپنے آپ کو سخت بے اختیار محسوس کر رہی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کی عزت اس چراغ کی مانند ہے جسے تیز ہوا

میں رکھ دیا گیا ہو اور آنے والا کوئی بھی تیز ہوا کا جھونکا اسے بجھا دے گا۔

اس کی روح تک تھرا اٹھی۔

کیا فضہ اُسے سمجھا لے گی؟____ اُس کی منتیں کر کے ہی۔ مگر۔۔۔۔۔۔ کیا وہ اس کی منتوں اور التجاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے گا؟“

اس کی آنکھیں اس کے تصور میں آئیں تو اُسے جھرجھری آ گئی۔

زندگی کے گزرتے لمحوں میں تو اُسے گمان بھی نہ ہوا تھا کہ وہ یوں اچانک کسی آہنی جال میں جکڑ لی جائے گی۔ یوں سرِ راہ چلتے محبتوں پر تو اسے کبھی یقین ہی نہ تھا۔ اس نے کتنے قصے سن رکھے تھے۔ اس کی کالج کی لڑکیاں خود ایسے قصے کہانیوں میں ملوث تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر دکھ سے سوچتی تھی کہ محبتیں اتنی ارزاں کب سے ہو گئیں۔ محبتوں کی مقدار اتنی وافر کہاں ہے۔ کہ اب یوں راہ چلتے ہوئے ملتی رہیں۔ محبت کوئی عام سا پھول تو نہیں ہے کہ سرِ راہ اور ہر گھر کے باہر نکلی ہوئی کیاری میں اگا ہوا ہے۔ وہ تو ایسا نادر پھول ہے جو ہزاروں کانٹوں میں کہیں گھرا، چھپا ہوتا ہے۔ اسے بہت محنت اور جانفشانی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر اس طرح راہ چلتے ہوئے محبتیں ملتی رہیں تو ہر گھر خوشیوں کا گہوارہ نہ ہوتا____ ہر آنگن میں سرائوں کے دیے نہ جھلملا رہے ہوتے۔۔۔۔۔۔ آہ، مگر اب تو وہ خود ایسی سستی محبت کے جال میں جکڑ گئی تھی۔ اس کے لئے ایسی محبت کبھی بھی کشش کا باعث نہ رہی تھی۔

اُس نے ماہی آپی کو دیکھا جو بے لوث خلوص اور محبت کے لئے جانے کب سے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھیں۔

اُس نے شاردا بھابی کو دیکھا تھا جو بے لوث خدمت کے بدلے صرف چند قطرے محبت کی خواہاں تھیں۔ مگر اب بھی ان کے نصیب میں وہ ٹمٹماتا دیا نہیں رقم ہوا تھا۔

اب وہ بھلا کیسے، کیوں کر منصور کی ایسی اوچھی محبت پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی جبکہ اس کے سامنے رسوائی سے

بھری شاہراہ پھیلی تھی۔ تاریک اور آگ اُگلتی۔

اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ وہ بری طرح چونکی۔ فون چونکہ اس کی گود میں پڑا تھا، اس نے حیرت سے دیکھا اور پھر دوسری گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا۔ دوسری جانب فضہ کمال تھی۔

”ہیلو سحر! تم پانچ بجے میرے گھر آجانا۔“ وہ اس کی آواز سنتے ہی بولی۔ اور سحر گل کو اپنا آپ چکراتا محسوس ہوا۔

”فضہ۔۔۔۔۔۔فضہ۔۔۔۔۔۔“

”ہاں سحر! دیکھو، ضرور آجانا____خدا حافظ۔“ دوسری جانب رابطہ کٹ گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ریسیور کو گھورتی رہ گئی۔

☆☆☆...

شاہ خانم تو منہ لپیٹے اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ بدلتے موسم نے ان پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ زکام نے ان کی خوبصورت ناک کو قابل رحم بنا دیا تھا اور ایسے میں وہ ازحد چڑچڑی ہو رہی تھیں۔ ملنا جلنا بھی ترک کر کے کمرے میں بند تھیں۔

ایسے میں اشتارا نے گل بی بی کے گھر جانے کی اجازت باباخان سے مانگی تھی تو انہوں نے بلا تردّد اُسے اجازت دے دی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ شاہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

گل بی بی کے گھر کے لئے اجازت لینا ہمیشہ اس کے لئے دشوار تھا۔ شاہ خانم کی ڈھیر ساری خفگی، ان کا غصہ برداشت کر لینے کے بعد بھی اکثر وہ مایوس ہی لوٹ آئی تھی۔ اور آج جب کہ شاہ خانم کی طبیعت بھی ناساز تھی اور موڈ بھی۔ اُس نے یوں ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے ان کے کمرے کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ تبھی بیٹھک میں باباخان نے اسے روک

لیا اور اُسے گل بی بی کے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ وہ خوش ہو گئی۔

”اشتارا!“ باباخان نے اُس کے دمکتے ہوئے چہرے کو محبت سے دیکھا۔ ”کیا گل بی بی سے بہت محبت ہے تمہیں؟“ ان کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور خوشی بھی۔ اشتارا نے انہیں دیکھا۔

”اُن سے خونی رشتہ ہے میرا باباخان! اور وہ آپ کی بہن، میری پھوپھی ہیں۔ میرا یہ عمل تو فطری ہے۔“ اس نے سچائی سے کہا تو باباخان کا چہرہ چمک اٹھا۔ انہوں نے ایک گہری اور قدرے

طمانیت بھری سانس لیتے ہوئے اسے دیکھا۔

”تم شاہے سے بہت مختلف ہو اشتارا بیٹی! میں اکثر سوچتا ہوں کہ۔۔۔۔۔۔ خیر۔“ انہوں نے لب بھینچ لئے۔

”جی باباخان!“ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ ان کے خاموش ہو جانے پر بولی۔

”نہیں۔۔۔۔۔۔ کچھ نہیں۔“ تم جائو۔ اور ہاں، جلدی آجانا۔“ انہوں نے سر ہلاتے ہوئے تاکید کی اور دوسرے ہاتھ میں پکڑی کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ خوش اور مسکراتی ہوئی بیٹھک سے باہر آگئی۔

خوشی اور غم میں اُسے شاندانہ ہمیشہ یاد رہتی تھی۔ اس کی شفیق اور محبت کرنے والی گل بی بی کو ان جذبوں میں ہمیشہ اپنے دل میں موجود پاتی تھی۔ وہ بے پناہ خوش تھی۔

ایک الوہی کیفیت میں گرفتار۔

ذولین خان نے اُسے کیسا فخر بخش دیا تھا کہ وہ بہت معتبر ہو گئی تھی۔ اس سیاہ ڈائری کا ایک ایک لفظ اب بھی اس کی

سماعتوں میں گونج رہا تھا۔اس کی رگوں میں دوڑتے خون میں طمانیت انگیز ٹھنڈک بھر رہا تھا۔یہ احساس کتنا خوش آئند تھا کہ اس کے باوجود بظاہر بے حس اور بد مزاج نظر آنے والے شخص کے لئے روشنی بنا ہوا ہے۔

سرشاری وقت سے وہ اب آگاہ ہوئی تھی۔

سرسراتے ریشمی لمحے اس کے اطراف جیسے بکھر گئے تھے۔

زندگی کی ساری رنگینیاں، ڈھیر ساری خوشیاں اس کی منتظر تھیں اور اپنی اس بہکی بہکی بدمست خوشی میں وہ اپنی پیاری شاندانہ کو کیسے بھول جاتی۔وہ گل بی بی کے گھر آئی تو شاندانہ اُسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

”کیسے یاد آگئے ہم لوگ حویلی کی خان زادی کو؟“ وہ اس سے لپٹتے ہوئے شکوہ کرنا قطعی نہ بھولی۔“

اشتارا نے محبت سے اسے گھورا۔

”حویلی کی خان زادی نہیں، اشتارا کہو۔اس لئے کہ تمہارے پاس اشتارا آئی ہے۔شکوہ تم خان زادی سے ہی کرنا۔“ وہ یہ کہہ کر مسکرائی تو شاندانہ نے اسے دیکھا۔اس کی سنہری آنکھیں دمک رہی تھیں اور بے تحاشا سرخ لب انوکھے اور دلفریب انداز میں مسکراہٹ بکھیر رہے تھے۔

”کیا بات ہے ___ بہت خوش لگ رہی ہو۔“ اس نے اپنی عادت کے مطابق اسے کھوجتی نظروں سے گھورا مگر دوسرے ہی لمحے اشتارا نے اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر اپنے دونوں نرم ہاتھ رکھ دیئے۔

”بس بس ___ نظر مت لگا دینا۔“

”کیا ___ کیا ___“ وہ اس کے ہاتھ ہٹا کر چیخی تو اشتارا بھرپور قہقہہ لگا کر اس سے بچنے کے لئے اندر بھاگی۔

”ارے اشتارا بیٹی! تم آئی ہو۔“ گل بی بی اسے دیکھ کر پلنگ سے اٹھنے لگیں۔

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے گل بی بی؟“ وہ انہیں سرِ شام بستر پر دیکھ کر گھبرا گئی اور ان کے قریب آگئی۔

”ہاں ___ طبیعت تو بہتر ہے۔شکر ہے اللہ کا۔بس ذرا ٹھنڈک نے پیروں کو جیسے جما کر رکھ دیا ہے۔بے کار سے ہو کر رہ گئے ہیں۔یہ بتاؤ، حویلی میں خیریت تو ہے ___ کس کے ساتھ آئی ہو تم؟“

”باباخان سے اجازت لے کر آئی ہوں۔شاہ خانم کی طبیعت ناساز ہے۔انہیں زکام ہو رہا ہے۔“

”ہاں، برف پگھل رہی ہے ___ شروع دنوں میں یہی سب ہوتا ہے۔کل ذولین بھی آیا تھا، اسے بھی حرارت تھی۔“ گل بی بی کے منہ سے ذولین کی بیماری کا سن کر وہ پریشان ہو گئی۔

”اکیلا انیکسی میں پڑا رہتا ہے ___ نہ اپنا دھیان رکھتا ہے نہ کچھ۔میں نے کہا بھی کہ میرے گھر ہی دو دن رہ لے مگر غیرت تو ان لڑکوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے ___ مجال ہے جو ایک گھنٹے سے زیادہ کبھی یہاں بیٹھا ہو۔کبھی تو ہوا کے گھوڑے پر سوار آتا ہے۔“ گل بی بی کے لہجے میں اس کے لئے محبت بھی تھی اور تشویش بھی۔

”ویسے اماں! آپ نے دیکھا نہیں، بخار میں بھی ذولین لالہ خوب چہک رہے تھے ___ شاید زندگی میں پہلی بار وہ اتنی زیادہ بار مسکرائے تھے۔“ شاندانہ نہ جانے کب سے اشتارا کی کرسی کی پشت کے پاس کھڑی تھی، جھک کر بولی اور پھر اشتارا کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”اور آج اشتارا بھی بڑی خوش ہے امی! آپ نے غور نہیں کیا، اس کا چہرہ عام دنوں سے کہیں زیادہ دھنک بکھیر رہا ہے۔یہ سردی کا تو غالباً اثر نہیں۔بات کچھ۔۔۔۔۔۔“

”بہت بد تمیز ہے۔“ اشتارا نے اسے بازو پر زور سے چٹکی لی۔”فضول مت بکو۔کم از کم گل بی بی کا ہی خیال کر لو۔“ اس نے آہستگی سے اُسے ڈپٹا۔

"خدا ہمیشہ خوش رکھے سب کو۔ جاؤ، تم ذرا قہوہ بنا لاؤ اس کے لئے۔" گل بی بی نے شاندانہ سے کہا تو وہ پلٹی اور تبھی پُرزور انداز میں مسکرائی۔ ذولین خان اندر داخل ہوا تھا۔

"آیئے، آیئے ذولین لالہ!___ آج تو ہمارے گھر چاند اور سورج ایک ساتھ اُتر آئے ہیں۔" اس کے جملے پر اشارا چونک کر پلٹی تو ذولین پر نگاہیں پڑیں۔

وہ شاندانہ کی اس شرارت کو نظرانداز کرتا گل بی بی کے پاس آیا تو اسے دیکھا اور بے حد دلفریب انداز میں مسکرایا۔ مسکراہٹ میں بے تکلفی اور اپنائیت کا ملا جلا تاثر تھا۔

اس کی مسکراہٹ میں بے حد خوبصورت رنگ تھے جو اشارا کے رخساروں کو سرخ کر گئے۔ اس نے اپنی بھاری پلکیں جھکا دیں۔

"آؤ ذولین! ابھی میں تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی اشارا سے۔" گل بی بی بولیں۔ وہ ان کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اشارا کے بالکل سامنے۔

"اس کی موجودگی میں بھی میرا ہی ذکر کرتی ہیں آپ___ بہت خوش نصیب ہوں میں۔" اُس نے اچٹتی نگاہ اس کے گرم ہوتے رخساروں پر ڈال کر گل بی بی کو دیکھا تو وہ ہنس دیں۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے___ کل تو بخار میں پھنک رہے تھے۔" انہیں اچانک یاد آگیا تو اس کی کشادہ پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"ارے اتنا معمولی بخار میرا کیا بگاڑ لیتا گل بی بی! آپ بھی خوب ہیں۔ ابھی تک یاد رکھا ہے اس بخار کو۔"

"شاید تم سے یہی ذکر کر رہی ہوں گی گل بی بی___" اس نے براہِ راست اسے مخاطب کیا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ

گل بی بی کے گھر وہ اس سے اس طرح بے تکلفی سے بات کر رہا تھا___ کم از کم شاندانہ کے لئے یہ لمحہ حیرت تھا۔ اس نے چونک کر ذولین کو دیکھا اور پھر زیرلب مسکرا دی۔ گویا صلح ہو گئی تھی۔ وہ بھی بے حد شاندار طریقے سے۔

اُسے واقعی بے حد مسرت ہوئی اور ساتھ ہی تجسّس کی لہر اٹھی کہ یہ انقلاب کب اور کیسے آیا۔

اشارا اس کی نگاہوں سے خود کو پگھلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے استفسار پر چونکی۔

"ہاں___ آپ نے مجھے یا حویلی میں کسی کو بھی نہیں بتایا۔ کم از کم بابا خان کو ہی بتا دیتے۔" اس کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ وہ ان لوگوں سے اتنی غیریت برت رہا تھا یا اپنی طرف سے اتنا لاپرواہ تھا۔

"ارے آپ لوگوں نے تو میری اتنی بیماری کو ہوّا بنا لیا ہے گل بی بی! کیا اتنی سی بے معنی بات کا پروپیگنڈا کرتا میں۔"

"پاگل ہو تم تو۔" گل بی بی نے اسے گھورا۔ "اتنی لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔ کل کلاں خدانخواستہ کوئی بڑی بیماری بھی ہو گئی تو تم یونہی لاپرواہی برتتے رہنا۔"

"بڑی بیماری کا علاج وہ خود ہی ڈھونڈ لیں گے اماں! ہو سکتا ہے ڈھونڈ بھی لیا ہو۔" شاندانہ ذومعنی لہجے میں بولی تو ذولین خان نے اس کی بات کا پسِ منظر سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ارے تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ میں نے تمہیں قہوہ بنانے کے لئے بھیجا تھا۔" گل بی بی نے اُسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا تو وہ گھبرا کر باورچی خانے کی جانب بھاگی۔ اشارا بھی کرسی سے کھڑی ہو کر اس کے پیچھے لپکی۔

"پوچھ سکتی ہوں کہ یہ خوبصورت انقلاب کس دن، کس وقت اور کس طرح پیش آیا۔" شاندانہ پانی سے بھری پتیلی چولہے پر چڑھاتے ہوئے بولی تو اشارا نے باورچی خانے کی کھڑکی سے پشت ٹکا کر اُسے دیکھا۔

"مجھے تو تم دونوں بلاوجہ احمق بنا رہے ہو۔ اور بالا ہی بالا نہ جانے کب صلح کر لی۔ نہ صرف صلح بلکہ۔۔۔۔۔۔۔اے،

یوں کیوں گھور رہی ہو____ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔" وہ اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "کہو، ہے نا؟"

"ہوں____کیا کہوں، کیا بتائوں۔ الفاظ ہی نہیں میرے پاس۔" اس نے اپنی خوابیدہ پلکیں موند لیں۔ شاندانہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیوں____کیا صرف آنکھوں کی زبان میں گفتگو ہوئی ہے یا مسکراہٹوں کی زبان میں؟"

اس کی بات پر اشارا کا چہرہ سرخ ہو گیا____'کتنا سچ کہا شاندانہ نے۔' اُس نے سوچا۔

ذولین خان کی مسکراہٹ میں بہت خوبصورت گفتگو ہی تو ہوئی ہے۔ جس کا مفہوم اس کے لہجے کے ہزارویں حصے میں سمجھ لیتا تھا۔

"کیوں____ٹھیک کہا نا؟"

"بہت بدتمیز ہو گئی ہو شان____!" اس نے آنکھیں کھول کر اسے جھینپی نگاہوں سے گھورا۔ "منگنی کا اثر لگتا ہے۔"

"ہا،ہا،ہا____" شاندانہ کا برجستہ قہقہہ لبوں سے آزاد ہو گیا۔ "خوب____ایک انگوٹھی پہن لینے سے انسان سمجھ دار نہیں ہو جاتا۔"

"یہ تو تم سمجھ داروں کی بات کر رہی ہو۔"

"بالکل____" وہ ڈھٹائی سے بولی اور پھر ٹرے میں کپ سجاتے سجاتے اس کی طرف پلٹ کر بولی۔ "میں نے تو ابھی تک ان موصوف کو دیکھا تک نہیں۔ ایک تصویر بھی نہیں دیکھی۔" اس کی شکل پر عجیب بے چارگی تھی۔

اشارا کو ہنسی آ گئی۔

"تو جا کر کہو نا گل بی بی سے کہ میں ان دیکھے، ان جانے شخص سے شادی نہیں کر سکتی جب تک اس موصوف کی صورت نہ دیکھ لوں____بلکہ اس سے مل نہ لوں۔"

"ہشت____بدتمیز۔" شاندانہ نے جلدی سے اس کا منہ دبایا۔ "میں تو مذاق کر رہی ہوں تم سے۔ تم تو چیخ کر اماں کو ہی سنا رہی ہو۔ جوتے تھوڑی کھانے ہیں۔ اب ان سے یہ فرمائش کروں

جا کر۔ اونہہ____اب تو قسمت پھوٹ چکی ہے۔" وہ قہوہ جلدی جلدی پیالیوں میں بھرنے لگی۔ پھر اشارا کے مسکراتے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

گل بی بی ابھی تک اسی زاویے سے بیٹھی ذولین سے باتوں میں مصروف تھیں اور موضوع شاندانہ کی شادی کا ہی تھا۔

"اس کے سسرال والے اب شادی مانگ رہے ہیں____مگر میں نے ابھی تاریخ نہیں دی۔"

"کیوں____؟" ذولین نے ٹرے میں سے قہوے کی پیالی اٹھاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"اشناس آیا تھا نا____پچھلے ہفتے تو کہہ رہا تھا کہ ہشمینہ کی چھٹیاں آنے پر شادی کا ہنگامہ رکھئے گا۔ اسے یہاں آنے کا بہت شوق ہے۔ اور پھر شاندانہ سے بہت محبت ہے اسے۔"

ہشمینہ کے ذکر پر شاندانہ، اشارا کی طرف مڑی جو کرسی کی پشت تھامے کھڑی تھی۔

"جانتی ہو تم ہشمینہ کو؟"

"آں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔تمہاری پھوپھی کی بیٹی ہے شاید۔"

"شاید نہیں یقیناً۔ بہت پیاری ہے____کبھی یہاں آئی نہیں۔ پر بہت سے گلے ہیں مجھے اس سے۔" اس نے قہوہ کی

ایک پیالی اشارا کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ اسے پھوپھا جان نے یونیورسٹی بھی بھیجا ہے تیس مار خان بننے کے لئے۔" وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسی۔ اور ایک میں ہوں، کالج کی صورت تک نہیں دیکھی ہے۔"

"تم زیادہ پڑھ کر کون سی بقراط سقراط بن جاتیں ____ رہتی تو وہی شاندانہ اور شہباز خان کی منگیتر۔" اشارا اُسے چڑانے کے لئے بولی۔

اسی دم حور مینا اندر داخل ہوئی۔ وہ پڑوس میں اپنی سہیلی کے گھر سے ہو کر آئی تھی۔

"اشارا آپی! آپ کا ڈرائیور معمور جان آیا ہے۔ آپ کو لینے۔" اس نے کہا تو اشارا جلدی سے چونکی۔ اتنا وقت گزر چکا تھا، اسے احساس تک نہ ہوا۔

"ارے اتنی جلدی چلی جاؤ گی اشارا!" گل بی بی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ذولین بھی اچانک کھڑا ہو گیا۔

"میں بھی اب جاؤں گا گل بی بی! ____ اور اشارا! میں معمور جان کو واپس بھیج دیتا ہوں۔ تم میرے ساتھ ہی جانا۔ میں اب سیدھا حویلی ہی جاؤں گا۔" اس نے پلٹ کر اشارا کو مخاطب کیا تو اشارا گھبرا گئی۔ شاندانہ کو بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا مگر دوسرے ہی لمحے مسکرا دی۔

"واہ جناب ____ ذولین لالہ کی جرأت اور دلیری کی داد دینی چاہیے۔" وہ ذولین کو داخلی دروازے سے باہر نکلتا دیکھ کر ہنسی۔

"شان۔۔۔۔۔ شاہ خانم۔" وہ متوحش سی شاندانہ کی طرف بڑھی۔ "میں ذولین کے ساتھ۔۔۔۔۔"

"ظاہر ہے جب تم دونوں کی ایک ہی منزل ہے تو سفر بھی۔۔۔۔۔۔"

"تم تو فضول ہی بکنا۔" اس نے شاندانہ کی بات کاٹ دی اور پلٹ کر دروازے کی جانب بھاگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

گل بی بی نماز کے لئے اٹھنے لگیں اور اٹھتے ہوئے انہوں نے شاندانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اشارا سے کہو کہ ذولین کے ساتھ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ____ شاہ خانم کو اب تھوڑا بدلنا چاہئے۔ ذولین دل سے کدورتیں نکال کر فاصلے ختم کرنا چاہتا ہے۔ مجھے تو خوشی ہوئی ہے کہ اس نے اشارا کو سمجھنے کی کوشش تو کی۔"

ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔

ذولین کا اشارا کے لئے نرم رویہ رکھنا انہیں طمانیت بخش گیا۔

اشارا باہر آئی تو معمور جان جا چکا تھا اور ذولین اپنی گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔" اُس نے اسے دروازے میں خوفزدہ و پریشان استادہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

"ذولین۔۔۔۔۔۔ وہ آگے بڑھی۔ مگر تذبذب کی کیفیت میں پھر رک گئی۔ "معمور جان کو آپ نے واپس بھیج دیا۔"

"ہاں ____ کیا میں معمور جان سے زیادہ بااختیار نہیں ہوں؟" اس نے قدم بڑھا کر اس کے قریب رکتے ہوئے ٹھوس لہجے میں پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"محبت میں اعتماد پہلی شرط ہے اشارا! اور تم ____"

"نہیں ذولین! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" وہ تڑپ گئی۔

"اچھا تو پھر تم ہی سمجھا دو۔ مگر گاڑی میں بیٹھ کر۔" اس کا لہجہ بہت پیارا اور نرم تھا۔ اشارا تذبذب اور خوف کو پرے دھکیل کر سیٹ پر آ بیٹھی۔

"شکریہ اس اعتبار کا۔" اس نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور پھر گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ سر جھکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کئے ہوئے بیٹھی تھی۔

”اشتارا! میں تو سارے خوف، سارے اندیشے پیچھے چھوڑ کر اس سفر پر نکلا ہوں ____ بہت باحوصلہ ہو کر۔ مگر ایسا لگتا ہے جیسے تم نے اندیشے اور وسوسے اب جمع کرنا شروع کر دیئے ہیں۔“

اس نے گاڑی دھیمی رفتار سے چلاتے ہوئے اس کے جھکے سر پر ایک نگاہ ڈالی۔

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ذولین خان! ہم لڑکیاں منزل کے سامنے ہوتے ہوئے بھی سو طرح کے اندیشوں میں گھری رہتی ہیں۔ ہر لمحہ ایک نیا خوف دل پر دستک دینے چلا آتا ہے۔ کبھی ہم بلاوجہ اندھیرے سے ڈر جاتے ہیں تو کبھی بہت تیز روشنیوں میں بھی دل دھڑکنے لگتا ہے۔ بے نام اندیشے اس سفر کے مسافر کو پیچھے ہٹانے کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر شاید ہمیں اپنی محبت کی شدتوں سے آگاہ کرتے ہیں۔“

اس نے گاڑی بہت خوبصورت جگہ روک دی جہاں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اس کے اطراف اونچے اونچے پہاڑ ان کے عزم کی طرح تنے ہوئے تھے۔ کسی کسی جگہ کے کونوں کھدروں سے مترنم جھرنے بہہ رہے تھے اور مسلسل گرتے پانی کے نیچے بنفشی پھولوں کے رنگ بھی نکھر آئے تھے۔

وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ اشتارا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ دونوں جنت میں آ گئے ہوں۔ پہاڑ، چمن زار سب مل کر ایک مدھر گیت گا رہے ہوں۔ ترنم ریز فضا بھی سریلے راگ الاپ رہی ہو۔

”میں کئی بار آ چکا ہوں ____ مگر پہلے مجھے یہ خطہ کبھی اتنا دلکش اور خوبصورت محسوس نہیں ہوا تھا۔“ وہ بولا۔ اس کی

آنکھیں اشتارا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

وادی کا یہ حصہ بہت خوبصورت تھا مگر اس سے کہیں زیادہ دل کش منظر تو اشتارا کی صورت میں اس کے سامنے تھا۔ اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

کسی جگہ، کسی منظر کا حُسن دراصل ہمارے اپنے اندر کا حُسن ہوتا ہے۔ ہمارے اپنے دل کی رنگینیاں سارے ماحول کو رنگین بنا دیتی ہیں ____ جس طرح ہمارے اندر کی اُداسیاں سارے ماحول کو سوگوار کرتی ہیں ____“ وہ اس کے سامنے اونچے بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔

اُس نے آہستگی سے پلکیں اُٹھائیں اور ذولین خان کی آنکھوں کے سمندر میں اپنے ڈوبتے عکس کو چند ثانیے تکتی رہی۔

”مجھے نہیں پتہ تھا کہ محبت ہمارے اندر اتنی توانائیاں بھر دیتی ہے۔ ہماری ساری وحشتوں کو چوس لیتی ہے۔“

”میں بہت بدل گیا ہوں نا اشتارا!“ اس نے اس کی گلاب گلاب انگلیاں اپنی مضبوط انگلیوں میں تھام کر پوچھا۔

”پتہ نہیں، آپ بدلے ہیں یا میں ____ بس مجھے تو اپنی تقدیر بدلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔“ اس کی آواز بہتے جھرنوں کی طرح دھیمی اور پیاری تھی۔

”تمہارا مقدر میں ہوں تو اس طرح میں ہی بدلا نا۔“

اس نے مسکرا کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ذولین خان کو لگا جیسے یکلخت ہر شے مسکرا اٹھی ہو۔ تتلیاں محو رقص ہو گئی ہوں۔

”تم اس طرح ہنستی رہو اشتارا! تم ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔“ اس نے اس کے گلاب چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت سچائی سے کہا تو اشتارا کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس کے سچے جذبوں کی روشنی سے دمکتی آنکھوں کی کرنیں اس کی نس نس میں

اُترنے لگیں۔ایک خوشگوار احساس اس کے دل میں ہلکورے لینے لگا۔آسودگی کی چاندنی اس کی رگ رگ کو چھو گئی۔

...☆☆☆...

وہ اُلجھے ذہن کے ساتھ جلدی جلدی تیار ہو رہا تھا۔

وہ پریشان نہیں تھا مگر شدید حیران تھا۔ ہثمینہ ابرار اس سے کیا کہنا چاہتی ہے؟ کوئی اہم خبر؟____ کسی سربستہ راز سے آگاہی دینا چاہتی ہے____؟ اگر کوئی ایسی بات ہے تو اس نے اس کا ہی انتخاب کیوں کیا۔یہ بات اس کے لئے حیران کن تھی اور شاید اس کی ساری سوچیں اسی کے گرد گھوم رہی تھیں۔

کیا وہ اس سے محض مذاق تو نہیں کر رہی؟____ برش ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے ایک اور خیال اس کے ذہن کی منتظر سطح سے ٹکرایا۔اس سے کوئی انتقامی کارروائی کے طور پر مذاق____ مگر نہیں، ہثمینہ ابرار جیسی سنجیدہ اور باوقار لڑکی سے ایسی بھونڈی حرکت کی توقع کم از کم،اس کا دل نہیں کر سکتا تھا۔وہ مختلف خیالوں کے جال میں مبتلا تھا۔کوئی سرا بھی تو ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

اس نے اسپرے کرتے ہوئے آئینہ میں اپنا سراپا دیکھا اور پھر ہولے سے مسکرا دیا۔اب جبکہ وہ ہثمینہ ابرار کے پاس جا ہی رہا ہے تب ہی وہ گتھی خود ہی سلجھ جائے گی۔بلا وجہ ہی وہ اُلجھ رہا ہے۔

وہ دراز سے گاڑی کی چابی نکال کر پلٹا تو ٹھٹک گیا۔احسن پلنگ کے کنارے پھیل کر بیٹھا تھا اور اسی کی جانب متوجہ تھا۔اس کے پلٹنے پر مسکرا کر پلنگ سے نیچے اُتر آیا۔

”اب پوچھ سکتا ہوں کہ یہ اتنا اہتمام کس کے لئے؟“

”تم کب آئے؟____ اور اتنی خاموشی سے۔حیرت ہے کہ تم اتنی دیر خاموش بھی رہ سکتے ہو۔“ اس نے اپنی گھڑی

اٹھاتے ہوئے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا اور گھڑی کو کلائی پر باندھنے لگا۔

”ارے ہم میں تو بہت سی مخفی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔آپ نے کبھی جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔خیر،میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اتنا اہتمام کس کے قتل کا سامان ہے؟“

”کیا اسے اہتمام سے تیار ہونا کہتے ہیں؟“ اشمل خان نے معصومیت سے پوچھا تو احسن نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھ دیا۔

”واللہ____ اس سادگی پر کون نہ مر جائے۔سینٹ کی پوری بوتل اسپرے کر دی اور بقول تمہارے ’یہ خوشبو میں خاص خاص جگہوں پر جانے کے لئے استعمال کرتا ہوں۔‘

وہ اُسے گھیرنے کے موڈ میں تھا جبکہ اشمل خان جلد از جلد یہاں سے بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔اس نے پلنگ کی پائنتی پر ٹِک کر جلدی جلدی پشاوری چپل پہنے۔احسن کی بات پر وہ خود بھی چونک گیا۔

شاید لاشعوری طور پر وہ خاص چیز استعمال کر گیا تھا۔بہترین تراش خراش کا سوٹ،دمکتی گھڑی اور قیمتی خوشبو۔

اس نے تو کبھی بال بھی ڈھنگ سے نہیں بنائے تھے۔بس ہاتھ آئے برش کو بے ترتیبی سے بالوں پر جلدی جلدی پھیر لیتا تھا۔جس گچھے کا دل جہاں چاہا جم گیا۔مگر آج اس کے سنہرے چمکدار بال سلیقے سے سر پر سجے ہوئے تھے۔

”احسن!میں بہت اہم کام سے جا رہا ہوں اور بے حد اُلجھا ہوا ہوں۔“ اُس نے احسن کے خطرناک تیور بھانپتے ہوئے گویا ایک انکشاف کیا۔

”جی____ مگر اُلجھاؤ تو کہیں نظر نہیں آیا۔“ وہ اس کے سلجھے سراپے پر نظر ڈال کر معنی خیز تبسم کے ساتھ گویا ہوا اور پھر اس کے عین سامنے آتے ہوئے اس کے خوبصورت چہرے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

"کیا اس اہم کام میں میری موجودگی کوئی دخل پیدا کردے گی؟ جبکہ میں تو از حد بے ضرر ہوں۔ اور کسی حد تک تجربہ کار بھی ہو سکتا ہوں۔ تمہاری ہیلپ ہی کردوں۔ تم تو ویسے بھی کورے ہو۔"

احسن کی اس بات پر اشمل نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ کیا سمجھ رہا تھا، اس کا اظہار برملا کر رہا تھا۔ اشمل خان کو ایک لمحہ اس کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔ اس نے اچانک رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ سُوئیاں تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔ اُس نے ہثمینہ کو اُترتی شام کا وقت دیا تھا اور وہ یونیورسٹی میں وقت کا پابند بلاوجہ مشہور نہیں تھا۔

احسن کی بے وقت آمد ہمیشہ اس پر بلائے ناگہانی کے طور پر مسلط ہوتی تھی۔

"ویسے بڑے چھپے رستم نکلے اشمل خان!"

"احسن! تم "ہی" اور "شی" کے چکر سے باہر نکل آئو۔ میرے اہم کام کی نوعیت وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔" اس نے سنجیدگی سے اُسے ڈپٹ دیا۔

"تو مجھے بتانے سے گریز کیوں؟ دوست ہوں تمہارا۔"

احسن چڑ گیا اور اسے دروازے سے نکلتے دیکھ کر اس کے سامنے ڈٹ گیا۔

"تمہارے اس رویے سے میرا مشکوک ہونا فطری بات ہے۔"

"ہاں ___ اپنی اپنی فطرت کی بات ہے۔" وہ اُسے جلانے کے لئے بھرپور انداز میں ہنسا۔ احسن نے منہ بنا کر قدرے ناراضگی سے اشمل کی سمت دیکھا۔

"یہ حقیقت ہے کہ فی الحال میں کچھ نہیں جانتا کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ میرے سامنے بھی سوائے حیرت کے کچھ نہیں۔" اس نے احسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا تو احسن اُچھل پڑا۔

"کیا ___" اُس نے اشمل خان کے بے حد سنجیدہ چہرے کو دیکھا اور پھر تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ "کہیں تمہارے ساتھ فراڈ تو نہیں کیا جا رہا ہے؟ ___ تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے اشمل!" وہ اب خود بھی سنجیدہ بلکہ کسی حد تک پریشان ہو گیا۔ آج کل جو حالات اس کے سامنے تھے ان حالات میں کسی کا اشمل کو تنہا بلانا کسی خطرے سے خالی نہیں ہو سکتا تھا۔ "تمہیں اس طرح تنہا نہیں جانا چاہئے اشمل!" احسن کے اس مشورے پر بے ساختہ اس کے گداز لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس کے تصور میں ہثمینہ کا نازک سراپا آبھرا۔ بھلا ایسا سراپا اس جیسے مضبوط مرد کے لئے کیا خطرہ بن سکتا ہے۔

"نہیں ___ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں باحفاظت واپس آجائوں گا۔ پھر تمہیں ضرور تفصیل بتائوں گا۔ او کے۔" وہ اُسے پریشان چھوڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

وہ لالہ زار کے ہال میں سجی میزوں میں سے ایک کنارے والی میز منتخب کر کے وہاں آبیٹھی۔ وہ بہت پژمردہ ہو رہی تھی۔

اس کی بے قرار نگاہیں داخلی دروازے کی جانب اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے کندھوں پر بھاری بوجھ رکھا ہے اور فی الوقت اسے اٹھا نہ دیا گیا تو اس بوجھ سے اس کے کندھے شل ہو جائیں گے۔ اس نے اپنا یہ بوجھ اٹھوانے کے لئے اشمل خان کو منتخب کیا تھا۔ اس پر بھروسہ کر کے وہ قطعی پشیمان نہیں تھی۔

"اُف ___" اُس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ریحان پراچہ کے دھوکے کی کہانی اس کے اعصاب کو اس طرح متاثر کرے گی جیسے ساری دنیا بدمزہ اور بدرنگ ہو گئی تھی۔

اس کے دل کے آتش فشاں میں ایک الائو سا پک رہا تھا۔

وہ اپنی لانبی پلکیں جھکائے بے قراری سے میز کی شفاف سطح پر بے مقصد انگلیاں پھیر رہی تھی۔

اشمل خان نے اسے بغور دیکھا۔ جھکی جھکی لرزتی پلکوں اور دانتوں میں دبے تراشیدہ لبوں سے وہ اس کی پریشانی محسوس کر رہا تھا۔

"شاید میں کچھ لیٹ ہو گیا۔"

"ارے____آ____آپ____" وہ اس مانوس آواز پر چونکی۔ اور اس کا اٹھا ہوا سر چند ثانیے اسی زاویے سے رہ گیا۔ لیکن گہری بھوری صاف و شفاف صحت اور جوانی کی تمام رعنائیوں سے بھرپور آنکھوں کی محویت زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی۔ اس نے پلکیں خفیف سے انداز میں جھپک کر سر جھکا لیا۔

"نہیں____اتنے لیٹ تو نہیں ہوئے۔ میں بھی بس ابھی آئی ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ بلیک پینٹ اور وہائٹ شرٹ میں وہ نکھرا نکھرا، بہت مختلف روپ میں اس کے سامنے تھا۔ کرسی

کھینچ کر جھک کر بیٹھنے پر تیز خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو وہ غیر محسوس طور پر چونکی۔ مگر اس نے سر نہیں اٹھایا۔ ایک عجیب سی سوگواری اور بے کلی اس کے وجود پر چھاتی چلی گئی۔

"میں آپ کی ممنون ہوں اشمل خان کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت مجھے دیا۔"

"کیا ہم روایتی جملوں سے ہٹ کر کھل کر بات نہیں کر سکتے؟" وہ مسکرایا۔ وہ اس کی اس کیفیت سے محظوظ ضرور ہوا تھا۔ ہمیشہ تنی گردن اور غصے سے بل کھاتی ہشمینہ ابرار اس وقت ایک بالکل نئے اور انوکھے رُوپ میں اس کے سامنے تھی۔

شکست خوردہ

اور بے حد تھکی ہوئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"سر حیدر کو ریحان پراچہ نے کڈنیپ (اغوائ) کیا ہے۔" اس نے بغیر تمہید، بغیر حیل و حجت بتا دیا۔

"مگر تم یہ بات کیسے جانتی ہو؟" وہ حیرت سے بولا۔ چونکہ اُسے شک ریحان پراچہ پر ہی تھا مگر ہشمینہ کا مہر ثبت کرنے والا انداز اسے حیران کر گیا۔

ہشمینہ نے آہستگی سے اپنی مغموم پلکیں اوپر اٹھائیں۔

"اس نے اس واقعہ سے دو دن پہلے ہی مجھے اپنے اس منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر پھر میری برہمی پر اس نے اس بات کو مذاق کہہ کر ٹال دیا تھا۔"

"ہوں____چونکہ تم اس کی پارٹی کی سیکرٹری تھیں وہ تمہیں اس کام کے لئے اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔ اور ظاہر ہے۔۔۔۔۔۔۔"

"وہ اس معاملے میں میری حمایت چاہتا تھا۔" وہ اس کا جملہ کاٹ کر جلدی سے بولی۔

"تم اس کی فیڈریشن کی سرگرم سیکرٹری ہو۔" اشمل خان کے لہجے میں ہلکا طنز سمٹ آیا۔ وہ تڑپ گئی۔

"میں نے کبھی کسی غلط بات کی حمایت نہیں کی۔ محض فتح کے لئے میں نے اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔" اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔ "یہ اور بات ہے کہ میں نے غلط پارٹی کو چن لیا۔ اپنے لئے اور اس کے لئے اپنی ساری محنت کی۔ جس کا مجھے شدید افسوس بلکہ پچھتاوا ہے۔" وہ ندامت اور خفت کے ساتھ آہستگی سے اعتراف کرتے ہوئے بولی۔ "میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ریحان پراچہ اتنی پستی میں بھی اتر سکتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آبی لہریں مچل اٹھیں۔ اسے ریحان پراچہ کا وہ گھٹیا رویہ، اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک اب بھی دل میں چبھ رہی تھی۔ وہ اسے سیکرٹری کا عہدہ دے کر درحقیقت اس کے ساتھ دل لگی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس عہدے کو محض سیڑھی بنا کر وہ اس کے دل تک اُترنا چاہتا تھا۔

اس کی روح کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔

"اشمل خان! ریحان پراچہ بہت پست انسان ہے___ مجھے اس ایک ایک لمحے کا پچھتاوا ڈس رہا ہے جو میں نے اس کے ساتھ، اس کی پارٹی کی فتح کے لئے صرف کیا تھا۔" اس کے رخساروں پر حزن کی آمیزش شدید ہو گئی۔ اس افسردگی نے اس کے چہرے پر ایک عجیب وقار پیدا کر دیا تھا۔

اشمل خان اس کے بے حد سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتا رہا۔

اسے اس لمحے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس کی تسلی و تشفی کا معاملہ کس طرح کرے جب کہ اس کے اور ہشمینہ کے درمیان ہمیشہ سے ایک دیوار تنی رہی تھی۔ ایک اجنبیت کی فضا قائم رہی تھی۔ مگر آج وہ، اس کے سامنے اس کی ہمدردی اور تسلی کی ضرورت مند تھی۔

"ریحان پراچہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ مجھے اپنی جیت سے زیادہ ریحان کی ہار کی خوشی ہے۔ غلطیاں انسان سے ہی ہوتی ہیں۔ تم اسے کوئی بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دو اور خود کو سنبھالو۔" اس کا لہجہ نرم اور دوستانہ تھا۔

وہ جو اس کے خلاف دن رات سلگ سلگ کر سوچتی رہتی تھی اب اسے اس نرم اور شفیق انداز کے سامنے عجیب سی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔

ایسی بے بسی جو خود اس کا دل چیرے دے رہی تھی۔

"خود کو سنبھالو ہشمینہ!" وہ اس کے کانپتے لبوں اور سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

وہ اپنی مایوسی اور خفت کو پیش کرنا سخت حماقت سمجھتی تھی۔ اسے ہمیشہ سے اپنی ذات کا رنج تھا مگر آج، اس لمحے اسے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ کوئی ایسا مغرور احساس نہ جاگا۔ بس اب وہ کھل کر رونا چاہتی تھی۔ بے تحاشا اور پھوٹ پھوٹ کر۔

گرم گرم آنسو اچانک ہی اندر گرنے کی بجائے باہر ہی اُبل پڑے۔ وہ میز کی چکنی سطح پر سر رکھ کر بلک اٹھی۔

وہ جو ہمیشہ اس کا گہرا اور زبردست حریف رہا تھا، اس وقت ایک ہمدرد اور غمگسار ساتھی بنا اس کے سامنے تھا۔ اپنی خوبصورت آنکھوں میں نرم دل روشنی اور لہجے میں غم خوار تابندگی لئے ہوئے جیسے اس کا جنم جنم کا دوست رہا ہو، ہمدرد رہا ہو۔ اس کی غلطیوں پر بجائے اسے نادم کرنے کے اسے دلار سے سمجھا رہا تھا۔

"آہ___" ایک تیز سسکاری اس کے لبوں سے نکل گئی۔ "میں خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی ہوں اشمل خان! بہت بڑا دھوکا کھایا ہے۔" اس کے گرم گرم آنسو اس کے درد کو اور بھی صیقل کر

رہے تھے۔ انا، بھرم اور مان کے ٹوٹنے نے اُسے از حد نڈھال کر ڈالا تھا۔

"مجھ سے ندرت نے کہا تھا ایک بار کہ ریحان پراچہ نے مجھے چکا چوند عہدہ دے کر شاید اسیر کر لیا ہے۔ ہاں، ٹھیک ہی کہا تھا۔" اس نے آنسوؤں سے بوجھل آنکھیں اوپر اٹھائیں تو وہ لب بھینچے اس کے دکھ پر مضطرب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ اچانک چونکی۔

"کیا آپ یہ بات پہلے سے جانتے تھے کہ سر حیدر کا کڈنیپر ریحان پراچہ ہے؟"

اس کی بات پر وہ پہلی بار ہولے سے مسکرایا۔

"نہیں ___ شک ضرور تھا۔ اور ظاہر ہے ہر کسی کا شک ایک ہارے ہوئے لیڈر کی جانب ہی جا سکتا ہے۔ مگر میرا شک قوی تھا۔ میں اُسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں ___ اُس کے سابقہ ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے اس سے اس طرح کی کسی بھی جارحانہ حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔"

وہ ریحان پراچہ کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا۔ بلکہ سب ہی جانتے تھے۔ بس وہ ہی بے خبر تھی۔ اُس کا دل کٹ سا گیا۔ اس کی آنسوئوں سے بھری ہوئی پلکیں جھک گئیں۔ اشمل خان کے الفاظ اُسے شرمندہ کئے دے رہے تھے جیسے وہ یہ انکشاف ریحان پراچہ کے بارے میں نہیں، خود اس کے بارے میں کر رہا تھا۔ اس کے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔

"ہثمینہ!" چند لمحے توقف کے بعد اس کی بھاری آواز گونجی۔

تسلی آمیز۔

بے حد نرم۔

اُس نے بے اختیار پلکیں اُٹھائیں۔

دوسرے ہی لمحے اس کا نرم ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔ اس کی نس نس میں برقی لہریں سی اُترتی چلی گئیں۔

وہ چونکی اور حیرت سے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ اس کا ہاتھ اس کے گرم اور مضبوط ہاتھ میں کیسے آ گیا۔ اس نے خود بڑھایا تھا بے خودی میں ___ یا اس نے تھام لیا تھا۔

"ٹیک اِٹ ایزی ___ یہی زندگی ہے۔ اور یہی زندگی کے تجربات۔" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ بس ایک لمحہ۔ اور ہثمینہ ابرار کو ایسے لگا جیسے وقت کی نبضیں تھم گئی ہوں۔ اس کے احساسات کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ اُس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کی مضبوط گرفت میں اُس کا ہاتھ کانپا اور یہ کپکپاہٹ اشمل خان نے واضح طور پر محسوس کی اور جلد ہی ہاتھ پر اپنی گرفت ہٹالی۔ ایک لمحہ خود اس کے دل کی سطح میں ارتعاش پیدا ہوا۔ ایک نامانوس سا احساس ٹکرایا اور صحیفۂ دل پر انوکھی خواہش رقم ہوتی چلی گئی۔

وہ کچھ خفیف سا ہو گیا۔ یہ حرکت اس سے لاشعوری طور پر سرزد ہو گئی تھی۔

"تلخ واقعات کو ذہن سے اسی وقت کھرچ دینا چاہئے جیسے ہم نے اس کا ذائقہ چکھا ہی نہیں۔" اس نے اپنی خاموشی کو توڑا۔ مگر وہ چپ رہی۔ اور کئی لمحے اس خاموشی کے ساتھ پرواز کر گئے۔

ہثمینہ ابرار نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر پلکیں جھکا کر دھیرے سے ملتجی لہجے میں بولی۔

"آپ۔۔۔۔۔۔پلیز اس بات کا تذکرہ کسی سے مت کیجئے گا۔"

"کس بات کا؟" وہ چونکا۔

"یہی کہ میں نے آپ کے شک پر یقین کی مہر ثبت کی ہے۔" اس نے کہا تو اشمل خان کے گداز عنابی لبوں کے گوشے میں دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تم تو بہت بزدل لڑکی نکلیں ہثمینہ ابرار!" اس نے شگفتہ انداز میں لطیف سا طنز کیا۔ مگر وہ برا مانے بغیر بولی۔

"کسی عورت کی بہادری، تنگ دل مرد برداشت بھی تو نہیں کر سکتے۔ بہر کیف یہ دنیا تو پھر مردوں کی ہے۔" اس کا جملہ برجستہ تھا۔ اشمل خان نے اسے دیکھا۔ اب وہ خود کو کسی حد تک نارمل کر چکی تھی۔

دل کی ساری بھڑاس نکال لینے کے بعد مطلع صاف ہو چکا تھا۔ نم نم رخساروں پر خوشگوار لانبی سبک پلکیں گرتی

اٹھتیں بے حد بھلی لگ رہی تھیں۔

"آپ کو تو میری اس ہار نے دلی مسرور کیا ہو گا۔" اس نے بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔فاصلوں کی ساری طنابیں ان کے درمیان سے ٹوٹ چکی تھیں۔

اجنبیت کی دُھند چھٹ گئی تھی۔

اب وہ کسی اچھے مگر نئے دوست کی طرح ایک دوسرے سے ہم کلام تھے۔

"نہیں ہشمینہ!" وہ اس کی بات پر سنجیدہ ہو گیا۔"جب مجھے علم ہوا کہ تم انکل ابرار کی بیٹی ہو اور گل بی بی کے خاندان کی فرد تو یقین جانو مجھے دکھ ہوا کہ تم ایک بہت غلط سیاست میں گھر گئی ہو اور یہ فیلڈ تمہارے لئے قطعاً موزوں نہیں ہے۔اس وقت میرے دل میں ایک یہی جذبہ موجزن تھا۔اور اب مجھے خوشی ہوئی ہے تو اس لئے کہ تم وقت پر سنبھل گئی ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے اتنا اعتبار بخشا۔کوئی اپنے حریف کو اتنی جلدی اس وقت ہی با اعتبار سمجھتا ہے جب وہ شروع سے ہی دل سے اس کا دشمن نہ ہو بلکہ کسی حد تک اس کے خلوص کا دل سے معترف ہوتا ہے۔" اس

نے بے حد سلجھے ہوئے انداز میں گویا اُسے جتا بھی دیا۔

اس کے رخسار تپ اٹھے۔ہاں، وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔وہ لاکھ اس کا سخت حریف تھا مگر وہ اس کے کردار کے بارے میں کبھی کوئی غلط لفظ یا غلط خیال نہیں رکھتی تھی۔وہ اس کے خلوص اور بے داغ کیریکٹر کی دل سے معترف ضرور تھی۔ یہ اور بات تھی کہ منہ سے اقرار کرنا اس کی انا نے گوارا نہیں کیا تھا۔

اور آج بھی وہ اپنی انا کا پاس لئے خاموش بیٹھی رہی۔معاً اُس کی نگاہ نے شیشے کے پار دیوار پر اُگتے ہوئے پھولوں کے بنفشی سایوں کو سمٹتے دیکھا تو اسے وقت کے گزرنے کا احساس ہوا۔اس کے دل پر حزن کی آمیزش اب بھی شدید

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

تھی۔ایک خلش اب بھی چبھ رہی تھی۔مگر وہ بوجھ جو یہاں آتے ہوئے اس کے شانوں پر تھا وہ اتر چکا تھا۔بس اپنی بے بسی اور ندامت کا دکھ تھا۔

وہ کھڑی ہو گئی۔

"میرے خیال سے بہت وقت ہو گیا ہے۔میں نے آپ کا بھی وقت ضائع کیا۔اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

وہ بھی کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔اس کے رسمی اور وضع داری نبھانے والے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"ہشمینہ!کیا تم مجھے ریحان پراچہ کی رہائش کا پتہ بتا سکتی ہو؟" اُس نے پوچھا تو ہشمینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔پسلیوں میں دبا دل پوری طاقت سے سکڑا اور پھیلا۔اس نے سر اٹھا کر عجیب دکھ بھرے انداز میں اشمل خان کو دیکھا۔

"اشمل خان!میں نے کبھی اس کی رہائش گاہ پر قدم نہیں رکھا۔" اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔بڑے بڑے ہیرے جھلملا گئے۔

"نہیں ____ میرا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے۔" وہ لمحہ بھر کو گھبرا گیا۔اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی بات کا کوئی غلط مطلب اخذ کرے گی۔شاید وہ اس وقت سخت زود رنج ہو رہی تھی۔اپنے آپ کو مجرم اور گناہ گار محسوس کر رہی تھی۔مگر وہ اس حد تک کبیدہ تھی،اس کا اسے اندازہ ہرگز نہیں تھا۔

وہ اس کی وضاحت سنے بغیر اچانک پلٹی اور تیز تیز قدموں سے ہوٹل کے بڑے سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اشمل خان نے لب بھینچے۔اُسے دیکھا۔"ہشمینہ ابرار!تم تو بہت مختلف لڑکی نکلی۔میرے اندازے سے زیادہ احمق اور پاگل۔" وہ اُسے جاتا دیکھتا رہا جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

...☆☆☆...

کتنے پیارے ہیں یہ مہمان جو گھر آتے ہیں

میرے آنگن میں ستارے سے اُتر آتے ہیں

اس کی آواز اُسے عین کانوں کے نزدیک سنائی دی۔

"کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" وہ عقب سے نکل کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اُسے اپنے دل کی دھک دھک سے جیسے کانوں کے پردے لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ سانس یوں رکا جیسے دل کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا ہو۔ اسے دیکھ کر اس پر بے بسی کا غلبہ شدت سے طاری ہو گیا اور دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہا۔ وہ یہاں نہیں آنا چاہتی تھی مگر آچکی تھی۔ بہت بڑی غلطی کر چکی تھی۔ مگر باوجود خواہش کے پلٹ کر بھاگ نہیں سکتی تھی کہ اندیشوں کا ایک تند سیلاب اب اس کے ہمراہ تھا۔

"مجھے اعتبار بخشا۔ بے حد ممنون ہوں۔ اندر چل کر پلیز مجھے معتبر کر دو۔" وہ گرم گرم سرگوشی اس کی سماعت پر پگھلے ہوئے سیسے کی طرح گری۔

"فف۔۔۔۔۔۔۔فضہ کہاں ہے؟" اس نے چھوٹے سے لان کے اطراف نگاہیں دوڑائیں۔ وہ لان میں قدم رکھنے کے بعد ایک انچ بھی نہ ہلی تھی۔ اس کا خیال تھا فضہ ہی اس کا استقبال کرے گی اور وہ یہیں رک کر اس سے بات کر لے گی۔ دو ٹوک بات ____ مگر اس مجنوں کے بچے کو دیکھ کر اس کا دل مارے وحشت کے بکھرنے لگا تھا۔

موسم میں قدرے خنکی ہونے کے باوجود سیاہ چادر میں اس کا جسم پسینے سے بھیگ گیا تھا۔

وہ آنکھوں میں وفورِ شوق کا جہاں آباد کئے اُسے دیکھ رہا تھا۔

عجیب وحشیانہ اور بھوک کی چمک لئے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

مگر وہ مسکراہٹ اور یکدم ہی سب جیسے پا لینے کی خواہش۔

"پلیز ____ فضہ کہاں ہے؟ بلا دیں اسے۔" اس نے خشک حلق میں تھوک نگلا۔

"ہوں ____ فضہ اندر ہے۔ یہاں تک آجانے کے بعد پھر یہ بے اعتباری کیوں؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور سحر گل کو لگا جیسے وہ پستی میں گرتی جا رہی ہو۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس پر اعتبار کر کے چلی آئی ہے۔ اس کی خوش فہمی پر اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

"یہ کوئی کھیل نہیں ہے منصور صاحب!" اس کے منہ سے بے اختیار یہ دکھ بھرا جملہ پھسل پڑا۔

"خوب ____ چلئے، میرے نام سے تو واقفیت ہوئی آپ کو۔" وہ مسکرا پڑا اور اس کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے اس کے دل پر ایک اور تیر پیوست کر دیا۔ اچانک سامنے سے فضہ آتی نظر آئی۔ بے حد سنجیدہ چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھی۔

"فضہ۔۔۔۔۔ فضہ۔۔۔۔۔۔" وہ اسے دیکھ کر خود بھی تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔ اور پھر دونوں ایک دوسرے کے مقابل رک گئی۔

سحر گل کا دل شدت سے چاہا کہ وہ فضہ کا چہرہ نوچ لے یا اس کا گلا دبا دے کیونکہ اس نے اسے تباہی سے بچانے کی بجائے اس دلدل میں پھنسا دیا۔

"فضہ۔۔۔۔۔۔۔ فضہ! یہ سب کیا ہے؟" بے اختیار اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ پڑا۔ فضہ نے اُسے دیکھا اور پھر ایک نظر سامنے کھڑے منصور پر ڈالی جو اب ناریل کے سڈول تنے سے ٹیک لگا کر سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ مسکراتے لبوں سے نکلتے سگریٹ کے دھوئیں میں اس نے خفیف

سا اشارہ کیا اور فضہ اُسے تھام کر اندر لے آئی۔

"فضہ! اسے کیا ہو گیا ہے؟" وہ سٹنگ روم کے کنارے والی کرسی پر ٹِک کر نوکیلے لہجے میں بولی۔ "میں اس کی محبت کا اعتبار کر کے یہاں نہیں آئی۔ بلکہ اس قصے کو ختم کرنے آئی ہوں۔"

"تم اس سے خود ہی بات کر لو۔" فضہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو سحر گل کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

"فضہ ___ تم ___" اس کی آنکھوں میں بے یقینی لہرائی۔ وہ تو اس کی بے حد اچھی اور مخلص ہمیشہ سے دوست رہی تھی۔ مگر آج وہ اسے کیوں تنہا خطرے کی طرف دھکیلنے کے درپے ہے۔ یہ کیسی دوست تھی جو بجائے اس کی مشکل سہل کرنے کے اسے رسوائیوں کی طرف بھیج رہی تھی۔

"فضہ! چائے دو اپنی مہمان کو اور مجھے بھی۔" وہ نہ جانے کب سے ان دونوں کے پیچھے چلتا ہوا سٹنگ روم کے دروازے پر رک گیا تھا۔ اس کی آواز پر وہ اُچھلی اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ فضہ کو دیکھنے لگی جو اس کے حکم کی تعمیل کے لئے سٹنگ روم سے باہر نکل رہی تھی۔ وہ سگریٹ میز پر رکھی ایش ٹرے میں مسل کر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ گرے کُرتے شلوار میں وہ خوش شکل اور بظاہر مہذب شخص دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اس کی حرکتیں اُسے ایک بگڑا ہوا شخص ظاہر کر رہی تھیں۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اپنی اس بے پایاں مسرت کا اظہار کس طرح کروں؟ وہ ایک مصرعہ ہے ناں کہ ___ ہم خوش ہوئے اتنے کہ پریشاں نظر آئے ___" یہ کہہ کر ہولے سے ہنس دیا۔ وہ دم سادھے اُسے غصہ اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو بس سحر صاحبہ! ہم خوش اتنے ہیں کہ پریشان لگ رہے ہیں شاید ___ مگر تم اتنی پریشان کیوں ہو؟" وہ اُسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھ پر اعتبار کرو۔ اتنا برا نہیں ہوں جتنا تم شاید خیال کر رہی ہو۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سگریٹ کے دھوئیں میں اس نے انتہائی نفرت سے اسے دیکھا اور اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

"میرا اور آپ کا کوئی تعلق نہیں منصور صاحب! اور آپ جو تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں یہ جبراً نہیں بن سکتا۔ اور میری نظر میں آپ جیسے شخص صرف آوارہ اور بدمعاش ہوتے ہیں۔" اس نے اپنے اندر کا زہر باہر نکالا تو وہ کمال ڈھٹائی سے مسکرانے لگا۔

تپتے تپتے چہرے، شرارے برساتی آنکھوں والی اس لڑکی کا ایک لفظ بھی اُسے برا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس میدان کا ماہر کھلاڑی رہ چکا تھا۔ نیا شکار جال میں آنے سے پہلے پہل اسی طرح پھڑ پھڑاتا اور مچلتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی کے ساتھ ساتھ شکاری کے لئے نفرت اور غصہ ہوتا ہے مگر ___ پھر نفرت اور غصہ بے چارگی اور مجبوری کے تلے بالآخر دب جاتا ہے۔

"تمہیں دیکھ کر میرے اندر نئے احساسات سر اٹھانے لگے ہیں۔ کیا محبت کرنا جرم ہے؟ سحر گل! یہ تو لاشعوری عمل ہے، کب اور کیسے کون پسند آ جائے۔" اُس نے جذبے لٹاتی نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا تو سحر گل کا جسم پسینے کی یورش سے ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر اسے دیکھا، اتنی ذلت اٹھانے کا تو تصور بھی اس کے پاس نہ تھا۔

یہ کھلے اور بے باک جملے، یہ بھوکی نگاہیں اُسے اپنے وجود میں پیوست ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"میں آپ سے اس موضوع پر قطعی بات نہیں کرنے آئی۔ بلکہ کسی طرح کے موضوع پر نہیں۔ صرف یہ کہنے آئی تھی برائے مہربانی میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ آپ کو کسی وقت کوئی اور پسند آ جائے گی۔ یقیناً آپ کے لئے یہ سب کچھ نیا ہر گز نہیں ہے۔" وہ صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

اسی وقت فضہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی لوازمات کی ٹرے درمیانی ٹیبل پر رکھ دی۔

"فضہ! میں نے دوستی کے نام پر بہت بڑا دھوکا کھایا ہے۔" اس نے فضہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فضہ کے لئے اس کے اندر نفرت کا ایک تیز دھواں اٹھا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنی پستی میں بھی گر سکتی ہو۔ دوستی کی آڑ میں مجھے اتنا بڑا دھوکا دو گی۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔ ایسے درندے تم جیسی لڑکیوں کی شہ پر ہی پلتے ہیں۔" اُس نے ایک قہر آلود نگاہ منصور پر ڈالی اور سٹنگ روم سے باہر بھاگی۔

"سحر____سحر____" فضہ بے تابانہ اس کے پیچھے لپکی۔

"فضہ! اُسے روکو____ جانے نہ پائے۔" منصور کی تیز آواز اُسے اپنی پشت پر سنائی دی تو اس کے قدم اور بھی تیز ہو گئے۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی مین گیٹ سے باہر نکل کر گلی میں بھاگی۔ شام کا مدھم سورج ڈوبنے کو تھا۔ گلی میں مدھم تاریکی اور سناٹا تھا۔ مگر اس لمحے نہ اُسے گہری ہوتی تاریکی سے خوف تھا اور نہ اس ویرانے سے۔

خوف تھا تو صرف فضہ کے گھر سے۔

منصور کے عفریت سے۔

اس کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔ تبھی اچانک سفید کار کے ٹائر اُس کے بے حد قریب چرچرائے۔ وہ اپنی جگہ کسی سنگی مجسّمے کی طرح ساکت و جامد رہ گئی۔ لمبے بال ڈھیلی چوٹی سے نکل کر بکھر گئے تھے۔ آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئی تھیں اور بڑی سی چادر سر سے ڈھلک کر شانوں پر بے ترتیب سی پڑی تھی۔

اس وقت اس کا حلیہ کسی طرح بھی شریفانہ نہیں لگ رہا تھا۔

فروان نے بے حد غور سے اسے دیکھا۔

"فف۔۔۔۔۔۔فروان!" اُس کے لب کپکپائے۔ مگر دوسرے ہی لمحے فروان کی سرخ انگارہ ہوتی آنکھوں نے اُسے سہا کر ایک قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

منصور کی دہشت اس کے دل سے نکل گئی۔

اُسے اب اپنے اطراف آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

اور اُس نے مجرموں کی طرح چہرہ جھکا لیا۔

...☆☆☆...

احسن کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ اس پر سخت کوفت سوار تھی۔ صبر اور انتظار کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے صفر تھا اور اب اشمل خان کا طویل انتظار اُسے جھنجھلائے دے رہا تھا۔ کسی نے اُسے بلایا تھا۔ کیوں بلایا تھا؟ اور اب تک وہ واپس کیوں نہیں آیا تھا؟ یہ سارے سوالات اس کے ذہن میں مچل رہے تھے اور اُسے پریشان کر رہے تھے۔ وہ شدت کے ساتھ اشمل خان کی واپسی کا منتظر تھا۔ اس کی بے قرار نگاہیں کبھی وال کلاک سے ٹکراتیں، کبھی کھلے دریچے سے سرمئی ہوتی شام کا جائزہ لیتیں تو کبھی رسٹ واچ کو خوامخواہ گھورنے لگتیں۔

اُس کی اس حد درجہ بے قراری میں اس وقت کمی ہوئی جب اشمل خان کمرے میں داخل ہوا۔ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا وہ احسن کی جانب بڑھا اور اس کی طرف دیکھ کر بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"کیا میرے جانے کے بعد سے ابھی تک یونہی گشت میں مصروف ہو؟"

"تم سا بے مروت دوست میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ لگتا تھا واپس ہی نہیں آنا تمہیں۔ خدانخواستہ۔" وہ خونخوار

نظروں سے گھورتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ ”دیکھ لو سُوکھی ٹہنیوں کی طرف ___ مت پوچھو انتظار کیا ہے۔“

اُس نے گلدان میں سجے پھولوں سے ایک ٹنڈ منڈ ٹہنی نکال کر اس کے آگے لہرائی۔ ”بس اس سے مختلف حال میرا نہیں ہے۔ حد ہوتی ہے انتظار کی بھی۔ لگتا تھا کسی حسین دوشیزہ نے تمہیں ڈنر پر مدعو کیا تھا۔“ اس نے کہا تو اشمل خان کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ اُس نے احسن کے شانوں سے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔

”اتنا غصہ صحت کے لئے خراب ہوتا ہے۔“

”بہت غصہ آرہا ہے مجھے ___ اتنا غصہ تو مجھے اپنی منگیتر کی ناراضگی پر بھی نہیں آتا۔ اچھا بتاؤ مجھے تفصیل کے ساتھ، بغیر تمہید کے۔“

”احسن!“ اُس نے یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے احسن کو دیکھا۔ سر حیدر کا اغواء کرنے والا ریحان پراچہ ہے۔“

”کیا۔۔۔۔آ۔۔۔۔۔“ احسن اُچھلا۔

”ہاں ___ ہمارے شک پر یقین کی مہر ثبت ہو گئی ہے۔“

”پوچھ سکتا ہوں یہ مہر کس نے ثبت کی ہے؟“ احسن ابھی تک حیران تھا۔

”نہیں ___ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ اور پھر یہ جاننا تمہارے لئے ضروری نہیں ہے۔ بس ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ سر حیدر کا کڈنیپر ریحان پراچہ ہی ہے۔ اور اب ہمیں اس سے مقابلہ کرنا ہے۔“ وہ قطعیت سے کہہ کر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

احسن اُلجھا اُلجھا اس کے پیچھے لپکا۔

”اچھے دوست ہو تم ___ مجھے اتنا بے اعتبار سمجھتے ہو۔“

”احسن! مجبوری ہے۔ بات اعتبار کی نہیں وعدے کی ہے جو میں نے اس سے کیا ہے۔ اور ویسے بھی میں خود بھی اس کی تشہیر نہیں چاہتا۔“ اس نے پلٹ کر احسن کو دیکھا جو برے برے منہ بنا رہا تھا۔

”اوکے باس! وعدے کی بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ مگر یار! حیرت ہے، اگر وہ پراچہ کی پارٹی کا ہے تو بہت بے وفا نکلا اور اگر اس کا دشمن ہے تو بڑا شاطر ہے۔“

”احسن۔۔۔۔احسن۔۔۔۔۔اس معاملے کو طول دینے سے فائدہ؟ اب آگے کی سوچو۔ بلکہ میرا تو خیال ہے اس موضوع کو ابھی یہیں رہنے دو۔ صبح ڈسکس کریں گے۔“

”تھک گئے ہو کیا؟“ احسن نے اسے بغور دیکھا۔

”نہیں۔“ اس نے سر نفی میں ہلایا اور دریچے سے باہر جھانکنے لگا۔

سورج مدھم ہوتا ہوا اپنی تابناکی کے ساتھ غروب ہو رہا تھا اور اس کے سامنے پہاڑوں کے اوپر ہولے ہولے شفق پھوٹ رہی تھی۔

وہ شاید اتنے عرصے میں پہلی بار اتنے انہماک سے دریچے میں کھڑے ہو کر ڈوبتے سورج کا منظر دیکھ رہا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکے اس کے چہرے سے ٹکرا کر ایک عجیب سی طراوت اس کے اندر پیدا کر رہے تھے۔

احسن بے حد حیرت اور غور سے اس کے اس خلافِ معمول رویے کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ اشمل خان اتنے انہماک سے نیچر کی خوبصورتیوں کا مطالعہ کرے۔

”تمہاری پُرسکون جھیل میں کسی نے پتھر تو نہیں پھینک دیا؟“ احسن سے مزید نہ رہا گیا۔ اس کا شوخ جملہ اشمل کو چونکا گیا۔

"آں___" وہ پلٹا اور پھر احسن کی مسکراتی نگاہوں سے ایک لمحہ کے لئے گڑبڑا گیا۔

"یہ سارے انداز تو دل کے موسم کے بدلنے پر ہوتے ہیں۔ نظاروں کو اتنے غور سے دیکھا جارہا ہے جیسے ان میں کسی کا عکس تلاش کر رہے ہو۔ کسی کی مسکراہٹ ڈھونڈ رہے ہو اور پھر اس سے اپنے دل کو___"

"احسن! فار گاڈ سیک۔" اشمل خان نے جلدی سے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ "اس سے زیادہ فضول باتیں میں نے آج تک نہیں سنیں اور نہ مجھے محبت پر تمہارا بے لاگ تبصرہ سننا ہے۔" وہ اسے گھور کر باتھ روم کی جانب بڑھا۔

"چہ، خوب۔" احسن زور سے ہنسا۔ "تمہیں کس نے کہا کہ یہ سارے انداز محبت کے ہوتے ہیں۔"

"اُف___" اشمل خان کا چہرہ گہرا گلابی ہو گیا۔ احسن اسے ہر طرف سے گھیرنے کے موڈ میں تھا اور وہ خوب تاڑنے والی نگاہیں رکھتا تھا۔ وہ اس کے سامنے مزید رکنا عبث سمجھ کر باتھ روم میں جا گھسا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی بات ہے ضرور___ ورنہ تم یہ فرار کا راستہ نہ چنتے۔" اس نے باتھ روم کے بند دروازے کو گھورا اور پھر برا سامنہ بنا کر اپنے بیڈ پر آ گیا۔

دوسری صبح یوتھ فیڈریشن کے تمام اراکین کے علم میں یہ بات آچکی تھی۔

اشمل خان کے پہنچنے سے پہلے ہی احسن نے اپنا بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔ شہزاد تو حسب عادت مشتعل ہو گیا۔

"مجھے تو پہلے ہی یقین تھا۔ مگر اشمل خان نے میری بات سنی نہیں۔"

"ٹھیک ہی تو ہے___ بغیر ثبوت کے ہم کسی پر الزام تو لگانے سے رہے۔" افتخار نے اُسے ڈانٹا۔ اس کا یوں بھڑکنا اسے ناگوار گزرا تھا۔

"اونہہ___ یہاں ثبوت کے لئے کون خوار ہوتا ہے؟"

"ہر اچھا آدمی۔" احسن کا جملہ برجستہ تھا۔ وہ برا سامنہ بنا کر رہ گیا۔ تبھی اشمل خان اندر آیا۔ اس کے ہمراہ نعیم جان بھی تھا۔ وہ دونوں اسی موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔

"اشمل خان! میں نے پہلے ہی یقین سے کہا تھا کہ سر حیدر کے کیس میں سو فیصد ریحان ملوث ہے۔" شہزاد کے جذباتی خون نے پھر جوش مارا تو سب بے اختیار مسکرائے۔

"ہاں شہزاد! تم یقیناً ذہین اور سمجھ دار لڑکے ہو۔ مگر سوسائٹی میں رہنے کے کچھ تقاضے اور ضوابط ہوتے ہیں اور ہر سمجھ دار اور شریف آدمی کو ان ضابطوں کی پابندی کرنی چاہئے۔ ہم کسی طرح بھی محض اپنے شک پر کوئی عملی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ میں تمہارے جذبوں کی قدر کرتا ہوں۔ تم نے اس فیڈریشن کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔" اشمل خان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی۔

"وہاں ٹانگ بھی تڑوائی ہے۔ یاد ہے۔" احسن نے کہا تو نعیم جان کا بلند قہقہہ گونج اٹھا جبکہ شہزاد جھینپ گیا۔

"یار احسن! کبھی تو سنجیدہ اور خاموش ہو جایا کرو۔" افتخار اس کی بے وقت کی شوخی پر سلگ اٹھا۔ ماحول کی سنجیدگی کو وہ برقرار رکھنا چاہتا تھا کیونکہ سر حیدر کا کڈنیپ مذاق نہیں تھا۔ یہ ایک سنجیدہ اور نازک مسئلہ تھا جس کا اب ان سب کو مل کر حل ڈھونڈنا تھا۔

ایف آئی آر درج ہو چکی تھی مگر پولیس اس سلسلے میں ابھی تک ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی۔

"ہمیں سب سے پہلے ریحان پراچہ کی رہائش گاہ تک پہنچنا ہے۔" چند لمحے توقف کے بعد اشمل خان کی آواز اُبھری تو سب بیک وقت اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اس نے افتخار پر نگاہیں ٹکاتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک یاد پڑتا ہے تم نے ریحان کا ذاتی بنگلہ دیکھا ہے۔"

"ہاں___" افتخار نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہم لوگ پولیس کی ہمراہی میں۔۔۔۔۔"

"نہیں۔ اتنی جلدی ہمیں اس معاملے میں پولیس کو شامل نہیں کرنا چاہیئے۔" اشمل خان نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

"ضروری نہیں ہے کہ سر حیدر کو اس نے اپنی اسی رہائش گاہ پر رکھا ہو۔"

"میرے خیال سے تو ریحان پراچہ ان کاموں کا اتنا ماہر نہیں ہے کہ اس نے اس طرح کی اور جگہیں بنا رکھی ہوں۔" نعیم جان نے اپنا خیال پیش کیا۔

"مگر وہ اس میدان میں اتنا اناڑی بھی ہر گز نہیں۔" احسن اس کی بات سے متفق نہ ہوتے ہوئے بولا۔ پھر اشمل خان کے متفکر چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اشمل! یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ریحان پراچہ نے سر حیدر کو اگر اپنی رہائش گاہ کے کسی احاطے میں ہی رکھا ہے تو میں تصدیق کر لوں گا۔"

اس کی اس بات پر اشمل خان سمیت سب ہی نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب احسن سنجیدگی کے ساتھ کسی معاملے کی ذمے داری محسوس کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مستور تھی۔

"بات جب استاد کی عزت اور اپنی غیرت کی آجائے تو سنجیدگی ایک فطری عمل ہوتا ہے۔ ایک جوکر بھی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ اور پھر صد شکر کہ میں تو ___" اُس نے سب کی نگاہوں سے جھانکتے تحیر کو محسوس کرتے ہوئے کہا اور ہولے سے مسکرایا۔ "میں اس تنظیم میں محض مزاح کا رنگ بھرنے نہیں شامل ہوا ہوں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہر وقت کی سنجیدگی سے خائف رہتا ہوں۔ کیا ہو جائے اگر بندہ کبھی کبھی اونچے اور بامقصد زناٹے دار قہقہے لگا لے۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے اشمل خان کے چہرے کو نگاہوں میں رکھا۔ اس کی بات پر اشمل نے اُسے مسکراتی نظروں سے گھورا۔

"بس کافی ہے اتنا۔" اس نے اسے مزید بولنے سے بھی روک دیا۔ وہ سنجیدگی سے پھر اوٹ پٹانگ موضوع کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

طرف آ رہا تھا اور اسے یہیں روکنا بے حد ضروری تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی احسن کہ یہ کام تم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔" اشمل خان کو تو واقعی مسرت ہو گئی تھی۔

...☆☆☆...

ریحان پراچہ نے سر حیدر کیانی کو ابھی تک اپنی ذاتی رہائش گاہ پر ہی رکھا تھا۔ شاہنواز پراچہ اور مسز شاہنواز کو اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی ان کارروائیوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ رہائشی حصے سے ذرا فاصلے پر بنی انیکسی کی سرگرمیوں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ یہ ساری سرگرمیاں ان کے بیٹے کی دلچسپیاں اور فارغ اوقات کے مشغلے ہیں۔ شاہنواز پراچہ نے اُسے بے تحاشا آزادیاں دے رکھی تھیں جو خطرناک صورت حال اختیار کر گئی تھیں۔ اکثر دہشت گردی کے کیسوں میں ریحان پراچہ کا نام موجود تھا مگر شاہنواز پراچہ کی سوسائٹی میں بنی مضبوط ساکھ اور وسیع تعلقات کے باعث وہ تمام کیسز سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے باپ سے صرف ایک ہی جملہ سنا تھا۔ "جیو اور اپنے لئے جیو___ خوب عیش سے جیو۔" لفظ "جینے دو۔" اس کے ذہن کی ڈکشنری میں نہیں لکھا گیا تھا۔ پھر وہ کیونکر "جینے دو" کے مقولے پر عمل پیرا ہوتا۔

اپنا مفاد، اپنی غرض، اور اپنی خواہشات کو اولیت دینا ہی اس کا نصب العین تھا۔

شاہنواز کی تھپکیوں نے اُسے بے حد نڈر بنا دیا تھا۔

کسی بھی منفی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اُسے زیادہ تردّد نہیں کرنا پڑتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کے ہاتھ ہتھکڑی سے ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ یہ زعم اُسے اس کے باپ نے ہی عطا کیا تھا۔ ہاں البتہ بیگم شاہنواز کبھی کبھی بے حد خوفزدہ ہو جاتیں اور ایسے میں وہ شوہر ہی سے اُلجھ جاتیں۔

"خدا کے لئے اسے آپ ہی سمجھائیں۔ ہر غلط کام میں اس کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔ کبھی اسے کوئی آنچ نہ آجائے۔

بہر کیف یہ آگ کے کھیل ہیں۔"

"اور آپ کے بیٹے کو کچھ نہیں ہوتا۔ یہ آگ اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔" ریحان کے قہقہہ کے ہمراہ شاہنواز پراچہ کا بلند قہقہہ بھی شامل ہو جاتا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے بیگم! تم کیوں ڈرتی ہو؟ میں جو موجود ہوں۔ اور پھر یہ جوانی ہوتی ہی ایسی ہے ___ اس میں جان کر آگ میں کودنا اچھا لگتا ہے۔"

اس طرح کے سارے جملے ریحان پراچہ کے لئے تقویت کا باعث بنتے۔

یونین کے انتخابات کے دوران شاہنواز پراچہ نے اس کے لئے خزانے کا منہ کھول دیا تھا مگر غیر متوقع نتائج پر وہ بھی نہ صرف حیران بلکہ مشتعل ہو گئے تھے۔

"تم اگر کہو تو میں اس لڑکے کو، کیا نام ہے، ہاں اشمل خان کو ٹھکانے لگادوں؟" بیٹے کا پژمردہ چہرہ بھلا وہ کب دیکھ سکتے تھے۔ اونچے اونچے قہقہے لگانے والا بیٹا آج کبیدہ دل اور ہزیمت کے احساس سے چور چور تھا۔ انہیں تڑپا ہی گیا تھا۔

"نہیں پاپا! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کی ساکھ بہت مضبوط ہے۔ ایک ہجوم ہے جو اسے پسند کرتا ہے۔ کئی بڑے لوگ بھی اس کے ہمراہ ہیں۔ اس کی پارٹی کے ڈھونگ پر فریفتہ ہیں۔" اس کی روح میں اپنی ہزیمت کا احساس اب تک سلگ رہا تھا۔ اور سر حیدر کیانی کا اغواء اس کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا تھا۔ وہ اشمل خان کو جھکانے، اُسے نیچا دکھانے کے لئے پاگل ہو رہا تھا۔ اس کی رگوں میں اس کی نفرت اُمڈی جا رہی تھی۔

"سر حیدر کو اس نے اپنی انیکسی میں ہی رکھا ہوا ہے۔ اور اب اسی شام انہیں کہیں اور منتقل کرنے کا ارادہ ہے۔" احسن نے یہ اطلاع اشمل خان کو دی اور پھر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ دونوں نعیم جان کی رہائش گاہ میں آئے تھے۔ اس کے بے حد اصرار پر لنچ پر مدعو تھے۔

"اب کیا ہو گا؟" احسن، اشمل خان کی مسلسل خاموشی پر بولا۔

"ذرا یہ فون دینا۔" اشمل خان نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے نعیم جان سے کہا تو اس نے جلدی سے ریک پر رکھا فون اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ ڈی۔ ایس۔ پی منظور احمد کا فون نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

"ہیلو ___" رابطہ ملتے ہی منظور احمد کی آواز اُبھری۔

"ہیلو ___ اشمل اسپیکنگ سر!"

"اوہ ینگ مین ___ کیسے ہو؟" منظور احمد کی پُرجوش آواز اُبھری۔

"ٹھیک ہوں۔ سر حیدر کیانی کے کڈنیپ کے سلسلے میں ہی فون کیا ہے۔" اس نے وضاحت کی۔

"ہوں ___ میں بھی اسی کیس کے سلسلے میں مصروف ہوں۔ کئی اسٹوڈنٹس کو اریسٹ تو کیا ہے ___ دیکھو۔"

"اور جو اس کیس میں ملوث ہیں وہ تو آزاد ہیں سر! ابھی تک۔" اشمل خان نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے تم ریحان پراچہ نامی لڑکے کی بات کر رہے ہو۔ شک ہے تمہیں اس پر؟"

"شک تھا ___ مگر اب یقین سے کہہ رہا ہوں۔"

"دیکھو ینگ بوائے! شاہنواز پراچہ ایک بہت بڑا صنعت کار اور معزز شخص ہے۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا

پڑتا ہے۔ ورنہ الٹی آنتیں گلے پڑ جاتی ہیں۔ سمجھ رہے ہو نا؟" وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسے۔ اشمل خان کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

"پولیس کو اتنا اختیار ہوتا ہے سر! کہ وہ شک پر بھی تفتیش کر سکتی ہے۔ یہاں پر تو بات یقین کی ہے ___ شاہنواز پراچہ نے اس ملک کو خرید نہیں لیا ہے۔ نہ کوئی بھی صنعت کار یا جاگیر دار اپنے کندھوں پر اس ملک کو رکھے چلا رہے ہیں۔ یہاں بلاامتیاز آپ کو کارروائی کرنی چاہیئے۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو۔"

"ایک محترم استاد کی تذلیل پر جذباتی ہونا فطری عمل ہے سر! آپ کیا چاہتے ہیں کہ ہم سب محض تماشائی بنے رہیں؟ آنکھوں دیکھے ظلم پر مہر بہ لب رہیں اور چند روپوں کے عوض بڑے بڑے لوگ اس ملک کا بگاڑ کرتے رہے؟ اپنے وقتی کھیل میں عزت دار لوگوں کا مذاق بناتے رہیں؟ ___ میں سب جانتا ہوں سر! آپ ڈرتے ہیں، محض اپنی نوکری جانے سے۔ یا شاید بے حس ہیں اس قانون، اس نظام کی طرح جو ہمیشہ سے صاحب اقتدار کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا ہے۔ جو مظلوموں کے لئے بظاہر بنایا گیا ہے مگر مجرموں کی سرپرستی کرتا رہا ہے۔ بزدل اور مفاد پرست لوگوں کو یہ وردیاں نہیں سجتیں سر!" وہ سخت برافروختہ ہو رہا تھا۔ اس کی بھوری بھوری آنکھوں میں سارے جہاں کی نفرت گھل گئی تھی۔

ڈی۔ ایس۔ پی کی ہچکچاہٹ اسے سب کچھ سمجھائے دے رہی تھی۔

"یہ قانون کے سائے میں لاقانونیت کا ناقابل برداشت کھیل کب تک جاری رہے گا ___ کسی کو تو آگے بڑھنا ہے سر!"

"میں تمہارے جذبوں کی قدر کرتا ہوں ینگ مین! مجھے شرمندہ مت کرو۔ تم جانتے ہو بیٹا! کچھ اختیارات ہمیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سونپے جاتے ہیں اور کچھ بڑے اختیارات بڑے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔"

"آپ اپنا فرض پورا کریں سر! آگے دیکھا جائے گا۔" اس نے قدرے سنبھل کر کہا تو ڈی ایس پی منظور احمد چند لمحے گہری سوچ میں گم ہو گیا پھر دھیرے سے بولا۔

"بات یہ ہے کہ اگر ریحان پراچہ اس میں انوالو ہے تو میں مانے لیتا ہوں۔ لیکن اگر اس کی رہائش گاہ سے سر حیدر بازیاب نہ ہوئے تو؟"

"نہیں ___ یہ ناممکن ہے۔ میں یقین سے کہہ رہا ہوں کہ اس وقت سر حیدر، ریحان پراچہ کی انیکسی میں موجود ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے سر! آپ کارروائی تو کیجئے۔ اور بالفرض ایسا نہ ہوا تو بے شک مجھے الزام دہی کے کیس میں اریسٹ کر لیجئے گا ___ میں تیار ہوں۔"

"اشمل ___" احسن نے اس کے آخری جملے پر گھبرا کر اس کا بازو دبایا۔ مگر اشمل خان اپنے جلال میں تھا۔

"او کے ___ پھر میں ابھی متعلقہ افراد کو ہدایت جاری کرتا ہوں۔ بلکہ میں خود بھی شاہنواز پراچہ کی رہائش گاہ پر روانہ ہو رہا ہوں۔ او کے ینگ مین! اب تو خوش ہو؟"

"اوہ تھینک یو سر!" اشمل خان کھل اٹھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی منظور احمد نے ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی تھی اور آج بھی اسے مایوس نہیں کیا تھا۔

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو احسن جلدی سے بولا۔

"اشمل خان! اگر ریحان پراچہ نے سر حیدر کو کہیں اور منتقل کر دیا تو؟" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ اُس کے اس خوف نے اشمل خان کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"اگر ایسا ہی ہوا پھر____؟" احسن کے خوفزدہ چہرے سے محظوظ ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

"تو شاہنواز پراچہ تم پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کردے گا اور پھر تم نے خود ہی کہہ دیا کہ اس الزام پر۔۔۔۔۔۔"

"احسن! یہ تو پھر اپنے مفاد کے گرد چکرانے والی بات ہوئی نا۔ میں اپنے آپ کو بچانے کے لئے منہ چھپا کر بیٹھ جاؤں اور پچتار ہوں۔ نہیں احسن! میں صرف اسی جامعہ کو ہی نہیں اس پورے معاشرے کو بدلنے کے خواب دیکھتا ہوں۔ بے حسی، بے راہ روی، جبر اور ظلم کے خلاف میں نے آواز اٹھائی ہے تو محض شو آف کے لئے نہیں۔ ٹیک اِٹ ایزی۔"

اس نے احسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُسے بٹھا دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی منظور احمد ہمیں کوئی اچھی نوید ہی دے گا۔" اس کے لہجے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں بھی یقین کے ڈھیروں جگنو چمک رہے تھے۔

اس نے خود کو دوبارہ کرسی پر گرا لیا۔ "کیوں نعیم!" اس نے نعیم جان کو دیکھا۔

"نائو ویٹ اینڈ____ سی وہاٹ ہیپن۔" اس نے شانے اچکائے۔

"ہی ول ٹیک پازیٹو اسٹیپ۔ (مجھے یقین ہے وہ کوئی مثبت قدم اٹھائیں گے)" اشمل خان کا لہجہ بدستور پُر اعتماد رہا۔

☆☆☆...

اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ زمین میں گڑتی چلی جا رہی ہے۔ اندر ہی اندر اس کی روح اس کے جسم سے کھنچتی چلی جا رہی ہو۔ اُسے اپنی سانس بند ہوتی محسوس ہوئی۔

فروان گاڑی سے اُتر کر اس کے قریب آیا۔ اپنے انہی احساسات اور کھولتے ذہن کے ساتھ۔

"فف۔۔۔۔۔۔فروآ۔۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔۔" اُس کے لب کپکپا گئے۔ اسے کچھ بولنے یا سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ فروان کے مضبوط ہاتھ اس کے رخساروں پر لگاتار پڑتے گئے اور پھر اس نے اچانک اسے گھسیٹا اور گاڑی کا دروازہ کھول

کر پچھلی سیٹ پر دھکیل دیا۔

"ماہی آپی کا گڈو پچھلی سیٹ پر آئس کریم کھا رہا تھا۔ اس حملے پر سہم کر دروازے سے چپک گیا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم یوں امی پاپا کی عزت کو گلیوں میں رولتی پھرو گی۔ کس منہ سے تم نے پھر گھر کی جانب قدم بڑھائے تھے____ بولو۔" اس نے پلٹ کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

سحر گل چکرا کر رہ گئی۔ "نہیں، نہیں فروان! تم جو سمجھ رہے ہو باخدا ایسا نہیں ہے۔ میں تو ماں باپ کی عزت کا پاس رکھنے کے لئے گئی تھی۔" اس کا دل چیخ اٹھا۔ احتجاج کی پُر زور لہریں دل سے اٹھیں مگر اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ گئیں۔ آنکھیں بے اختیار برسنے لگیں۔

"میں کئی دنوں سے تمہیں نوٹ کر رہا تھا۔ مگر اتنا اندازہ نہیں تھا سحر! کہ تم____ تم اس قدر پستی میں بھی گر سکتی ہو۔" وہ غصے اور بے بسی کے مشترکہ احساس کے ساتھ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر چیخا۔ "امی کی تربیت میں کہاں چوک رہ گئی؟"

"نہیں۔۔۔۔۔۔ نہیں فروان!" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ ڈھیر سارے آنسو باہر اُبل پڑے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بلک اٹھی۔

گاڑی گھر کے سامنے رکی تو وہ غصے سے کھولتا نیچے اُترا۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں شوٹ کر دوں۔" اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے باہر کھینچا۔ "بولو سحر! تم نے یہ سب کیوں کیا____ کیوں کیا؟"

"فف۔۔۔۔۔۔فروان۔۔۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔۔ میں بے قصور ہوں۔" وہ فروان کے مضبوط ہاتھوں میں کسی ٹوٹی

ڈالی کی طرح ڈول رہی تھی۔

"اونہہ۔۔۔۔۔۔۔بے قصور۔" اس نے خون آشام نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اسے گاڑی کی پشت پر دھکیل دیا۔ خود بڑے بڑے قدم اٹھاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ماہی آپی کچن سے باہر نکلیں تو فروان کو دیکھ کر ٹھٹکیں۔ لال بھبھوکا چہرہ اور غصے سے بڑے بڑے قدم اٹھاتا وہ کمرے کی طرف بڑھتا تھا۔ وہ حیران رہ گئیں۔ ابھی کوئی ایک گھنٹہ پہلے تو وہ مسکراتا ہوا گڈو کو ان کے پاس سے اٹھا کر لے گیا تھا آئس کریم کھلانے۔ انہوں نے کتنا منع کیا تھا کہ گڈو کو زکام ہے، آئس کریم نہ کھلانا۔ مگر وہ ان کی بات نظر انداز کرتا گڈو کو کاندھے پر ڈال کر پورچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اور اب اتنے بدلے بدلے موڈ میں اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ گھبرا کر تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں۔

"فروان! کیا ہوا؟" وہ دروازہ کھول کر اندر آ گئیں۔ فروان جوتوں سمیت صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آئیں۔

"آپی! یہ۔۔۔۔۔۔ یہ سحر نے کیا کر دیا؟" اس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ سرخ سرخ انگارہ آنکھیں۔ ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ یاالٰہی! خیر، اب کوئی نیا امتحان۔"

"سس۔۔۔۔۔۔ سحر نے کیا، کیا ہے فرو؟" ان کی آواز کانپ کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے اندر ہی کتنے وہم ذہن کی دہلیز پر دستک دینے چلے آئے۔ وہ خوفزدہ سی نظر آنے لگیں۔ "بتاؤ نا فروان ____ کیا ہوا سحر کو ____ کیا کر دیا اُس نے؟" انہوں نے باقاعدہ فروان کو جھنجھوڑ دیا۔

"آپی! سحر کے قدم بہت غلط راستے کی طرف اٹھے ہیں۔ خدایا، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ممی جیسی عورت سے تربیت پانے والی سحر اتنی پست اور گری ہوئی حرکت کرے گی۔ اُس نے ہم سب کی عزت کو روند ڈالا ہے۔ ہاں آپی!

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اُسے کہیئے کہ وہ کہیں اور چلی جائے خدا کے لئے ____ اس گھر سے دور۔ ورنہ ____ ورنہ میں۔" وہ یکدم جنونی ہو گیا۔

اُس کا ایک ایک لفظ ماہ گل کے جسم وجاں میں ترازو ہو گیا۔ انہیں لگا جیسے ان کے دل کو تیز خنجر کے لبوں نے چھو لیا ہو یا دفعتہً کسی نے پھانسی کا پھندا ان کے گلے میں ڈال دیا ہو۔ ان کا سارا وجود سن ہو گیا۔

"میں نے اسے پچھلی گلی کے کنارے سے پکڑا ہے۔ اسے پوچھئے وہ کہاں گئی تھی۔ کسی شخص نے اُسے۔۔۔۔۔۔۔۔"

"نن۔۔۔۔۔۔۔ نہیں فروان!" ماہ گل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی آواز دبا دی۔ "خدا کے لئے کہو یہ سب جھوٹ ہے ____ ہاں فروان! ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"ایسا ہو گیا ہے آپی! اور اگر ایسا نہیں ہوا تو اب اس کے ہونے میں کسر باقی نہیں رہی ____" وہ ماہ گل کا ہاتھ جھٹک کر تلخی سے بولا اور صوفے سے اٹھ کر اضطرابی انداز میں ٹہلنے لگا ____ اس کی شریانوں میں خون اُبل رہا تھا اور ذہن کی طنابیں تنی جا رہی تھیں۔ "میں اُسے کئی دنوں سے نوٹ کر رہا تھا ____ اُس کے یہ قدم جان کر اٹھے ہیں۔ کسی مجبوری۔۔۔۔۔۔۔"

"خدا کے لئے فروان! چپ ہو جاؤ۔" وہ اس الزام پر تھرا اُٹھیں۔ اُن کی نگاہوں تلے وہ منظر گھوم گیا۔ اس لڑکے کا سحر گل کے پیچھے آنا۔ پھر محبت نامہ دینا۔ اُف، تو کیا سحر اُس کے دام میں
گرفتار ہو گئی جان کر؟ ____ نہیں ____ اُن کا دل اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ مگر فروان اُسے جس حالت میں گھر لایا ہے، اسے بھی وہ کیسے نظر انداز کر دیں۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے شوٹ کر دوں آپی! اور خود کو بھی۔" وہ از حد روہانسا ہو گیا۔ کرسی پر ڈھے گیا جیسے

پیروں میں مزید جان نہ رہی ہو۔

ماہ گل نے اُسے دیکھا۔اس کا بھی تو کچھ قصور نہ تھا۔اُس کا یہ غصہ، یہ جنون، یہ ہیجان فطری تھا۔کوئی غیرت مند بھائی یہ حرکت تو کجا بہنوں کے منہ سے کوئی ایسی غلط بات بھی برداشت نہیں کر سکتا۔بھائی تو بہنوں کا مان ہوتے ہیں اور بہنیں ان کی عزت۔پھر بھلا وہ اس عزت کی حفاظت کیونکر نہ کریں؟____اور ایسے میں عزت پر آنچ لانے والوں کے ہاتھ جڑ سے کاٹ دینے میں تامل نہیں کرتے۔مگر جب بہن بھی شامل ہو تو کچھ بعید نہیں ہوتا کہ دوہرے قتل کے مرتکب ہو جائیں۔

یااللہ____یہ ان کے گھر میں کیسی آفتیں نازل ہو رہی ہیں؟ کہاں، کب اور کیسا جرم اس گھر کے مکینوں سے سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں نہ ختم ہونے والی سزائیں نازل ہو رہی ہیں۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھام لیا۔اور پھر فروان پر ایک نگاہ ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ان کے تھکے ہوئے قدم اب سحر گل کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔

...☆☆☆...

"خان زادی! بابا، راول کو وادی کے سکول میں داخل کرانا چاہتے ہیں پر بی بی جان راضی نہیں ہوتیں۔وہ کہتی ہیں کہ اس کو پڑھا کر کیا حویلی میں شاہ خانم کا منشی لگوانا ہے۔کھی، کھی____"

وہ نوراں کی چھوٹی بیٹی تھی۔اپنی بی بی جان کے سے انداز میں بول کر زور زور سے ہنسنے لگی۔اشتار کو بھی ہنسی آگئی۔

"تم نے کہا نہیں انہیں کہ پڑھ لکھ کر منشی نہیں ڈاکٹر بنے گا راول۔" اس نے اسے اپنے قریب کھینچ کر بٹھا لیا۔اُسے لطف آرہا تھا نوراں کی بیٹی چمن گل سے باتیں سن کر۔

"نہیں، راول ڈاکٹر نہیں بن سکے گا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"ارے کیوں بھئی؟" وہ حیران ہوئی۔

"اس لئے کہ وہ ڈاکٹر کی دوائی کبھی پیتا ہی نہیں ہے۔بابا کہتے ہیں کہ جو بیماری میں دوائی نہ پیئے گا وہ دُبلا ہو جائے گا____اور دُبلے ڈاکٹر نہیں ہوتے نا۔راول کا ڈاکٹر بھی تو ناں موٹا سا ہے اور ہمارا راول تو بہت دُبلا ہے۔"

"ہا،ہا____تو دُبلے منشی ہوتے ہیں۔" وہ ہنستی چلی گئی۔اُسے چمن گل کی معصومیت پر بے تحاشا ہنسی آرہی تھی۔اس نے بے ساختہ چمن گل کو اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔"تم تو خوب موٹی تازی ہو____تم تو ڈاکٹر بن سکتی ہو۔" اس نے مسکرا کر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکا۔اس نے شرارت اور محبت سے اس کے موٹے موٹے رخسار چھوئے۔

گلابی لبوں سے پھوٹتی ہنسی، سنہری آنکھوں کی بھرپور توانائیاں اور رخساروں پر بکھری شگفتگی کو ذولین خان اپنی انیکسی کے دریچے سے لگا دیکھ رہا تھا۔نوراں کی بیٹی کے ساتھ بیٹھی بات بات پر ہنستی وہ اُسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔اُسے خاص تعجب ہوا۔

'کیا میری محبت، میرے التفات نے اسے یہ ہنستا مسکراتا رنگ بخشا ہے؟' اُس نے تحیر سے سوچا۔بھلا جو خود تشنگی کا سوکھا میدان رہا ہو، وہ کسی اور کو کیا سرشار کر سکے گا۔'

'نہیں اشتار امہروز! میں تو خود تم سے سیراب ہوا ہوں____تم تو خود آبِ جو ہو۔نرم اور محبت کی بے شمار بوندوں سے بھری ہوئی____تمہارے قریب آکر میں نے اپنا آپ پایا ہے۔دوڑتی بھاگتی، بے رونق زندگی میں جیسے یک دم خوش کن ٹھہراؤ آگیا ہو۔'

وہ بے حد محبت اور دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔یہ سنہری بالوں اور سنہری آنکھوں والی لڑکی اس کے لئے یکدم کتنی اہم ہو گئی تھی۔دل اور زندگی کے لئے کتنی ضروری۔اُسے پا لینے کا تصور ہی خوش آئند تھا۔

وہ تالاب کے کنارے کھڑی ہو گئی تھی۔زیبل اُسے شاہ خانم کے بلاوے کا پیغام دے گئی تھی۔اس نے سر ہلا کر

زبیل کو جواب دے دیا اور پھر چمن گل کو گود سے اُتار کر پلٹی تو معاً اس کی نگاہیں اس جانب اُٹھیں جہاں سبز نگینوں کی محویت اور عنابی لبوں پر پھوٹتی مسکراہٹ کا ایک جہاں آباد تھا۔ ایک شرمیلی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

ذولین خان دریچے سے ہٹ کر انیکسی کے ورانڈے کی ریلنگ کے پاس آکھڑا ہوا تھا۔ اشتارا اس کی طرف آئی۔ اس کی انگلیوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی جس نے اشتارا کو متعجب کر دیا۔ اس سے پہلے اس نے ذولین خان کو کبھی سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔

"آپ سگریٹ پیتے ہیں؟" اس کا لہجہ حیرت آمیز تھا۔

"ہوں___جب بہت اُداس یا خوش ہوتا ہوں تب پی لیتا ہوں۔" اس نے سگریٹ کا کونا لبوں میں دبا کر چھوڑ دیا اور ہلکا دھواں فضا کے سپرد کیا۔

"تو آج کس احساس نے سگریٹ پینے پر اُکسایا ہے؟" وہ مسکرائی۔ سفید براق کرتے شلوار میں آستینیں کہنی تک فولڈ کئے دھیرے دھیرے سگریٹ پیتا وہ اُسے بے حد مختلف اور بہت خوبصورت لگا تھا۔ سبز آنکھوں کی سجل سجل روشنیاں اس کے دل تک کو منور کر گئیں۔ کب اتنا یقین تھا کہ زندگی کے سارے خوبصورت لمحے اس کی ہتھیلیوں پر اُتر آئیں گے۔ سنا ہے کہ عورت تو چاہنے والے کی خوشبو تک بے کراں انبوہ میں پہچان لیتی ہے۔ دل کے احساسات سمجھنا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ جبکہ چہرے اور نگاہیں اس کے ترجمان ہوں۔ اُس نے قدرے جھک کر اشتارا کی آنکھوں میں جھانکا۔ اُس کا مہکتا لہجہ پُر شوق تھا اور نگاہیں محبت کا ایک خزانہ لٹائے دے رہی تھیں۔ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔ اشتارا نے سوچا۔ خود اس کے چہرے پر محبت پا لینے کا نشہ ٹوٹ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ٹوٹ کر بکھرا ہوا تھا اور آنکھیں ایسی آب جو محسوس ہوئیں جن میں آس پاس کے رنگین اور دلکش سبزہ زار کے بے شمار رنگوں کا عکس تھا۔ اس کی سیاہی مائل سرخ پلکیں رخساروں پر جھک گئیں۔

"ٹھیک کہا تم نے ذولین خان! مگر کبھی وہم سا جاگتا ہے کہ ہم جو محسوس کر رہے ہیں، محض ہماری خوش فہمی نہ ہو۔ دل تو ویسے بھی وہ خوش فہم ہوتا ہے کہ ایک ساعت میں ہزاروں امیدیں باندھ بیٹھتا ہے۔"

"کیا اب بھی یہ وہم دامن گیر ہے؟" اس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ وہ پگھل گئی۔

"اب میں چلوں گی۔ شاہ خانم نے مجھے بلایا ہے۔" اس نے جلدی سے پلکوں کی باڑھ جھکالی۔

"سوری۔ میری موجودگی نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔" وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"وہ تو ہمیشہ سے کرتی آئی ہے۔" اس نے مسکرا کر پلٹ کر کہا اور اس کے چہرے کی گہری ہوتی مسکراہٹ کو دیکھے بغیر رہائشی حصے کی جانب بھاگ لی۔

شاہ خانم اپنے کمرے میں تھیں اور دیوار سے لگی الماری کے قریب بیٹھی تھیں۔ اُسے اندر آتا دیکھ کر ان کے جڑے لبوں سے مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" وہ ان کے قریب آکھڑی ہوئی۔ اس کا اشارہ ان کے زکام کی طرف تھا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے___تم بیٹھو۔" اُنہوں نے اپنے قریب ایک اور کرسی کھینچ دی جس پر وہ بیٹھ گئی۔

"کہاں ہوتی ہو؟___سارا سارا دن غائب رہتی ہو۔ اپنی صورت دکھانا چھوڑ دی ہے مجھے۔" انہوں نے خلافِ عادت اسے نرمی سے ڈانٹا۔ "گل بی بی کے گھر گئی تھیں تم؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی۔" وہ گھبرا گئی۔ "وہ بابا خان سے اجازت___"

"ہاں مجھے پتہ ہے۔ کیسی طبیعت ہے گل بی بی کی؟" انہوں نے اس کا جملہ کاٹ دیا اور گل بی بی کی خیریت پوچھی تو وہ ایک لمحہ عالم تحیر میں گھر گئی۔ یہ آج شاہ خانم اتنی مختلف کیوں محسوس ہو رہی تھیں؟ کیا یہ بیماری کا اثر ہے یا پھر موسم کا___ یا کوئی نرم گداز گوشہ جاگ اٹھا تھا؟ اُسے حیرت کے ساتھ خوشی ہوئی۔ ایک میٹھا میٹھا احساس دل کی سطح پر لہرا کر رہ گیا۔

"ہاں___ گل بی بی آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔ وہ شاندانہ کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔"

"اچھا___ کب ہو رہی ہے شان کی شادی؟" شاہ خانم نے چونک کر پوچھا۔

"ابھی تو نہیں___ ان کی نند کی بیٹی ہثمینہ ہے نا، اس کی چھٹیاں جب آئیں گی تب۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اسے وادی آنے کا بہت شوق ہے اور شاندانہ کی شادی اس کے آنے کا اچھا بہانہ ہے۔" اس نے پوری تفصیل کے ساتھ بتایا۔

"ہوں___ اچھا ہے۔ اولاد کے فرض سے تو جتنی جلدی ہو سکے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔" ان کی آواز قدرے دھیمی تھی۔ آنکھیں بظاہر اشتارا کے چہرے پر جمی تھیں مگر آنکھوں میں سوچ کے ڈھیروں رنگ تھے۔

"یہ کیا ہے شاہ خانم؟" اشتارا کی نگاہ ان کی گود میں رکھے سرخ مخملی ڈبوں پر پڑی تو اس نے پوچھا۔

"ہاں، ہاں___" وہ اُس کی آواز پر چونکیں۔ "ہاں، یہ دیکھو۔" انہوں نے اوپر رکھا بڑا سا ڈبہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ "الماری ایسے ہی آج کھول کر صفائی کرنے لگی تو یاد آیا یہ ڈبہ تو عرصہ ہوا کھولا ہی نہیں ہے۔ میرے جہیز کے زیور ہیں۔ یہ سیٹ تمہارے لئے نکالا ہے۔"

"آخاہ___ اتنا پیارا___ سچ شاہ خانم! اتنا خوبصورت___ کسی ماہر جیولر نے ہی بنایا ہے۔"

شاہ خانم مسکرائیں۔ "پسند آیا تمہیں؟"

"بہت، بہت پیارا ہے۔ میں اسے پہن کر دیکھوں؟" اس نے بے حد معصومیت سے اجازت چاہی۔

"ہاں، ہاں___ تمہارے لئے ہی تو نکالا ہے۔ اسے ذرا پہن کر دکھاؤ۔" انہوں نے کہا تو اشتارا نے احتیاط سے اسے ڈبے سے نکال کر اپنی شفاف سفید گردن پر رکھا تو جیسے روشنی چاندی سے ٹکرائی تھی۔ شاہ خانم نے اپنی ہی نظر لگ جانے کے ڈر سے پلکیں جھپک دیں۔

"کیسا لگ رہا ہے؟" اُس نے شاہ خانم پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اٹھ کر ڈریسنگ کے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا، پھر دلکشی سے مسکرائی۔

پتہ نہیں کیسا لگ رہا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"ماشاءاللہ___ بہت پیارا لگ رہا ہے۔" شاہ خانم نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ پھر دوسرا ڈبہ کھول کر بولیں۔

"یہ دیکھو___ یہ میں نے اشمل خان کی دلہن کے لئے رکھا ہے۔ یہ بری کا ہے میرا۔ تمہاری بی جان نے مجھے پہنایا تھا۔"

"کیا___ اشمل لالہ کی دلہن؟" وہ چونکی۔ جملہ کتنا نیا نیا مگر خوش آئند تھا۔ ابھی تک اس حویلی میں ایسا کوئی جملہ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے ان کے قریب آئی۔ اشمل لالہ کی شادی، ان کی دُلہن___ کیسا گدگدانے والا احساس تھا۔

"کب۔۔۔۔۔ کب ہو گی شاہ خانم! اشمل لالہ کی شادی___ اور کس سے؟" اس نے بے تابانہ انداز میں پوچھا تو شاہ خانم ہنس دیں۔

"ارے پاگل! ابھی کہاں۔ وہ لڑکا تو حویلی میں ہوا کے گھوڑے پر سوار آتا ہے۔ مگر ہاں، لڑکی میں نے ڈھونڈ رکھی ہے۔" یہ کہتے ہوئے شاہ خانم کی آنکھوں میں ایک عجیب سی روشنی جل اٹھی۔

"سحر گل اچھی لڑکی ہے نا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کیا___سحر___اپنی سحر گل؟" مارے خوشی کے اشتارا کی آواز ہلکی چیخ کی صورت میں نکلی۔

...☆☆☆...

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہماری آنکھیں بلکہ ہمارا پورا وجود بصارت کا روپ دھارے روشنی میں ایک ہی نکتے کے گرد چکر اتارہتا ہے۔

مگر کبھی بالکل اچانک یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے پیچھے روشنیوں کا ایک انبار چلا آرہا ہے___اور ہم کم فہم صرف آگے منہ کئے ایک معمولی نکتے کے گرد گھومتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر پھر بھی پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے خوفزدہ۔

یہ واہمہ کہ پیچھے پلٹتے ہی وہ روشنی کا انبار جادوئی ہو اور دھوئیں کے غول کی طرح غائب ہو جائے اور ہم اس روشنی کی معمولی لکیر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ بس ایسے ہی واہمے، ایسے ہی خوف کبھی ہمیں ڈھیروں روشنیوں سے دور کر دیتے ہیں اور ہم اسی نکتے کے گرد ساری عمر یا اپنے قیمتی لمحے گزار دیتے ہیں۔ قانع ہو جاتے ہیں کہ یہی ہمارا نصیب ہے___بس اتنا___اس سے آگے وہم یا کم فہمی کی چادر ہمیں نکلنے نہیں دیتی۔

ہاں، اشمل خان بھی خلوص، محبت اور نیکی کا ایسا ہی روشن مینارہ تھا جو میرے پیچھے پیچھے تھا اور میں اسے بھی اپنا واہمہ سمجھی اور غلط پارٹی میں آگئی۔ یہ سوچ کر کہ یہیں اس نکتے میں میرے شوق کی تکمیل ہے۔ مگر کہاں؟

اب پیچھے مڑتی ہوں تو ڈھیر ساری شرمندگی اور خفت سر اٹھانے نہیں دیتی۔ اور وہ نکتہ تو ظاہر ہی تھا جو دھوئیں سے بھی کم تر تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اب نہ میرے آگے روشنی ہے اور نہ پیچھے پلٹنے پر کوئی پُر تپاک خیر مقدم۔

آہ۔۔۔۔۔۔میری کم فہمی نے مجھے تباہ کر ڈالا۔

یا۔۔۔۔۔اشمل خان! تمہاری نیک نیتی اور خلوص نے مار ڈالا۔

اس کی آنکھوں میں دُکھ کی کائی دبیز ہو گئی۔

اشمل خان سے ملنے کے بعد اس کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی جسے وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ ایک ناآشنا سی دھند اس کے دل و دماغ پر چھائی جا رہی تھی۔ وہ بہت بجھے بجھے دل کے ساتھ یونیورسٹی آئی۔ ندرت نے اُسے جامعہ کی سڑک پر ہی گھیر لیا۔

"ایک زبردست نیوز___جس کو سننے کے لئے تمہیں یقیناً دل، گردے، کلیجے، پھیپھڑے وغیرہ سب سنبھالنے ہوں گے۔" وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسی۔

"کیا مطلب؟" ہشمینہ نے اُسے دیکھا اور پھر ایک طائرانہ نگاہ جامعہ کے اندر تک ڈالی۔ ایک عجیب افراتفری اُسے بھی محسوس ہوئی۔ کوئی انوکھا یا کوئی بے حد اہم مسئلہ نمودار ہوا تھا شاید۔

"تمہیں تو دکھ ہو گا۔ مگر سچی، مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ ایمان سے، دل بلیوں اچھل رہا ہے۔" وہ اس کے قریب منہ کر کے بولی۔

ہشمینہ نے اُسے گھورا۔

"اب بتا بھی دو___مجھے کیا دُکھ مل رہا ہے؟ اب تو شاید کوئی کسر نہیں رہی۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سر حیدر کیانی بازیاب ہو چکے ہیں اور ریحان پراچہ اریسٹ کر لیا گیا ہے۔ موصوف کو رنگے ہاتھوں پکڑا جا چکا ہے۔

اس کی رہائش گاہ پر اشمل خان کے کہنے پر چھاپہ پڑا تھا۔" ندرت نے اُسے پوری تفصیل بتا ڈالی تو وہ اپنی جگہ سُن سی رہ گئی۔

"سراج اور کوئی دو اور لڑکے بھی تھے۔ سارے کے سارے اندر کر لئے گئے ہیں۔ ایمان سے، ہے ناز بردست نیوز؟" مارے خوشی کے ندرت کی مسکراہٹ تھم نہ رہی تھی۔

ہشمینہ ابرار کی آنکھوں کی پتلیوں میں کتنے ہی لمحے سوائے حیرت کے کچھ نہ اُبھرا۔

"تمہیں یقیناً دکھ ہوا ہو گا۔ بلکہ گہرا صدمہ۔ آخر تمہاری پارٹی کے لیڈر کی ایسی درگت جو بنی ہے۔"

"نہیں۔" اس نے چونک کر جلدی سے کہا۔ "بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے ندرت! تم نے تو واقعی میری ساری اُداسی دُور کر دی۔ ریحان پراچہ اب اپنی صحیح جگہ پہنچا ہے۔ اسے تو بہت پہلے وہاں پہنچا دینا چاہئے تھا۔" اُس کی آواز اور اس کے لہجے میں سچی مسرت تھرک رہی تھی۔

"کیا___تت___تم___بھی؟" ندرت کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ وہ منہ کھولے ہونق بنی اسے دیکھنے لگی مگر وہ آگے بڑھ گئی۔ اُسے اسی حیرانگی میں چھوڑ کر۔

"ہشمینہ!___کیا کہا تم نے ابھی؟" ندرت اس کے پیچھے لپکی اور پھر اس کے سامنے آکر منہ اٹھا کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اُسے ہشمینہ کی دماغی حالت پر شک گزرا ہو یا پھر اپنی سماعت پر۔

"ہوں___وہی جو تم نے سنا۔ بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔" وہ پہلی بار دھیرے سے مسکرائی۔

"یا اللہ___یہ انقلاب کب رونما ہوا؟ تم تو ریحان پراچہ کی برائی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اب یہ یکا یک___کیا بھید ہے اس میں؟" ندرت پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ کھوجتی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"یاد ہے ایک بار تم ہی نے کہا تھا مجھ سے کہ ریحان پراچہ نے اتنا بڑا اور چکا چوند عہدہ دے کر مجھے در حقیقت الجھا دیا ہے۔ ورنہ ینگ فیڈریشن میں میرے لئے کوئی چارم نہیں ہے۔ اور میں دل سے اشمل خان کی خوبیوں کی معترف ہو چکی ہوں۔" اس نے چلتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تو بس ریحان پراچہ کی اصلیت میرے سامنے کھل چکی ہے اور اشمل خان کی خوبیوں نے اپنا لوہا منوالیا۔" یہ کہتے ہوئے اس کی لانبی، گداز پلکوں کی باڑھ رخساروں پر جھک گئی۔

"یا اللہ___" ندرت کا ہاتھ بے ساختہ دل پر آٹھہرا۔ "اتنا بڑا انکشاف۔ اُف۔۔۔۔۔ ویسے کہیں یہ چڑھتے سورج کے پجاری والی بات تو نہیں؟" ہشمینہ اس کی بات پر بھڑ کی۔

"تم مجھے اتنی پست اور فضول سی لڑکی سمجھتی ہو___بولو___کیوں کہی تم نے اتنی غلط بات؟" وہ برہم ہو گئی۔

"اچھا۔۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔۔۔ بابا غلطی ہو گئی۔ مانا کہ ریحان پراچہ کی تو حرکتوں نے آپ کی آنکھیں کھول دیں اور اشمل خان نے اپنی خوبیوں سے اپنا لوہا منوالیا۔" وہ یہ کہہ کر ایک لمحہ رکی اور پھر شوخ نظروں سے اس کے سامنے آکر مسکرا کر بولی۔

"اور کیا کیا منوالیا آپ کے سامنے؟"

"ندرت کی بچی___" اُس کا چہرہ تپ اٹھا۔ اس نے غصے سے اسے گھورنا چاہا مگر نہ جانے کیوں وہ اُس کی شریر آنکھوں میں زیادہ دیر تک نہ جھانک سکی۔ اس کی دھڑکنیں عجیب سے انداز میں تیز ہو گئیں۔ اور ندرت تو پاتال سے گوہر نکالنے والی ہستی تھی۔ اس نے اس کے دل میں جھانک کر ان نئی آہٹوں کو سن لیا جنہیں ہشمینہ اپنے آپ سے بھی چھپانا چاہتی تھی۔

"ہوں___آج ان کی خوبیوں نے آپ کو متاثر کیا ہے۔ کل اس کی آنکھوں نے، پھر اس بن ادھوری محسوس کرتے ہوئے اسے اپنا سب کچھ۔۔۔۔۔۔۔"

"تم نہایت فضول اور بے کار لڑکی ہو۔" وہ اسے دھکیل کر آگے بھاگی۔ "بس تم ہر بات کا ایک ہی مطلب لینا۔"

"ویسے ایمان سے یہ بھی بڑی زبردست نیوز ہے۔" ندرت دھکا کھا کر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ مگر ہشمینہ سنی ان سنی کرتی دوسری جانب نکل گئی۔

سر حیدر کے آفس سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹک گئی۔ اشمل خان ان کے آفس سے نکل رہا تھا۔ وہ بھی اس کے سامنے رک گیا۔

"بہت مبارک ہو۔" وہ اس کے مقابل آ کر رکنے پر بولی۔

"کس بات کی؟" اس نے دانستہ حیرانی ظاہر کی۔

"سر حیدر کو بازیاب کرانے کا سہرا تو آپ کے سر ہے۔"

"اوہ ____" وہ دلکشی سے مسکرایا۔ "مگر اس میں زیادہ کریڈٹ تو تمہیں جاتا ہے۔" وہ پُر شوق نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے؟"

"میرے شک کو یقین تم نے بخشا تھا۔"

"ارے ____" وہ جھینپ سی گئی۔ سرمئی چادر کے ہالے میں دمکتا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"سر حیدر تو خیریت سے ہیں نا؟" وہ سوچ کر جلدی سے بولی۔

"ہاں ____ شکر ہے ____ بس کچھ کمزوری ہو گئے ہیں اور قدرے دُکھی بھی ہیں۔ آخر اپنے ہی شاگرد کی اس حرکت پر ملول ہونا تو فطری بات ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔ یہ موضوع ہی اتنا نازک تھا۔

"ریحان پراچہ کا جرم ناقابل معافی ہے۔ اسے اس کی سخت سزا ملنی چاہئے۔ اور پھر اس پر تو کئی اور کیس بنتے ہیں جامعہ سے ہٹ کر بھی دہشت گردی کے۔"

"بہت دکھ ہوتا ہے اشمل خان! جب ایک اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور متمول گھرانے کے لڑکے ایسی اوچھی حرکت کرتے ہیں۔ صحت مند ذہن اور صحت مند جسم تو اس ملک کے مسائل حل کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ انہیں کوئی ذاتی مسائل درپیش نہیں ہوتے۔ انہیں تو بڑھ چڑھ کر ملکی ترقی کے کاموں میں حصہ لینا چاہئے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہے۔ تمام مسائل سے بے فکرے نوجوان اصلاحی کاموں کی بجائے تخریب کاری میں ملوث نظر آتے ہیں ____ یہ المیہ ہے آج کا۔" وہ قدرے متاسف ہو کر بولی۔

"بالکل ٹھیک کہتی ہو تم ہشمینہ! یہ سب کچھ اتنا بڑھ چکا ہے، ان کے پیچھے اتنے مضبوط ہاتھوں کی سپورٹ ہے کہ انہیں گرانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔"

"اشمل! کال ہے تمہاری۔" نعیم جان تیزی سے اس کے قریب آیا۔ اس کی اطلاع پر وہ دونوں چونکے۔

"میری کال؟"

"ہاں، ڈی ایس پی منظور احمد کی ہے۔"

"اچھا ۔۔۔۔۔۔ اچھا ۔۔۔۔۔۔ میں آتا ہوں۔" اس نے سر ہلایا اور نعیم جان کو جواب دے کر ہشمینہ کی طرف مڑا۔ "پلیز تم میرے آفس میں بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں ۔۔۔۔۔۔ ضروری باتیں۔" اس نے آخری لفظ پر زور دیا۔ وہ جو جانے کے لئے پلٹی تھی اس کی بات پر رکی اور قدرے حیران ہوئی۔

”جی ___ معافیاں مانگنی ہیں نا۔ کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ کہے ہوئے جملوں کی۔“ وہ کھل کر مسکرایا۔ اپنی اسی دلکشی اور بے پناہ شگفتگی کے ساتھ۔

”پلیز!“ وہ اُسے گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر بولا تو وہ ہولے سے مسکرادی اور اپنے اسی اعتماد کے ساتھ چلتی ہوئی آفس کی جانب بڑھ گئی۔

احسن اُسے آفس میں داخل ہوتے دیکھ کر بری طرح چونکا اور قدرے ششدر ہو کر ہشمینہ ابرار کو گھورنے لگا۔

یہ پہلی بار ہوا تھا کہ تنے تنے چہرے والی ہشمینہ بے حد شائستگی اور نرم چہرے کے ساتھ قدم اٹھاتی ان کے آفس آئی تھی۔

”مجھے ویلکم نہیں کہیں گے؟“ اُسے احسن کے ہونق چہرے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آئی مگر اس نے بہ دقت تمام اسے لبوں پر پھیلنے سے روک لیا۔

”کک۔۔۔۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔ موسٹ ویلکم۔“ وہ جلدی سے چونکا اور کرسی کھینچ کر اسے پیش کی۔ ”پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کی اور اشمل کی دوستی کو کتنے گھنٹے گزرے ہیں؟“ اس کے تجسّس نے سر ابھارا۔ ”سنا ہے آپ کی اشمل خان سے کچھ رشتہ داری بھی نمودار ہوئی ہے۔ مگر یہ دوستی اس رشتہ سے ہرگز نہیں لگتی۔ بلکہ یہ تو صرف چند گھنٹے پیشتر کا انقلاب لگتا ہے۔“

”آپ کیا اس آفس کی چوکیداری ہی کرتے رہتے ہیں؟ کوئی پیریڈ اٹینڈ نہیں کرتے؟“ اس نے بڑی خوبصورتی سے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

”کسی نہ کسی کو تو چوکیداری کرنا ہی ہے نا۔ یہاں کے ہلڑ باز لڑکے سارے سامان کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔“ اس نے کہا تو ہشمینہ مسکرادی۔

”خوب ___ ہلڑ بازی گروپس کو آپ تنہا کیسے قابو میں کر سکتے ہیں؟ جبکہ اسلحہ سے آپ لوگ گریزاں ہیں۔“ اس کے لہجے میں شرارت آمیز طنز تھا۔

احسن بھرپور انداز میں ہنس دیا۔

”تو گویا ہشمینہ صاحبہ! آپ نے ہماری اس خوبی کا اعتراف کر لیا۔“ احسن اُسے گھیرنا چاہتا تھا۔ وہ گھما پھرا کر اشمل خان سے اس کی دوستی کی بازپرس کرنا چاہتا تھا۔

”صداقت اپنا آپ منوا لیتی ہے۔“ اس نے کھلے دل سے اشمل خان کو سراہا تو احسن متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہشمینہ ابرار اس حد تک بدل چکی ہے ___ یہ اشمل خان کی سحر انگیز شخصیت کا کمال تھا یا پھر ریحان پراچہ کی حرکتوں نے اُسے ینگ فیڈریشن سے متنفر کر دیا ہے۔ اس نے اپنی اس سوچ کو سوال کا روپ دے دیا۔

”ریحان پراچہ کی غلط ریپوٹیشن نمایاں ہونے کے باعث آپ نے وہ راستہ بدل دیا ہے یا۔۔۔۔۔۔ اشمل۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے ہماری پارٹی کی صداقت نے آپ کو رائے بدلنے پر مجبور کر دیا ہے؟“

احسن کی بات پر وہ سٹپٹا گئی۔ مگر ابھی کوئی جواب دینے نہ پائی تھی کہ اشمل خان آفس میں داخل ہوا۔ سرخ سرخ چہرے کے ساتھ۔ اس کی ستواں ناک کے نتھنے غصے سے پھول رہے تھے۔ اس کے ساتھ نعیم جان بھی تھا۔

اس نے زور سے دروازے کو اپنے پشاوری چپل کی نوک سے دھکیلا تھا۔ ”اتنا بے بس ہے یہ قانون ___ صاحب عشرت لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔“ اس کا لہجہ آگ بھرا ہوا تھا۔

”کیا ہوا اشمل خان؟“ احسن گھبرا کر کرسی چھوڑ کر اس کی طرف بڑھا۔

”وہی جو ہوتا آیا ہے اور شاید ہوتا رہے گا۔ اس لئے کہ مفاد پرست لوگوں نے قانون کی وردیاں پہن لی ہیں۔“

"کیا ریحان پراچہ کو رہا کر دیا گیا ہے؟" ہثمینہ اس کے جملوں سے صحیح نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بولی تو اشمل خان نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر زور سے لب بھینچ لئے۔

احسن سناٹے میں رہ گیا۔ "مگر اشمل! ڈی ایس پی منظور احمد نے تو ہمیں یقین۔۔۔۔۔"

"اونہہ! ڈی ایس پی منظور ___ اُس سے اوپر کے لوگوں نے اپنا ضمیر بیچ دیا ہے۔" اُس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور پھر خود کو کرسی پر گرا لیا۔

اس لمحے اُسے اپنا آپ سخت بے بس اور بے کار محسوس ہو رہا تھا۔ استادوں کی عزت سرعام اچھالنے والے، معاشرے میں بگاڑ پیدا کر کے جامعہ کا نظام درہم برہم کرنے والوں کے لئے کسی قسم کی زنجیریں نہیں ہیں۔ کیسا نظام ہے یہ ___ کیسے سدھرے گا یہ معاشرہ؟ ___ کیسے تعلیمی ماحول امن میں سانس لے گا؟ ___ قانون نے اپنا وقار بیچ دیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں زنجیریں پہنانے والوں نے خود ان کی دولت اور ان کے اثر ورسوخ کی زنجیریں اپنے ہاتھوں اور پیروں میں ڈال لی ہیں۔"

وہ سخت دل گرفتہ ہو رہا تھا۔ بھوری بھوری آنکھوں میں دُکھ ہلکورے لینے لگا۔

"اشمل خان! آپ اتنی جلدی مایوس ہو گئے۔" ہثمینہ کے دل پر گھونسا سا لگا۔ اتنا مضبوط شخص اتنی جلدی ڈھے جائے، اُسے یہ کب گوارا تھا۔ "نہیں اشمل خان! آپ جیسے بلند حوصلہ اور مضبوط کردار کے انسان کو اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو اچھائی اور رسوائی کی راہ میں آنے والی معمولی رکاوٹیں ہیں۔ برائی ایک نقطہ ہوتی ہے مگر جلد ہی اس کا دائرہ بڑا ہو جاتا ہے۔ مگر سچائی کے دائرے کو وسیع کرنے کے لئے بہت وقت درکار ہوتا ہے اور بہت ہمت، حوصلہ۔ آپ میں یہ ساری خوبیاں ہیں۔ آپ ہی پہلی چوٹ میں ہمت ہار دیں گے تو ان لوگوں کا کیا ہوگا جنہوں نے آپ سے ڈھیروں امیدیں باندھ رکھی ہیں؟ اور جو جامعہ کے مستقبل کا خوش آئند تصور محض آپ کے توسط سے دیکھ

رہے ہیں۔'

وہ اس کے سامنے کھڑی اس کا عزم تازہ کر رہی تھی ___ اس کے گرفتہ دل کو تھپک رہی تھی۔

اشمل خان نے اپنی بھاری پلکیں اٹھا کر اس نازک سی مگر باہمت لڑکی کو دیکھا۔ اس لمحے وہ اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی۔

"آپ کے چہرے پر مایوسی کی ہلکی دھند بھی نہیں ہونی چاہئے اشمل خان! اس لئے کہ آپ تو خود شفاف اور روشن راستہ دکھانے والے ہیں۔" وہ نگاہیں ملنے پر دھیرے سے مسکرائی تو اشمل خان کے لبوں پر بھی دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اوکے ___ ٹھیک کہتی ہو تم۔ مجھے اتنی جلدی اپ سیٹ نہیں ہونا چاہئے تھا۔" وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے تھے۔ رگوں میں کھولتا خون پھر متوازن ہو گیا۔

"احسن! تم تو بے کار ہی میرے دوست بنے ہو ___ دوست تو دیکھو، ہثمینہ جیسی ہونی چاہئے۔" اس نے اپنی جگہ گم صم کھڑے احسن پر چوٹ کی اور پھر ہثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جانے کیسے رنگ تھے کہ ہثمینہ کی دراز پلکیں سحر انگیز آنکھوں پر سایہ فگن ہو گئیں۔

"ہاں، ہاں بھئی۔ جب نئے دوست بنتے ہیں تو پرانوں میں سو کیڑے نظر آتے ہیں۔" احسن کھسیاہٹ اور قدرے ناراضگی سے اشمل خان کو گھورنے لگا۔

نعیم جان زور سے ہنس پڑا۔

"دیکھیں ___ دیکھیں مس ہثمینہ! حاسدوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" اس نے احسن کے چہرے کو

دیکھتے ہوئے اپنی ہنسی بمشکل روکی۔ ”ابھی سے آپ سے جیلس ہو گیا۔“

”تو اس میں جیلس ہونے کی کیا بات ہے؟“ احسن جلدی سے بولا۔ ”میری جو حیثیت اشمل کے دل میں ہے، وہ مقدم ہے۔ اور مس ہشمینہ کی حیثیت وہ نہیں، جو میری ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میں تو اس کا دوست ہوں اور یہ۔۔۔۔۔۔“

”احسن!“ اشمل خان نے بالکل اچانک قدرے تیز آواز میں اس کا جملہ کاٹ دیا۔ احسن کی معنی خیز مسکراہٹ نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ آگے کیا کہنے والا تھا۔

”میرا شاید پیریڈ شروع ہو گیا ہو گا۔ میں چلتی ہوں۔“ ہشمینہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے دل کی رفتار یکدم غیر ہموار سی ہو گئی تھی۔ وہ بہر حال اتنی کم فہم، سادہ لوح ہر گز نہ تھی کہ احسن کے معنی خیز تبسم اور اس کے ادھورے جملے کا مفہوم نہ سمجھ پاتی۔

اس کے جاتے ہی نعیم جان بھی اپنا پیریڈ لینے چلا گیا جبکہ اشمل بگڑے تیوروں کے ساتھ احسن کی طرف بڑھا۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے فضول انسان ہو احسن!___ کم از کم کچھ کہنے سے پہلے سوچ تو لیا کرو۔ ورنہ خاموش ہی رہو۔“

”ارے واہ___ میں کیوں فضول ہونے لگا؟ صرف اس لئے کہ تمہارے دل کے اندر تک جھانک آیا ہوں یا اس لئے کہ۔۔۔۔۔۔“

”نہیں___ اس لئے کہ تم ساری غلط بکواس کرتے ہو۔ سراسر فضول اور بے کار باتیں جو کوئی معنی نہیں رکھتیں۔“

”ہا۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔“ احسن کا قہقہہ چھت کو پھاڑے دے رہا تھا۔ اشمل خان نے لب بھینچ کر غصے سے اسے

دیکھا۔

”ارے یار! محبت تو آنکھوں، لہجے، مسکراہٹ اور انداز سے پہچان لی جاتی ہے۔ کس کس پر پردہ ڈالو گے؟ مسکراہٹیں چھپا لو گے، لہجہ بدل لو گے۔ مگر ڈیئر! آنکھیں کہاں چھپاؤ گے جو ہر راز طشت از بام کرنے پر تلی ہوئی ہیں؟“

احسن کی بات پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

’کیا احسن واقعی ٹھیک کہہ رہا ہے؟___ اس کی آنکھیں کیا اس کے دل کی بدلتی حالت کی غمازی کر رہی ہیں؟___ کیا ہشمینہ ابرار کو دیکھ کر رگوں میں مچلتے خون میں جو تیزی آجاتی ہے اس کو یہ آنکھیں ظاہر کر دیتی ہیں؟___ اگر نہیں تو پھر یہ احسن___ اُف خدایا___‘ اُس نے جلدی سے رُخ موڑ لیا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔

”احسن! اس وقت میں تمہاری فضول بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ پلیز، میں بے حد سیریس ہوں۔‘ اس نے ترشی سے کہا۔ ”ریحان پراچہ اور اس کے ساتھیوں کی رہائی نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔“ اس نے یہی ہتھیار استعمال کر کے احسن کی زبان کو لگام دے دی۔

”ہاں واقعی___ مسئلہ تو ذرا ٹیڑھا ہے۔ اگر ریحان پراچہ اس طرح کے کام کر کے رہا ہو جاتا ہے تو جامعہ کے امن و امان کے لئے سنگین خطرہ ہے۔“

”ریحان پراچہ نے سر حیدر کے کڈنیپ کے منصوبے سے پہلے ہی ہشمینہ کو آگاہ کر دیا تھا۔“ اس نے چند فائلیں میز پر رکھ کر احسن کی طرف دیکھا۔

”کیا___“ احسن اچھل پڑا۔

”ہاں۔ وہ اس کی سیکرٹری تھی اور مجھے ہشمینہ ہی نے بتایا تھا۔ ہمارے شک کو یقین میں بدلا تھا۔ مگر اب یہ مسئلہ پیدا ہو

سکتا ہے۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔ احسن تو کئی لمحے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

جس وقت مجھے ہشمینہ نے یہ بات بتائی تھی، اس وقت سکندر، لالہ زار میں اپنی فیملی کے ہمراہ آیا تھا اور میرے خیال میں ہم دونوں کو اس نے دیکھ لیا تھا۔"

"کیا۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔ یعنی تم اس دن لالہ زار میں ہشمینہ سے ملنے گئے تھے؟" احسن پر تو یکے بعد دیگرے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے گئے۔

"ہاں___" اشمل کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ بکھری اور پھر جلد ہی سمٹ گئی۔ "میں بہت پریشان ہوں۔ اگر ریحان پراچہ کے علم میں یہ بات آگئی کہ مجھ سے ملاقات میں

ہشمینہ نے اس کے منصوبے سے آگاہ کر دیا ہے تو پھر۔"

احسن بھی پریشان سا ہو گیا۔

"وہ ہشمینہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ اس سے کچھ بعید نہیں احسن! اُس کی شہرت اس معاملے میں کوئی اچھی نہیں ہے۔" اس کی کشادہ پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں ہشمینہ کے آفس سے نکلتے ہی در آئی تھی اور وہ پریشان سا ہو گیا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر احسن کی جانب دیکھا جو گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

"کیوں نہ ہم قبل از وقت ہشمینہ کو باخبر کر دیں۔" اس نے کچھ توقف کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

"ارے نہیں___ محض ایک وہم پر اُسے پریشان کیا کرنا۔" اشمل خان نے اس کی تجویز کی نفی کر دی اور پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ "خیر چھوڑو۔ ارے ہاں، کامران نیازی میرے پاس آیا تھا۔ جانتے ہو نا تم اُسے؟ ___ایم اے کا خاصا ہونہار لڑکا ہے۔"

"ہاں___" احسن نے سر ہلایا۔

"اس کی کچھ مالی پریشانی ہے۔ یہ فائل لو اور اس کا نام درج کر لو اور خود ہی اس سے مل کر اس کی فیس وغیرہ کا مسئلہ حل کر دینا۔" وہ احسن کو تاکید کرتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔ تبھی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے کوریڈور میں اُسے پروفیسر محبوب مل گئے۔

"کہاں ہوتے ہو ینگ بوائے؟ نظر ہی نہیں آتے۔" اس کے سلام کے جواب میں پروفیسر محبوب کے ہونٹوں پر شفیق مسکراہٹ بکھر گئی۔

"سر۔۔۔۔۔۔ بس کچھ مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضری نہیں دے سکا۔ سر حیدر کے اغواء نے بہت ڈسٹرب کر دیا تھا۔"

"ہاں، ہاں___یہ حیدر کے ساتھ بہت برا ہوا۔ دیکھ لو، یہ معلمی کا پیشہ بھی اب جان جوکھوں کا کام ہو کر رہ گیا ہے۔" پروفیسر محبوب کے لہجے میں تاسف تھا۔ "لیکن بیٹا! اچھے لوگوں کو ہمت نہیں ہارنا چاہیئے۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ اب تم نے بالکل ٹھیک جگہ سنبھال لی ہے۔ اگر چند لڑکے تم جیسے اور مل جائیں تو جامعہ کا ماحول ایک بار پھر بہتر ہو جائے۔ بس خدا تمہیں پریشانیوں سے بچائے رکھے۔"

"سر! مسائل تو پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بس دعا کریں کہ ہم میں ان سے نبرد آزما ہونے کی ہمت برقرار رہے۔"

"اوہ، یس___وائے ناٹ۔ آئی وِش یُو گڈ لک۔ ارے ہاں___میں تمہیں ایک مسئلے سے آگاہ کرتا ہوں۔ لڑکوں نے حامد عثمانی کی کلاس کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ بھئی اس بگڑی ہوئی صورتِ حال کو سب سے پہلے کنٹرول کرو۔"

"جی سر!___میں نے بھی اس بارے میں سنا تو ہے۔ مگر سر! میرا خیال ہے یہ اتنا غلط بھی نہیں ہے۔ میں سر حامد عثمانی کی بے حد عزت کرتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ ہمارے محترم استاد ہیں۔ لیکن سر! گستاخی معاف، فلاسفی ایک مشکل

اور اہم سبجیکٹ ہے۔ میں مانتا ہوں سر حامد عثمانی بے حد ذہین استاد ہیں۔ مگر میرے خیال میں نہ تو وہ اس سبجیکٹ پر محنت کر رہے ہیں نہ ہی اسٹوڈنٹس کو صحیح ٹائم دے رہے ہیں۔ جو اسٹوڈنٹس پڑھنا چاہتے ہیں انہیں یقیناً ان کی خواہش کے مطابق استاد ملنا چاہئے جو انہیں مطمئن کر سکے۔" اس نے بے حد دلیرانہ انداز میں حق بات کہہ دی تو پروفیسر محبوب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تم واقعی دلیر اور مضبوط لیڈر ہو ___ تم جیسے حق بات کہہ دینے والے نوجوانوں کی ہی ہمارے ملک کو ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے، میں یہ مسئلہ وائس چانسلر تک پہنچا دوں گا۔ ویسے مجھے امید ہے اب یہ مسئلہ ضرور حل ہو جائے گا۔ یونین کے دباؤ پر۔" سر محبوب نے آخری جملہ مسکرا کر کہا۔

"ہمارا مطلب کسی استاد کی دل آزاری کرنا ہرگز نہیں ہے سر! مگر یہ ضرورت ہے اسٹوڈنٹس کی۔ اور پھر یہ تو خوش آئند بات ہے کہ وہ اپنی پڑھائی کے بارے میں کافی سنجیدہ ہیں۔ پھر استاد کو بھی شاگردوں کے قلب میں تھوڑی وسعت پیدا کر لینی چاہئے۔" اس نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

"بالکل ___ مجھے یقین ہے کہ عثمانی اس بات کو زیادہ مائنڈ نہیں کریں گے۔" سر محبوب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقیناً سر! ___ اچھا سر! اب اجازت دیجئے۔" اس نے سر تسلیم خم کر کے مسکرا کر پروفیسر محبوب کو پہلے آگے بڑھنے کا راستہ دیا اور پھر خود دوسری طرف مڑ گیا۔

☆☆☆...

وہ اپنے آپ کو بمشکل گھسیٹتی ہوئی کمرے تک لائی تھی۔ پورا بدن پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ اس نے چھت کے پنکھے کو ایک نظر دیکھا۔ اسی لمحے اس کا جی چاہا، وہ دوپٹہ باندھ کر لٹک جائے۔ اُف ______ ایسی رسوائی ______ اتنی بے اعتباری۔ اس حد تک نامعتبر ٹھہرا دی گئی تھی وہ۔ مر کیوں نہ گئی اسی لمحے جب فروان کی آنکھوں میں اجنبیت کا پہلا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

تاثر اُبھرا تھا۔ اور اب ماہی آپی سوالیہ نظروں سے اُسے تک رہی تھیں۔ مگر اُسے لگ رہا تھا جیسے ان کی نگاہیں تلوار بن گئی ہوں اور سیدھی اس کے دل کے آر پار ہو رہی ہوں۔ اُس نے اپنی لال لال درد سے تپتی آنکھیں اوپر اٹھائیں اور پھر جھکا دیں۔

"فروان نے جو کچھ ______ آ ______ آپ سے کہا ہے بخدا وہ سب کچھ غلط ہے۔"

"میں صرف تمہارے منہ سے سننے آئی ہوں۔ فروان نے مجھے جو کچھ بتایا ہے اس میں کتنی صداقت ہے، یہی پوچھنے آئی ہوں۔" ماہ گل کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح حلاوت نہ تھی بلکہ بے حد اجنبیت اور کٹھور پن تھا۔ سحر گل کا دل کرچی کرچی ہو گیا۔

"آپی ______" اُس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر چکرا کر دوبارہ لڑھک گئی۔

"سحر! کیا تم اتنی پستی میں گر سکتی ہو؟ تمہارے قدم اتنے کمزور تھے کہ غلط راستوں پر اٹھ گئے؟ نہیں سحر! میرا دل نہ جانے کیوں یقین کرنے کو تیار نہیں ہو رہا۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"آ ___ پی! اس دل کو یقین کرنے بھی مت دیجئے گا خدارا۔ آپ کے علاوہ اور کون ہے جو میری بے گناہی کی گواہی دے گا۔" وہ بے اختیار اس کے شانے پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔ ماہ گل نے اُسے رونے دیا۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"مجھے سب کچھ بتا دو سحر ___ سب کچھ۔ مگر بالکل سچ سچ۔ ایک حرف بھی جھوٹ نہ ہو۔ بتاؤ سحر!" ماہی آپی نے اس کا سر ہولے سے تھپکا۔ "تم نے آج تک مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔ آج بھی میرے اس اعتماد اور اعتبار کا بھرم رکھ کر بتانا۔"

اُس نے اپنی سرخ آنکھیں اٹھا کر اپنی شفیق اور محبت کرنے والی آپی کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر دھیرے دھیرے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ منصور کا کہا ہوا ایک ایک لفظ۔ فضہ کا دھوکا ___ اور اپنی حماقت ___ اُس نے سب کچھ کھول کر

ماہی آپی کے سامنے رکھ دیا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں آپی! میں نے تو اس گھر کی عزت کی خاطر قدم باہر نکالا تھا کہ اس شخص کو واسطہ دے کر میں ایسی حرکتوں سے باز رکھ سکوں۔ یقین جانئے، میرا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

ماہ گل دُکھ کے گہرے احساس کے ساتھ کتنے ہی لمحے گم صم اُسے دیکھتی رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت رہ گئیں۔ ایک گہری تھکن ان کی نس نس میں سرایت کر گئی۔

"یہ۔۔۔۔۔۔ یہ کیا کہہ دیا سحر! تُو نے۔ اس قدر بے خوف ہو کر ___ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ کیوں چھپایا تم نے یہ سب کچھ مجھ سے؟" انہوں نے بے بسی سے لب کاٹتے ہوئے کہا اور پھر بیڈ کے کنارے سے اٹھ کر اضطرابی انداز میں اپنے ہاتھ مسلتی ہوئی اسے دیکھنے لگیں۔

"تم نے اپنے آپ کیسے اخذ کر لیا کہ میرے پاس اس مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ اور تمہارا یہ اقدام کون سا اچھا حل ہے بے وقوف لڑکی!" انہیں اب غصہ آ گیا۔ "سچ پوچھو تو سحر! میں نے آج تک اتنی احمق لڑکی نہیں دیکھی۔ فرض کرو، اگر خدانخواستہ اس گھر کی عزت پر حرف آ جاتا، تمہاری یہ نادانی تمہیں لے ڈوبتی پھر؟"

"خدا نہ کرے آپی!" سحر تڑپ اٹھی۔ "اب کیا ہو گا آپی! ___" وہ مایوس ہونے لگی اور پھر نڈھال سی ہو کر گھٹنے پر سر رکھ دیا۔ "کتنی نامعتبر ہو گئی ہوں آپی! ناکردہ جرم نے مجھے کتنا رسوا کر ڈالا ___ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار ہوئی ہوں۔ کون کرے گا اب میری پارسائی کا یقین۔ کیسے فروان کی نگاہوں کا سامنا کر سکوں گی؟ اس کے دل نے تو مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے اعتبار بنا ڈالا۔ کاش ___ کاش موت آ جائے ابھی اور اسی وقت۔" وہ رو دی۔

"سحر ___!" ماہ گل کا دل خون ہو گیا۔ اس نے اس کے قریب بیٹھ کر اُسے گلے سے بھینچ لیا۔ یہ اس کی چھوٹی اور معصوم بہن جو فرشتوں جیسی پاکیزہ ہے، اس کے شفاف دامن پر کیوں کر حرف آئے۔ اسے ناکردہ جرم کی سزا کیوں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ملے۔ ابھی تو اس نے زندگی کی رنگینی میں قدم رکھا ہے۔ ابھی تو اس نے خوشیوں کی تتلیوں کو چھونا ہی سیکھا ہے، قید نہیں کیا۔ پھر ابھی سے کیوں اس کے مقدر میں ایسے دُکھ رقم ہو جائیں۔ یہ تو بے گناہ ہے۔ پھر اسے کیونکر تاریکیاں ملیں۔

"نہیں ___ نہیں سحر! فروان تو جذباتی ہے۔ اُس کی آنکھوں پر صرف غلط فہمی کا پردہ آ پڑا ہے جو اُتر جائے گا۔" ماہی نے اُسے محبت سے تسلی دی۔

"سچ آپی! کیا فروان میری بے گناہی کا یقین کر لے گا؟" اس نے بے یقینی سے ماہ گل کو دیکھا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔ بالکل۔۔۔۔۔۔ اُسے یقین کرنا پڑے گا۔ اُسے یہ ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ تمہارے معصوم وجود پر کوئی شبہ بھی دل میں لائے۔ وہ ابھی نادان ہے، چھوٹا ہے۔ یہ جو بھائی ہوتے ہیں نا سحر! یہ بہنوں کو اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ غیرت مند ہوتے ہیں اس لئے ایسے معاملوں میں بہت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ معاشرے کی کوئی غلاظت ان کی دہلیز کو نہ چھو پائے۔ محافظ ہوتے ہیں نا بہنوں کے۔ تم دل چھوٹا مت کرو ___ میں اُسے سمجھاؤں گی۔ تمہیں تو وہ بہت چاہتا ہے۔ بہت پیار کرتا ہے تم سے۔ پھر بھلا کیسے تمہاری بے گناہی کا یقین نہ آئے گا۔" ماہ گل نے اُسے دیکھا اور پھر نم رخساروں کو اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔

"آئندہ ایسی نادانی کبھی مت کرنا ___ تم آگ کی طرف بڑھی تھیں۔ صد شکر کہ جلنے سے بچ گئیں۔ یہ مرد ہوتے ہی ایسے ہیں۔ چالاک، عیار۔ خوبصورت لفظوں کی ان کے پاس کمی نہیں ہوتی۔ اور ایسے لڑکے تو لہجوں اور نگاہوں سے نادان لڑکیوں کو اسیر کرنا جانتے ہیں۔ اور جب کوئی معصوم مگر مضبوط کردار کی لڑکی سے مقابلہ ہوتا ہے تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آتے ہیں اور بلیک میل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ بڑوں کو ضرور آگاہ کرنا چاہئے۔ کمزوری کا کوئی پہلو انہیں نہیں دکھانا چاہئے۔ تم نے مجھے نہ بتا کر بڑی غلطی کر دی۔ مگر خیر، آئندہ خیال

رکھنا۔"

"ماہی آپی! بس فروان کی نگاہوں اور دل میں میرے لئے وہی اعتبار، وہی پیار لوٹا دیں۔ میری وہی پارسائی۔۔۔۔۔۔" فروان کی سلگتی نگاہوں کا تصور کر کے وہ ایک بار پھر بکھرنے لگی۔

ماہ گل نے اس کے بوجھ کو کسی حد تک کم کر دیا تھا۔ مگر فروان تو قتلِ عمد پر تیار تھا۔ اس نے ماہ گل کو ملتجی نظروں سے دیکھا

"آ۔۔۔۔۔۔آپ فروان سے۔۔۔۔۔۔"

"میں نے کہا نا___وہ کیونکر تمہاری بے گناہی کا یقین نہیں کرے گا۔ اب تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ دیکھو، ابھی گھر کے دوسرے افراد جو ابھی تک لاعلم ہیں ایسا نہ ہو کہ بات پھیل جائے اور پھر فرداً فرداً سب کو مطمئن کرنا پڑے۔" ماہ گل نے کہا تو سحر گل سہم گئی اور دوپٹے کے کنارے سے جلدی جلدی بھیگا چہرہ رگڑنے لگی۔ اُسے تو یہ خیال ہی نہ رہا تھا کہ اس گھر میں دوسرے افراد بھی ہیں۔ اور پھر ایسی باتیں تو تند و تیز ہوا میں نازک تنکے کی طرح ہوتی ہیں جو اُڑ کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہیں۔

ماہی آپی نے اس کے زخموں پر بہت نرمی سے مرہم رکھا تھا۔ وہ جان لیوا دکھ جو کچھ دیر قبل اُسے خودکشی پر اُکسا چکا تھا، کتنا ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اس کے بے قرار دل کو کتنی تقویت ملی تھی۔ اتھل پتھل دل میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ مگر اب بھی ایک تھکن تھی، ایک خوف سینے کی تہہ سے آزاد نہ ہو رہا تھا۔

'نہ جانے فروان، ماہی آپی کی بات پر یقین لاتا بھی ہے یا نہیں۔' اُس نے آپی کو باہر جاتے دیکھ کر سوچا۔

ماہ گل اس کے کمرے سے نکل کر فروان کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ مگر کمرہ خالی تھا۔ فروان گھر میں موجود نہیں تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"فروان دیر سے آنے کا کہہ کر گیا ہے___شاید اُسے کوئی ضروری کام تھا۔" شاردا بھابی نے اُسے بتایا اور وہ سوچ کر رہ گئی کہ یقیناً وہ اتنا اپ سیٹ ہے کہ فرار کی راہ ڈھونڈ رہا ہے۔ 'مگر فروان! تمہیں اب سکون اس وقت ملے گا جب دل کا بوجھ ہلکا ہو گا۔ اور یہ بوجھ اصل حالات جان کر ہلکا ہو گا۔'

"کوئی ضروری کام تھا فروان سے؟" بھابی نے اُسے منتظر دیکھ کر کچن کی طرف جاتے جاتے رک کر پوچھا تو وہ چونک گئیں۔

"آں۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔نہیں، کوئی خاص کام تو نہیں۔ بس گڈو کو زکام ہو گیا ہے۔ وہ ہوتا تو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔" اس نے شاردا بھابی کی کھوجتی نگاہوں کو دیکھ کر جلدی سے بہانہ بنایا۔

"ہاں___آئس کریم بھی بہت کھاتا ہے نا۔ کل زمان بھی لے گئے تھے۔ میں نے منع بھی کیا کہ ماہی نے اسے آئس کریم کھانے کو منع کیا ہے پر وہ نہیں مانے۔ موسم بھی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ میں جوشاندہ بنا دوں؟" انہوں نے جلدی سے پیش کش بھی کر دی۔ انہیں اپنے بھائی مسعود شاہ کا بیٹا دل و جان سے عزیز تھا۔ اور وہ تو تھا بھی اتنا پیارا، خوبصورت، صحت مند اور خوب شرارتی۔ اور پھر شاردا بھابی خود اولاد جیسی نعمت سے ابھی محروم تھیں۔ بلکہ انہیں محروم رہنے کی سزا دے دی تھی زمان خان نے۔

"میں ابھی بنا دیتی ہوں جوشاندہ۔ یوں چٹکی بجاتے ہی زکام غائب ہو جائے گا۔" وہ ماہ گل کو خاموش پا کر بولیں اور ان کا جواب سنے بغیر کچن میں چلی گئیں۔ ماہ گل نے کوئی تردّد نہیں کیا۔ وہ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ تھی۔ اور اس کا ذہن فروان ہی میں الجھا ہوا تھا۔ وہ اتنے غصے میں اور منتشر ذہن کے ساتھ نکلا ہے باہر___خدا اُسے خیر سے رکھے۔

رات کو ڈنر پر بھی فروان نہیں آیا۔ ماہ گل بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔ پھر نہ جانے کتنی رات ہو گئی۔ رات کے کوئی

بارہ بجے کے قریب وہ گھر واپس آیا۔ ماہ گل لان میں ہی بیٹھی تھی۔ فروان نے لان کے راستے اندر بڑھنا چاہا تو ٹھٹک گیا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟" وہ ان کے قریب آیا۔

"ہاں ___ تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور اس کی طرف بڑھیں۔

"میرا انتظار؟" وہ متعجب ہوا۔

"ہاں ___ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ کس موضوع پر، یہ تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔" فروان کے لب بھنچ گئے۔

"میں اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔" اس نے تند لہجے میں کہا اور پلٹ کر اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

"فروان ___" ماہ گل کا لہجہ تیز اور تحکم آمیز ہو گیا۔ "بہنیں اگر بڑی بھی ہوں تو بھائیوں کے اونچے قد کے سامنے، ان کے رُتبہ کے سامنے چھوٹی لگتی ہیں۔ مگر ضروری نہیں کہ ان کی باتیں اس قابل نہ ہوں کہ سنی نہ جائیں۔"

"آپی ___" وہ زچ ہو گیا۔ "میں بہت تھک گیا ہوں۔ اور میں سونا چاہتا ہوں۔"

"نہیں ___ میں جانتی ہوں تمہیں اس وقت نیند نہیں آئے گی۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا جہاں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ "یہ جو تم اپنے دل پر بوجھ لئے فرار کی راہ ڈھونڈنے کی سعی میں ہو، ذہن پر چھائے اس عفریت سے نجات پانے کی کوشش میں ہو۔ مگر اس پریشانی کا حل نہ گھر سے باہر ہے نہ سڑکوں پر۔ اس کا حل یہیں، اسی گھر میں ہے۔ میری باتوں میں ہے۔ اگر تم توجہ سے سنو تو۔ آؤ میرے ساتھ کمرے میں۔" ماہ گل نے کہا اور آگے بڑھ گئی تو وہ بھی بادلِ نخواستہ ان کے پیچھے چلا آیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ماہ گل اپنے کمرے میں آئیں تو بیڈ کے کنارے پر گڈو گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس نے ٹیبل لیمپ آن کر دیا اور فروان کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود پلنگ کی پائنتی پر بیٹھ گئی۔

"فروان! تمہارا غصہ اپنی جگہ درست تھا۔ تمہاری یہ پریشانی بجا ہے۔ مگر ہم نے جو نتیجہ اخذ کر لیا ہے وہ ہرگز نہیں ہے۔ سحر گل اتنی قصوروار نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔ خدا نے ہماری عزت کی لاج رکھ لی ہے فروان!" انہوں نے رات کے سکوت کا احساس کرتے ہوئے آواز کو قدرے آہستہ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ سچ کہنے کے لئے۔۔۔۔۔۔'

"ہاں ___ میں نے صرف سچ کہنے کے لئے تمہیں بلایا ہے اور تمہیں سننا ہے ہر حال میں۔" ماہ گل نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "فروان! تمہیں یہ حق ہرگز نہیں کہ تم بغیر ثبوت کے اتنا رکیک الزام لگا دو۔ تمہیں پہلے پوری صورتِ حال کو جاننا چاہئے کہ معاملہ کیا ہے۔" وہ ایک لمحے کو رک گئیں۔

فروان دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پیوست کئے مضطرب سا بیٹھا تھا، یکدم کھڑا ہو گیا۔

"تو پھر مجھے بتایئے وہ کہاں گئی تھی اور کہاں سے بھاگ کر نکلی تھی؟ ___ کیوں وہ اتنی خوفزدہ تھی؟ ___ کیوں اس نے میری کسی بات کو رد نہیں کیا؟ ___ صفائی میں ایک لفظ نہ بول پائی۔"

"آہستہ فروان!" انہوں نے جلدی سے اُسے وقت کی نزاکت کا احساس دلایا۔ "میں نہیں چاہتی کہ یہ بے بنیاد بات زیادہ پھیلے۔" ان کے لہجے میں برہمی تھی۔ فروان نے اُلجھ کر انہیں دیکھا۔

"فروان! اگر کسی انسان پر کوئی غیر متوقع الزام لگا دیا جائے، ایسا الزام جو اس شخص کے لئے بے پناہ اذیت کا باعث ہو تو سارے لفظ گرفت سے نکل جاتے ہیں۔ زبان ایسے حادثے میں گنگ رہ جاتی ہے اور قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔ خاص کر جب الزام لگانے والا اس کا سگا ہو۔ اور پھر حالات بھی خود بخود ایسے ہو جائیں کہ اس کی باتوں کو غیر یقینی

بنادیں تو خاموش رہنا مجبوری ہو جاتی ہے۔ سحر بھی اپنی صفائی میں تم سے اس لئے کوئی لفظ نہ کہہ سکی تھی کہ اس وقت جو حالات تھے انہوں نے اس کے حق میں سارے لفظوں کو بے حیثیت بنا دیا تھا۔ اُس کی اپنی قوتِ گویائی بھی تمہارے غصہ اور اچانک عمل نے سلب کر دی۔ جانتے ہو، وہ تو اس گھر کی عزت کو بچانے کے لئے نکلی تھی۔ مگر تم نے اُسے گناہ گار بنا ڈالا۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں ____ پلیز کھل کر کہئے۔" فروان کے پلے کچھ بھی نہ پڑ رہا تھا۔ وہ اور بھی اُلجھ رہا تھا۔

"پہلے میری ایک بات سن لو فروان! بہنیں اس لئے بھائیوں کو کبھی اپنے راز میں شریک نہیں کرتیں کہ وہ کمزور پر ہی اُلٹ پڑتے ہیں۔ نام نہاد غیرت و حمیت کے جوش میں مجرم کے ساتھ ملزم کو بھی پیٹ ڈالتے ہیں۔" ماہ گل کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔ اسی لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے مسعود شاہ کا سراپا لہرایا جو اپنی نام نہاد غیرت کے زعم میں اُسے روند گیا تھا۔

"میں سب جانتی تھی۔ منصور ہے اُس لڑکے کا نام جو سحر گل کو کافی عرصے سے پریشان کرتا آرہا ہے۔"

"کیا ____ کون؟ ____ آپ نے مجھے نہیں بتایا۔" فروان ایک دم اُچھل پڑا۔

"سنو پہلے میری بات۔" میں نے اُسے روک دیا۔ "وہ بات آئی گئی ہو گئی تھی۔ سحر نے گھبرا کر مجھے بتا دیا تھا۔ اس لڑکے نے فضول سا خط جبراً اسے دے دیا تھا مگر سحر ایگزام ہو جانے کے بعد گھر میں مقید ہو گئی تو ہم دونوں مطمئن ہو گئے کہ اب وہ بلا خود بخود ٹل جائے گی۔ مگر یہ ہماری خام خیالی تھی۔ وہ لڑکا گھر تک آگیا اور سحر نے مارے خوف کے مجھے یہ بات نہیں بتائی کہ اس لڑکے نے دھمکی دے کر ملاقات کی فرمائش کی ہے۔ خود اس کی دوست فضہ کے گھر پر۔ بس یہی اس سے سب سے بڑی غلطی سرزد ہو گئی۔ جانتے ہو فروان! اُس نے مجھ سے کیوں چھپایا؟" انہوں نے فروان کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں دُکھ کے جالے دبیز ہو گئے۔

"اس خوف سے کہ اس کا تدارک میں فروان یا زمان بھائی کے ہاتھوں کروں گی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ بات بھائیوں کے علم میں آئے۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے فروان! کہ بھائی یوں تو بہنوں کے محافظ بنتے ہیں مگر جہاں کہیں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں وہ سدا بہنوں کو قصوروار جان کر ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بہن بے قصور ہے۔ یہ دنیا مردوں کی ہے۔ مرد ہزار چالیں چل کر معصوم لڑکیوں کو نہ جانے کیسے کیسے لفظوں میں اسیر کرتے ہیں۔ اگر مرد اپنی اونچی چھت سے لڑکی کو تاکتا ہے تو قصور تو مرد ہی کا ہوا نا۔ جبکہ تم بھائی اس شخص کی آنکھیں پھوڑنے کی بجائے بہنوں پر پابندیاں شدید کر دیتے ہو۔ ان کے آگے ہزار پردے ڈال دو گے کہ وہ خود اپنی نظروں میں مجرم بن جائیں گی۔ سارا مسئلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے فروان!" ماہ گل کی آواز رندھ گئی۔ اُنہوں نے چہرہ جھکا لیا۔

"اس گھر میں عورت کو مرد کے ہاتھوں دُکھ مل رہے ہیں۔ یہ عورت کا المیہ نہیں تو کیا ہے۔" انہوں نے سر اٹھا کر فروان کو دیکھا۔ وہ مضطرب سا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"سحر کو بھی اسی خوف نے یہ غلط قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس لڑکے کو اس حرکت سے باز رہنے کا واسطہ دینے گئی مگر پھر اسے آگے بڑھتے دیکھ کر فرار چاہا۔ اُسے وہاں سے تو فرار مل گیا مگر گلی میں نکلتے ہی تم نے اس کے اپنے ہوتے ہوئے بھی اس کی راہیں مسدود کر دیں۔ اُسے ایک نئے کرب میں ڈال دیا۔ بجائے اس کے کہ مجرم کو سزا دیتے، تم اسے ہی ختم کر دینے نکلے۔ پھر بھائیوں پر کیسا مان، تحفظ کا کیسا احساس جاگے جب تم بغیر تحقیق ہی اُسے مرنے مارنے پر تل گئے۔ اُسے گھر کی چھت کے نیچے ہی رسوا کرنے کے درپے ہو گئے۔"

"آپی! سحر واقعی بے قصور ہے؟" فروان کی کیفیت عجیب سی ہو گئی۔ وہ ماہ گل کے قریب آکر اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ کر انہیں بے یقینی کے سے انداز میں دیکھتا رہا۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔ہاں فروان! نہ صرف بے قصور ہے بلکہ فرشتوں جیسی پاک اور معصوم۔ اُسے تو تم پر بڑا مان ہے۔ اُسے تو ہمیشہ سے یہ زعم رہا تھا کہ تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ ذہنی ہم آہنگی ہے۔ ایک ساتھ کھیل کود کر بڑے ہوئے ہو۔ وہ تو ہمیشہ یہ کہتی تھی کہ مجھے کوئی سمجھے نہ سمجھے، فرو مجھے سمجھتا ہے۔ ہم دونوں کچھ کہے بنا بھی ایک دوسرے کی بات سمجھ لیتے ہیں۔ پھر___ پھر فروان! تم نے اس کو کیوں اتنی اذیت دی؟" انہوں نے اس کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرا اور بے آواز رو دیں۔

"اوہ خدایا___ مجھے یہ سب خبر ہوتی تو بخدا میں ایسی حرکت کا مرتکب ہر گز نہ ہوتا۔ مجھے معاف کر دیں آپی___ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔" وہ بچوں کی طرح بلک اٹھا۔

"ارے پاگل ہو تم تو___ چلو اُٹھو۔" ماہ گل اس کے یوں رونے پر بے قرار ہو گئی اور اُسے کندھوں سے تھام کر کھڑا کیا۔

"آپی! میں ابھی سحر سے معافی مانگتا ہوں۔" وہ پلٹ کر کمرے سے نکلنے لگا تو ماہ گل نے اُسے روک دیا۔ اس کے دل سے اتنی وزنی سل لڑھکتی چلی گئی۔ فروان کے چہرے پر چھائی ندامت

انہیں مسرور کر گئی۔ ان کی معصوم بہن پھر با اعتبار ہو گئی تھی۔

"غلطیاں تو انسان سے ہی ہوتی ہیں فروان! ہم دونوں مل کر پھر اُسے منا لیں گے۔ وہ بہت خوش ہو گی۔"

"ہاں آپی! مجھے یقین ہے وہ مجھے معاف کر دے گی۔ وہ زیادہ دیر مجھ سے خفا ہی نہیں رہ سکتی۔ میں اُسے جانتا ہوں۔" فروان بھاری لہجے میں بولا اور پھر تیزی سے کمرے کا پردہ اُٹھا کر نکل گیا۔

☆☆☆...

ناشتے کے دوران بابا خان حسب معمول اخبار پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔ چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے وہ بدستور نگاہیں اخبار پر جمائے ہوئے تھے۔ اچانک وہ چونکے۔

"توبہ ہے___ آپ تو چائے کے ساتھ اخبار بھی گھول کر پی لیا کیجئے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کاغذوں کے بغیر آپ نے ناشتہ کیا ہو۔" شاہ خانم جھنجلا گئیں۔ ان کے آگے پراٹھے رکھے تھے جنہیں مہروز خان نے ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

"کیا کوئی بہت اہم خبر ہے بابا؟" اشارا نے پوچھا۔

"آں۔۔۔۔۔۔ ارے یہ اشمل بھی پاگل ہوا ہے۔ کیا ضرورت ہے اُسے ان بکھیڑوں میں اُلجھنے کی۔" انہوں نے جیسے اشارا یا شاہ خانم کی آواز ہی نہیں سنی تھی۔

"ایں۔۔۔۔۔۔ اشمل۔۔۔۔۔۔ خدا خیر کرے، یہ اشمل کا کیا ذکر آیا ہے؟" شاہ خانم، اشمل کے نام پر چونکیں۔ اشارا بھی متوجہ ہو گئی۔ بابا خان نے اخبار شاہ خانم کی طرف بڑھایا۔

"موصوف یونین کے صدر بنے ہیں۔ مخالف گروپ نے کسی پروفیسر کو اغوا کر لیا تھا۔ اشمل خان کی مدد سے پولیس نے انہیں بازیاب کرا لیا۔ لڑکے گرفتار ہو گئے ہیں۔ کسی بڑے صنعت کار کا بیٹا بھی ملوث ہے۔" انہوں نے شاہ خانم کے آگے اخبار رکھتے ہوئے پوری تفصیل بتائی۔ "اب بتاؤ کیوں یہ دشمنیاں مول لے رہا ہے؟ یہ اسٹوڈنٹ یونین کے جھگڑے تو بہت خطرناک صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ اور وہ ویسے بھی جذباتی ہے۔" مہروز خان کو فکر پڑ گئی۔ شاہ خانم بھی خوفزدہ ہو گئیں۔

"کون سمجھائے اسے___ میری تو سنتا ہی نہیں ہے۔" شاہ خانم نے اخبار رول کر کے ناراضگی کے انداز میں دور

پھینک دیا۔

”اشتار! بیٹا! ذرا اس کے ہوسٹل کا فون نمبر تو دینا۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔“ وہ از حد پریشان ہو گئے۔ اولاد کے معاملے میں وہ بزدل بن گئے۔ حالانکہ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ یونیورسٹی میں اس دور سے نہ گزرے تھے۔ وہ خود بھی اپنے طالب علمی کے زمانے میں ایکٹیو گروپس کے ساتھ پیش پیش ہوتے تھے۔ مگر اب اولاد ___ وہ بھی آنکھوں سے دُور ہو تو نڈر اور جری مرد کا دل بھی چڑیا جتنا ہو جاتا ہے۔

انہوں نے اٹھ کر جلدی سے ہاسٹل کا نمبر رِنگ کیا۔ شاہ خانم نے انہیں دیکھا۔

”فضول ہے آپ کا فون کرنا۔ وہ کب مانے گا۔“

”مگر اُسے تاکید تو کر سکتا ہوں ان جھگڑوں سے دور رہنے کی۔“ انہوں نے نمبر ملاتے ہوئے کہا اور پھر نمبر ملتے ہی بولے۔

”ہیلو ___ مجھے اشمل سے بات کرنی ہے۔ اشمل خان خل زئی۔“

تھوڑی دیر بعد اشمل خان کی آواز اُبھری۔

”ہیلو ___ کون صاحب بول رہے ہیں؟“

”میں، مہروز۔“

”اوہ ___ باباخان! آپ کیسے ہیں؟ اور یہ صبح صبح فون کرنا ___ خیریت تو ہے؟ میں ابھی یونیورسٹی جانے کے لئے نکل ہی رہا تھا۔“ اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

”ہاں ___ اخبار پڑھا ہے آج؟ یہ کیا کرتے پھر رہے ہو تم؟“

”جی ___ خیریت ___ مجھ سے کیا قصور سرزد ہو گیا باباخان! کہ اخبار تک میں خبر آ گئی۔“ وہ واقعی قدرے متحیر تھا۔

”اشمل! یہ لڑکے جو شر پسند لڑکے ہوتے ہیں نا، ان سے دور ہی رہنا چاہئے۔ اور پھر یہ بڑے باپ کے بیٹے جب الیکشن میں ہارتے ہیں تو یہ تند و تیز طوفان ہوتے ہیں، ان سے۔‘

”اوہ ___ آئی سی ___ تو یہ بات ہے۔“ وہ سمجھ گیا۔ آج صبح ہی صبح اخبار میں پروفیسر حیدر کیانی کے اغوا اور ان کی بازیابی کی خبر شائع ہوئی تھی۔ احسن نے بھی اُسے پڑھ کر سنائی تھی۔

”ان بکھیڑوں میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں؟ سیدھے سادھے پڑھائی کرو اور واپس وادی میں آ جاؤ۔“ ان کے لہجے میں بلا کی تشویش تھی۔ ”میں ذولین کو بھیجوں گا تمہارے پاس۔ تمہیں تو آنا نہیں ہے۔ کم از کم مجھے ہی وہاں کے حالات سے باخبر کرے۔ یونین کا صدر بننا خدشوں سے خالی نہیں ہوتا۔ آج کی اس خبر نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ یہ خون خرابے والے عہدے۔۔۔۔۔۔“

”ارے، ارے ___ باباخان! آپ تو بس سیریس ہو گئے۔ بائی گاڈ، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرے آس پاس لوگ بہت اچھے ہیں۔ سارے امن کے خواہاں ہیں۔“ اس نے باباخان کو اتنا پریشان محسوس کر کے انہیں تسلی دینی چاہی مگر باباخان کو تسلی کب ہوئی تھی۔ نگاہوں سے اتنی دور وہ انہیں بہلا رہا تھا۔

”دیکھو اشمل! شاہے بھی بہت پریشان ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہوا نا تو میری خیر نہیں ہے۔“ انہوں نے قریب آ کھڑی ہوئیں شاہ خانم کو دیکھا تو وہ لاپرواہی سے ہنس دیا۔

”ارے کچھ نہیں ہوتا باباخان! کسی نہ کسی کو تو یونین کا صدر بننا ہی تھا۔ مجھ سے پہلے بھی کتنے لوگ یہ عہدہ سنبھال چکے ہیں۔ مگر باباخان! میں نے بہت نیک ارادوں کے ساتھ یہ عہدہ سنبھالا ہے۔ آپ اور شاہ خانم میرے لئے دستِ

دعا دراز رکھیں۔"

"جانتا ہوں تمہارے ارادے۔ مگر بیٹا! یہ سب سوچنا آسان ہے، ارادے باندھنا آسان ہے۔ عملاً یہ ناممکن سا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔"

"نہیں بابا! اسے ناممکن ہم لوگوں نے ہی بنا رکھا ہے۔ ان حالات کو انسانوں نے ہی بگاڑا ہے تو پھر سنوارنے والے بھی انسان ہی ہوں گے نا۔" اس نے باباخان کی بات کاٹ کر پُرعزم لہجے میں کہا۔ "آپ دیکھئے گا، تعلیمی اداروں میں کیسے امن پھیلتا ہے۔ برائی کا نکتہ تیزی سے پھیلتا ہے مگر نیکی اور اچھائی کے نکتے کو پھیلانے کے لئے کچھ وقت اور محنت درکار ہوتی ہے۔ اور مجھے بھی کچھ وقت درکار ہے اپنی محنت کو بروئے کار لانے کے لئے۔ اور پھر میں تنہا نہیں ہوں۔ اس سفر میں میرے ہمراہ کئی اور بھی ہیں۔"

"ہاں ___ دیوانے ہیں۔" باباخان پہلی بار ہنسے تو وہ بھی ہنس دیا۔

"جو بھی کہہ لیں۔ ویسے یہ مت بھولیں باباخان! کہ چچا فیروز بھی اپنے وقت میں یونین کے صدر رہ چکے ہیں۔ آپ ہی نے بتایا تھا مجھے اور آپ خود بھی ان کے گروپ میں شامل تھے۔"

"خوب ___ تو مجھے ٹریپ کر رہے ہو۔"

"ارے توبہ کیجئے، میں کیونکر ایسی گستاخی کر سکتا ہوں۔ بس آپ کو مطمئن کر رہا ہوں۔" وہ زور سے ہنس دیا۔

"بس بیٹا! ہر کام یہ سوچ کر کرنا کہ تمہاری زندگی ہم سب کے لئے بے حد اہم ہے۔ تمہارے جسم کا ایک زخم بھی یہاں بہت سے دلوں کو تڑپا دے گا۔"

"اگر زخم فتح کے ہوں تو وہ زخم نہیں تحفہ ہوتے ہیں۔ ان میں تکلیف نہیں ایک عجیب طرح کی راحت ہوتی ہے۔"

"مجھے تم پر فخر ہے بیٹا! مگر بات اس دل کی ہے جو اولاد کے معاملے میں کچھ بے قرار واقع ہوا ہے۔ میں تمہاری راہ میں اپنے کسی حکم کی رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتا۔" باباخان نے محبت سے کہا۔

"تھینک یو باباخان!" وہ کھل اٹھا۔ "گھر میں سب کیسے ہیں؟ ___ سب کو میرا سلام کہئے گا بابا۔"

"ہاں، ہاں ___ ٹھیک ہیں۔"

"اچھا مجھے اجازت دیجئے ___ خاصا لیٹ ہو گیا ہوں۔ پیریڈ مس ہو گیا تو مجھے بے حد افسوس رہے گا۔" اس نے رسٹ واچ کو دیکھا۔

"ہاں ___ ہاں ___ ضرور ___ اچھا خدا حافظ بیٹا!" باباخان نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" اشارا ان کے ریسیور رکھتے ہی ان کی طرف بڑھی۔ "انہوں نے یقیناً آپ کو تسلی دی ہو گی۔" وہ مسکرائی۔

بھلا وہ اپنے بھائی کو کیسے نہ جانتی۔ اس کا مزاج، اس کے بلند حوصلے اور اپنی بات پر ڈٹ جانے والا باباخان کے حکم پر اپنے سارے ارادوں کو کیسے چھوڑ کر پیچھے پلٹ آتا۔ چٹانی عزم لے کر آگے بڑھنے والے کبھی پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔ اس نے اپنی وادی کے نوجوانوں کو ایسا ہی جری دیکھا تھا جن میں اس کا بھائی سرِفہرست تھا۔

"ہوں ___ خدا اُسے اپنی امان میں رکھے۔" باباخان اٹھ کر دوبارہ ناشتے کی میز پر آئے مگر ناشتہ کرنے کی بجائے شاہ خانم کی طرف دیکھ کر بولے۔

"اب میں زمینوں کی طرف جاؤں گا ___ پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ اس لڑکے نے تو مجھے الجھا کر رکھ دیا ہے ___ اُلٹا مجھے قائل کر دیا۔" ان کے لہجے میں پدرانہ شفقت بھری تھی۔

"اور ناشتہ ؟" شاہ خانم نے انہیں دیکھا۔

"نہیں___بس دودھ پی لیتا ہوں۔" انہوں نے انکار کر دیا اور گلاس میں رکھا دودھ پی کر قابل نواز کے ہمراہ باہر نکل گئے۔

"لو بھلا اب ایسی بھی کیا جلدی تھی۔" شاہ خانم برہمی سے بڑبڑائیں۔ انڈہ اور پراٹھا یونہی پلیٹ میں دیکھ کر انہیں غصہ آگیا اور بڑبڑاتی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئیں۔ اشتار کو ہنسی آگئی۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ تو شاہ خانم کی ستواں ناک پر جما رہتا تھا۔

"کیا بات ہے خان زادی___صبح ہی صبح بہت چہک رہی ہو۔" زیبل اندر آئی تو اُسے اکیلے میں مسکراتا دیکھ کر بولی۔
"صبح صبح کس کی صورت دیکھ لی؟"

"آئینہ ہی دیکھا تھا صبح منہ دھوتے وقت۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولی تو زیبل زور سے ہنس دی۔

"ارے ہاں زیبے!" اشتار ایک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے زیبل کے قریب آئی۔ "میں نے رات کو خواب میں زری کو دیکھا تھا۔"

"کیا اپنی زرسانگہ کو؟" زیبل آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں زیبے! اُس نے بہت جگمگ کرتے کپڑے پہن رکھے تھے۔ میں اس کے پاس بیٹھی تھی مگر وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کر رہی تھی۔ بس ہنس رہی تھی۔ اس کے خوبصورت لب بے تحاشا مسکراہٹ بکھیر رہے تھے۔"

"اشتار ابی بی! یہ___یہ تو بہت پیارا خواب ہے۔ زرسانگہ بہت خوش ہے۔ دنیا کے جھنجھٹ سے آزاد ہو گئی ہے وہ۔" زیبل کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اشتار کے دل پر بھی بھاری پن آگیا۔ "کبھی کبھی وہ مجھے بہت یاد آتی ہے زیبے! کیا

وہ ہمیں یاد کرتی ہو گی؟" اس نے پوچھا تو زیبل بولی۔

"اب کہاں اشتار ابی بی! وہ تو جنت کے گلشن میں کھیل رہی ہو گی___ہمیں کیونکر یاد کرے گی___یاد تو اسے نیچے زمین والے کر رہے ہیں۔" زیبل گہری سنجیدگی کے ساتھ بولی۔

"ہاں___ٹھیک کہتی ہو تم۔" اشتار نے بھی سر ہلایا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو وہ چونکی۔

"ارے یہ صبح صبح کس کا فون آگیا؟" وہ جلدی سے فون کی طرف لپکی۔

"ہیلو!"

"ہیلو___کون، اشتارا بیٹی! میں تمہاری ممانی بول رہی ہوں۔"

"ارے ممانی جان! آپ___کیسی ہیں؟ یہ صبح صبح فون___خیریت___؟" وہ کھل اٹھی۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ بس اطلاع دینی تھی کہ ہم انشاءاللہ کل حویلی آرہے ہیں سب لوگ۔"

"کیا___سچ؟" وہ خوشی سے چیخ اٹھی۔

"ہاں___شاہ خانم کو ذرا فون دینا۔ جاگ رہی ہیں اس وقت؟"

"ہاں، ہاں___وہ ناشتہ کر کے اپنے کمرے میں گئی ہیں۔ میں ابھی انہیں بلا دیتی ہوں۔ ویسے خوش کر دیا ممانی جان! آپ نے یہ خبر سنا کر۔ دیکھئے سب کو لے کر آیئے گا۔ ماہی، سحر، شارد ابھابی، سب کو___" وہ جلدی سے بولی اور پھر ریسیور رکھ کر شاہ خانم کو خود ہی بلانے ان کے کمرے کی طرف بھاگی۔

☆☆☆...

دلِ وحشت زدہ کے ہاتھوں پر یہ عجیب گلاب رقم ہوئے ہیں

جس کی خوشبو حریم جاں کو اپنے گھیرے میں لے رہی ہے

یہ کیسا منظر نظر میں پھیلا

جو نا آشنا ہے

جو اجنبی ہے مگر لہو کے اندر مچل رہا ہے

جو اپنا رنگ بکھیر رہا ہے

کڑکتی دھوپ ہے یکلخت میں جیسے سائے میں آگئی ہوں

یہ گہری رنگیں دُھند جو میری بصارتوں میں

سمٹ رہی ہے

یہ نامانوس رنگ سارے، جو میری جانب بڑھ رہے ہیں

میں اس کے گھیرے میں آ کے جیسے

سکون کی منزل پا رہی ہوں

خدایا! میں جسے یاد کر رہی ہوں

سنہری آنکھوں کے دُھندلکوں میں ہولے ہولے اُتر رہی ہوں

میں جیسے خود سے بچھڑ رہی ہوں

شہرِ دل کی ساری وحشت قطرہ قطرہ پگھل رہی ہے

میں اس اجنبی خوشبو میں خود کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہی ہوں

میں سوچ رہی ہوں

یہی ہے شاید میری آخری شکست

کہ جس کے بعد نہ کوئی جنگ کی صورت

یہی ہے ساحل کہ اب اس سے آگے

نہ میری راہیں نہ میری منزل

وہ ایک ہی زاویے سے جامعہ کے بغلی لان کے سبز فرش پر بیٹھی تھی۔ بظاہر اس کی نگاہیں گلاب کی کیاری کی طرف اٹھی ہوئی تھیں مگر دھیان کی ہوائیں اور ہی سمت اُڑ رہی تھیں۔ ایک عجیب سا احساس اس کے ذہن، دل میں ہلکورے لے رہا تھا۔

شوریدہ سر جذبے رگوں میں طوفان اٹھائے ہوئے تھے۔ اور وہ اس طوفان میں بہہ رہی تھی۔ اس نے اپنی ہستیٔ دل کو بچانے کی کوئی ترکیب بھی نہ سوچی ____ شاید بچاؤ کے سارے ہتھیار بے کار ہو چکے تھے۔

وہ ان شوریدہ سر جذبوں کے رنگ پہچان رہی تھی۔

اور تصور میں بنتی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

معاً تصویر مکمل ہو گئی اور اُسے لگا جیسے اس کے اطراف ہر پھول میں ___ ہر ٹہنی میں ایک ہی صورت سمٹ گئی ہو۔ ہر شے پر ایک ہی رنگ بکھر گیا ہو۔

'اُف خدایا ___ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟' اچانک ہی جیسے وہ عالمِ مدہوشی سے عالمِ خود شناسی میں آ گئی۔

اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر چہرے پر لانا چاہا تو رک گئی۔ کئی تنکے اس کی مٹھی میں پھسل پڑے۔

پسینے کے قطرے لہروں کی صورت میں اس کی ہتھیلیوں سے بہہ رہے تھے۔

'بہت ڈسٹرب کر دینے والی شخصیت ہے تمہاری اشمل خان!' اس نے لبوں کو دانتوں میں دبا کر ایک گہری سانس کھینچی اور سر کو جھکا کر گھٹنوں پر رکھ دیا جیسے ایک ہاری ہوئی فوج کا سربراہ، فاتح لیڈر کے قدموں میں اپنے سارے ہتھیار رکھ دے۔ اور پھر سر جھکا کر ہر طرح کی سزا کے لئے تیار ہو جائے۔

"ارے ہشمینہ! کیا ہوا ___ گھر نہیں جانا کیا؟" نگہت بیگ یہاں سے گزری تو اُسے سر گھٹنوں میں دیئے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ "کیا بات ہے ___ تم نے لاسٹ پیریڈ بھی اٹینڈ نہیں کیا۔"

"آں۔۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔۔؟" وہ چونکی اور جلدی سے چادر کے کناروں سے چہرہ رگڑنے لگی جو ننھے ننھے قطروں سے چمک اٹھا تھا۔ سفید رنگت گہری گلابی ہو گئی تھی اور آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت پھیل گئی تھی۔

"اب تو خیر سے آخری پیریڈ ختم ہوئے بھی بیس منٹ ہو گئے ہیں۔ میں تو گھر جا رہی ہوں۔ تمہیں نہیں جانا کیا؟"

"ہاں ___ بس میں ابھی اٹھنے ہی والی تھی۔ موسم اچھا ہو رہا تھا سو یہیں بیٹھ گئی اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔" وہ مسکرائی اور کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہو گئی۔ نگہت جواباً مسکرا کر جامعہ کی سڑک کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جاتے ہی ہشمینہ نے خود کو سنبھالا اور چادر کو سر پر ڈال کر بیگ اٹھا لیا اور پھر ایک لمحہ رک کر خود سے بولی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

'ٹھیک ہے اشمل خان! کہ میں تم سے ہار گئی ہوں۔ مگر میں تمہارے سامنے اپنی شکست کا اعتراف نہیں کر سکوں گی، نہ کرنا چاہوں گی۔ اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ یہ یکطرفہ سفر میری خواری ہی ہو گا ___ میرے لئے اذیت کا باعث۔ اور میں اذیت میں اضافہ نہیں چاہتی۔ شکست کا یہ کرب بھی بہت ہے اشمل خان! جو تمہارے وجود، تمہاری آنکھوں اور تمہاری مکمل ذات نے مجھے بخش دیا ہے۔'

وہ کرب سے لب دانتوں میں دبائے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔

جامعہ کی سڑک کی رونقیں ماند ہو گئی تھیں۔ موٹر سائیکلوں سے بھری سڑک خالی خالی تھی۔ چند گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف آئی۔ اور اچانک ہی سفید ہنڈا سوک کے بریک پوری قوت سے اس کے قریب چرچرائے ___ اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، مضبوط ہاتھوں نے اُسے گاڑی کے اندر کھینچ لیا ___ اور دوسرے ہی لمحے کار فراٹے بھرنے لگی ___!

وہ اس اچانک حملے کے لئے قطعاً تیار نہ تھی۔ آندھی و طوفان کی طرح آنے والی اس گاڑی کے بریک نے ہی اُسے بوکھلا دیا تھا کہ وہ فوراً اپنے بچائو کے لئے کسی طرح کی کوشش نہ کر سکی۔ البتہ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے چیخنا چاہا مگر مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر جما ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ پیر مار کر اس آہنی پنجے کو پیچھے ہٹانے کی سعی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

اس نے اس جدوجہد کے دوران آنکھیں اٹھا کر گاڑی میں بیٹھے ہوئوں کو دیکھا تو جیسے دل دھڑکنا بھول گیا۔ اس کے بے حد قریب توریحان پراچہ بیٹھا تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں اس کا نازک وجود بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی اجنبی چہرہ تھا۔ وہ پوری رفتار سے گاڑی بھگا رہا تھا۔ نامعلوم، ناآشنا راستوں کی جانب ___ سرمئی دیواروں اور سفید گیٹ والی عمارت کے سامنے پہنچ کر اس نے زور زور سے ہارن دیا۔ اسی لمحے

گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی____!

"اشش۔۔۔۔۔۔۔مل۔۔۔۔۔۔۔اشمل خان!"

نعیم کی بے ربط آواز بے حد تیز تھی۔اس نے آفس کا دروازہ بھی اتنے زور سے کھولا تھا کہ دروازہ دھم سے دیوار سے جا لگا تھا۔اشمل خان، شہزاد اور افتخار کے ساتھ فائلیں کھولے کسی اہم مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔نعیم جان کے اس انداز نے بیک وقت تینوں کو چونکا دیا تھا۔

"کیا ہوا نعیم؟" اشمل کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"وہ ہشمینہ کو۔۔۔۔۔۔۔ریحان پراچہ نے ابھی۔۔۔۔۔۔اسی وقت۔۔۔۔۔۔۔جامعہ کی سڑک سے کڈنیپ کیا ہے۔ مم۔۔۔۔۔۔میں نے۔۔۔۔۔۔خود دیکھا۔" وہ ہانپ گیا۔

"کیا____" اشمل خان کا اونچا لمبا وجود ایک لمحے کے لئے لرزا۔"ہشمینہ کو ریحان پراچہ۔۔۔۔۔۔۔" اس کے مضبوط اعصاب کو جھٹکا لگا۔

"ہاں____ابھی چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے۔وہ اپنی سفید ہنڈا اکارڈ میں تھا۔میں نے خود دیکھا ہے۔اس کے ساتھ دوسرے بھی لڑکے۔۔۔۔۔۔۔" نعیم جان کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ اشمل خان تیزی سے آفس کے دروازے سے باہر نکلا۔

"اشمل خان! ہم بھی آ رہے ہیں۔" افتخار اس کے پیچھے لپکا۔

"نہیں، تم لوگ آفس کو بند کر دو۔یہ لو چابی۔" اس نے جلدی سے آفس کی چابی اچھال دی۔"اور دیکھو، یہ بات پھیلنی نہیں چاہیئے۔"

"مگر ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔تمہارا تنہا جانا خطرناک ہے۔" نعیم جان بضد تھا۔لیکن اشمل خان اس کی بات سنی ان سنی کرتا آندھی طوفان کی طرح اپنی گاڑی تک جا پہنچا اور دوسرے ہی لمحے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر نکال لے گیا۔اس خبر نے اس کے اعصاب سن کر کے رکھ دیئے تھے۔ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔آگے پیچھے آنے والی گاڑیوں کو وہ مستقل اوورٹیک کر رہا تھا تاکہ وہ ریحان پراچہ کی رہائش گاہ پر جلد از جلد پہنچ سکے۔اُسے یقین تھا کہ وہ ہشمینہ کو اسی جگہ لے کر گیا ہو گا۔

ریحان پراچہ کی اس حرکت نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ہوٹل میں سکندر کو دیکھ کر اس کے دل میں تشویش نے پہلے ہی پر پھیلا دیئے تھے۔مگر اندیشے اور وہم کو حقیقت کے اس روپ میں دیکھنے کا گمان تک نہ تھا۔ریحان پراچہ اس کی دشمنی میں ہشمینہ کو ہتھیار بنائے گا، اُسے اتنا اندازہ ہرگز نہ تھا۔

اُس کی گاڑی سرمئی عمارت کے سامنے رکی تو اس کی شریانوں میں خون اُبلنے لگا۔

"ریحان پراچہ! اگر تم نے ہشمینہ کو غلط ارادے سے چھوا تک بھی ہو گا تو آج تم میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچو گے۔" اس نے غصہ کی شدت سے لب بھینچے اور گاڑی کھلے ہوئے گیٹ میں داخل کر دی۔

...☆☆☆...

کتنے ہی لمحے وہ بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی اور اپنے سامنے کھڑے ریحان پراچہ کو دیکھتی رہی جس کی آنکھوں میں ہوس اور لبوں پر مکروہ مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔اس کا دماغ گھومنے لگا۔وہ کتنی ہی دیر کچھ سوچنے کے قابل نہ رہی۔

"تم۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔ذلیل انسان۔۔۔۔۔۔" اچانک ہی وہ پھٹ پڑی۔"کیوں لائے ہو مجھے یہاں؟____میں تمہیں قتل کر دوں گی۔" اس کی آنکھیں شعلہ ہو گئیں اور ریحان پراچہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اشمل خان مجھے سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کا خواہش مند ہے____اُسے شاید میری حیثیت کا علم نہیں ہے۔نہ

تمہیں۔" وہ قدرے اس کی جانب جھکا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"تت۔۔۔۔۔تم نے اشمل کی دشمنی میں مجھے۔۔۔۔۔۔"

"نہ۔۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔۔نہیں ہشمینہ صاحبہ!" اس نے فوراً اس کا جملہ کاٹ دیا۔"تم نے مجھے دھوکا دیا۔میری پارٹی سے نکل کر اشمل خان کو میرے منصوبے سے آگاہ کرنے لگیں۔اس کے ساتھ ہوٹلوں میں بیٹھ کر میرے خلاف بولنے لگیں۔تمہیں شاید میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے سویٹ ہارٹ! میں وہ نہیں ہوں جو نظر آتا ہوں۔" اس نے جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ کر اسے اپنے قریب کھینچا۔

"تم___ذلیل انسان! تم نے صرف اور صرف اپنی ہوس کے لئے مجھ سے پارٹی ریلیشن استوار کئے ہوئے تھے۔" ہشمینہ نے ایک جھٹکے سے خود کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔"میرے قریب مت آنا ریحان ورنہ___"

اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔

ریحان کے بڑھتے قدم اس کا خون خشک کئے دے رہے تھے۔

بے بسی اور غصے سے اس کا بدن کانپنے لگا تھا۔

"میں نے تمہیں چاہا ہے ہشمینہ ابرار! اور جسے چاہا جاتا ہے اسے پانا بہت ضروری ہوتا ہے۔تم نے میرے جذبوں کی اہانت کی تھی۔یاد ہو گا تمہیں۔اب میرے پاس یہی طریقہ رہ جاتا ہے۔سارے حساب اسی طرح بے باق ہو سکتے ہیں۔"

"تم ایسی گھناؤنی حرکت نہ کرنا۔" وہ بلک اٹھی۔

"ہا،ہا،ہا___کہاں گئی وہ تنی ہوئی گردن___وہ فخر و غرور؟___یہ سب خاک میں ملا دوں گا۔ابھی چند منٹوں

میں ریزہ ریزہ کر دوں گا وہ غرور___اس کے بعد تم کبھی یہ خوبصورت گردن تان کر نہیں چل سکو گی۔پھر کسی ریحان پراچہ کو نہ جھڑک سکو گی۔یہ پارسائی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔"

"قہر نازل ہو گا تم پر کمینے انسان!" وہ اپنی ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے دھاڑی۔"اگر تم نے مجھے چھوا بھی۔"

"تو۔۔۔۔۔۔تو کیا کر لو گی۔۔۔۔۔۔ہا،ہا،ہا___بس یہی غرور تو توڑنا ہے مجھے۔یہی تنتنا جو کبھی مجھے اچھا لگتا تھا،مگر اب نفرت ہے مجھے۔"

ہشمینہ کو اپنی سانسیں گھٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔بے بسی کا غلبہ شدت سے اس پر طاری ہو گیا تھا۔وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت جہاں ہے وہاں دور دور تک اس کا کوئی مددگار نہیں ہے___اس کی عصمت و عزت کی حفاظت صرف اور صرف خدا کے اختیار میں ہے۔

"خدایا! تُو رحم کر___" اُس کا دل بلک اٹھا۔اُس نے عجیب بے بسی اور بے اختیاری سے کمرے کے دروازے کی جانب دیکھا اور اسی لمحے دروازہ دھڑ سے کھل کر دیوار سے جا لگا۔

"ریحان! پیچھے ہٹ جاؤ۔" اشمل خان کی آواز میں غراہٹ تھی۔اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔پہلی بار اس کے ہاتھوں میں ریوالور چمک رہا تھا جس کی نال ریحان پراچہ کی جانب اٹھی ہوئی تھی۔

"تم یہاں کیسے آ گئے؟" ریحان کے اوسان خطا ہو گئے۔اشمل خان کو اپنے سامنے ریوالور لئے کھڑے دیکھ کر وہ نہ صرف حیران ہوا تھا بلکہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟"

"اونہہ۔۔۔۔۔۔مجھے کون روک سکتا تھا۔جب تم ہشمینہ کو یہاں تک لانے کی جسارت کر سکتے ہو تو پھر مجھے یہاں

آنے پر کون روکنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ ذلیل شخص! آج تم نے اپنی اوقات دکھادی۔ تم نے اپنا مکروہ روپ بالآخر دکھا دیا۔" وہ اسی نفرت اور غصہ سے اس کے قریب آگیا۔

ہثمینہ بے حس و حرکت دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس کی سانسیں تیز رفتاری سے چل رہی تھیں۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کا وجود اسی زمین پر ڈھیر ہو جائے گا۔ غم و غصہ اور بے بسی کی کیفیت طاری ہوتے ہوتے یہ اتنی بڑی خوشی اُس سے سنبھل نہ پا رہی تھی۔ اس کی عصمت کی حفاظت کرنے اشمل خان آچکا تھا___ اُس کے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر۔

"اشمل! شاید تمہیں احساس نہیں ہے کہ تم اس وقت میری کوٹھی کی انیکسی میں ہو۔" ریحان پراچہ نے تھوک نگلتے ہوئے اُسے خوف دلانے کی کوشش کی۔ "میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔"

"ورنہ کیا تم میری جان لے لوگے؟___ نہیں ریحان پراچہ! جان تو آج میں تمہاری لوں گا کہ تمہارے ناپاک ہاتھ ایک شریف لڑکی کی جانب بڑھے تھے۔"

اس نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور ریحان پراچہ کو گریبان سے پکڑ کر کئی جھٹکے دیئے۔

"تم جیسا ناپاک وجود اس زمین کے لئے وبال ہے۔ اس زمین پر بوجھ ہے۔ اسے ختم ہو جانا چاہئے۔ ابھی اور اسی وقت۔" وہ جنونی سا ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ ریحان پراچہ کی گردن کے گرد جم گئے اور وہ پوری قوت سے اس پر دباؤ ڈالنے لگا۔

"اشمل۔۔۔۔ اشمل پلیز! مجھے چھوڑ دو۔" ریحان پراچہ کی دبی دبی چیخیں حلق سے نکلنے لگیں۔

"کیسے چھوڑ دوں تمہیں ذلیل انسان! کیسے چھوڑ دوں___ تم جیسے غلیظ اور بے غیرت شخص کو زندہ نہیں رہنا

چاہئے۔"

اشمل خان غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ ریحان اس کی مضبوط گرفت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا اور بے بسی سے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

"اشش۔۔۔۔۔۔۔۔مل! یہ۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو؟" اچانک ہثمینہ آگے بڑھی اور اپنے کانپتے ہاتھوں سے اس کا بازو تھام لیا۔ "یہ مر جائے گا___ اسے چھوڑ دو اشمل!"

"اسے مرنا ہی چاہئے___ ہٹ جاؤ تم۔" وہ دھاڑا۔

"خدا کے لئے اشمل!" ہثمینہ پریشان ہو گئی۔ ریحان پراچہ کی اُبلتی آنکھیں اس کے اندر دہشت بھر رہی تھیں۔

اگر ریحان پراچہ اشمل خان کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تو وہ پھر سزا سے کیسے بچ سکے گا؟___ وہ قاتل ہو جائے، محض اس کے لئے۔ یہ ہثمینہ کیسے گوارا کر لیتی۔ اُسے اس اقدام سے ہر حال میں اُسے باز رکھنا تھا۔

"میری جان کی قسم اشمل خان! اسے چھوڑ دیں___ چھوڑ دیں۔" وہ اس کا بازو تھام کر بے اختیار رو دی۔ "یہ قتل ہو جائے گا___ اور میں نہیں چاہتی کہ اس کا ناپاک خون آپ کی گردن پر ہو۔ اسے ابھی جیل میں سڑنا ہے___ اسے اتنی جلدی مت ماریں۔" وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

اشمل خان کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ریحان پراچہ ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کے سانسوں کی رفتار بے حد دھیمی ہو گئی تھی۔ اشمل خان نے جھک کر اس کی نبض دیکھی پھر قدرے مطمئن ہو کر اٹھ کر ہثمینہ کی طرف مڑا جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک رہی تھی۔

وہ چند ثانیے لب بھینچے اُسے دیکھتا رہا پھر اس کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا انیکسی سے باہر نکال لایا۔

سامنے افتخار اور نعیم جان کھڑے تھے۔ وہ دونوں انیکسی کی طرف ہی بڑھ رہے تھے۔ ہشمینہ اور اشمل خان کو دیکھ کر چونکے۔

”اشمل! وہ ریحان ___“ نعیم جان تیزی سے آگے بڑھا مگر پھر رک گیا۔ اشمل خان اسے نظر انداز کرتے ہوئے ہشمینہ کو لئے اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ وہ ہنوز اسی رفتار سے رو رہی تھی۔ اس صدمے نے اس کی جان تک نکال دی تھی۔ موت نے اسے کبھی خوفزدہ نہیں کیا تھا مگر اپنی رسوائی کے خوف نے اسے نیم جان کر دیا تھا۔

اشمل خان کے سامنے وہ کتنی بے وقعت اور بے حیثیت ہو گئی تھی۔ اگر وہ فرشتہ بن کر نہ آتا تو وہ ریحان پراچہ کے ہاتھوں رسوا ہو گئی ہوتی۔

اُف ___ وہ مر کیوں نہ گئی؟

”ہشمینہ!“ اشمل خان نے آہستگی سے اس کے شانے کو چھوا تو وہ بے قرار ہو کر اس کے ہاتھ پر چہرہ ٹکا کر رونے لگی۔

”مجھے کہیں سے زہر لادیں اشمل! میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ میرا مان ٹوٹ گیا ___ میری ساری انا مجروح ہو گئی۔ اب جی کر کیا کرنا ہے۔“

”بے وقوف لڑکی! تم اب بھی ان چھوئی کلی ہو۔ پھر رونا کس بات کا؟ عزت، مان سب کچھ تو سلامت ہے۔“ اس کے یوں تڑپ تڑپ کر رونے پر اشمل خان کے دل پر گھونسہ لگا تھا۔ اتنی مضبوط، اتنی پیاری لڑکی کو بکھرتے ہوئے وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”آپ کو مجھ سے نفرت تو نہیں ہو گئی؟“ اس نے آنسوؤں سے بھری پلکیں اٹھا کر پوچھا۔

”ہشت ـــــ پاگل ـــــ نفرت کے قابل تم نہیں، ریحان پراچہ ہے۔ بھلا تم سے کیونکر نفرت ہو گی۔ کم آن ہشمینہ!“ اس نے اس کا کانپتا ہاتھ تھپتھپایا۔ ”اس واقعہ کا خوف اپنے اوپر طاری مت ہونے دو۔ جو ہو گیا اسے کوئی بھیانک خواب سمجھ کر بھلانے کی کوشش کرو۔“ اس نے شفقت اور محبت سے اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔

”میں تمہیں وہی مغرور و مضبوط اور نڈر ہشمینہ دیکھنا چاہتا ہوں جس نے مجھے اسیر کر لیا ہے۔“

اس کے لفظ ہشمینہ ابرار کے دل کو تسلی دے رہے تھے۔ اس کے آخری جملے پر وہ چونکی۔ اُسے لگا جیسے اشمل خان نے اس کی سماعتوں پر خوشبو بکھیر دی ہو۔ وہ یقین اور بے یقینی کی سی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی۔ اور چونکی اس وقت جب گاڑی ایک پارک کے سامنے رک گئی۔

”تم خود کو نارمل کر لو ___ اس طرح تمہیں گھر ڈراپ کرنا سب کو مشکوک کر سکتا ہے۔“ وہ اس کے متوحش چہرے اور ریشمی رخسار پر ایک نگاہ ڈال کر دھیرے سے بولا تو وہ جیسے پوری طرح سے عالم خود شناسی میں آگئی اور جلدی سے شانوں سے ڈھلکتی چادر کو سر پر ڈال لیا اور بے قراری سے لب کاٹتے ہوئے دھیرے سے سر اٹھایا تو ساری ہستی ڈول گئی۔

وہ سحر انگیز آنکھیں سچی اور پُر خلوص محبت کا ایک جہاں آباد کئے اسے دیکھ رہی تھیں۔

لبوں پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔ اس نے پلکیں جھکا دیں اور عارضوں پر ڈھلکے آنسوؤں کو چادر کے کناروں سے پونچھنے لگی۔

”ضروری نہیں کہ ہم جس طرح سوچتے ہیں، جو سوچتے ہیں وہ سب کچھ اسی انداز سے ہو اور بالکل ہماری منشاء کے مطابق ہمارے ارادوں کی تکمیل اور خوابوں کی تعبیر ہو۔“

”مگر اشمل خان! اپنے ارادوں کا اتنا بھیانک انجام، خواب کی اتنی دہشت ناک تعبیر۔“ اس کی آواز رندھ گئی۔ ابھی تک یہ دکھ اس کی روح میں شعلے کی طرح جل رہا تھا۔ اس کی ہمدردی پر اور بھی حوصلہ ہار رہی تھی۔

جب سہارے کے لئے دیوار نظر آجائے تو انسان اس لمحے سارے حوصلے ہار کر دیوار کا سہارا لینا چاہتا ہے۔ وہ بھی ایک ساتھ سارے دکھ، ساری تھکاوٹ اتار دینا چاہتی تھی____ سارے آنسو بہا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لینا چاہتی تھی۔ اشمل خان اس وقت اس کے لئے ایک مضبوط دیوار ہی تو ثابت ہوا تھا۔

”میں نے کہا ہشمینہ! کہ سب کچھ ہماری سوچوں اور ہمارے خیالوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ اور پھر تمہیں تو تقدیر نے مات دی ہے۔ کبھی کبھی تو ہمیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم دل جیسی شے سے بھی مات کھا گئے ہیں۔ دراصل یہ ہمارے اندر دھڑکتے ہوئے دل کی شکست ہے۔ کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ خود کو بھی بہت مضبوط اور ناتسخیر سمجھنے والے تسخیر ہو جاتے ہیں۔“ اس نے ہشمینہ کی بڑی بڑی نم آنکھوں میں بس ایک لمحے جھانک کر کہا تھا اور وہ اس لمحے کے سحر میں جکڑتی چلی گئی۔ ان بھوری بھوری آنکھوں کو حیرت سے دیکھتی رہی جو کبھی آئینے کی طرح تھیں اور جن میں اس کا اپنا عکس بہت واضح تھا۔

”اشمل خان!“ اس کے لب کپکپا گئے اور چہرہ تمتما اٹھا۔

”ہاں ہشمینہ! اپنی ہار کا کھلا اعتراف کرنا بھی بہادری ہے۔“ اس کا لہجہ شگفتہ تھا اور آنکھیں اور لب دونوں ہی متبسم تھے۔ ”تم نے تو یہاں بھی بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔“ وہ اس کے سرخ چہرے کو پُرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ بوکھلا گئی۔

’اُف____ یہ شخص کیا دل میں جھانک لینے کے فن سے آگاہ ہے یا میری آنکھوں نے اُسے یہ راز سونپ دیا ہے؟‘

اس کی پلکوں پر منوں بوجھ آپڑا۔

”میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے نا۔“ وہ پوچھ رہا تھا۔ ”دراصل تم مجھے غصہ میں اچھی لگتی تھیں۔ بلند حوصلہ رکھنے والی____ پُرجوش____ میرے لئے کبھی کبھی چیلنج بن جاتی تھیں۔“

”اور اسی چیلنج کو آپ نے قبول کر لیا۔“ وہ شرمگیں لہجے میں بولی تو اشمل خان اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا۔

وہ دونوں نیچے اتر آئے۔

نرم نرم سبزے پر چلتے ہوئے اشمل خان نے اس کا نرم ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام لیا

”میں خود کو بہت پریکٹیکل سمجھتا آرہا تھا۔ مگر یہاں وہی بے وقوف سا، دیوانہ سا مجنوں بن گیا۔ بہت اچانک۔“

اُس نے بڑے سے درخت کے تنے پر ٹیک لگا کر اسے دیکھا اور کتنے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

ہشمینہ کو لگ رہا تھا جیسے کائنات کی حرکت رک گئی ہو۔

دل پر لپکتے شعلوں پر نرم نرم بوندیں گر رہی ہوں۔

یا ہر شے مسکرانے لگی ہو۔

یا وقت چلتے چلتے اچانک خوبصورت موڑ پر ٹھہر گیا ہو۔ سارے بھیانک اندیشے معدوم ہو گئے ہوں۔

اشمل خان اپنا نرم و مہربان سایہ لے کر اس کے قریب آگیا تھا۔

اشمل خان نے اُسے یکطرفہ سفر کی اذیت سے یکدم ہی باہر نکال دیا تھا۔

اس کی سماعتوں پر خوشبو بکھیر دی تھی۔

اسے چاہے جانے کا فخر بخش دیا تھا۔

اور یہ احساس کتنا روح پرور ہوتا ہے کہ کوئی ہمیں چاہتا ہے۔

اس کے وجود نے اس کے وجود کو تسخیر کر لیا ہے۔

مسرت و انبساط کے احساسات کسی منظر کی طرح اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اور وہ آگے بڑھ کر اس کی ساری رعنائیاں سمیٹ لینا چاہتی تھی کہ

یہی ہے شاید میری آخری شکست

کہ جس کے بعد نہ کوئی جنگ کی صورت

یہی ہے ساحل کہ اب اس سے آگے

نہ میری راہیں

نہ میری منزل

...☆☆☆...

اُس کی حالت ابھی سنبھلی نہیں تھی۔ اُس نے خود کو کمرے میں ہی مقید کر لیا تھا۔ شاردا بھابی بھی اس کے رویے پر پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہو گیا ہے سحر! تجھے؟ کیوں اتنی دُبلی ہو گئی ہو؟" شاردا بھابی نے پیار سے اس کے بال سہلائے تو وہ سٹپٹا کر اٹھ بیٹھی۔

"کک۔۔۔۔۔۔کچھ نہیں۔ بس سر میں درد سا رہتا ہے۔" اس نے بدقت خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ اُسے ماہ گل آپی کی تاکید یاد آگئی۔ انہوں نے کتنی مرتبہ اس سے کہا تھا کہ وہ خود کو سنبھال لے۔ گھر میں ان دونوں کے علاوہ بھی کئی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

افراد ہیں جو مشکوک بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ کیا کرتی اس دل کا جو سب چیزوں سے یک دم ہی اُچاٹ ہو گیا تھا۔

اس واقعہ نے اُسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

"ارے ہاں ____ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ امی کہہ رہی تھیں تم وادی جاؤ گی نا ان کے ساتھ؟" شاردا بھابی نے پوچھا تو اس نے سر جھکا لیا۔

"نہیں ____ میرا موڈ نہیں۔"

"ایں ____ کیوں؟ اشارا تو تم سب کی آمد کا سن کر بہت خوش ہوئی ہے۔ تم سے تو اس کی بڑی دوستی ہے۔ تم نہیں جاؤ گی تو وہ برا مانے گی۔"

"کون کون جا رہا ہے؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ بالکل غائب دماغ ہو رہی تھی۔ حالانکہ چند دن پہلے اس کے سامنے ہی پروگرام بنا تھا۔ اور اب اُسے کچھ یاد نہیں تھا۔ ذہن کی ساری سُوئیاں تو بس اس واقعہ کے گرد گھوم رہی تھیں۔

"سحر! تمہارا فون ہے۔" زمان بھائی دروازے میں کھڑے اس سے کہہ رہے تھے۔ وہ پوری جان سے کانپ گئی۔

"میرا فون؟" اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اپنے نام سے منسوب ہر آہٹ پر وہ خوف میں گھر جاتی۔

'خدایا اب کوئی نیا دکھ نہ ہو۔'

"ہاں ____ کوئی فضہ نامی لڑکی ہے۔" زمان بھائی یہ کہہ کر الٹے قدموں واپس مڑ گئے۔ شاردا بھابی بھی باہر نکل گئی تھیں۔

"فضہ ____" یہ نام اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگا تھا۔

اُسے بدنامی میں دھکیلنے والی۔

اُسے زندہ درگور اسی لڑکی نے تو کیا تھا۔

فروان کے سامنے رسوا اسی کی وجہ سے تو ہوگئی تھی وہ۔

اب کیا رہ گیا تھا۔ وہ سلگتی سوچوں کے ہمراہ لائونج میں آئی اور پردہ کھینچ کر جلدی سے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو____"

"ہیلو سحر!" فضہ کی آواز اُبھری اور اس کے ساتھ ہی سحر گل کی رگوں میں نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کا پور پور جلنے لگا۔

"کیوں کیا ہے فون____ اب کیا رہ گیا ہے ذلیل لڑکی! تم نے میری زندگی میں کانٹے بھر دیئے فریبی لڑکی! اب کون سا ڈرامہ رچانا چاہتی ہو؟" وہ پھٹ پڑی۔ دل میں چھپا ہوا لاوا بہہ نکلا۔

"نہیں، نہیں سحر! تم غلط سمجھی ہو۔ میں تو۔۔۔۔۔۔"

"مجھے اب تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔" اس نے نفرت سے اس کی بات کاٹ دی۔ "دوستی کی آڑ میں تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اپنے کزن کے لمحوں کو رنگین بنانے کے لئے میری ذات کو گھسیٹا۔"

"خدا کے لئے سحر! اتنے الزام مت دو۔ بائی گاڈ، میں یہ سب کچھ نہیں چاہتی تھی۔ ہاں قصور ہے تو اتنا کہ تمہیں بلوایا۔ مگر میری مجبوری بھی تو سمجھو۔ یہی کچھ تو بتانے کے لئے تمہیں فون کیا ہے۔ پلیز ٹھنڈے دل سے میری بات سنو، پھر چاہو تو مجھے کوئی بھی سزا دینا۔" فضہ بے اختیار سسکنے لگی۔ "اس دن سے میں بھی لمحہ لمحہ مر رہی ہوں ____ اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑی خود کو بہت بڑا مجرم سمجھ رہی ہوں۔"

"تم نے پھر یہ سب کچھ کیوں کیا فضہ! کیوں کیا؟" سحر گل اس کے رونے پر پگھل سی گئی۔

"سحر! مجھ سے بہت پہلے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ ایک ایسی غلطی جس کا خمیازہ اب اکثر و بیشتر مجھے بھگتنا پڑتا ہے۔ جانتی ہو وہ غلطی کون سی تھی؟" وہ قدرے رکی مگر سحر خاموش رہی۔

"وہ غلطی ہے منصور سے محبت۔"

"کیا____؟" سحر کو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ "تت۔۔۔۔۔۔ تم منصور سے۔۔۔۔۔۔"

"ہاں سحر! میں اس وقت عمر کے اس دور میں تھی جہاں آگ بھی بسا اوقات دمکتا ستارا محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حُسن اور رنگ میری آنکھوں میں اُتر آئے تھے۔ اس وقت منصور بھی دمکتا ستارا محسوس ہوا سحر! وہ اس وقت بہت آتا تھا ہمارے گھر۔ میں نے بتایا تھا نا تمہیں کہ تب ہم ان کے پڑوس میں ہی رہتے تھے۔"

"ہوں____ ہاں، بتایا تھا۔ پھر؟" سحر بے قراری سے بولی۔ اس کی سانس فضہ کی آواز کے ساتھ کبھی تیز کبھی دھیمی ہو رہی تھی۔

"میں اُس کی خوبصورت باتوں کی اسیر ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں جھلکتے مکروہ جذبے مجھے ایسے دلکش خواب دکھا گئے کہ میں انہی میں گم ہو گئی۔ اور پھر کچھ پانے سے پہلے ہی سب کچھ کھو بیٹھی۔" اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ ماضی کی غلطیوں کا دکھ اس کے لہجے میں گھلنے لگا۔

سحر کو لگا جیسے اس کا دل یکلخت کسی نے مٹھی میں دبا لیا ہو اور اسے بھینچ لیا ہو۔ فضہ کے دل کے اندر اتنی وحشت ناک کہانی چھپی تھی۔ جانے اس کا بوجھ وہ کب سے اٹھائے پھر رہی تھی۔ اس کا دل فضہ کے دُکھ پر پگھلنے لگا۔

"سحر! مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے کسی نے آسمان سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو اور میں عمیق تاریکیوں میں گم ہوئی جا

رہی ہوں۔ میری ساری زندگی بکھر گئی جس طرح نازک کانچ اور سبک چوڑیاں ہاتھوں سے گر کر کرچی کرچی ہوتی ہے نا، اسی طرح میں بھی کرچی کرچی ہو گئی ہوں سحر!"

"فضہ! تم نے اس شخص کا گریبان نہیں پکڑا؟ اس بے غیرت کمینے انسان سے بدلہ نہیں لیا؟ کوئی احتجاج نہیں کیا؟" سحر گل کو ایسا لگا جیسے یہ دُکھ فضہ کا نہیں، اس کا اپنا ہو۔ "ہاں ___ مگر تم کہتیں بھی کس سے؟" اس نے لب دانتوں میں دبا لئے۔ "یہی تو ہمارا المیہ ہے کہ لٹ کر بھی ماتم نہیں کر سکتے۔ رسوا ہو جانے کے بعد بھی رسوائیاں ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

"ہاں سحر! ٹھیک کہتی ہو تم۔ میں برباد ہو کر بھی اس سے انتقام نہ لے سکی۔ الٹا اس کی محکوم بن گئی۔ مبادا یہ راز افشا نہ کر دے۔ مردوں کے اس معاشرے میں اس پر کون انگلی اٹھاتا ___ سارا کیچڑ تو میرے ہی حصے میں آتا۔ سر تو بیٹیوں کے والدین کے ہی جھکتے ہیں۔"

"مگر فضہ! تم ___"

"سحر! تم نہیں جانتیں اس نے مجھے کس کس طرح بلیک میل کیا ہے۔ کئی لڑکیوں کو تباہ و برباد کرنے میں اس کے ساتھ میرا بھی ہاتھ شامل ہے۔ اور اب تمہیں بلانے پر بھی اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔ اسی حربے سے۔"

"تم نے اس سے شادی کے لئے کہا تھا؟" سحر گل دھیرے دھیرے رندھے ہوئے لہجے میں بولی تو فضہ کی ایک تلخ سی ہنسی آزاد ہو گئی۔

"شادی ___ ارے بے وقوف لڑکی! عورت جب تک مردوں کی ہوس زدہ نگاہوں سے دور ہو، ہیرا ہوتی ہے۔ اسے ہیرے ہی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر جب عورت اس کے ہاتھوں کھلونا بن جائے تو پتھر ہوتی ہے اور پتھروں سے گھر نہیں سجائے جاتے۔ خیر اب تو اتنے برس بیت گئے۔ اس داغ کی کسک کبھی کبھی تیز ہو جاتی ہے تو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

چھپ کر رو لیتی ہوں۔ پلیز تم مجھے معاف کر دو ___ خدا کے لئے میرا جرم معاف کر دو۔"

"نہیں، نہیں فضہ!" اس نے جلدی سے کہا اور پھر شدتِ دکھ سے بلک اٹھی۔ "اوہ فضہ! یہ سب کیا ہو گیا؟" اس نے کرب سے لب دانتوں میں دبا لئے۔

"سحر! تم ماہ گل آپی کو سب کچھ بتا دینا۔ اس سے پہلے کہ منصور کچھ گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تم سب کو اپنے اعتماد میں لے لینا۔"

"فضہ! مجھ پر قیامتیں ٹوٹی ہیں۔ میں بے قصور ہو کر بھی قصوروار ٹھہرائی گئی ہوں۔ فروان کی نظروں سے ایسی گری ہوں کہ دل چاہتا ہے پھندا ڈال کر مر جاؤں۔ روح کی موت جسم کو تاعمر اذیت دیتی ہے۔" اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا غم جاوداں ہو گیا۔ وہ نیم جان سی ہو گئی۔

فضہ کا دکھ۔

منصور کا ناقابل معافی گناہ۔

اور خود اپنا کرب۔

اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے جالے دبیز ہو گئے۔

اس نے فون رکھا تو ڈھیروں تھکن اس کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ پلٹی۔ سن سی رہ گئی۔ فروان لائونج کا پردہ تھامے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بے اختیار جھک گئیں اور قدم من من بھر کے ہو گئے۔ وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی جس کی نظروں سے چھپتی اور کتراتی پھر رہی تھی اب وہ اس کے بالکل سامنے تھا۔

"سحر!" وہ اس کے قریب آ گیا۔ عجیب سا حزن اس کے چہرے پر ہلکورے لے رہا تھا۔ "مجھے معاف کر دو ___

میرے نارواروّیوں نے تمہیں بہت دکھی کر دیا ہے نا۔ میں اپنے کہے لفظوں اور خیالوں پر نادم ہوں۔" اس نے خفت زدہ لہجے میں کہا تو سحر گل گرتے گرتے بچی۔ اس نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ یہ۔۔۔۔۔۔ یہ فروان اس سے معافی مانگ رہا ہے۔

"سحر! میں نے بغیر سوچے سمجھے، تمہارا اعذر سنے بغیر تمہیں نجانے کیا کچھ کہہ دیا ہے۔ سوچتا ہوں تو خود ہی زمین میں گڑنے لگتا ہوں۔ پلیز سحر! میں سخت نادم ہوں۔" اس نے بے قراری سے کفِ افسوس ملتے ہوئے اسے دیکھا جو عالم تحیر میں گم تھی۔

اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے فروان اس کی سماعتوں میں امرت اُنڈیل رہا ہو۔

اس کے دکھی دل کو تھپک رہا ہو۔

"فر۔۔۔۔۔۔فروان۔۔۔۔۔۔میرے بھائی!" اس کا دل بھر آیا۔

"فر۔۔۔۔۔۔وان۔۔۔۔۔۔" اس نے تڑپ کر دیکھا اور پھر بے اختیار ہو کر اس کے شانے سے سر ٹکا کر بلک اٹھی۔

"پاگل لڑکی! تم نے سب کچھ ماہی آپی سے چھپایا۔ مجھے اتنا بے اختیار سمجھا اور خود تنہا آگ کو بجھانے کے لئے آگ میں ہی کود پڑیں۔" اس نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "تم مجھے بتانا اس شخص کے بارے میں۔ میں اس ذلیل شخص کو اس کے انجام تک پہنچاؤں گا۔"

"نہ۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔۔ نہیں فروان!" وہ سہم گئی۔ "وہ شخص آوارہ، بدمعاش ہے۔ اس نے بہت سے گھروں کو تباہ کیا ہے۔ ایسے شخص کو چھیڑنا نہیں چاہئے۔ نجانے وہ تمہیں کیا نقصان پہنچادے۔"

"نہیں سحر!" فروان کا چہرہ تن گیا۔ اس ان دیکھے شخص کے لئے اس کی آنکھوں میں نفرت کا ایک سمندر موجزن

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

تھا۔

"گھروں کو اُجاڑنے والوں کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ اور بھی شیر ہو جاتے ہیں۔ ان سے خوفزدہ ہو کر انہیں بہادر بنا دیتے ہیں لوگ۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ناپاک قدم کسی اور دامن کی جانب بڑھائے، میں اسے۔۔۔۔۔۔"

"فرو____ تم نے مجھ پر اعتماد کر لیا ہے نا؟" اس نے اپنی سسکاری دباتے ہوئے اُسے دیکھا۔ بے تحاشہ آنسوئوں نے اس کا چہرہ بھگو دیا تھا

"ہم دونوں تو دوست ہیں۔ میرا اعتماد ٹوٹا تو نہ تھا۔ وہ بس میری ہی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا جو ماہی آپی نے اتار دیا۔ تم تو بالکل خاموش تھیں۔ کچھ تو کہتیں۔ شاید میرا رویہ بدل جاتا۔" اس نے شفقت سے اس کے کانپتے وجود کو تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔

"سنو____ اب تم اس واقعہ کے متعلق کچھ مت سوچنا اور نہ روئو گی اب۔ سب ٹھیک ہے۔" اس نے کہا تو سحر گل پہلی بار کھل کر ہنس دی۔

ایک بھاری بوجھ شانوں سے اترا تھا

دل پر جمی گرم ریت پر جیسے شبنم کے قطرے گرے تو ٹھنڈک سارے وجود میں پھیل گئی۔

"مجھے معاف تو کر دیا نا سحر! تم نے؟" فروان اپنے اطمینان کے لئے پوچھ رہا تھا

سحر گل نے اسے محبت سے دیکھا۔

اس کا دوست، اس کا بھائی۔ بھلا وہ اس سے کیسے ناراض رہتی۔ جب اس نے اس کو معتبر کر دیا تھا۔ اس کے شانوں پر دھرے بوجھ کو اتار کر پھینک دیا تھا پھر بھلا اسے کیا شکوہ رہتا۔

"نہیں فرو! مجھے اب کسی سے شکوہ نہیں رہا بلکہ میرے دل پر اب کوئی بھی بوجھ نہیں رہا۔ تم نے مجھے معتبر کر دیا۔ مجھے اپنی اور خود میری نظروں میں اونچا کر دیا۔" وہ کھلے دل کے ساتھ بولی تو فروان کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

...☆☆☆...

وہ بھابی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جو اس کے فیصلے پر شدید حیران تھیں۔

"کیوں چھوڑ دی آخر تم نے یونیورسٹی؟ کم از کم ایم اے کا پریویس تو مکمل کر لیتی۔" ان کی یہی گردان تھی مگر اس کے پاس ایسا کوئی جواب نہیں تھا جس سے بھابی مطمئن ہو سکتیں۔ اور اصل جواز وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔

ریحان پراچہ کی حرکت نے اسے یونیورسٹی سے ایسا بددل کیا تھا کہ وہ سہم کر رہ گئی تھی۔ اور پھر اشمل خان کو اس نے جب اپنا یہ فیصلہ سنایا تو اس نے قطعاً کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس کی آنکھوں میں طمانیت سی اتر آئی تھی اور اس نے اپنی اس طمانیت کا اظہار بھی بلا جھجک کیا تھا۔

"میں جامعہ چھوڑ رہی ہوں اشمل خان!" اس نے کیفے کے پُر سکون گوشے میں بیٹھے ہوئے اُسے بتایا۔

"ہوں____ کچھ اُڑتی اُڑتی خبر مجھ تک پہنچی تو ہے شاید تمہاری فرینڈز کی طرف سے۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"وجہ نہیں پوچھیں گے؟" وہ اس کے سکون پر حیران ہوئی تھی۔

"وجہ مجھے معلوم ہے۔ اور یقیناً تم نے بہتر سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔" اس نے اسے بغور دیکھا۔ "ویسے تمہارا فیصلہ مجھے اچھا لگا۔ ایک بات کہوں ہشمینہ! میں خود چاہتا تھا کہ تم یونیورسٹی چھوڑ دو۔ اس تمام جھنجٹ سے نکل جاؤ۔ تم

یہاں رہتیں تو یقیناً اپ سیٹ رہتیں۔ گزرے واقعات تمہارے لئے پریشانی کا سبب رہتے۔ اور پھر مجھے تم اتنی تعلیم یافتہ ہی کافی ہو۔ اس سے زیادہ میں تمہاری ڈگریوں اور ذہانت کا متحمل نہیں ہو سکوں گا۔ کیوں____ کیا خیال ہے؟" اس کا آخری جملہ پُر مزاح تھا اور نگاہوں میں ایسی گرم جوشی تھی کہ ہشمینہ کے رخسار تپ اٹھے۔ اس نے ان سجل سجل نگاہوں کی محویت سے گھبرا کر اپنا سر جھکا لیا۔

"اشارا کو بھی شہر میں آ کر پڑھنے کا بہت شوق تھا۔" اس نے کہا تو ہشمینہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"اشارا____؟"

"ہاں____ میری بہن ہے۔ بہت معصوم اور پیاری سی۔" اس کے لہجے میں ڈھیر ساری چاشنی گھل گئی تھی۔ اشارا کا تصور ذہن میں آتے ہی وہ اسے شدت سے یاد آ گئی۔

"پھر اسے شہر کیوں نہیں لائے آپ؟" اس نے بے حد دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

اشمل خان کی بہن یقیناً اس جیسی ہی دلکش اور دل موہ لینے والی ہو گی۔ وادی کی معصوم بھالی لڑکیاں تو اسے ہمیشہ سے ہی اچھی لگتی تھیں۔ خود اسے اپنی کزن شاندانہ دل و جان سے عزیز تھی۔

"اُسے اجازت نہیں ملی اور میں بھی نہیں چاہتا تھا۔ تم یہ مت سمجھنا کہ میں عورتوں کی تعلیم کے خلاف ہوں۔ یا بیک ورڈ ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ کچھ ہمارے یہاں کی روایتیں اور کچھ اصول ہیں۔ اور پھر ہم مردوں کی پرورش اس انداز سے کی جاتی ہے کہ ہم اپنی ماں، بہن اور بیٹی کو اپنی بہت قیمتی شے سمجھتے ہیں۔ اپنے سر کی پگڑی، عزت سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح عزت اور کسی قیمتی شے کی حفاظت کی جاتی ہے نا، بس اسی طرح ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسے سنبھال کر، دنیا کی نگاہوں سے چھپا کر، بچا کر۔ ہاں، مگر اتنے روشن خیال ضرور ہیں کہ انہیں ان کے حق سے محروم نہیں کرتے۔ انہیں بنیادی تعلیم ضرور حاصل کرنے دیتے ہیں۔ اشارا نے بھی میٹرک

کیا ہے۔ہاں، اگر ہماری وادی یا قرب وجوار میں کوئی کالج ہوتا تو اسے ضرور اس کا شوق پورا کرنے دیا جاتا۔“ اس نے پہلی بار اشارا کے بارے میں اسے تفصیل سے بتایا۔اپنے مزاج اور روایتوں کے بارے میں۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔۔نے بھی مجھے خاندان والوں کی ناراضگی مول لے کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوایا تھا۔ایم۔اے کرنا میرا خواب تھا۔“ ہشمینہ نے کہا۔

”تھا___؟“ اُس نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

”جی___ تھا۔کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں کہ گزرے واقعات اور بدلتے حالات ان کے حصول کی شدت کو ختم کر دیتے ہیں اور پھر ان کے ٹوٹنے یا بکھرنے پر غم نہیں ہوتا۔“ اس نے یہ کہتے ہوئے پلکیں جھپکا دیں۔

”کیا ہر خواب کے ساتھ یہ ہو سکتا ہے؟“ اشمل خان کا جملہ معنی خیز تھا۔

”ہو بھی سکتا ہے۔مگر کچھ ہمارے اختیار میں بھی ہوتا ہے کہ ہم ایسے حالات ہونے ہی نہ دیں۔“

”مگر ہشمینہ ابرار! میں خواب نہیں دیکھتا۔میں عزم رکھتا ہوں اور تمہیں بھی پانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔جانتی ہو جو بہت شدت کے ساتھ کسی کو چاہتے ہیں وہ اسے پانے کے صرف خواب ہ

نہیں دیکھتے، پا لینے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔اور مجھے تو اپنی چیز حاصل کرنا ہی نہیں، چھین لینا بھی آتا ہے۔“

'اوہ___ اشمل خان! یہاں تو تم وہی مغرور شخص بن گئے۔' وہ اُسے دیکھتی رہ گئی۔

اس کی آنکھوں میں محبت کا نشہ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

ہشمینہ ابرار کو پا لینے کا عزم چمک رہا تھا۔

اس کی رگ رگ میں طمانیت انگیز ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

'تم تو اندر سے وہی پہاڑی نوجوان ہو اشمل خان! جس کے عزائم بھی پہاڑ جیسے ہوتے ہیں۔' اُس نے سوچا پھر دھیرے سے بولی۔

”خدا حافظ۔“

”میں تم سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے ملنے جامعہ میں آتی رہنا۔اس لئے کہ مجھے بھی تمہاری عزت بے حد عزیز ہے___ بہر کیف آواز کا رشتہ تو قائم رکھ سکتی ہو نا۔“ اس کا اشارہ فون کی طرف تھا۔وہ ہنس دی۔مگر ایک عجیب سی اداسی اس کے دل پر محیط ہونے لگی۔

اور پھر یہ اداسی یونیورسٹی چھوڑنے کے کئی دن بعد تک اس پر طاری رہی۔کتنی شدتوں سے اشمل خان یاد آتا تھا مگر وہ اس سے ملنے جا کر رسوائیوں کے در اپنے لئے کیسے کھول لیتی۔

اُسے جامعہ چھوڑنے کا پچھتاوا ہرگز نہ تھا بلکہ وہ مطمئن تھی۔اشمل خان نے اس کے فیصلے کو سراہا تھا۔اپنی محبت کا کتنا مضبوط اظہار کیا تھا اس نے۔

کوئی خدشہ، کوئی واہمہ بھی تو پاس نہ تھا۔

وہ کتنی مطمئن، سرشار تھی۔اس کی آنکھوں کے بدلتے، مہکتے رنگ بہت انوکھے اور سجیلے تھے۔تو پھر بھابی کیونکر نہ چونکتیں۔وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکیں۔اور بالآخر ہشمینہ نے انہیں اپنا رازداں بنا لیا۔

دل کی سرزمین پر چلنے والی نئی ہواؤں کا انہیں شریک بنا لیا۔

یہ سب بتاتے ہوئے اس کی بھونرا سی آنکھوں میں اشمل خان کے نام کے جذبے مہکنے لگے تھے۔لبوں کی مسکراہٹ میں شرمیلا پن سمٹ آیا تھا۔

بھابی کتنے ہی لمحے ششدر رہیں ____ یہ انکشاف ان کے لئے کسی دھماکے سے کم تو نہ تھا۔

کہاں وہ اشمل خان کے نام سے الرجک تھی، اس کی حمایت میں بولنے والے کو مارنے پر تُل جاتی اور اب یہ عالم کہ اشمل خان کے نام سے چہرے پر بہاریں آکر ٹھہر جاتیں۔

"ہائے ہشمینہ! میں اس بات پر ایمان لے آئی کہ محبت کا حملہ اچانک اور بالکل غیر متوقع ہوتا ہے۔ نہ پہلی نظر نہ دوسری ____ یہ تو بس اچانک دل کی زمین سے پھوٹ نکلتا ہے۔" بھابی نے گہرے گہرے سانس لے کر صوفے کی پشت پر سر رکھ دیا پھر مسکرا کر نیم وا آنکھوں سے اس کے گل رنگ چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تو یونیورسٹی پھر تم نے بڑے غلط وقت پر چھوڑی۔"

"کیا مطلب؟" وہ قطعی نہ سمجھتے ہوئے بھابی کو دیکھنے لگی۔ پھر جیسے ان کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تو جھینپ کر ان پر جھپٹی۔

"آپ ایسی لڑکی سمجھتی ہیں مجھے؟"

"ار۔۔۔۔۔ارے۔۔۔۔۔ بھئی میں کہہ رہی تھی کہ اب بھلا تم دونوں ایک دوسرے سے کہاں مل سکو گے؟" بھابی اس کے خطرناک ارادے بھانپ کر جلدی سے صوفے سے اٹھ کر دور بھاگیں۔

"یعنی آپ سمجھتی ہیں کہ میں ہر وقت اس کے ساتھ محبت بھری ملاقاتیں کرتی رہی تھی۔ یا اب جاؤں تو کروں۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ "نہیں بھابی! محبت تو بہت پاکیزہ جذبہ ہے، اسے رسوا نہیں کیا جاتا۔ یہ دل میں جتنی زیادہ رہے اتنی ہی مقدس رہتی ہے۔ اور پھر محبت کو پروان چڑھانے کے لئے خلوص کی ضرورت ہوتی ہے، ملاقاتوں کی نہیں۔" وہ ناراض سی ہو گئی۔ بھابی گھبرا کر بولیں۔

"ارے ____ تم تو مائنڈ کر گئی۔"

"ظاہر ہے۔ آپ نے بات ہی ایسی کہی۔ محبت اپنی جگہ مگر درس گاہوں کی عزت اور وقار بہت اہم اور میری نظر میں مقدم ہے۔"

"اچھا بابا! معاف کر دو۔" بھابی نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو وہ بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی۔

"بہت بری ہیں آپ۔" اس نے بھابی کو زور سے صوفے پر گرا لیا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"دیکھ لو ____ شاید اشمل خان کا ہی فون ہو۔" بھابی زور سے ہنسیں تو اس نے بھابی کو مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے فون اٹھایا۔

دوسری طرف ندرت تھی۔

"ہیلو ہشمینہ!"

"ہاں ندرت! کیا حال ہے؟" وہ ندرت کی آواز پہچان کر بولی۔ "یاد آ گئی میں؟"

"ہشمینہ! غضب ہو گیا۔" ندرت اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

ہشمینہ کا دل لرز اٹھا۔

"ک۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہو گیا؟"

"آج صبح ہی ریحان پراچہ اور اس کے ساتھیوں نے اشمل خان کے آفس میں پچھلی کھڑکی سے زبردست فائرنگ کی ہے۔ وہ سب کے سب اندر ہی تھے۔"

"کیا____؟" ہشمینہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبا دیا ہو۔

"اشمل خان کو گولی لگی ہے اور ایک دوسرا لڑکا موقع پر ہی ہلاک ہو گیا ہے۔ اشمل خان کو احسن وغیرہ ہسپتال لے گئے ہیں۔" ندرت اسے تفصیل بتا رہی تھی مگر اس کی سماعت اب کچھ سننے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

اشمل خان کو گولی لگی تھی____اُس کا دماغ اس خبر کو سہار ہی نہ سکا۔ وہ چکرا گئی اور لڑکھڑائی۔ بھابی نے جلدی سے اسے تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے لٹکتا ہوا ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔ہیلو ندرت! کیا ہوا؟"

"وہ بھابی! اشمل خان کو گولی لگی ہے اور ان کا ایک ساتھی ہلاک ہو گیا ہے۔ کیا ہشمینہ بے ہوش ہو گئی ہے؟" ندرت گھبرا گئی۔

"ہاں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔اوہ گاڈ! یہ سب کس طرح ہوا؟۔۔۔۔۔اچھا میں فون رکھ رہی ہوں۔" بھابی نے جلدی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ایک طرف ہشمینہ ان کے بازوؤں میں نیم بے ہوش تھی اور دوسری طرف ندرت نے انہیں ایک خوفناک خبر سنائی تھی کہ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

...☆☆☆...

فیصل ماموں کی فیملی کے آجانے سے حویلی میں رونق سی ہو گئی تھی۔ شاہ خانم بھی خاصی خوش نظر آنے لگی تھیں اور اشارا کی تو خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ ماہ گل آپی نے اسے خوب گلے سے لگا کر پیار کیا تھا اور سحر گل اور وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی ہی دیر تک چمٹی رہی تھیں۔ یہ تو فروان کے شوخ جملے نے انہیں سب کی موجودگی کا احساس دلایا۔

"میرا کیا قصور تھا؟" اس نے اشارا کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"کیا مطلب؟" وہ پلٹی۔

"بھئی سب کا اتنا پُرتپاک خیر مقدم کیا ہے اور میں بے چارہ____"

"توبہ____" فروان کے جملے نے اُسے سرخ کر ڈالا۔ "بڑے بد تمیز ہو۔ تمہیں تو سب سے پہلے سلام کیا تھا چونکہ تم ہی سب سے پہلے اندر تشریف لائے تھے۔"

"اوہ____اچھا____میں تو بھول ہی گیا کہ سب سے پہلے مجھے ہی سلامیاں دی گئی ہیں۔ بس سات توپوں کی سلامی رہ گئی تھی۔" وہ ہنستا ہوا شاہ خانم کے پاس جا بیٹھا۔

"کتنا اچھا لگتا ہے جب تم سب آتی ہو۔ اشارا تو دن گنتی رہتی تھی کہ نہ جانے ممانی کب آئیں گی۔" شاہ خانم بولیں۔

"ہاں____اسے تو بس آنا ہی نہیں ہے۔ اور ادھر یہ اشمل بھی تو دیکھو کتنا اجنبی بنا بیٹھا ہے۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے مجال ہے جو ادھر آنکلا ہو۔ بس فون ہی کھڑکا دیتا ہے کبھی کبھی۔" ممانی جان ہمیشہ کی طرح اشمل کا شکوہ بھی زبان پر لے آئیں تو سب مسکرا دیئے۔

"اب تو یونین کے صدر ہو گئے ہیں۔ اب تو آنا اور بھی ناممکن ہو گیا ہے۔" ماہ گل نے ہنس کر کہا۔

"ارے رہنے دو____ایک بار ملاقات تو ہو جائے۔ میں تو خوب کان کھینچوں گی اس کے۔ کیوں شاہ ہے!" ممانی جان کی بات پر شاہ خانم نے سر ہلا دیا۔

"ویسے اشمل لالہ کے خلاف ڈھیر سارے شکوے جمع ہو گئے ہیں سب کے پاس۔ شاہ خانم تو پہلے ہی ان کے حویلی کم آنے پر خفا رہتی ہیں۔ ادھر آپ کے شکوے۔ اور اب تو بابا خان بھی ان کے یونین کے صدر بننے پر کچھ پریشان سے ہیں۔" اشارا نے مسکرا کر کہا تو فروان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے ___ تم سے بھی خوب گلے ہیں ہم شہر والوں کو۔ تمہیں تو آنا ہی نہیں ہے۔ ویسے سوچا ہے اب کے ایک بار ہی پکڑ کر لے جائیں گے۔" اس کا جملہ ذو معنی اور دھیما تھا جسے دور بیٹھی شاہ خانم اور ممانی جان نہ سن سکیں۔ البتہ ماہ گل اور سحر گل ہنس پڑیں جب کہ اشارا نے اس کا مفہوم نہ سمجھتے ہوئے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"چلو گی نا؟" اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارے رنگ اتر آئے اور اس سے پہلے کہ وہ اشارا کے چہرے کو حصار میں رکھتے ہوئے کوئی اور ذو معنی جملہ کہتا، ماہ گل نے اسے گھورا۔

شام تک اشارا نے سحر گل کے ہمراہ حویلی کے لان میں گھومتے ہوئے ڈھیر ساری باتیں کر لی تھیں۔ ماہ گل آپی بھی اپنے گڈو کے ساتھ ان دونوں کو ٹہلتے ہوئے اور ہنستے ہوئے دیکھتی رہیں۔

یہ سب کچھ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دل میں چھائی اُداسی کسی حد تک کم ہو گئی تھی۔ وہ یہاں خود کو ماضی سے نکال کر حال کی رنگینیوں میں اونچے اور لاپرواہ قہقہوں میں زندہ کرنے آئی تھی۔ اشارا کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بہت سا پیار اتر آیا۔

سنہری سنہری آنکھوں والی یہ معصوم اور دلکش لڑکی اسے بے حد عزیز تھی۔ یقیناً اس کے اونچے لانبے بھائی فروان کے ہمراہ بہت جچے گی۔ فروان سے ایک سال بڑی ہونے کے باوجود وہ نازک سی لڑکی فروان کے مقابلے میں کتنی چھوٹی سی لگتی تھی۔ فروان ہر گز اس سے چھوٹا نہیں لگتا تھا۔ اور پھر فروان کی آنکھوں میں چمکتی محبت جو خالص اشارا کے لئے تھی ان سے چھپی تو نہ تھی۔

آہ یہ محبت بہت خوبصورت حقیقت ہے۔

چاہے میاں بیوی کے درمیان ہو۔ بہن بھائی یا اولاد سے ہو۔ محبت کے دم سے ہی تو رشتوں میں خوبصورتی اور دلکشی

پیدا ہوتی ہے۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپی؟" اشارا اس کے قریب آکر بیٹھی تو وہ چونکی اور پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"سوچ رہی ہوں کہ حُسن، معصومیت اور پیار بھرا دل اگر ایک شخصیت میں سما جائے تو وہ شخصیت واقعی چاہے جانے کے قابل ہو گی۔"

"آپی! بھلا ایسی شخصیت کس کی ہے؟" اس نے گڈو کو ان کی گود سے لے کر دلچسپی سے پوچھا۔

"تمہاری۔"

"کیا ___؟" وہ اُن کی اس تعریف پر بری طرح جھینپ گئی اور ہنس کر بولی۔

"آپ تو بے وقوف بنانا خوب جانتی ہیں آپی۔" اس نے گڈو کے سر پر چہرہ ٹکاتے ہوئے جھینپے لہجے میں کہا تو ماہ گل زور سے ہنس دی۔

"قطعی نہیں ___ میں سچ بولتی ہوں۔ اور شاردا اسی عادت کی وجہ سے۔۔۔۔۔۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔

"آپی! آپ اور شاردا بھابی بلا تقصیر سزا پا رہی ہیں۔ کیا اس کا حل نہیں ___ کتنی کمزور ہو گئی ہیں آپ؟" اشارا نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کا دل کٹ سا گیا۔ اس کی پیاری، من موہنی سی آپی کس قدر مرجھا گئی تھیں۔

"ارے ___ یہ سحر کہاں چلی گئی؟ ابھی تو تمہارے ساتھ ٹہل رہی تھی۔" اس نے جیسے اس کا جملہ نظر انداز کر دیا۔

"اُسے نیند آ رہی تھی، زبردست۔ دوپہر کو تو اسے میں نے سونے نہیں دیا۔ خوب جگا کر باتیں کیں۔ اب معاف کر دیا ہے۔" وہ یہ کہہ کر ہنس دی۔ "باتیں تو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ میں نے کہا ابھی سو لو، رات کو خوب باتیں ہوں گی۔"

آپ سے بھی خوب باتیں کرنی ہیں مجھے۔"

"ہاں ضرور ___ مگر اشارا! مسعود شاہ کے متعلق کچھ مت پوچھنا مجھ سے۔ وہ سب کچھ بھول جانے کے لئے ہی یہاں آئی ہوں۔" اس نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا پھر ان کی نگاہ اس کی گود میں بیٹھے گڈو پر پڑی تو وہ چونکی۔

"ارے دیکھو تو ذرا ___ کس قدر مزے سے تمہاری گود میں چڑھ کر بیٹھا ہے۔ مما کو اتنی جلدی بھول گیا۔ مانوس جو ہو گیا ہے تم سے شاید۔ تمہاری صورت پسند آگئی ہے اسے۔" ماہ گل نے اسے چھیڑا۔ اسی لمحے ان کی نظر اچانک انیکسی کے دروازے سے نکلتے ہوئے ذولین خان پر پڑی تو وہ چونکیں۔

"یہ شخص ___؟" ماہ گل نے اشارا کی سمت دیکھا تو اس کے خوبصورت لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ ذولین خان ہیں۔ فیروز چچا کے بیٹے۔ آیئے میں آپ کو ان سے ملوائوں۔" وہ کھڑی ہو گئی اور جلدی سے گڈو کو اٹھا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ ماہ گل بھی بادلِ ناخواستہ اٹھی، اس کے ساتھ چلی آئی۔

"ذولین خان!" اشارا نے اسے پکارا تو وہ رک گیا اور پلٹا۔ ماہ گل اسے دیکھ کر ایک لمحے کو مسحور ہوئے بنا نہ رہ سکی۔ سبز زمردیں آنکھیں قریب سے اور بھی حسین لگیں۔ وہ انہیں اشمل خان کی عمر کے لگ بھگ محسوس ہوا۔

"یہ ماہ گل آپی ہیں۔ میری ماموں زاد۔" اشارا نے تعارف کروایا تو اس نے سرسری انداز میں ماہ گل کو دیکھا اور سلام کیا۔ ماہ گل مسکرا دی۔

"کبھی دیکھا نہیں ہے آپ کو۔"

"ارے تو آپ کون سی یہاں روز آتی ہیں۔" اشارا جلدی سے بولی اور پھر ذولین کی طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ ان کا بیٹا ہے۔ کتنا پیارا ہے نا ___ مجھ سے آتے ہی مانوس ہو گیا ہے۔" اس کی معصومیت پر ذولین خان کے لبوں پر

مسکراہٹ بکھر گئی اور آنکھوں میں ایک پیاری سی چمک لہرا گئی۔

"پھر تو اسے دور ہی رکھنا خود سے۔" اس کا جملہ بے ساختہ تھا اور نگاہیں اشارا پر مرکوز، محبت کا ایک خزانہ لٹائے دے رہی تھیں۔ ماہ گل بری طرح چونکیں۔

"میرا خیال ہے مجھے اب جانا چاہئے۔ سوری! مجھے کچھ جلدی ہے ورنہ ___" ذولین خان نے کار کی چابی انگلی میں گھماتے ہوئے معذرتی لہجے میں کہا اور ایک بھرپور نظر اشارا پر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ اشارا کا چہرہ ابھی تک سرخ ہو رہا تھا۔ وہ ذولین خان کو جاتا دیکھتی رہی، پھر بولی۔

"کیسا لگا آپی! ذولین خان؟" اس نے ماہ گل سے پوچھا جو ابھی تک عجیب سے احساس میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ذولین خان کی آنکھوں میں پنہاں رنگ ان سے مخفی نہ رہے تھے اور اشارا کی شرمگیں مسکراہٹ تو اتنی واضح تھی کہ وہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ وہ کم فہم یا نا سمجھ تو ہرگز نہیں تھیں۔ ایسے جذبے تو کبھی ان کے دل میں بھی مچلے تھے۔ یہ نرم و نازک احساسات تو آنکھوں سے جھلکتے ہیں۔ مسکراہٹ میں گھلے ہوتے ہیں۔

"آپ مائنڈ مت کیجئے ___ وہ کچھ سنجیدہ سا ہے اور پھر زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں ہے"

"ہاں۔۔۔۔۔۔آں۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں، نہیں بھئی۔" اشارا کی آواز پر جیسے وہ عالمِ خود شناسی میں آگئیں۔ "بھلا اس کا اور میرا کیا رشتہ ہے کہ وہ مجھ سے بے تکلّفانہ باتیں کرتا۔ ویسے شاندار پرسنیلٹی ہے۔ تعریف نہ کرنا زیادتی ہو گی۔" انہوں نے یہ کہتے ہوئے اشارا کو بغور دیکھا جیسے اس کے اندر جھانک لینا چاہتی ہوں کہ جو انہوں نے محسوس کیا تھا وہ ان کا وہم تو نہیں۔ مگر ذولین خان کی تعریف پر اشارا کے چہرے کی بدلتی رنگت نے ان پر سب کچھ واضح کر دیا۔

انہوں نے ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر آزاد کی۔

اب وہ اچھی طرح جان چکی تھیں کہ اشارا اور ذولین خان کا آپس میں عم زاد کے علاوہ بھی ایک بہت خوبصورت اور

رنگین رشتہ قائم ہے۔

دھیمی دھیمی لو دیتی محبت ____ جو دونوں پر پوری طرح قابض تھی۔

...☆☆☆...

یہ حملہ بالکل غیر متوقع اور شدید تھا۔ ان میں سے کسی کے گمان میں نہ تھا۔ وہ یوتھ فیڈریشن کے آفس میں دھرنا مارے بیٹھے تھے۔ اشمل خان نے سارے ممبرز کو بارہ بجے کا ٹائم دیا تھا۔ تمام درپیش مسائل کا وہ مل کر حل ڈھونڈنا چاہ رہے تھے۔ ان میں سرِ فہرست مسئلہ فلاسفی کی کلاس کا تھا۔ اسٹوڈنٹس سر عثمانی کے خلاف بائیکاٹ کئے ہوئے تھے اور ادھر سر عثمانی بھی اپنی ناک کا مسئلہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔

احسن تو گیارہ بجے سے ہی آفس میں آبیٹھا تھا اور نعیم جان اور شہزاد اس بات پر ہنس رہے تھے۔

”ایمان سے یار! تم نہایت فضول انسان ہو۔ شرم کرو۔“

”ارے شرم ہی تو نہیں آتی۔“ افتخار نے اس کے دونوں شانوں کو پکڑ کر دباؤ ڈالا۔

”دیکھ لو ____ پھر بھی اشمل خان کا منظورِ نظر ہوں۔“ احسن نے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک کر گویا نیا انکشاف کیا۔

”خوب ____ زبردستی مسلط ہو۔“ نعیم جان نے زبردست قہقہے کے ساتھ کہا اور اس سے پہلے کہ احسن جوابی کارروائی کرتا، اشمل چند لڑکوں کے ہمراہ اندر داخل ہوا اور بالکل اسی لمحے آفس کی پچھلی کھڑکی سے زبردست فائرنگ ہوئی۔

وہ سب بوکھلا اٹھے۔

اشمل خان نے جھک کر خود کو بچانا چاہا مگر ریحان پراچہ کا نشانہ خطا نہ ہو سکا اور سنسناتی گولیاں اس کے دائیں بازو اور پیر

کو روند گئیں۔

اس اچانک فائرنگ نے جامعہ میں ہلچل مچا دی۔ ایم اے پریویس کا اسٹوڈنٹ شہباز خان، ریحان پراچہ کی گولی سے موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ وہ ابھی نیا نیا ہی یوتھ فیڈریشن میں شامل ہوا تھا اور اب اس کا جسم آفس کے فرش پر خون سے لت پت پڑا تھا۔

پانچ منٹ تک فائرنگ ہوئی اور وہ سب پچھلی طرف سے نکل گئے تھے۔

ریحان پراچہ سب کی نگاہوں کی زد میں آگیا تھا مگر اس وقت کسی کو بھی اس کے پیچھے جانے کا ہوش نہ تھا۔ اشمل خان اور شہباز کی حالت نے سب کو ہراساں کر دیا تھا۔

نعیم جان اور احسن جلدی جلدی ان دونوں کو گاڑی میں ڈال کر ہسپتال کی جانب روانہ ہو گئے۔

یہ روح فرسا خبر ہثمینہ کو ندرت نے دے دی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر بھابی کے بازوؤں میں لیٹی روتی رہی۔ پھر بہ مشکل خود کو سنبھال کر کھڑا کیا اور ندرت کا فون نمبر ملا کر اس سے ہسپتال کا نام پوچھا۔ بھابی نے اُسے روکا مگر وہ نہ مانی۔

”بھابی! پلیز مجھے مت روکئے۔ نہ جانے اشمل خان کس حال میں ہو گا۔ میں ریحان پراچہ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ وہ آنسو پیتی الماری سے اپنی چادر نکال کر اوڑھنے لگی۔

”دعا کیجئے گا بھابی ____“ اُس نے ریک سے چابی اٹھاتے ہوئے رندھے لہجے میں کہا اور گھر سے باہر بھاگی۔

دل سینے کی دیواریں توڑ کر باہر نکلنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔ دماغ کی رگیں چٹختی جا رہی تھیں۔

گاڑی کانپتے ہاتھوں سے بار بار پھسلتی بالآخر ہسپتال گیراج میں جا رکی۔ اسے زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی تھی۔ ایمرجنسی کو آئے چونکہ آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس کی جامعہ کے کئی اسٹوڈنٹس بھی راہداری میں نظر آ رہے تھے۔

شہباز خان موقع پر ہی دم توڑ چکا تھا۔ اس کی ڈیڈ بوڈی کو اسٹریچر پر رکھ کر کمرے سے باہر نکالا جارہا تھا۔ سارے اسٹوڈنٹس اس کے پیچھے لپکے اور وہ دم سادھے راہداری کے کنارے کھڑی رہ گئی۔

ایک گہری خاموشی اور مہیب اُداسی پوری راہداری میں چھائی ہوئی تھی۔ صرف قدموں کی آوازیں تھیں جو اس کے قریب سے ہوتی ہوئی دور جارہی تھیں____ اچانک اُسے احسن نظر آیا جو ایک کمرے سے نکل کر اسی طرف آرہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"احسن____"

"ارے آپ____" احسن اسے دیکھ کر رک گیا۔ پھر اس کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ایم اے پریویس کا شہباز خان ہے۔ ڈیتھ ہوگئی ہے اس کی۔ اشمل خان اس کمرے میں ہے۔" اس نے اپنے دائیں طرف کے کنارے والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "شکر ہے وہ بچ گیا۔ اسے گولی پیر اور بازو پر لگی ہے۔"

"اُف خدایا! یہ سب کیسے؟"

"شش____ یہ وقت باتوں کا نہیں۔ آپ جائیں۔ وہ ہوش میں آگیا ہے۔ میں ذرا شہباز کے گھر تک جارہا ہوں۔ ایک گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا مجھے واپسی میں۔" احسن یہ کہہ کر سرعت سے راہداری عبور کر گیا۔

وہ سینے میں سسکیاں دبائے احسن کے بتائے ہوئے کمرے میں آئی تو ضبط کا بندھن ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

وہ بستر پر دراز تھا____ دایاں پیر اور بایاں بازو سفید پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ دائیں بازو سے خون چڑھ رہا تھا۔ وہ آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ سرخ و سفید چہرہ اس وقت خطرناک حد تک پیلا ہو رہا تھا۔

"اش۔ش۔۔۔۔۔۔مل۔۔۔۔۔۔یہ سب کیسے ہوگیا؟" وہ اس کے قریب آئی تو ضبط کا یارانہ رہا۔ آنکھیں آنسوؤں کا بوجھ نہ سہہ سکیں۔ وہ بلک اٹھی۔

اتنا بڑا سانحہ گزر گیا۔ سینے کی چار دیواری اس بوجھ کو برداشت نہ کر پارہی تھی۔

وہ تو خوشگوار یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کب گمان گزرا تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر ہی اشمل خان کو ایسی حالت میں دیکھے گی۔

اُف خدایا____

"ارے، رے۔۔۔۔۔۔ہشمینہ۔۔۔۔۔۔" اشمل خان بے پناہ تکلیف کو پرے دھکیل کر مسکرایا۔ "یہ کیا بھئی____ تم تو بہادر لڑکی ہو۔ یہ کس طرح کا مظاہرہ کر رہی ہو____ بس۔" اُس نے اُسے سرزنش کی۔ ہشمینہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اس کے ہنستے ہوئے چہرے کو دیکھا جہاں سرخی کی جگہ زردی پھیل گئی تھی۔ آنکھیں اور چہرہ اس تکلیف کا واضح ترجمان تھا جسے وہ چھپانے کی سعی کر کے جبراً مسکرا رہا تھا۔

"بیٹھو۔"

"اشمل____ کیا یہ سب ریحان پراچہ____"

"ہاں____ مگر ہشمینہ! دکھ تو شہباز خان کا ہے۔ وہ لڑتا ہوا موقع پر ہی ہلاک ہوگیا ہے۔ ریحان پراچہ نے میری دشمنی میں اُسے ضائع کر دیا۔ میں بہت دکھی ہوں اس کی موت پر۔" شہباز خان کی موت پر اشمل خان سخت ملول ہو رہا تھا۔ اسے جب احسن نے بتایا کہ وہ بچ نہ سکا تو اس لمحے اسے اپنے سارے زخم بے حد معمولی لگے۔ ان کی ساری تکلیف زائل ہو کر صرف شہباز کا غم جسم و جان پر ہلکورے لینے لگا تھا۔

"اُسے ابھی زندہ رہنا تھا، بہت زیادہ۔ اُس کے خیالات، اُس کے ارادے بہت اعلیٰ اور بلند تھے۔ مجھے تاعمر اس سرمائے کے ضائع جانے کا دکھ رہے گا۔ میں ریحان کو اب معاف نہیں کروں گا۔ اسے سزا سے بچنے نہیں دوں گا ہشمینہ! میں اس کے خلاف گواہی دوں گا۔ شہباز کے قاتل کو اب بچنا نہیں چاہئے۔ اگر وہ قانون سے بچ بھی گیا تو میرے ہاتھوں اُسے موت ملے گی۔" اس کا لہجہ آگ ہو گیا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں ریحان پراچہ کے خلاف نفرت ہی نفرت تھی۔

درد کی تپش ہشمینہ کو جھلسائے دے رہی تھی۔ مگر اس وقت اشمل خان کو ہر درد سے، ہر اذیت ناک سوچ سے دور رکھنے کی ضرورت تھی۔ اُسے ذہنی سکون کی ضرورت تھی۔ بے تحاشا خون بہنے کی وجہ سے وہ جسمانی طور پر کمزوری اور تھکن محسوس کر رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ لبوں سے اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا مگر چہرہ اس کی تکلیف کا غماز تھا۔

"اشمل پلیز ___ خود کو ریلیکس رکھئے۔" اس نے اپنے بے آواز بہتے آنسوؤں کو بمشکل روکتے ہوئے کہا تو اشمل خان نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ از حد نڈھال اور پریشان تھی۔ چہرہ اندرونی جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

"بیٹھ جائو۔" اس نے اپنے قریب رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بتائو تمہیں اس کی اطلاع کس نے دی ___ تم یونیورسٹی گئی تھیں؟"

"نہیں، ندرت نے مجھے فون پر بتایا۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر دل گرفتہ لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب وہ خوبصورت جذبوں سے سجی آنکھوں کو جھکا کر بھابی کے سامنے وہ راز طشت از بام کر رہی تھی اور بھابی کس درجہ شرارت سے اسے دیکھ کر چھیڑ رہی تھیں۔

پھر اچانک وہ اشمل کے ہاتھوں پر چہرہ جھکا کر بلک اٹھی۔ آنسوؤں کا ایک سمندر تھا جو آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

"ارے بھئی ہشمینہ!" اشمل خان اس کے رویے پر ایک دم گھبرا گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"اشمل خان! کاش ___ یہ سارے زخم آپ کے جسم پر پڑنے کی بجائے میرے جسم پر لگتے۔ میں جانتی ہوں ریحان پراچہ نے اس دن کا بدلہ لیا ہے آپ سے۔ وہ مجھے اغواء کر کے بھی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ اور یہ آپ کی وجہ سے ہوا تھا۔ میری وجہ سے وہ آپ کا جانی دشمن بن گیا ہے۔ صرف اور صرف میری ذات نے یہ ڈھیر سارا دُکھ اور تکلیف دی ہے۔ یہ ساری اذیت تو مجھے ملنی چاہئے، آپ کو تو نہیں۔" ہشمینہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"بالکل پاگل ہو تم۔ یہ خود ساختہ سوچیں ہی تمہاری۔ سنو احمق! وہ صرف اور صرف مجرم ہے اور ایک دہشت گرد۔ اس کے لئے کسی جواز کی ضرورت نہیں۔ اور پھر وہ اپنی شکست کی آگ گاہے بگاہے نکالتا رہا ہے اور اثر و رسوخ ہونے کی وجہ سے شیر ہو گیا ہے۔ اس میں تمہارا یا میرا، کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پھر یہ تو معمولی زخم ہیں۔ اس میں تو تکلیف بھی نہیں ہے دیکھو۔" اس نے آہستگی سے سر اونچا کیا تو ہشمینہ نے کرب سے ہونٹ بھینچ لئے۔

"ہاں ___ میں جانتی ہوں، تم چٹان ہو۔ بے حد مضبوط اور بڑی سے بڑی تکلیف پر بھی اُف نہ کرنے والے۔ مگر بہر حال ایک انسان ہو گوشت پوست کے۔ ورنہ جسم اور دھڑکتا دل پتھر نہیں ہوتا۔ زخم لگنے پر تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ہاں مگر تم میں کمال کا حوصلہ ہے۔"

"ارے یوں کیا منہ بنائے بیٹھی ہو ___ سچ کہہ رہا ہوں کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔ ہاں کچھ دیر پہلے ہو رہی تھی۔ مگر تم آگئی ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے سارے زخموں پر مرہم لگ گیا ہو۔ ساری تکلیف زائل ہو گئی ہے۔" وہ ہنسا تو ہشمینہ کھڑی ہو گئی۔

"پلیز اشمل!" اس نے آنسو بہاتے ہوئے رخ موڑ لیا۔ پھر اچانک پلٹی اور بولی۔

"میں آپ کے لئے سُوپ وغیرہ لے کر آتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں۔۔۔۔۔۔۔اس کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔۔یہاں ہاسپٹل میں۔۔۔۔۔۔۔"

"یہ آپ کی ضرورت نہ سہی مگر میری مجبوری سمجھ لیں۔دل کی مجبوری۔" اس نے یہ کہتے ہوئے چہرہ جھکا لیا۔اشمل خان کے گداز لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی۔اُس لمحے اُسے واقعی اپنی ساری تکلیف کا احساس زائل ہوتا محسوس ہوا۔

"خود کو زیادہ متفکر مت کرو ہشمینہ!"

"جی____" اُس نے جھکا ہوا سر ہلا دیا۔اسی لمحے کوریڈور میں قدموں کی آواز اُبھری تو وہ قدرے سنبھل گئی۔

نعیم جان اور افتخار اندر داخل ہوئے تو ہشمینہ کو دیکھ کر دونوں بہ یک وقت ٹھٹکے۔

"آؤ۔۔۔۔۔۔آؤ نعیم جان!" اشمل ان دونوں کو رُکتے دیکھ کر پکارا تو وہ دونوں قریب آ گئے۔

"شہباز کے باپ نے ایف آئی آر درج کرائی ہے ریحان پراچہ کے خلاف۔"

"ہاں یار!اس کی ماں تو رو رو کر پاگل ہو رہی ہے۔ایک ہی بیٹا تھا اس کا۔" افتخار اس کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہوں____بہت اچھا کیا۔میں گواہی دوں گا ریحان کے خلاف۔میں اُسے عدالت میں گھسیٹوں گا۔" اشمل خان نے غراتے ہوئے کہا۔نعیم جان اور افتخار نے اُسے دیکھا۔

"وہ اس بار بھی بچ سکتا ہے۔"

"نہیں____اب میں اُسے نہیں بچنے دوں گا۔وہ قاتل ہے اور پھر وہ اثر ورسوخ کا مالک ہے تو میں بھی ایک اسٹوڈنٹ سے ہٹ کر رئیس زادہ بن کر اس کے مقابل آؤں گا۔تم نے ابھی صرف امن پھیلانے اور درگزر کرنے والے اشمل خان کو ہی دیکھا ہے۔"

اس نے چہرہ دریچے کی طرف کر لیا اور غصہ ضبط کرتے ہوئے لب بھینچ کر آنکھیں موندلیں۔نفرت سے اس کی گردن کی رگیں پھول گئی تھیں اور آنکھوں میں خون اُترتا محسوس ہو رہا تھا۔

ہشمینہ چند ثانیے یہ سب دیکھتی اور سنتی رہی اور پھر آہستگی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

...☆☆☆...

یہ گہری اور مہیب تنہائی اُنہیں مارے دے رہی تھی۔ان سب کے جانے سے گھر میں جیسے وحشت سی برسنے لگی تھی۔

فروان اور سحر گل کی شرارتیں____ماہ گل کی دھیمی مسکراہٹ اور گڈو کی موجودگی____سب ایک ساتھ ان کی نظروں سے محو ہوئے تھے۔وہ متوحش سی ہو گئی تھیں۔

ابو صبح کے جاتے رات ہی کو آتے تھے اور زمان خان کا ہونا نہ ہونا ہمیشہ سے ان کے لئے برابر رہا تھا۔

زمان کا تصور بنتے ہی جیسے دل وذہن پر وزنی بوجھ آن گرا۔برداشت کی بھاری سل سرکنے لگی اور آنسو نہ جانے کہاں سے آنکھوں میں لہرانے لگے۔زیست کے اس گزرتے عرصے میں وہ ٹھہر کر سوچتیں تو روح جیسے غم واندوہ کے بوجھ تلے سسک کر رہ جاتی۔

پیچھے دیکھتیں تو ماتمی نوحے دل کو گرفت میں لینے لگتے اور آگے ڈھیر ساری ویرانی خوفناک منظر کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے بکھرتی جاتی تھی۔

وہ خالی ہاتھ تھی

'زمان خان!عورت تو بس محبت اور توجہ کی خواہاں ہوتی ہے۔تم نے دونوں ہی سے مجھے محروم کر رکھا ہے۔'

سات سال___ یہ سات سال جیسے تپتے صحرا پر ننگے پیر چلتی رہی تھیں۔

’زمان___ تم نے مجھے تخت سے پتھریلی زمین پر لا پھینکا ہے۔ جہاں خاردار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی خوشگوار جھونکا نہیں___ ہر سمت ریت کا دریا دکھائی دیتا ہے___ مجھے کوئی بتائے کہ یہ ہولناک منظر اپنا رخ بدلے گا بھی کہ نہیں؟___ کیا دُکھوں کے سمندر کا کوئی کنارا بھی ہے کہ نہیں؟___ کیا میری زندگی صرف موج کی صورت ہے یا اس میں کسی ساحل کا آسرا بھی ہے؟

اب تو اُمید کی لویں بھی تھرتھرانے لگی ہیں۔‘

انہوں نے کرب سے آنکھیں موندلیں۔ پھر کھولیں تو ٹھٹک گئیں۔ سامنے وہ دشمن جاں نہ جانے کب سے کھڑا تھا___ نگاہیں ملنے پر اس نے جلدی سے سٹپٹا کر رخ موڑ لیا تھا۔

یہ گہری خاموشی اور تنہائی دونوں ہی کو عجیب سے نامانوس احساسات سے دوچار کر رہی تھی۔

”ایک کپ چائے بنا دینا۔“ وہ یہ کہہ کر قدم اٹھاتا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ ایسا اجنبی انداز تھا، ایسی بے اعتنائی کہ اس کی آنکھیں سلگ اٹھیں۔

دونوں ہی مجبور ہو گئے تھے ایک دوسرے کو مخاطب کرنے پر۔

گھر میں ان کے علاوہ اور کوئی تیسرا فرد نہ تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ ورنہ تو زمان خان چائے اور کپڑے استری کرنے اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں کے لئے سحر گل یا امی کو ہی پکارتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ شاردا ہی اس کے سارے کام انجام دیتی تھی۔ مگر مخاطب وہ نہ ہوتی تھیں۔ ہمیشہ پس منظر رہتیں۔ وہ زمان خان کے ناروا سلوک کے باعث خوفزدہ رہتیں۔ مگر اب چند دنوں سے وہ دونوں ہی الجھ گئے تھے۔ زمان خان کو ہر بار اُسے ہی مخاطب کرنا پڑتا تھا۔

وہ چائے بناتے ہوئے اسی کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ خود سے الجھ رہی تھیں اور تقدیر سے شکوہ کناں تھیں۔

اب تو درد شدید ہو گیا تھا۔ گڈو، ماہ گل اور سب کی موجودگی میں ذہن بٹا رہتا تھا۔ کوئی پُر درد لہر اُٹھتی بھی تو کسی کے جملوں، کسی کی مسکراہٹوں میں دب کر رہ جاتی۔ مگر اب تنہائی نے شدت پیدا کی ہوئی تھی اور زمان خان کے سامنے آنے اور اس کے اجنبی رویے پر زخم ہر بار تازہ ہو جاتا۔

وہ خاصی دیر بعد چائے بنا کر قدم اٹھاتی کمرے میں آئی تو وہ باتھ روم سے نہا کر نکلا تھا۔ شانے پر تولیہ رکھے آستین کو کہنی تک فولڈ کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔ سیاہ اور گلابی پرنٹڈ سوٹ میں وہ اُداس اُداس چہرے اور گہری گہری سنجیدگی کے ساتھ اندر آئی تھی اور کپ ایک تپائی پر رکھ دیا تھا۔

”کب تک آنے کا کہہ گئی ہیں امی؟“ اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں اور تولیہ شانے سے اتار کر بیڈ پر بے ترتیبی سے پھینک دیا۔

”دن مقرر تو نہیں ہیں۔“ اس نے بھی مبہم انداز میں جواب دیا اور بے ترتیب رکھا تولیہ اٹھا لیا اور باتھ روم کا کھلا دروازہ بند کیا اور پھر اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔

”آپ لنچ نہیں کریں گے؟“

”ہوں۔۔۔۔۔۔آں۔۔۔۔۔۔نہیں، ہوٹل سے کھا کر آیا ہوں۔“ وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم ہو گیا تھا، اس کی بات پر چونکتے ہوئے بولا اور ایک بار نگاہ پھر اس کے چہرے کی جانب اٹھ گئی جہاں شگفتگی کا دھواں پھیل گیا۔

”آج ہی پر کیا موقوف، کبھی بھی تو اس نے اس کے ہمراہ کھانا نہیں کھایا تھا اور وہی نادان، بے وقوف اس کی منتظر رہتی تھی۔ اس کا انتظار کرتی رہتی۔ حالانکہ ہمیشہ ہی اس طرح کے جواب ملتے تھے۔ انتظار کا صلہ کبھی اس سے مختلف تو نہ ملا تھا۔

"اخبار آج کا نہیں آیا تھا کیا___؟" اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ وہ پلٹی مگر اسی خاموشی کے ساتھ اور آگے بڑھ کر ریک کی دراز سے رول کیا اخبار نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"صبح آپ کے جانے کے بعد دے گیا تھا۔"

اس حد تک وہ اس کا خیال رکھتی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے چونکا جیسے دل کو پکڑ کر کسی نے جھنجوڑا تھا مگر دوسرے لمحے بے حسی کی چادر تن گئی۔ اس نے رول کیا اخبار اس کے ہاتھ سے لے لیا اور پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔ گویا اب اخبار کا مطالعہ شروع ہو گیا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس فضا میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ خود کو ان اذیت بھری سوچوں سے چھٹکارا دلانے کی غرض سے کچن میں آ گئی اور بکھری چیزیں اٹھا اٹھا کر طریقے سے رکھنے لگی۔

"شاردا!" وہ کچن کے دروازے تک آیا۔ وہ پلٹی۔ زمان خان قدرے پریشان سا دروازے میں ایستادہ تھا۔ اخبار کا پہلا صفحہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میں ذرا ہاسپٹل جا رہا ہوں۔"

"جی___" وہ حیران رہ گئی۔ "ہاسپٹل؟"

"ہوں___ مجھے تو خبر ہی نہ تھی۔ ابھی اخبار میں اس خبر پر نظر پڑی۔ یونیورسٹی فائرنگ میں ایک لڑکا ہلاک ہو گیا ہے اور اشمل شدید زخمی ہے۔ مائی گاڈ___ یہ لڑکا یہاں اسی شہر کے ہاسپٹل میں ہے اور میں اتنا بے خبر ہوں۔" وہ یہ کہہ کر سرعت سے پلٹا۔ "چائے اٹھا لینا وہاں سے۔" وہ اخبار کچن کی سلیپ پر رکھ کر تیزی سے باہر کی جانب نکل گیا۔

وہ اخبار کو گھورتی رہی پھر تلخی سے ہنسی۔ 'تو زمان! تم اتنے ہمدرد بھی ہو۔'

اُس نے آگے بڑھ کر ہوا سے پھڑ پھڑاتا اخبار اٹھا لیا۔

'تو تم صرف اور صرف میرے لئے بے حس اور ظالم ہو___ اشمل خان کی چوٹوں نے تمہیں پریشان کر دیا مگر کبھی میرے زخموں کا احساس نہیں ہوا تمہیں___ میں، جو اندر سے بالکل مر چکی ہوں۔ میری روح کے زخم ناسور بن رہے ہیں۔ مگر تمہیں احساس نہیں رہا___ تم بے حس ہو تو صرف میرے لئے۔ ظالم ہو، جابر ہو صرف میرے لئے۔'

اُس نے زور زور سے چیخنا چاہا مگر ساری آوازیں اندر ہی دم توڑ گئیں۔ اس پر اچانک جنون سا چڑھ گیا۔ اس نے اخبار کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے فضا میں اچھال دیئے۔

"تم۔۔۔۔۔ ہمدرد۔۔۔۔۔۔ نہیں، تم کسی کے لئے بھی ہمدرد نہیں ہو۔ تم فرعون ہو۔" اس نے اپنے بال نوچ دیئے۔ "مجھے ایک بار ہی موت دے دو زمان خان! اب یہ اذیت نا قابل برداشت ہے میرے لئے۔"

وہ اچانک لڑکھڑائی۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ دائرے بننے لگے۔ پھر اس کے ہاتھ سہارے کے لئے دروازے کی طرف اٹھے مگر چند قدم پر موجود دروازہ اس کی آنکھوں میں مسلسل تاریکی میں گم ہو گیا___ وہ لہرا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

اُسے نہ جانے کتنی دیر ہو چکی تھی ٹھنڈے فرش پر بے حس و حرکت پڑے۔ خود اُس کا وجود بھی یخ بستہ ہو رہا تھا۔

زمان خان نے جب گھر کے اندر قدم رکھا تو اس کی پہلی نگاہ شاردا کے بے ہوش وجود پر پڑی تھی اور وہ تیر کی طرح

آگے بڑھا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے اعصاب میں تناؤ سا پیدا ہوا۔

"اُف خدایا____"

اُس کے جانے کے بعد وہ کب سے اس حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک گہرے تاسف نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس نے وقت ضائع کئے بغیر اُسے بیڈ پر لٹا کر ڈاکٹر ظفر ملک کا فون ملایا۔

ڈاکٹر ظفر ملک اس کا قریبی دوست تھا۔ ایک ساتھ وہ کالج میں پڑھتے رہے تھے اور اب بھی اکثر اس کے کلینک جانا ہوتا تھا____ اس وقت وہ اپنے کلینک کی بجائے گھر میں تھا۔

ظفر ملک نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔ شاردا کی اچانک بے ہوشی کا اس نے جلدی سے بتایا۔ وہ فون اٹھا کر شاردا کی طرف بڑھا۔ اس کی بے ہوشی نے اُسے ذہنی طور پر گہرا شاک پہنچایا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ لانبی چوٹی سے بال کھل کر زرد چہرے پر بکھر گئے تھے۔ دراز پلکیں بالکل ساکن تھیں اور آنکھوں کے نیچے ابھی تک نمناکی تھی۔

یہ زرد زرد چہرہ جو چند سال قبل تک گلابی اور شگفتہ تھا، سیاہ آنکھوں کی روشنیاں کبھی کبھی اس کے بے حس دل کو جھنجھوڑنے لگتی مگر ہر بار وہ اپنے جذبوں پر مضبوط بند باندھ لیتا تھا اور احساسات کی لو نیچے کر لی تھی۔

اس لڑکی سے اُسے ذاتی دشمنی تو نہ تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اس کی انا کو مجروح کرنے کا سبب تھی۔ شہلا اس کی زندگی میں آئی تھی مگر امی نے مسعود شاہ کی بہن کو اس کی زندگی میں جبراً داخل کر دیا۔ یہ فیصلہ صرف امی کا تھا جس پر وہ قطعی راضی نہ تھا بلکہ سراپا احتجاج تھا۔ مگر جیت شاردا حیات کی ہوئی اور وہ ڈھیروں ارمان، ڈھیروں خوبصورت خواب لے کر اس کے آنگن میں اتر آئی۔ اس کی ذاتیات میں شامل ہونے لگی تو وہ جیسے بھڑک اُٹھا____ شہلا سے کئے ہوئے پیمان کے ٹوٹنے پر، اپنی انا کے مجروح ہونے پر وہ مشتعل ہو گیا۔

اس کے دل میں شاردا حیات کے خلاف اسی روز سے شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اس سے ہم کلام ہوئے بغیر اس کے وجود کو، اس کی ذات کو سمجھے بغیر اسے ناپسندیدگی کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ امی اور ابو کو ان کے جبراً کئے گئے فیصلے کی گویا سزا دے رہا تھا۔ مگر سزا تو شاردا کو بھی مل رہی تھی یا پھر ماہ گل کو۔

اتنے برس بیت گئے۔ وہ خود بھی تو اس آگ میں مسلسل جلتا رہا تھا۔ شہلا ایوب تو اس کے دل سے، اس کے ذہن سے نہ جانے کب کی نکل چکی تھی۔ سارے جذبے ہی سرد پڑ گئے تھے۔ سارے زخم بھی مندمل ہو گئے تھے۔ لیکن اس میں بے حسی کی دبیز چادر تن گئی تھی جس سے نکل کر اس نے کبھی دیکھا اور سوچا ہی نہیں۔

شاردا کی سسکیاں۔

اس کی موہنی صورت۔

اس کی آنکھوں میں بکھرتے سپنوں کا عکس۔

اور نہ ماہ گل کی اُداسیاں!

اس نے جھک کر شاردا کو بہت قریب سے دیکھا جیسے یہ اس کے لئے کوئی نامانوس چہرہ ہو اور پہلی بار نظر آیا ہو۔

تکیے کی سفیدی میں سیاہ بالوں میں گھرا ہوا چہرہ زرد ہونے کے باوجود ایک عجیب سی جاذبیت لئے ہوئے تھا۔ اس کے دل کی دیواریں طوفان سے لرزنے لگیں۔ دل و دماغ الگ آپس میں الجھ رہے تھے۔ کوئی سرا بھی تو ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ ایک ہجوم تھا سوچوں کا۔ گزرے دنوں کے خیالات کا۔ اچانک وہ چونکا۔ کال بیل زور زور سے بج رہی تھی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ظفر ملک کھڑا تھا۔

"یہ بھابی کو اچانک کیا ہو گیا؟"

"پتہ نہیں ___ میں باہر سے آیا تو وہ کچن کے دروازے کے قریب فرش پر بے ہوش تھی۔ شاید گرمی کا اثر ہو۔" اس نے اپنے سارے مظالم مخفی رکھتے ہوئے خفیف سے انداز میں کہا۔

"مگر موسم تو خاصا ٹھنڈا ہے۔"

وہ چلتے ہوئے اس کمرے میں آ گئے جہاں بیڈ پر شاردا بے ہوش پڑی تھی۔ ظفر ملک کی نظر شاردا کے چہرے کی طرف اٹھی تو وہ بری طرح چونکا اور تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے زرد چہرے نے اُسے بری طرح چونکا دیا تھا۔

"زمان!" وہ پلٹا۔ "یہ کب سے بیمار ہیں؟"

زمان خان سٹپٹا کر رہ گیا۔

"یہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ بس آدھے گھنٹے قبل ہی اچانک بے ہوش ہو گئی۔"

"مگر ان کا چہرہ تو۔۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔۔" اُس نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور شاردا کا معائنہ کرنے لگا۔

"ہاسپٹل لے جانے کی ضرورت پڑے گی کیا؟" زمان خان کچھ متفکر سا ہونے لگا۔ ظفر ملک کے چہرے کے تاثرات نے اُسے ایک دم خوف زدہ کر دیا۔

اگر شاردا کو کچھ بھی ہوا تو اس کا ذمہ دار سراسر وہ خود ہو گا۔

"نہیں، نہیں ___ میرے خیال سے ہوش آجائے گا تو گھر میں ہی مکمل آرام کرنا ہو گا۔ زمان! میرے خیال میں تم بھابی کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہو۔" وہ زمان کی طرف پلٹا۔ "یہ بے حد وِیک ہیں اور چہرے سے بظاہر عرصے کی بیمار محسوس ہو رہی ہیں۔ یہ مینٹلی اپ سیٹ ہیں۔ اور ظاہر ہے یہ تمہاری جانب سے ہی ہے۔"

"ہاں ___ ہمارا کلیش (جھگڑا) چل رہا ہے۔" زمان نے قدرے جھجکتے ہوئے بتایا۔

"کیا ___؟" ظفر ملک ششدر رہ گیا۔ "زمان ___ تم ___"

"ظفر! یہ میرا پرسنل افیئر ہے۔ اور میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔ پلیز، تم علاج بتاؤ۔" اس نے سرد مہری سے ظفر ملک کی بات کاٹ دی۔ ظفر ملک حیران سا اس اونچے لمبے، پڑھے لکھے اور اچھے گھرانے کے زمان کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کا اتنا قریبی دوست گھریلو تنازعہ میں الجھا ہوا تھا اور وہ بے خبر تھا۔

"نہیں زمان ___ یہ عظیم گناہ ہے۔ تم ایک لڑکی کو اپنے گھر لا کر ___ کہیں تم اُس شہلا نامی لڑکی ___"

"میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا اور نہ میں کسی شہلا ویلا کے عشق میں گرفتار ہوں۔ میرا مسئلہ کچھ اور ہے۔"

"اوکے۔۔۔۔۔۔۔ ایزیُووِش۔۔۔۔۔۔ مگر زمان! بھابی کی حالت مزید خطرناک ہو سکتی ہے اگر انہیں مینٹلی ریلیکس نہ ملا۔" ظفر ملک اس رویے پر خاصا دل برداشتہ ہو کر بولا اور چند میڈیسن لکھ کر پرچہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

"میں صرف ڈاکٹر ہی نہیں، تمہارا دوست بھی ہوں۔ تمہارا رویہ میرے لئے بے حد اذیت کا باعث بنا۔ خدا حافظ۔" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

"ظفر! میں اس وقت سخت اپ سیٹ ہوں۔" وہ اس کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے ندامت سے بولا۔ "میں اپنے آپ سے جنگ کی حالت میں ہوں ___ کیا ایک الجھے شخص کو مزید ڈپریسڈ کرنا تم پسند کرو گے؟ ظفر! میں ماضی کے سارے باب بند کر کے کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ میں گزرے لمحوں کو زبان پر لانا نہیں چاہتا۔ ڈُو یُو انڈراسٹینڈ؟"

"ہوں ___" ظفر ملک نے اس کے پراگندہ چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا۔

"شاردا بھابی کی حالت نے اتنا تو مجھے سمجھا دیا ہے کہ قصور وار سراسر تم ہی ہو۔ مگر مجھے امید ہے اب تم آنے والے لمحوں کو ماضی کی اس گرد سے محفوظ رکھو گے۔ دِس از مائی ریکویسٹ ٹُو یُو۔ تم شاردا بھابی کو ان کا حق دو گے ___ ان کا

خیال رکھنا زمان! زندگی کو محض ایک تلخ لمحے کی بھینٹ مت چڑھاؤ۔ اچھا خدا حافظ۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا مگر زمان خان کی سوچ کو ایک نیا انداز دے کر ___ اُس کی پریشان اور اُلجھی سوچوں کو سلجھا ہوا راستہ دے کر۔

اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی زندگی کسی زبردست انقلاب سے دوچار ہو رہی ہے۔ اس کے ذہن کی ساری تنی ہوئی طنابیں ڈھیلی ہو رہی ہیں۔ وہ ایک دم جیسے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

وہ پلٹا تو شاردا ہوش میں آچکی تھی۔

...☆☆☆

"وادی کا اتنا زبردست حُسن تو اچھے اچھوں کی عقلیں سلب کر لیتا ہے ماہی آپی!"

فروان مسلسل اشارا کے چہرے کو نگاہوں کی گرفت میں لئے ہوئے بول رہا تھا۔ اشارا، زیبل کے ہمراہ شام کی چائے اور لوازمات میز پر سجا رہی تھی۔ سحر بھی اس کے ہمراہ تھی۔

"اسی لئے تو میں تمہیں وادی نہیں لا رہی تھی۔ اتنی سی تو عقل ہے۔ وہ بھی گئی کام سے۔" ماہی آپی سن رہی تھیں۔ اشارا اور سحر گل اس طرف متوجہ تھیں۔

"اب کیا ہو گیا فروان بھائی؟ ___ بغیر عقل کے ہی شہر واپس جانا ہے؟" سحر گل نے اُسے چھیڑا۔

"ارے تم لوگ مذاق سمجھ رہی ہو ___ میں سنجیدہ ہوں۔" فروان نے مصنوعی سنجیدگی سے سحر گل کو گھورا۔

"تو میں کب مذاق کر رہی ہوں۔" سحر جلدی سے بولی۔

"ویسے پوچھ سکتی ہوں کس طرح کے حُسن نے تمہیں متاثر کیا ہے؟ یہاں تو صرف قدرتی حُسن ہے سیدھا سادا۔" اشارا پہلی بار گویا ہوئی اور فروان بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"جناب! قدرتی حُسن ہی تو متاثر کرتا ہے۔ مصنوعی روشنیاں ہمیں تو متاثر نہیں کرتیں۔"

"پتہ نہیں ___ میں نے تو سنا ہے شہروں کی زندگی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔"

"ارے ___ ارے، یہ کس نے کہہ دیا۔" فروان اٹھ کر میز کی طرف آگیا۔ "شہر کی زندگی تو بالکل پھیکی اور بے مزہ ہوتی ہے۔ ایسی شگفتگی، ایسی خوبصورتی اور سادگی کہاں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ اس وادی میں آجاؤں ہمیشہ کے لئے۔"

"گھر داماد بن کر۔" سحر گل سرگوشی کے انداز میں برجستہ بولی تو فروان نے پلٹ کر اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔

فروان کی جذبے لٹاتی آنکھیں سحر گل سے مخفی تو نہ تھیں۔ ایک نئے اور اچھوتے رنگ لئے مسلسل اشارا پر مرکوز تھیں اور اس پر ذو معنی جملے۔

اشارا، ممانی جان اور شاہ خانم کو چائے کے لئے بلا لائی اور دونوں نہ جانے کس موضوع پر باتیں کر رہی تھیں۔ سٹنگ روم میں آتے ہوئے بھی سلسلہ ٹوٹا نہیں تھا۔

"امی! کیا خیال ہے پھر ___ ہمیشہ کے لئے اس وادی میں نہ رہ جائیں؟" فروان نے میز پر رکھی پلیٹ سے چپس کھاتے ہوئے ممانی جان کو مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

"آں ۔۔۔۔ کیا، کیا؟"

"کیوں نہ ہم وادی میں رہ جائیں۔" اس نے اپنا جملہ دہرایا۔

"ہاں، ہاں ___ کیوں نہیں؟ بس یہیں رہ جاؤ۔ اتنی بڑی حویلی تو ہے۔" ممانی سے پہلے شاہ خانم جلدی سے بولیں۔

"اوں، ہوں۔۔۔۔۔ حویلی میں نہیں ____ یہ میری غیرت گوارا نہیں کرے گی۔ کیوں ماہی آپی ____؟" اس نے شرارت سے ماہ گل کو دیکھا جو گڈو کو اٹھا کر اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔

"یہاں چھوٹا سا ایک گھر بناؤں اور۔۔۔۔۔۔"

"چھوٹا سا کیوں ____ بڑا کیوں نہیں؟" سحر گل درمیان میں ہی بول اٹھی۔

"چلو، ایک بڑا سا گھر بناؤں اور۔۔۔۔۔۔"

"بڑا کیوں ____ درمیانہ کیوں نہیں بھئی۔ دو افراد کے لئے اتنے بڑے گھر کی کیا ضرورت ہو گی۔" اب کے ماہ گل نے اسے چھیڑا تو وہ چپ ہو گیا اور پھر بھرپور انداز میں ہنس دیا۔

"توبہ ہے تم لوگوں سے۔ اونگی بونگی ہانکتے رہتے ہو۔ ممانی جان نے اپنے تینوں بچوں کو دیکھا اور پھر اشارا کو دیکھ کر بولیں۔

"بیٹھو اشارا! میرے پاس۔ دیکھا نا تم نے، بس شہر میں یہ لوگ ایسے ہی بے مقصد باتیں کرتے ہیں۔"

"ارے امی! اگر انسان ہر وقت اور ہر لمحہ مقصدی گفتگو ہی کرتا رہے تو یہ زندگی میں مسکراہٹ، حُسن ہی ختم ہو جائے۔ کیوں بھئی اشارا! ____ کیا وادی کے لوگ بے مقصد گفتگو سے پرہیز کرتے ہیں؟" اس نے بے حد سکون سے سینڈوچ کا نوالہ حلق میں اتار کر اشارا کو مخاطب کیا، جو ان کی باتوں سے محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی بات پر اُسے بے ساختہ ذولین خان کا خیال آیا۔

بے حد کم گو، خاموش طبع اور سنجیدہ ____ مگر یہ خاموشی اس پر سجتی تھی۔ کچھ لوگ پیدائشی ہنسنے مسکرانے اور زیادہ بولنے والے ہوتے ہیں ____ فروان پر بھی ہنسنا اور بولنا سجتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اُس نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ اپنے شوخ اور باتونی کزن کو دیکھا۔

"نہیں ____ وادی میں تم جیسے بھی رہتے ہیں اور زیادہ باتیں ناپسند کرنے والے بھی۔"

"اچھا، تو زیادہ باتیں اور شرارتیں ناپسند کرنے والوں سے مجھے ملواؤ تو سہی۔ میں بھی دیکھوں کہ وہ کیسے ہوتے ہیں۔"

فروان کا موڈ ازحد شگفتہ تھا۔

"اشارا! ذولین خان سے ملوادو اسے۔" ماہ گل نے ہنس کر کہا تو فروان چونکا۔

"ذولین خان؟"

"ہوں ____ اشارا کے کزن ہیں ____ چچازاد۔ انیکسی میں رہتے ہیں۔ تنہائی پسند ہیں۔" سحر گل نے تفصیل بتائی۔

شاہ خانم اور ممانی جان پھر سے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ اشارا نے نظریں اٹھا کر شاہ خانم کی طرف دیکھا پھر قدرے مطمئن ہو کر بولی۔

"ضرور ملواؤں گی کسی دن۔"

"آں۔۔۔۔۔۔ کسی دن کیوں ____ آج ہی، بلکہ ابھی دیدار ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔" فروان ایک دم بے قرار ہو گیا اور اسی وقت کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے خیال سے انیکسی کے راستے سے میں باخبر ہوں۔ کیا خیال ہے، خود نہ شرفِ ملاقات حاصل کر لوں؟"

"سنبھل کر جانا۔" سحر گل ہنستے ہوئے بولی۔ "وہاں بھوت بھی ہو سکتے ہیں۔"

"نہ___ بھوت سے ڈرنے والا نہیں۔ مرد ہوں پورا۔ اور چڑیلیں ہوتیں تو کوئی بات بھی تھی ڈرنے کی۔" اس نے کہا اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا سٹنگ روم سے باہر نکل گیا اور وہ تینوں اس کی بے قراری اور جلد بازی دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

فروان نے انیکسی میں قدم رکھا تو چند لمحے مبہوت سا رہ گیا۔ ذولین خان کا شاندار سراپا اس کے عین سامنے تھا۔

وہ بھی اپنی سبز سبز آنکھوں میں حیرانگی لئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی رائیڈنگ سے واپس آیا تھا۔ سفید بیگی جرسی، سیاہ پینٹ اور لانگ شوز میں وہ دو گھنٹے کی مسلسل رائیڈنگ کے باوجود تروتازہ تھا۔

"مجھے فروان کہتے ہیں۔" وہ ذولین خان کے خوبصورت سراپے سے قدرے مرعوب ہوتے ہوئے بولا اور آگے بڑھ کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"اشمل کے کزن___" ذولین کو پہچاننے میں دقت نہیں ہوئی۔ اشارا نے ہی اسے بتایا تھا کہ اس کے ماموں کی فیملی آج کل حویلی میں آئی ہوئی ہے۔ اس نے بھی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

"اشمل کی غیر موجودگی میں تو آپ یقیناً بوریت محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"اس لئے تو آپ کے پاس آگیا۔" فروان شگفتہ لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"کیا آپ مجھے کمپنی نہیں دے سکتے؟ ویسے اتنی شاندار کمپنی کا مجھے گمان نہیں تھا۔ اور آپ کا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے کہ آپ بے حد کم گو ہیں اور زیادہ باتیں کرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں___ مگر مجھے تو آپ کو چند دنوں تک برداشت کرنا پڑے گا۔ جبراً ہی سہی۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اس کی بات پر ذولین خان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے سوچا یقیناً اس کا تعارف اشارا نے ہی کروایا ہو گا۔ وہ شاید اس کی کم گوئی سے خائف رہتی تھی۔ یہ سچ تھا، وہ تنہائی کا عادی تھا اور خاموش طبع تھا۔ مگر ابھی تک اسے ایسا ہمراز، ایسی کوئی شخصیت نہیں ملی تھی جس سے وہ بہت سی باتیں کرتا۔ وہ اشارا سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ شاہ خانم کے خوف کو سر پر سوار کر کے اس سے ملتی اور ایسے میں کبھی کبھی اس کی بے قراری کو اور بھی شدید کر دیتی۔

"کیا میں کچھ توقع رکھ سکتا ہوں آپ سے؟" فروان نے کہا۔

"پتہ نہیں، میں تمہاری توقعات پر پورا اتروں گا یا نہیں۔ بہر کیف اپنی سی کوشش کروں گا۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں آپ کا مشکور رہوں گا۔" فروان نے اپنی ازلی شوخی سے سر خم کرتے ہوئے کہا تو ذولین خان ہنس دیا۔

"آپ شاید رائیڈنگ کر کے آئے ہیں۔" وہ اب بے تکلفی کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں___ چچا جان نے مجھے تاکید کی ہے کہ سورج ڈھلنے سے پہلے ہی میں واپس آجاؤں۔ انہیں بہت خوف رہتا ہے ان گہری کھائیوں سے۔" اس نے خود کو کرسی پر گرا لیا اور لانگ شوز اتارنے لگا۔ "تم گھڑ سواری جانتے ہو؟"

"میں۔۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔۔۔" اُس کی بات پر فروان زور سے ہنسا۔ "ارے شہر میں رہنے والے صرف گاڑی میں بیٹھنا جانتے ہیں، گھوڑے کی پشت پر نہیں۔ ویسے یہ میرا شوق ضرور ہے۔ کیا آپ کا گھوڑا مجھے اپنی پشت پر برداشت کر لے گا؟"

"کیوں نہیں___ بس ذرا احتیاط برتنی ہو گی۔ ایک بار اشمل نے اس کی مرضی کے خلاف کسی سمت لے جانے کی سعی کی تھی لیکن پھر اشمل کو اسے قابو کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ تم ایسی غلطی نہیں کرو گے تو محفوظ رہو گے۔"

ذولین خان اپنے مشکی گھوڑے کا اکھڑپن بے حد شان سے بتا رہا تھا اور فروان کا دل اُچھل کر رہ گیا۔

"اشمل بھائی کو قابو کرنا مشکل ہو گیا تو بابا! میری تو جان ہی ڈھل جائے گی۔ اور ویسے بھی مجھے ان کھائیوں سے بہت خوف آتا ہے۔"

"ارے ___ تم ڈر گئے۔" ذولین خان نے اسے مسکرا کر دیکھا اور پھر بیسن پر ٹھنڈے پانی سے منہ دھوتے ہوئے بولا۔ "تم چائے پیو گے ؟"

"نہ ___ نہیں، میں چائے پی کر ہی آیا ہوں۔ اب میں چلوں گا۔ وہاں سب میرے منتظر ہوں گے۔ میں کل پھر آئوں گا آپ کو ڈسٹرب کرنے۔" فروان کرسی سے کھڑا ہو گیا اور اسے خدا حافظ کہتا ہوا انیکسی سے باہر نکل گیا۔

ذولین خان تولیے سے منہ رگڑتے ہوئے فروان کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ یہ خوبرو اور باتونی لڑکا اُسے براہر گز نہیں لگا تھا۔ اس کے جملوں میں اُسے زندگی ہمکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اُسے اچانک اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا۔ کچھ لوگ شاید ہمیشہ تنہا ہی رہتے ہیں۔

اُس نے تولیہ ہینگ کرتے ہوئے گولڈن فریم والے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا اور بالوں پر ہاتھ پھیر کر پلٹا تو اشارا کھڑی تھی۔

"وہ فروان آیا تھا نا یہاں ؟"

"ہاں ___ چلا گیا۔"

"چلا گیا؟ ___ شاید دوسری طرف نکل گیا ہو گا۔"

"اشارا!" ذولین نے اُسے دیکھا اور پھر لب بھینچ کر اس کے قریب آیا۔ "اتنی شام انیکسی میں مت آیا کرو۔" اس

نے ڈھلتی شام کی گہری ہوتی رنگت کو محسوس کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تو اشارا مسکرا دی۔

"ذولین خان! مجھے آپ پر خود سے بھی زیادہ اعتبار ہے۔ پھر ـــــــ"

"بات اعتبار کی نہیں ہے۔" اس نے تیزی سے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ "احتیاط کی ہے۔ اور پھر میں نہیں چاہتا کہ چچا خان کے دل میں میری طرف سے کسی طرح کا کوئی ایسا خوفزدہ کر دینے والا خیال آئے یا کوئی ایسی سوچ اُبھرے۔"

"نہیں ذولین! بابا خان کو آپ پر بے حد اعتماد ہے۔ بھلا وہ ایسا ـــــــ"

"اشارا! پلیز، سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس نے رخ پلٹ کر دیوار پر لگے لائٹ کے سوئچ آن کر دیئے۔ کمرہ ایک دم ہی روشنیوں میں نہا گیا۔ "تم جائو۔"

اشارا کے دل پر جیسے گھونسا سا پڑا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ ذولین خان کا یہ رویہ اس کا دل دکھا گیا۔ وہ پلٹی اور تقریباً بھاگ کر انیکسی سے باہر نکل گئی۔

"اشارا ___" ذولین اس کے اس طرح بھاگنے پر پریشان ہو گیا۔ اس نے دریچے سے جھانکا تو وہ دور جا چکی تھی۔

'پاگل لڑکی! اس میں ہم دونوں کی ہی بھلائی ہے۔ ساری عمر میں نے اپنی انا، عزت کی حفاظت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ اب خوفزدہ ہوں کہ کوئی ہاتھ میری جانب نہ اٹھے کہ جس میں صرف میری ہی نہیں، تمہاری بھی ذات کے لئے اذیت کا باعث ہو۔'

اس کی ناراضگی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ مگر وہ خود ہی سوچ کر مسکرا دیا کہ وہ اسے موقع ملنے پر منا لے گا۔ وہ جانتا تھا کہ اشارا مہروز بے حد معصوم لڑکی ہے۔ وہ اس سے زیادہ خفا نہ رہ سکے گی۔ بھلا جو لوگ دل سے بے حد قریب ہوتے ہوں وہ ناراض کب رہ سکتے ہیں۔ اس نے دریچے کا پردہ کھینچ لیا۔

...☆☆☆...

"آخر آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں ____ کچھ نہیں ہوتا مجھے۔ میں بس اس کوٹھی میں رہوں گا۔ مجھے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا بگاڑ لے گا قانون میرا۔ یہ کھلونا ہے کھلونا۔" ریحان پراچہ کا لہجہ تکبرانہ تھا۔ "کیا ہمارا اثر ورسوخ ختم ہو چکا ہے جو آپ اتنے فکر مند ہو رہے ہیں؟"

"بے وقوف ہو تم ____ بات معمولی نہیں ہے، قتل کا کیس ہے۔ ریحان! جانتے ہو تم قتل کسے کہتے ہیں؟"

شاہنواز پراچہ کی جان پر بن رہی تھی اور بیٹا تھا کہ قتل کرنے کے بعد بھی اسی سکون سے تھا۔ غلطی انہی کی تھی کہ ہمیشہ اس کی پشت تھپتھپائی تھی۔ اسے خوفزدہ دیکھ کر تسلیاں دی تھیں ____ مگر آج خود انہیں کسی طرح بھی تسلی نہ ہو پا رہی تھی۔ بیگم شاہنواز بھی ہراساں تھیں۔

"بس اس دن سے ڈرتی تھی میں۔ یہ آگ کا کھیل ہے۔ یہ اسلحہ تباہ کر دیتا ہے اسے جو بھی اسے پکڑتا ہے۔ خدایا اب کیا ہو گا؟" وہ تو باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"اوہو مما! آپ لوگ کیوں اتنے خوفزدہ ہیں؟"

"بس میں نے کہہ دیا نا کہ ریحان! تم ابھی اور اسی وقت فلیٹ میں منتقل ہو جاؤ۔ پولیس یہاں دوبارہ بھی آ سکتی ہے۔ شہباز کے باپ اور بھائیوں نے ایف آئی آر درج کرا دی ہے تمہارے خلاف۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ قتل کا کیس آسان بات نہیں ہے۔" شاہنواز پراچہ کے لہجے میں اُلجھن کے ساتھ سختی بھی تھی۔

انہیں اپنا اکلوتا بیٹا بے حد عزیز تھا۔ اور ہر حال میں وہ اس کی حفاظت اور سلامتی چاہتے تھے۔

"جاؤ ذرا فلیٹ کی چابیاں لے کر آؤ۔ میں نے بیڈ کی دراز میں ہی رکھی ہیں۔" شاہنواز پراچہ نے اپنی بیوی کو مخاطب

کیا جو ابھی تک بے آواز رو رہی تھیں۔

"اوکم آن ماما! ____ اس سے پہلے بھی تو ایسا ہوا ہے۔ پولیس نے چھاپے مارے بلکہ مجھے گرفتار بھی کر چکی ہے۔ پھر کیا میں واپس نہیں آؤں گا؟ یہ پاپا کا وسیع ریلیشن اور پیسہ کس کام کا ہے؟" وہ لاپرواہ انداز میں ہنسا۔

"اس ریلیشن شپ اور پیسے نے تو تمہیں اس حال تک پہنچایا ہے۔" وہ دکھ سے بولیں اور کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

"تمہیں اتنا مطمئن رہنے کی ضرورت نہیں ہے ____ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر بار اتنی آسانی سے بازی جیت جائیں۔" شاہنواز پراچہ کے لہجے میں ناگواری سمٹ آئی۔ بیٹے کا بے فکر انداز انہیں ایک آنکھ نہ بھایا۔

"وہ لڑکا اشمل خان کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے۔ اس کی بیک بے حد مضبوط ہے۔ اور وہ ڈپٹی منظور احمد بھی بہت خرانٹ آدمی ہے ____ اس بار بہت مشکل پیدا کر دے گا وہ اشمل کے ساتھ مل کر۔ اور پھر تم نے اُسے بھی گولی مار کر زخمی کر دیا ہے۔'

"پاپا! آپ شہباز کے گھر والوں پر پریشر توڑا لئے ____ انہیں منہ مانگی قیمت دیں۔ انہیں ایف آئی آر درج کرانے کیوں دی؟" قدرے توقف کے بعد ریحان پراچہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ باپ کی پریشانی اب اس پر بھی لاحق ہونے لگی۔ اسے سنگینی کا احساس ہونے لگا۔

"اونہہ ____ وہ غریب لوگ بہت غیرت مند اور عزت دار بنتے ہیں۔ وہ لوگ خون کا بدلہ خون مانگتے ہیں۔۔۔۔۔ بے وقوف لوگ۔۔۔۔۔"

"آپ ان کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں، گیا تھا۔ تم کیا سمجھتے ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں۔ ایک لاکھ روپیہ یوں ٹھکرا دیا جیسے دو روپے ہوں۔ پچھتائیں گے خود ہی۔ بیٹا تو گیا سو گیا۔ شاید بہت پُراعتماد ہیں تمہاری گرفتاری اور سزا کے سلسلے میں۔"

ریحان پراچہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ وہ منہ بناتا صوفے سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

بیگم شاہنواز چابیاں لے کر آئیں اور روٹھے ہوئے انداز میں اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔

"کاش اشمل ہی مر جاتا اس کی بجائے۔" وہ چابیوں کو ہتھیلی پر مارتے ہوئے نفرت سے بولا۔

"بکو مت زیادہ ___ چلو اب، پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔" شاہنواز پراچہ نے اُسے ڈپٹ کر سرعت سے قدم باہر کی جانب بڑھائے۔

"میرا بچہ ___ خدا تجھے حفظ و امان میں رکھے۔ میں تو پہلے ہی ڈرتی تھی۔ کہتی رہتی تھی تمہارے پاپا کو کہ اولاد کو زیادہ ڈھیل دینا نقصان دہ ہوگا مگر ___"

"اوہو شازیہ! یہ کیا بے وقوف عورتوں کی طرح رونا دھونا شروع کر رکھا ہے۔ ابھی ہمارے اختیار سے کچھ نہیں گیا۔" شاہنواز پراچہ پلٹ کر تند ہی سے بولے۔ "چلو ریحان! جلدی کرو۔"

"اوکے ممی ___ آپ فکر مت کریں۔ میرا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اشمل خان ہو یا کوئی اس سے بھی بڑھ کر ___ اونہہ، ابھی تو آپ نے پاپا کی طاقت دیکھی ہی نہیں مما!"

"پاپا کی یا پیسے کی؟" انہوں نے قدرے منہ بنا کر کہا تو ریحان زور سے ہنس دیا۔

"اوکے ___ گڈ بائی ماما! میں آپ سے فون پر رابطہ رکھوں گا۔" اس نے بیگم شاہنواز کے ہاتھ تھام کر تھپتھپائے۔

"آؤ ___ میں تمہیں گاڑی تک ہی چھوڑ آؤں۔" انہوں نے کہا تو وہ ہنس پڑا۔ وہ اسے گاڑی تک چھوڑنے آئیں تو

سخت دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔

"بائے ___" خدا حافظ کہہ کر جیسے بکھر ہی گئیں۔ 'ایسا ہی اس کی ماں کا کلیجہ ہوگا۔ وہ بھی تو بیٹا تھا جو میرے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ نہ جانے اس کی ماں نے کیسے سنبھالا ہوگا خود کو۔'

گاڑی دور ہوتی گئی اور بیگم شاہنواز کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔ ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ایک دم اتر گیا تھا۔ وہ اب شوہر سے بھی خائف تھیں۔ وہ بیٹے کی حرکتوں کو معمولی کھیل سمجھتے ہیں۔ اور وہ خود بھی پارٹیوں اور فنکشن سے فارغ ہی نہیں ہوتیں۔

'یہ آزادی خود میرے لئے وبال بن گئی۔' وہ بلک اُٹھیں۔

...☆☆☆...

نعیم جان اور افتخار ابھی ابھی اس کے پاس سے اٹھ کر گئے تھے۔ وہ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو تکیے کا سہارا لے کر نیم دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

ہاسپٹل کی اکتا دینے والی خاموشی اور تنہائی اس پر کوفت طاری کر رہی تھی۔ اتنی بے رونق اور بے کل زندگی کا تو تصور بھی نہیں رہا تھا اس کے پاس۔ اتنا بے بس اس نے کبھی خود کو محسوس نہیں کیا تھا۔ پٹیوں میں جکڑا وہ خود کو اس بے بس پرندے کی طرح محسوس کر رہا تھا جس سے اُس کی اُڑان چھین لی گئی ہو اور اس کے سامنے سے آسمان ہٹا کر ایک چھت تان دی گئی ہو۔

ایک ایک کر کے اُسے سب یاد آ رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی زمان خان بھی اس سے مل کر گیا تھا۔ اس کی لاپرواہی پر خفگی بھی ظاہر کر گیا تھا اور اسے اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تھا۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ پوری فیملی وادی گئی ہے۔ چند لمحوں کے لئے تو اسے اپنی وادی اور حویلی کتنی شدت سے یاد آئی تھی۔ وہ آنکھیں

مونڈے گہری سوچوں میں غرق تھا کہ اچانک ہی اسے اپنے قریب کسی ذی روح کا احساس ہوا۔ایک مانوس سی خوشبو کا جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

سامنے ہی وہ آشنا خوشبو میں بسا گلاب چہرہ تھا۔آنکھوں میں اس کے لئے بے پناہ چاہت لئے۔درد اور حزن کی آمیزش لئے۔وہ اس کے چہرے کو اپنی آنکھوں کے حصار میں لئے ہوئے تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا تو وہ چونکی۔پھر اس کے زرد چہرے پر سے نگاہیں ہٹا کر بولی۔

"اشمل خان! میرا دل چاہتا ہے کہ میں ریحان پراچہ کو اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر دوں۔اُسے کوئی بہت ہی اذیت ناک سزا دوں۔مگر۔۔۔۔۔۔" اُس کا گلا رندھ گیا۔

"وہ شخص قانون کے ہاتھوں سے ہرگز نہ بچے گا____یہ بتاؤ، کب آئیں تم؟" وہ قدرے اونچا ہو کر بیٹھ گیا۔

"پتہ نہیں، یہ قانون ان لوگوں کے لئے ہے یا نہیں۔" اُس نے رخ موڑ لیا۔وہ سخت زودرنج ہو گئی تھی۔

اشمل خان کا زرد چہرہ اور پٹیوں میں جکڑا وجود کس قدر بے بسی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ایک منٹ نہ بیٹھنے والا، اپنے سینے میں درد رکھنے والا یہ لڑکا کتنی بے بسی سے بستر پر پڑا ہوا ہے۔اس کی تکلیف و اذیت کی ترجمانی اس کی بھوری آنکھیں بخوبی کر رہی تھیں۔یہ اور بات تھی کہ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تھا۔

"بہت چاہتی ہو مجھے ہشمینہ؟" اُس نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا تو اس کے رخساروں پر دھنک رنگ بکھر گئے۔وہ ٹفن سائیڈ میز پر رکھ کر دوبارہ اس کی جانب رخ نہ کر سکی اور پیالے میں سُوپ بھرنے لگی۔

"جانتی ہو اظہار، محبت کو آسمان کی بلندیوں پر لے جاتا ہے اور دل کے لئے تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ایک دوبار ہی سہی۔" وہ پُرزور انداز میں ہنسا تھا۔اس کا جھینپا جھینپا انداز اُسے محظوظ کر گیا تھا۔

"اشمل خان! جب آنکھیں اور چہرہ دل کا ترجمان ہو تو پھر لفظوں کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔" اس نے سُوپ کا پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔

وہ نچلا ہونٹ ہموار دانتوں تلے دبائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اس کی بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر آنکھیں اور چہرہ پڑھنے کی اجازت ہی نہ ہو تو پھر سماعت لفظوں کی منتظر رہتی ہے۔"

"آپ نے اپنے گھر اطلاع نہیں دی اس حادثے کی؟" وہ دور ہو کر کرسی پر بیٹھ کر دھیرے سے بولی۔وہ اس نازک موضوع کو بڑھنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

"نہیں____وہ سب پریشان ہو جائیں گے۔بابا خان نے پہلے ہی وارننگ دے رکھی ہے۔"

"اخبار میں تو یہ خبر آئی ہے۔" اس نے کہا تو اشمل خان کے چہرے پر تفکر کے رنگ پھیل گئے۔

"اوہ____یہ تو بہت برا ہوا۔زمان لالہ بھی آئے تھے۔بہت پریشان ہو رہے تھے۔حالانکہ اب تو کافی ریکور کر رہا ہوں۔"

"یہی تو رشتوں کی اہمیت اور محبت ہے۔خوشی اور غم میں شریک ہونا ہی تو اپنوں کی محبت کی نشانی ہے۔خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے غم میں لوگ پریشان ہوتے ہیں۔کیا آپ ایسی شخصیت نہیں؟____آپ کے لئے اسٹوڈنٹس بھی دُعا گو ہیں۔"

"حالانکہ میں تو بہت عام سا بندہ ہوں ہشمینہ! جس نے ابھی تک کسی کے لئے کچھ نہیں کیا ہے اور اگر کچھ کیا بھی ہے تو اتنے سارے لوگوں کا تعاون رہا ہے ساتھ۔" وہ بے حد صاف گوئی سے بولا۔

"مجھے بس فکر ہے کہ یہ خبر بابا خان تک نہ پہنچے۔" اس نے سُوپ کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور (اخبار میں چھپی تھی

یہ خبر) یہ بات اسے متفکر کر گئی تھی۔

"شاہ خانم، اشارا خان سب اس کے لئے کتنے پریشان ہو جائیں گے ___ ہو سکتا ہے ان کی نظروں سے یہ خبر نہ گزری ہو ورنہ ابھی تک تو وہ یہاں آجاتے۔" ہثمینہ نے اسے پریشان دیکھ کر دلاسہ دینا چاہا۔

"احسن سے تو بات ہوئی ہو گی نا آپ کی۔ کوئی کال نہیں آئی ہاسٹل میں ___ احسن نے تو کچھ نہیں بتایا؟" ہثمینہ کی بات اس کے دل کو لگی۔ تبھی دروازے پر آہٹ ہوئی۔ وہ دونوں چونکے۔

کمرے میں داخل ہونے والا ذولین خان تھا۔ بالکل غیر متوقع ذولین کو دیکھ کر اشمل خان حیران رہ گیا۔

"ذولین ___ تم ___" اُس کا چہرہ چمک اٹھا۔ وہ بھی پریشان سا اس کی طرف بڑھا اور جھک کر اس سے بغل گیر ہو گیا۔

"تم نے تو اطلاع دینے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ تو اخبار والے مہربانی کر گئے۔" ذولین نے اس کے وجود پر تشویش بھری نظر ڈالی اور قدرے خفگی سے کہا۔ "یہ سب کیسے ہوا؟"

"تم بیٹھو تو ___ آتے ہی غصہ نکالنے لگے یار!" اشمل اس کی خفگی پر مسکرایا۔

ہثمینہ حیران کن نظروں سے ذولین کو تکتی رہی جو اس سے پہلے بالکل اجنبی تھا۔ نام تک سے واقفیت نہ تھی۔ وہ اشمل سے اس کی اتنی بے تکلفی پر حیران ہوئی جا رہی تھی۔

"باباخان وغیرہ کو بھی خبر ہے؟" وہ اپنا خدشہ زبان پر لے آیا۔

"نہیں ___ میں یہ خبر والا صفحہ گول کر گیا تھا۔ سوچا پہلے خود دیکھ آئوں کہ معاملہ کتنا سیریس ہے۔"

"تو دیکھ لو ___ زیادہ سیریس نہیں ہے۔" اشمل خان نقاہت محسوس کرنے کے باوجود لہجے میں بشاشت طاری

کرتے ہوئے بولا۔

"بکومت ___ زیادہ سیریس کسے کہتے ہیں؟" ذولین خان کی سبز آنکھوں میں غصہ ہلکورے لینے لگا۔ "میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ چھٹیوں میں تم غائب رہتے ہو۔ وادی کا چکر نہیں لگاتے ___ پولیٹکس کے چکروں میں ہوسٹل میں ہی پڑے رہتے ہو۔"

"اوکے ___ اوکے ___ یار! تم ذرا ٹھنڈے تو ہو لو۔" اشمل خان نے کچھ اس طرح کہا کہ باہم جڑے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے ہثمینہ! اس سے ملو، یہ ذولین ہے۔ عم زاد ہے میرا۔ اور میرا بہترین دوست۔" اس نے ہثمینہ کی سمت دیکھا تو وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

ذولین نے بھی اس کی طرف دیکھا اور پھر قدرے چونکا۔ سیاہ چادر کے ہالے میں جگمگاتے چہرے اور سیاہ فسوں خیز آنکھوں والی اس لڑکی کے لئے اشمل خان کی آنکھوں میں انوکھے رنگ تھے۔

"میری کولیگ تو نہیں مگر ___" اشمل کچھ جھجک سا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ذولین سے ہثمینہ کا تعارف کس طرح اور کس رشتے سے کرائے۔

"مگر کیا؟" ذولین نے اُسے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکا سا تبسم لہرا رہا تھا جس نے اشمل خان کو کچھ اور بھی خفیف کر دیا۔

"میرے خیال سے اب میں چلوں گی۔" ہثمینہ، ذولین خان کی نگاہوں سے جھینپ کر جلدی سے بولی اور سرعت سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

"تم نے وضاحت نہیں کی اشمل!" ذولین اس کے کمرے سے جاتے ہی اشمل خان کی طرف پوری طور پر متوجہ ہو گیا۔ اُسے تجسّس ہونے لگا۔ گو کہ کسی حد تک اس نے اندازہ تو لگا لیا تھا مگر

وہ سب کچھ اشمل خان سے صاف لفظوں میں سننا چاہتا تھا۔

"گل بی بی کی نند کی بیٹی ہے۔ ابرار انکل کی بیٹی۔" وہ اُس کی سبز آنکھوں کی محویت سے جھینپ کر بولا۔

"یہ وضاحت تو نہیں تمہارے تعلق کی۔" ذولین کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"بہت چالاک ہو یار!___ تم سے بچنا بہت مشکل ہے۔ یہ بتاؤ وادی میں سب کیسے ہیں؟ کسی کو اس حادثے کی اطلاع تو نہیں ہے؟" اس نے بھی کمال خوبصورتی سے بات بدل دی جس پر ذولین مسکرا کر رہ گیا۔

"نہیں___ ابھی تک تو کسی کو خبر نہیں ہے۔ مگر میں جا کر ضرور سب کو باخبر کر دوں گا۔ آخر کیا دھندا پال رکھا ہے تم نے۔ دیکھو اشمل خان! تم چچا خان کو بہت عزیز ہو۔ خود کو ان بکھیڑوں میں مت اُلجھاؤ۔"

"یہ بکھیڑا نہیں ہے ذولین! نہ ہی میرا شوق ہے۔ یہ ضرورت ہے___ اچھے اور سازگار حالات کی ضرورت ہے تمام طلباء کو۔ ذولین! میں سب کچھ بدل دینا چاہتا ہوں۔ دھونس، نفرت اور دہشت گردی سے اس زمین، اس درس گاہ کو پاک کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جہاد ہے اور اس میں میرے ساتھ بہت سے لوگ شریک ہیں۔ میں تو بس ایک راستہ بنانا چاہتا ہوں۔ منزل گو کہ ابھی میرے اختیار سے بہت دور ہے۔ مگر میرے پیچھے آنے والے ان راستوں پر چل کر کبھی تو منزل پا لیں گے۔ آئی ایم ویری ہوپ فُل ذولین!"

اس کا لہجہ شدتِ جذبات سے بھاری ہو گیا۔ ذولین اپنے اس عم زاد اور دوست کو چند ساعت دیکھتا رہا جس کے چہرے پر عزم روشنی کی طرح چمک رہا تھا۔

"ہاں___ اگر صحیح راستے کا تعین ہر شخص کر لے تو پھر منزل دور نہیں۔ مگر اشمل! تم نے اس حادثے کی رپورٹ کروائی ہے ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے یہ فائرنگ کی ہے؟"

"ہاں___ ایک لڑکا ہلاک ہو گیا ہے شہباز نام کا۔ اس کے والدین نے ایف آئی آر درج تو کروائی ہے۔ بس ذولین! میرے زخموں کو ذرا بہتر ہو لینے دو۔ میں خود اس کے خلاف گواہی دوں گا۔ ریحان اب سلاخوں کے پیچھے مجھے نظر نہیں آیا تو میرا نام بھی اشمل خان نہ ہو گا۔"

"اشمل___!" ذولین نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ "فی الحال تمہیں میرے ساتھ وادی چلنا ہے۔ ان عدالتوں کے چکر میں پڑو گے تو لمبا عرصہ گزر جائے گا۔ اور پھر چچا خان سے کچھ بھی مخفی نہ رہ سکے گا۔ جانتے ہو انہوں نے مجھے چند دن پہلے ہی کہا تھا کہ میں اشمل کے پاس ایک چکر لگا آؤں۔ اور اگر میں یہاں نہیں آتا تو وہ ضرور آ جاتے۔ اور اب تم میرے ساتھ نہ چلے تو کچھ بعید نہیں کہ چچا خان خود شہر آ ہی جائیں۔"

ذولین کی بات پر اس کے چہرے پر تردّد کے رنگ پھیل گئے۔

"مگر ذولین! ڈی ایس پی منظور احمد سے میری بات ہو چکی ہے۔ وہ خود اس کیس میں مصروف ہے اور عنقریب شہباز کا مقدمہ بھی پیش ہو جائے گا۔ اور ایسے میں میری ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے___ میں تمہیں گواہی دینے سے نہیں روک رہا۔ مجھے خوشی ہوئی ہے تمہاری باتیں سن کر۔ تمہاری ہمت و جرأت کی داد دیتا ہوں۔ مگر اشمل! صرف ایک ہفتے کی بات ہے۔ تم وادی چلو اور پھر واپس آ کر مقدمے کی سماعت کرو۔"

"اچھا، تم کب تک ہو یہاں؟" اشمل خان نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

"میں یہاں دو دن مزید ہوں تمہارے پاس۔ اس عرصے میں کچھ زخم تو مندمل ہو جائیں گے۔ علاج تو اچھا ہو رہا ہے

"نا؟"

"ہاں۔"

"بس تو پھر کیا ہے____وہاں کہہ دیں گے کہ تمہاری کار کا حادثہ ہو گیا تھا۔ معمولی زخم آئے ہیں۔ جو یقیناً شاہ خانم اور اشتار کی خدمت سے بہتر ہو جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے ذولین خان زور سے ہنسا تو اشمل خان بھی ہنس دیا۔

"پورا پلان بنا کر آئے ہو مجھے لے جانے کے لئے۔"

"ہوں____یہی سمجھ لو۔ اور پھر شاندانہ کی شادی بھی تو ہے۔"

"اچھا____کب؟"

"بس انہی پندرہ بیس دنوں میں۔ تیاریاں تو زور و شور سے جاری ہیں۔ تم اٹینڈ کرتے ہی واپس آجانا۔" ذولین یہ کہتا ہوا اٹھ کر اس کے پیر کا زخم دیکھنے لگا۔

"ہاں ظاہر ہے، گل بی بی اس طرح جانے بھی کب دیں گی جب تک شاندانہ رخصت نہیں ہو جاتی۔" وہ مسکرایا اور پھر سر تکیہ پر ڈال کر آنکھ موند کر بولا۔

"ذولین! ہشمینہ کیسی لگی تمہیں؟"

ذولین خان نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کے قریب آیا۔

"اچھی ہے____میں تمہاری پسند کی داد دیتا ہوں۔" اس کے تصور میں سیاہ چادر کے ہالے میں جگمگاتا چہرہ اور فسوں خیز آنکھیں اُبھر آئیں۔

"ذولین! وہ لمحہ میرے اختیار سے باہر تھا جب میرا دل ہشمینہ ابرار کو چاہنے لگا۔ ایک دم ہی وہ مجھے اپنے دل سے بہت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

قریب محسوس ہونے لگی۔ شاید وہ میری شکست کا لمحہ تھا۔ اور پتہ ہے ذولین! مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میری شکست ایک اچھے فاتح کے ہاتھوں ہوئی۔" وہ آنکھیں کھول کر عجیب مخمور نگاہوں سے چھت کو دیکھنے لگا۔ ذہن کے پردوں میں نرم چہرے والی ہشمینہ ابرار جھانک رہی تھی۔ سیاہ فسوں خیز آنکھوں والی لڑکی کی محبت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے دل میں شدید ہو رہی تھی۔

"کیا اس شکست کی خبر چچا خان کو پہنچا دوں کہ آپ کا توانا، لائق و فائق بیٹا ایک کمزور لڑکی کے ہاتھوں۔۔۔۔۔۔"

"ارے، نن۔۔۔۔۔ نہیں۔ یہ ستم مت کرنا۔" اشمل خان گھبرا کر اٹھ بیٹھا مگر دوسرے لمحے ذولین کی آنکھوں میں مہکتی شریر مسکراہٹ سے جھینپ گیا۔

"دل بڑے بڑے مضبوط اور فاتح کی دسترس سے بھی باہر ہوتا ہے ذولین!" اس نے کہا اور سائیڈ ٹیبل سے پانی سے بھرا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

اس کی بات پر ذولین خان کو اپنی شکست یاد آگئی جو اشتار انے اسے ایسے ہی کسی کمزور لمحے میں دی تھی۔

"دیکھو، تم اسے اپنے تک ہی محدود رکھنا۔" اس نے تاکیدی نظروں سے ذولین کو دیکھا۔

"گل بی بی کو تو بتانا ہی پڑے گا۔ آخر تم نے ان کی نند کی بیٹی۔۔۔۔۔۔۔"

"آخاہ، اشمل خان! آج بڑے تازہ تازہ لگ رہے ہو۔" احسن کی بلند آواز پر ذولین خان نے اپنا بقیہ جملہ منہ میں ہی روک لیا۔

وہ اشمل کے مسکراتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ ذولین پر نگاہ اٹھی تو چونکا۔

"خوب____تعریف اس خدا کی جس نے یہ شاہکار بنایا۔ مگر پھر بھی آپ کی تعریف؟" اس نے توصیفی نظروں

سے ذولین خان کے دلکش سراپے کو دیکھا۔

"یہ ذولین ہے۔"

"اچھا،اچھا____غائبانہ تعارف تو ہوا ہے مگر دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہوا ہے____کیا یہ لینز تو نہیں؟" اس نے اچانک اس کی سبز کانچ سی آنکھوں کی سمت اشارہ کیا تو ذولین نے لب بھینچ کر اشمل کی سمت دیکھا۔اُسے احسن کی دماغی حالت پر شک گزرا۔

"احسن!کیا فضول بک رہے ہو؟ذولین!اس شخص کے پاس عقل کی کمی ہے۔" اشمل مسکراہٹ کو دبا کر بولا۔

"واللہ____اگر آپ لڑکی ہوتے تو کچھ بعید نہ تھا کہ میری بچی کھچی عقل بھی سلامت نہ رہتی۔" وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسا۔ذولین اپنی اس تعریف پر جھینپ گیا۔

"ویسے اشمل کی برداشت کی داد دیتا ہوں جو نہایت اطمینان اور صبر سے آپ کی یہ باتیں ہضم کر جاتا ہے۔" ذولین خان نے پہلی بار لب کشائی کی تو احسن سر کھجاتے ہوئے قدرے جلدی سے بولا۔

"خیر،اطمینان سے تو ہضم نہیں کرتا۔خاصی کڑواہٹ،بے چینی اور ہمت کے ساتھ نوش فرماتا ہے۔"

"میرے خیال سے مجھے چلنا چاہیے۔ہاں تو مسٹر____"

"احسن۔"

"جی،مسٹر احسن!میں برداشت کے معاملے میں بالکل صفر ہوں۔اس لئے خدا حافظ۔" ذولین یہ کہہ کر سرعت سے نکل گیا۔احسن کتنی ہی دیر بغلیں جھانکتا رہا۔

"ہر وقت تم بے تکی ہی ہانکنا۔" اشمل اس کی کھسیاہٹ پر خاصا محظوظ ہوا۔

"ویسے زبردست پرسنیلٹی ہے۔میں ہی کیا کوئی اور بھی ہوتا تو دیوانہ ہو جاتا۔مگر ایک افسوس رہ گیا۔"

"کس بات کا؟"

"کہ یہ لڑکی کیوں نہیں____یا پھر میں صنفِ کرخت کیوں۔"

"توبہ،توبہ____" اشمل کا اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔

"اشمل خان!آپ سے کوئی شاہنواز پراچہ صاحب ملنا چاہتے ہیں۔" نرس کی آواز پر دونوں چونکے۔

"کیا____شاہنواز پراچہ؟" احسن پلٹا۔

"جی____نام تو انہوں نے یہی بتایا ہے۔"

"ٹھیک ہے____انہیں اندر بھیج دو۔" اشمل اپنی حیرت کو بہ دقت قابو کرتے ہوئے بولا تھا۔

شاہنواز پراچہ نے مختلف فروٹز کے لفافے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اور اشمل خان کی طرف آئے۔

"بہت دکھ ہوا ہے مجھے تمہاری یہ حالت دیکھ کر۔" وہ اس کے قریب آگئے۔

"مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔" اشمل خان نے ان لفافوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جانتا ہوں____بس،یہ تو میرے دل کی خواہش تھی۔تم میرے بیٹے کی طرح ہو۔" انہوں نے لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر ان کی نگاہ احسن پر اٹھی تو وہ کچھ سوچ کر دھیرے سے بولے۔

"میں تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔اگر تم۔۔۔۔۔۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ کیا کہنے تشریف لائے ہیں۔اور یہ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہے۔" اشمل خان نے ان

کا جملہ کاٹ دیا۔

"بالکل۔" احسن مسکرایا۔اُس کا ڈھیروں خون بڑھ گیا تھا۔

"پھر بھی اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو۔۔۔۔" وہ مصر تھے احسن کے چلے جانے پر۔

"ناگوار تو گزرے گا چچا! مگر ٹھیک ہے۔" احسن نے شانے اچکائے اور کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔اس کے چچا کہنے پر شاہنواز پراچہ کا منہ بن گیا تھا۔

"مگر یاد رکھئے گا___اشمل خان بِکنے والا نہیں ہے۔" اس نے جھک کر قدرے جلانے والے انداز میں کہا اور پلٹ کر سرعت سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"دیکھو اشمل بیٹا! یہ یونین وغیرہ میں کھڑے ہونے والے لڑکے جذباتی ہوتے ہیں۔اور پھر عمر بھی ایسی ہو تو غلطیاں سرزد ہو ہی جاتی ہیں۔" احسن کے جانے کے بعد شاہنواز پراچہ نے کہنا شروع کیا۔"میں مانتا ہوں کہ ریحان سے غلطی سرزد ہو گئی ہے۔"

"غلطی نہیں، جرم۔اور جرم معاف نہیں کیا جاتا۔اس کی سزا ہوتی ہے۔" اشمل کا چہرہ تن گیا۔"آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟___اصولاً تو شہباز کے گھر جانا چاہئے۔"

"ہاں،ان لوگوں نے مقدمہ دائر کیا ہے۔مگر انہیں گواہی ملنا ناممکن ہے۔" شاہنواز پراچہ نے نرم لہجے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے خصوصی متکبرانہ لہجے میں کہا تو اشمل نے اسے دیکھا۔

"ریحان کی یہ حرکت لوگوں سے چھپی نہیں ہے۔اور پھر میں گواہی دے رہا ہوں۔" اس کا لہجہ تند تھا۔

شاہنواز پراچہ نے اس کے سخت چہرے کو دیکھا۔

"ہاں___جانتا ہوں۔مگر ینگ مین! تم نہیں جانتے کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔" انہوں نے اشمل خان کو سنگینی کا احساس دلایا اور حقیقت جتانی چاہی۔"تم میری پوزیشن سے اچھی طرح واقف ہو۔میں تمہیں اس غلطی سے رکنے کی تنبیہہ کر سکتا ہوں۔مجھے تمہاری جان عزیز ہے۔"

"شاہنواز پراچہ!___اگر آپ انہی باتوں کے لئے آئے ہیں تو آپ اپنی سی کوشش کر ڈالئے۔باقی اللہ نگہبان۔" وہ یہ کہہ کر بستر پر دراز ہو گیا۔گویا مزید اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے___ابھی تم بچے ہو۔سمجھنے میں دیر لگے گی۔وقت تمہیں خود ہی سکھا دے گا سب کچھ۔" وہ کھڑے ہو گئے۔

"اپنی یہ چیزیں لے جائیے گا۔"

"ہاں___ان کی اب ریحان کو ضرورت ہو گی۔" احسن اندر آ گیا۔

شاہنواز پراچہ نے کھا جانے والی نظروں سے احسن کو دیکھا اور لائے ہوئے لفافے اٹھا کر باہر نکل گئے۔

"کیوں آئے تھے یہ چچا؟"

"پلیز احسن! میں اب تنہائی چاہتا ہوں۔" اشمل نے بگڑے لہجے میں کہا اور آنکھیں موند لیں۔غصے سے اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔شاہنواز پراچہ کی باتوں نے اس کا موڈ سخت خراب کر دیا تھا۔

احسن نے اس کے تنے چہرے اور بھنچے لبوں کو دیکھا اور خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔

...☆☆☆...

کتنی ہی دیر تک وہ خالی خالی نظروں سے زمان خان کو تکتی رہی۔پھر آہستہ آہستہ جیسے گزرے لمحے ذہن میں آنے لگے۔

آنکھوں کے سامنے ہر پل لہرانے لگا۔

"اُف____" ایک ٹیس سی اُٹھی اور سارے بدن میں پھیل گئی۔ اُس نے دُکھ سے بوجھل آنکھیں موند لیں۔

وہ شخص اس کے اتنا قریب تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے شاردا؟" مانوس سی آواز مگر لہجہ نیا تھا۔ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ابھی واپس گیا ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شکریہ اس نوازش کا۔" وہ آنکھیں کھول کر اس کی سمت دیکھے بغیر اٹھنے لگی۔

"ہاں، ہاں____ ابھی لیٹی رہو۔" وہ اُٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

شاردا حیات کی ساری ہستی جیسے ڈول گئی۔ وہ سر اٹھا کر آنکھوں میں حیرت کا جہاں لئے اس بے حس کو دیکھنے لگی جسے جیتنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو توڑ دیا تھا۔

"نہیں____ اب میں بہتر ہوں۔" وہ مزید اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکی۔ عجیب سے احساسات میں گھر گئی تھی۔

زمان خان کا یہ بدلا ہوا لہجہ اور اتنی نرمی۔

بے حسی کی چادر سے جو چہرہ نکلا تھا وہ اس کے لئے یکسر اجنبی تھا۔ وہ اُلجھ سی گئی۔

"شاردا____" اُس نے اس کی نازک کلائی تھام لی۔ "تم کتنی بہتر ہو، یہ مجھ سے زیادہ کون جانتا ہو گا؟" اس کا لہجہ ذو معنی تھا۔ وہ تڑپ گئی۔

"پلیز۔۔۔۔۔۔۔زمان۔۔۔۔۔۔۔" وہ اس کے لمس سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

"تمہاری اس بیہوشی کی وجہ میں جانتا ہوں اور اس لئے نادم ہو رہا ہوں۔" وہ کھڑا ہو گیا اور بے چینی سے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچنے لگا۔ ڈھیر ساری باتیں تھیں جو وہ اس سے کرنا چاہتا تھا۔ ہر ہر لمحے کی معافی مانگنا چاہتا تھا مگر____ ندامت سارے لفظوں کو جیسے نگل رہی تھی۔ وہ کس طرح اس معصوم لڑکی کے سامنے اپنے ڈھیر سارے گناہوں کی معافی طلب کرے۔ کیا وہ واقعی قابل معافی تھا؟

اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اسی زاویہ سے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی اور اُلجھی اُلجھی نگاہیں اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ کتنا سادہ، بے ریا چہرہ تھا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے تھے؟" نظریں ملنے پر اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"کیا کہوں____ کوئی لفظ گرفت میں نہیں آرہا ہے۔ اپنے جرم اور گناہوں کا اتنا بھاری بوجھ ہے میرے اوپر کہ دبا جا رہا ہوں۔ یہ کس طرح اترے گا____ کون سا جملہ، کون سا لفظ اس بوجھ کو ہلکا کرے گا۔ کیا میں معافی مانگنے کے قابل ہوں؟" وہ اُس کے قریب آیا۔ "نہیں ہوں نا؟____ تمہارے اتنے خوبصورت سالوں کا میں نے گلا گھونٹ دیا۔ تمہارے خوابوں کا بھاری قرض ہے مجھ پر۔" وہ کفِ افسوس ملنے لگا اور شاردا حیات کی آنکھیں حیرانیوں کے سمندر میں ڈوب گئیں۔ جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا۔

ہونٹ یکبارگی کانپ کر کھلے کے کھلے رہ گئے۔

وہ بے یقینی کے عالم میں زمان کو دیکھتی رہ گئی۔ اُسے اپنی سماعت پر اعتبار نہ آرہا تھا۔ اُسے اپنی بصارت پر یقین نہ آرہا تھا۔ وہ کیا دیکھتی____ کیا سنتی۔ یہ جملے جو خوشبو میں بسے تھے اس کے دل کی دنیا میں طوفان اٹھا رہے تھے۔

"شاردا! میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میری بے حسی اور کج روی نے تمہیں یقیناً بکھیر دیا ہے۔ کیا میں سمیٹنے کی

کوشش کر سکتا ہوں___؟" وہ یہ کہہ کر اُسے دل آویز نظروں سے دیکھنے لگا۔

اور وہ تو پہلے ہی طوفان میں گھری ہوئی تھی۔ دل جیسے سینے کی دیواروں میں مچل رہا تھا۔ آنسوئوں نے آنکھوں کا راستہ دیکھ لیا تھا۔

"میں تمہارے ان گزرے سالوں کو واپس تو نہیں لا سکتا۔ مگر آنے والے لمحوں کے عذاب سے تمہیں بچانے کا عہد کر رہا ہوں___ میں تم سے معافی مانگتا ہوں شاردا! میرے عظیم جرم کو معاف کر دو۔" اس نے اس کے شانوں پر اپنے دونوں مضبوط ہاتھ رکھ دیئے۔ "سارے تلخ واقعات بھلا کر ماضی کی ساری گرد جھاڑ کر اب ہم اپنی نئی زندگی شروع کریں گے۔ میری تقصیر کی جو چاہو سزا دے دو، مجھے منظور ہے۔ مگر مجھے دل سے معاف کر دو۔ میرے ضمیر کا بوجھ ہلکا کر دو۔"

"ز۔۔۔۔۔ما۔۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔" اس کے لب کانپ گئے۔ وہ بے اختیار ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ یہ اتنی بڑی خوشی اس سے سنبھل نہیں رہی تھی۔

اس کی زندگی انقلاب سے دوچار ہو گئی تھی۔ اسے گمان نہیں تھا کہ وہ دور نظر آتا صحرا ایک دم گلستان میں بدل جائے گا___ یہ کب سوچا تھا۔ کیا یہ کہیں اس کی سماعت کا دھوکا تو نہیں تھا؟

اس نے پلکیں جھکا کر ایک بار پھر آنسوئوں سے بھاری ہوتی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"زمان۔۔۔۔۔۔خان۔۔۔۔۔۔ میرا دل اتنے بڑے مذاق کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

زمان خان تڑپ گیا۔

وہ کتنا بے اعتبار ہو چکا تھا اس کی نظروں میں۔ گہرے ملال نے اسے آگھیرا۔ بنجر زمین پر چلتے چلتے پائوں اب اتنے

کھردرے ہو چکے تھے کہ ٹھنڈے نرم فرش کا گداز محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

"شاردا!___ میری زندگی!___ یہ مذاق نہیں۔ سچ ہے۔ میں اپنے جرم پر نادم ہوں اور تم سے معافی کا خواستگار۔ میں مانتا ہوں کہ اب تمہاری نظروں میں میرا اعتبار اٹھ چکا ہے۔ تمہارے دل میں شاید میرے لئے کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ میرے نام سے وابستہ ہونے کے بعد تم نے دُکھ ہی دُکھ اٹھائے ہیں۔ مگر اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے سارے زخموں پر مرہم رکھ دوں گا۔" اس کا لہجہ ملتجی تھا۔

'تم تو میری روح کی پہنائیوں میں اب بھی جلوہ گر ہو زمان___ تمہیں دل سے نکال سکتی تو پھر تمہاری کج روی پر دُکھی کیوں ہوتی؟ چاہنے والے کی بے اعتنائی ہی تو آگ لگاتی ہے من میں۔ جس کے التفات کی منتظر ہو اسی کی بے اعتنائی ہی تو دکھ بھرتی ہے۔' وہ سوچے جا رہی تھی۔

"کچھ کہو شاردا!___ بیتے سالوں کا دکھ، میری ناانصافیوں اور کی گئی زیادتیوں کا حساب مانگو___ اتنی خاموش کیوں ہو؟" وہ اس کے جھکے سر کو بے قرار نظروں سے دیکھنے لگا۔

"زمان! میں تو صرف ایک قطرے کی خواہاں تھی۔ تم نے تو ایک دم التفات اور محبت کے ڈھیر سارے دروازے کھول دیئے مجھ پر۔ یہ انعام نہیں تو اور کیا ہے رب العزت کا۔" وہ لڑکھڑاتی بیڈ سے کھڑی ہو گئی۔

خوشی اس کے انگ انگ میں بھر گئی تھی۔ جیسے اچانک مسیحائی کے کواڑ کھلے تھے اور دستِ کرم آگے بڑھا تھا۔ وہ جو کہہ نہ سکی۔ اشک بن کر صفِ مژگاں پر رقم ہوتا چلا گیا۔

زمان خان نے اس کے کانپتے ہاتھ تھام لئے۔

"تم عورتیں بھی کیسے دل لے کر آتی ہو___ مرد کی برسوں کی زیادتیوں کو اس کی ایک مسکراہٹ، ایک نرم جملے پر بھلا دیتی ہو۔ میں اس عظیم دل کے آگے ہار گیا۔ شاردا حیات! مجھے اپنا وجود بالکل ہیچ محسوس ہو رہا ہے تمہارے وجود

کے سامنے۔"

شاردا کی ذہنی تھکن پر روشن تازگی سج گئی۔

زمان خان کا ایک ایک جملہ اُسے اپنے بنجر سالوں کا ثمر محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے مچلتے وجود میں کیسی ٹھنڈک سی پڑی تھی۔

"اب ان آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آئیں گے شاردا! یہ بس صرف مسکراہٹوں سے سجیں گے۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے محبت سے اپنے ساتھ لگالیا اور اسے لئے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

گھٹن زدہ فضا سے باہر____ اس کے قدم ہرے بھرے لان کی جانب تھے۔

صبا نے جانے کیا کہا

کہ معجزہ سا ہو گیا

بکھر گئیں جو نکہتیں

کرن کرن سحر ہوئی

کلی کلی کے رنگ سے

حیات معتبر ہوئی

جو کم سخن نگاہ تھی

وہ داستاں طراز ہے

جو ترجمانِ آن تھی

وہ سلسبیل ناز ہے

دعا کے جو چراغ تھے

وہ سارے آفتاب ہیں

کہ دست شاخسار میں

گلاب ہی گلاب ہیں

...☆☆☆...

سفید سوٹ اور سفید بڑی سی چادر میں شاندانہ ایک جگہ سمٹ کر بیٹھ گئی تھی بلکہ اسے بٹھا دیا گیا تھا اور آتی جاتی عورتوں کی نصیحتیں سن سن کر وہ کبھی کبھی بیزار ہو جاتی۔

وادی کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ شادی سے پہلے لڑکی کو بس ایک کمرے میں محدود کر دیا جاتا کہ کسی غیر مرد کی نظر بھی نہ پڑتی۔ بس عورتیں اور لڑکیاں اس کے پاس آتی جاتیں۔ اور شاندانہ بھی مارے ڈر کے ایک کمرے میں سمٹ تو گئی تھی مگر اس سے نچلا بیٹھا نہ جاتا۔ ذولین آتا تو لپک کر اس کے پاس جاتی اور باتیں کرنے لگتی۔ تب گل بی بی کا دھموکا سیدھا پیٹھ پر لگتا۔

"ہزار دفعہ کہا ہے، نہ ملا کر تُو مردوں سے۔"

"تو ذولین لالہ کون سے غیر ہیں۔ بھائی ہیں میرے۔" وہ بسورنے لگتی اور اشارا خوب ہنستی اور شاندانہ کو بھی ایسے میں اشارا کا دم غنیمت لگتا جو ہر روز اس کے پاس آجاتی اور اس کے ساتھ ہی علاقے کی ڈھیر ساری لڑکیاں جو دیکھتے ہی

دیکھتے خاموش گھر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیتیں۔

وادی کے اطراف کا سارا علاقہ گل بی بی کی خوشی میں شریک تھا۔ کھلتے چہرے اور کھنکتی سریلی تانوں پر خوبصورت گیت اور ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ اشارا کی آواز سب سے بلند ہوتی۔

آج بھی وہ سب کو جمع کئے گیت گا رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ سحر گل بہت خوبصورتی سے ڈھول بجا رہی تھی۔

''ارے لڑکیو! ابھی تو شادی میں کئی دن ہیں۔'' گل بی بی نے انہیں چھیڑا تو اشارا جلدی سے بولی۔

''کہاں گل بی بی! شان کو جدا ہونے میں مجھے تو بہت تھوڑے دن لگتے ہیں۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہے تُو۔'' اس کی بات پر گل بی بی آزردہ سی ہو گئیں۔ ان کی نگاہیں شاندانہ پر اٹھیں، پھر جھک گئیں۔

''ارے، میرا مطلب آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا۔'' اشارا زور سے ہنسی۔ ''ابھی تو بہت دن ہیں گل بی بی! اور پھر میں جو آپ کی بیٹی ہوں، شان سے تو اچھی ہی ہوں۔''

''ہاں، ہاں ___ کیوں نہیں۔'' گل بی بی نے اسے پیار سے خود سے لپٹایا۔ پھر کچھ سوچ کر ماہ گل کی طرف پلٹیں۔

''تم لوگ شادی تک یہیں رہنا۔ شان کی شادی میں شریک ہو کر ہی واپس شہر جانا۔''

''ارے کہاں گل بی بی ___ ہم تو پرسوں ہی لوٹ کر جا رہے ہیں۔ یہاں آئے ہوئے پہلے ہی کئی دن ہو گئے ہیں۔'' ماہ گل نے متانت سے کہا تو سحر گل کا چہرہ اُتر گیا۔

''ہاں، شادی کو تو ابھی ہفتہ پڑا ہے۔ اتنے دن تو ہم نہیں رہ سکتے۔''

اُسے شاندانہ کی شادی میں شرکت نہ کرنے کا بے حد دکھ تھا۔ وہ روز اشارا کے ساتھ گل بی بی کے گھر آتی۔ شاندانہ سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی ___ اُسے گل بی بی کے گھر کی یہ رونقیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ اب شہر جانے کو اس کا بالکل جی نہ چاہ رہا تھا۔

''ارے ___ تم کیوں منہ لٹکائے بیٹھی ہو؟ ایک دن ہم تمہیں وادی میں لے آئیں گے پھر سے۔'' اشارا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

اُسے یاد تھا شاہ خانم، سحر گل کو اشمل خان کی دُلہن بنانا چاہتی تھیں۔

''چھوڑو یار ___ شہر جا کر واپس کب وادی آسکوں گی۔ اور تم تو شہر آتی ہی نہیں ہو۔''

''اب آئوں گی شان سے۔'' وہ ابھی تک شریر نظروں سے اسے دیکھ کر ذو معنی لہجے میں بول رہی تھی۔

''اوں، ہوں ___ سحر!'' ماہ گل نے اس کا منہ دیکھ کر اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

''اوہو آپی! آپ ایک ہفتہ اور رہ لیں تو حرج تو نہیں ہے۔'' اشارا کچھ سوچ کر ماہ گل سے ملتجی ہو کر بولی۔

''نہیں اشارا!'' ماہ گل نے انکار کر دیا۔ ''تم تو جانتی ہو نا، گھر پر زمان بھائی اور بھابی شارد اہیں۔ اور ان کا مسئلہ۔'' انہوں نے قدرے آہستگی سے کہا تو اشارا چپ ہو گئی۔

''ارے، میں تو بھول ہی گئی۔ ڈرائیور کب کا آیا ہوا بیٹھا ہے۔ توبہ، باتوں میں کچھ بھی یاد نہیں رہا۔'' ماہ گل آپی کو جیسے ایک دم یاد آ گیا۔ وہ جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ سحر گل بھی ان کے ساتھ اٹھ گئی۔

''اتنی جلدی کیا ہے ___ کچھ دیر اور بیٹھ جاتی بیٹی!'' گل بی بی اندر سے کمرے کا چکر لگا کر باہر نکلیں تو نہیں جانے کے لئے تیار دیکھ کر بولیں۔

"پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔ بیچارہ ڈرائیور سوکھ کے رہ گیا ہو گا۔"

"معمور جان تو خاصا تگڑا ہے آپی! اتنی جلدی سوکھے گا نہیں۔" سحر گل بولی تو سب ہنسنے لگے۔

ماہ گل نے جاتے جاتے شاندانہ کو بہت پیار کیا۔

"تم سب لوگ ہمیں بہت یاد آؤ گے۔ خاص کر یہ خوبصورت وادی۔"

"جانے سے پہلے ایک بار پھر آنا ماہ گل!" گل بی بی نے کہا تو وہ ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں نہ انکار تھا نہ اقرار۔

شاندانہ نے اشتارا کو روک لیا تو وہ اس کے اصرار پر زیادہ انکار نہ کر سکی۔ پاس پڑوس کی لڑکیاں بھی گل بی بی اور شاندانہ سے اجازت لے کر جا رہی تھیں۔

"مہک! کل ضرور آنا۔" شاندانہ نے جاتی ہوئی سہیلی سے کہا تو وہ پلٹی۔ پُر کشش سی، پیاری لڑکی تھی اور بے حد شریر۔"

"کیوں؟"

"شان چاہتی ہے کہ روز ہم اس کی شادی کے گیت گائیں۔" اشتارا نے اسے چھیڑا تو شاندانہ جھینپ گئی۔

"ہشت۔۔۔۔۔بدتمیز۔۔۔۔۔اس لئے تھوڑی ہی کہہ رہی ہوں؟"

"اور پھر کس لئے کہہ رہی ہو؟" مہک نے ٹھنک کر پوچھا۔

"میں تم سب کو بہت بار دیکھ لینا چاہتی ہوں۔ اپنے اندر اتار لینا چاہتی ہوں۔ ڈھیر ساری باتیں اور مسکراہٹوں کو یاد کے روپ میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شاندانہ کی آنکھوں کے فرش گیلے ہو گئے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"چند دنوں کے بعد تو یہ سب میرے لئے اجنبی ہو کر رہ جائے گا۔"

"آں، آں۔۔۔۔۔۔شان! یہ کیا پاگل پن ہے؟" اشتارا نے جلدی سے اسے سنبھالا۔ "بالکل پاگل ہو۔ شہباز بھائی تمہیں دوسرے گاؤں ہی تو لے جائیں گے۔ کسی دوسرے ملک

تو نہیں نا۔ ارے روز آؤ گی، نت نئے کپڑے پہن کر۔ اور پھر جنابہ! ایک سال بعد ایک عدد چنو منو کو لے کر آؤ گی۔"

"ہائے بدتمیز____" شاندانہ کا چہرہ تک سرخ ہو گیا۔ اس نے زور سے دھموکا اشتارا کی پیٹھ پر دے مارا۔ "کتنی بدتمیز ہو گئی ہے تُو۔"

مہک کھلکھلاتی باہر نکل گئی۔

"چل دفع ہو یہاں سے۔" شاندانہ سرخ سرخ چہرے کے ساتھ اُسے پرے دھکیلنے لگی تو وہ زور سے ہنستی ہوئی اٹھ کر آگے بڑھی مگر اس کا اگلا قدم زمین نے جکڑ لیا۔

ذولین خان درمیانی دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی اشتارا پر اٹھیں اور کتنی ہی ساعت وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پورے چار دن بعد وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ذولین خان کی آنکھوں میں تشنگی بکھری ہوئی تھی جبکہ اشتارا کی نگاہیں شکوؤں سے بھر گئیں۔

"ارے حور مینا____ دیکھو تو شان! یہ حور مینا کدھر مر گئی۔ توبہ، سارا گھر اُلٹ پلٹ پڑا ہے۔ کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔" گل بی بی برہم برہم سی اپنے کمرے سے نکلیں تو وہ دونوں جیسے عالم خود شناسی میں آ گئے۔

"ارے ذولین! تم کب آئے شہر سے؟" گل بی بی کی نگاہیں ذولین پر اٹھیں۔ اشتارا جلدی سے پلٹی اور شاندانہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا حال ہے آپ سب کا؟اور بھئی،ابھی سے اپنی شادی کا ہنگامہ مچائے رکھا ہے تم نے۔" ذولین شاندانہ کو دیکھ کر بولا تو وہ شرما گئی۔

"نہیں تو___ میں نے تو نہیں مچایا۔" اس نے بے حد معصومیت سے برجستہ کہا تو وہ ہنس دیا۔

"اشمل بھی آیا ہے___ ابھی میں نے اسے حویلی پر ڈراپ کیا ہے۔" اس نے کرسی پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے اطلاع فراہم کی۔

"ایں___ اشمل آیا ہے؟" گل بی بی نے چونک کر پوچھا۔

"ہوں___ یوں سمجھئے زبردستی کھینچ کر لایا ہوں___ اُسے شان کی شادی کا علم ہی نہیں تھا۔"

"چلو،اب تو رہے گا نا یہیں پر۔"

"ہاں،ارادہ تو ہے۔" اس نے کہا پھر گل بی بی کو باورچی خانے کی طرف جاتے دیکھ کر شاندانہ کو مخاطب کیا۔

"اشتارا کب آئی؟"

"آئی تو صبح سے ہے مگر اب ایک گھنٹے بعد معمور خان آئے گا لینے اسے۔ ویسے خیریت ہے؟"

"اس سے کہو کہ میں واپس حویلی ہی جا رہا ہوں۔ چلنا ہے تو چلے میرے ساتھ۔" اس نے سرسری انداز میں کہا مگر نگاہیں اسی کمرے کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں جس کے اندر اشتارا گئی تھی۔

"آپ ہی پوچھ لیں اس سے۔" شاندانہ مسکراہٹ دبا کر لاپرواہی سے بولی۔

"ابھی کہاں جا رہے ہو ذولین! کھانا کھا کر ہی جانا۔" گل بی بی اس کے سامنے قہوہ رکھتے ہوئے بولیں۔ پھر شاندانہ کی طرف رخ موڑ کر بولیں۔ "جاؤ شان! اشتارا کو تو بلا لاؤ۔ وہ کیوں اندر بند ہو کر بیٹھ گئی ہے۔"

"میں اب چلوں گا گل بی بی!" وہ کھڑا ہو گیا۔

"کیوں___ قہوہ تو پی لو۔" انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں___ قہوہ تو پی لیتا ہوں۔ مگر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ تھکن بہت ہو رہی ہے۔بس آپ کو سلام کرنے آگیا تھا۔" اس نے قہوے کی پیالی لبوں سے لگائی۔

"کیا ڈرائیور آیا ہے شان؟" وہ شاندانہ کی آواز پر باہر نکلی۔اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی جو اس کی ناراضگی کا واضح اظہار تھا۔

ذولین خان کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"ہاں___ ڈرائیور ہی آرہا ہے سمجھ لو۔" شاندانہ ہنسی۔

"کیا مطلب؟"

"ذولین لالہ کہہ رہے ہیں وہ حویلی جا رہے ہیں۔ تمہیں اگر جانے کی جلدی ہے تو ان کے ساتھ ہی حویلی چلی جاؤ۔" شاندانہ نے یہ کہتے ہوئے بھرپور نظروں سے دونوں کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"نہیں___ مجھے ابھی نہیں جانا۔" اس نے قدرے خفگی سے کہہ کر رخ موڑ لیا اور اُس کمرے میں جانے کو پلٹی تو گل بی بی نے اُسے پکارا۔

"ہاں___ مت جاؤ۔ مگر اندر کمرے میں بند ہو کر کیوں رہ گئی ہو؟ بیٹھو یہاں ہمارے پاس۔ عجیب ہی لڑکی ہے۔ کہاں شام تک شرارتیں کئے جا رہی تھی اور اب دیکھو چہرہ بگاڑ لیا ہے۔ بیٹھو یہاں۔" گل بی بی نے اُسے تھام کر بٹھا دیا۔

"شاید میرا چہرہ پسند نہیں آیا اسے گل بی بی۔" ذولین نے کہا تو اس نے تڑپ کر پلکیں اوپر اٹھائیں بے حد مسکراتیں اور والہانہ نگاہیں تھیں۔ اس نے جلدی سے پلکوں کی گھنی باڑھ دوبارہ گرا لی۔

"اچھا گل بی بی! میں چلا۔" اس نے قہوے کی پیالی میز پر رکھ دی۔ "خدا حافظ۔" اس نے اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور پلٹ گیا۔ اشنار کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔

ذرا بھی تو اصرار نہیں کیا تھا اس کو اپنے ساتھ لے جانے پر۔ نہ اس کی خیریت پوچھی۔

کتنا اجنبی انداز تھا۔

اس کے دل میں دھواں سا بھر گیا۔ خفا تو وہ اس سے پہلے ہی تھی، اب اس کا یہ رویہ دل اور بھی دُکھا گیا۔

☆☆☆...

وہ گنگناتے ہوئے اپنا سفری بیگ بھر رہی تھی۔ جگمگ کرتے سوٹ، سادے سوٹ اور ان کی میچنگ جیولری، سب بھرتی جا رہی تھی۔ بھابی کی نگاہیں مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"بڑی خوش ہو رہی ہو وادی جانے پر۔" وہ پہلی بار گویا ہوئیں۔

"خوشی کی بات ہی تو ہے___ کتنے لمبے عرصے کے بعد جا رہی ہوں۔" اس نے چہک کر کہا۔

"دیکھو، اب وہیں کی ہو کر نہ رہ جانا۔" وہ اس کے قریب آ گئیں اور پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے جھک کر بولیں۔ "اشمل خان بھی ہو گا وہاں؟" اس استفسار پر ہثمینہ کا دل زور سے دھڑکا۔ جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا۔ "ہو گا نا؟"

بھابی اس کے چہرے کی بدلتی رنگت سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنسنے لگیں۔

"ظاہر ہے___ اس کی کزن کی شادی ہے۔" اس نے پلکیں جھکائے جھکائے کہا اور آگے بڑھ کر الماری سے بقیہ کپڑے نکالنے لگی۔

"اسی لئے کہہ رہی ہوں، وہیں کی مت ہو جانا۔" بھابی کے ذو معنی جملے پر اس نے پلٹ کر انہیں گھورا۔

"آپ کو تو بتانا بڑا مہنگا پڑا مجھے۔" اس نے چڑ کر کہا۔

"جنابہ! محبت مہنگی ہی ہوتی ہے اور اتنی آسان نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔ سنا نہیں، محبت کرنے والے ہزاروں نگاہوں کو برداشت کرتے ہیں۔ ظالم سماج سے ٹکراتے ہیں۔ ڈھیر ساری کڑوی کسیلی باتیں ہضم کرنی پڑتی ہیں تب کہیں جا کر محبت کرنے والے ایک دوسرے کو پاتے ہیں۔" بھابی مسلسل شرارت کے موڈ میں تھیں۔

"بس، بس___ اب سب کچھ آپ ہی بنیں گی۔ میرے لئے ظالم سماج بھی بنیں گی۔" اسے زور سے ہنسی آ گئی تھی۔

"نہ بابا! میں کیوں ظالم سماج بننے لگی۔ اس کے لئے سماج ہی کافی ہے۔"

"اچھا۔۔۔۔۔۔ تو کی لاڈلی، وادی کی سیر کو جا رہی ہے۔" اشناس بھائی اندر آ گئے تو بھابی کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"وادی کی سیر کو نہیں، شاندانہ کی شادی میں شرکت کرنے جا رہی ہوں۔" اس نے برجستہ کہا تو اشناس بھائی مسکرا دیئے۔

"چلو، شادی کے بعد وادی کی سیر بھی کر لینا۔ کون سی پابندی ہو گی۔" ان کی بات پر وہ اور بھابی مسکرانے لگیں۔

"ماموں جان انتظار کرتے کرتے اب بے زار ہو گئے ہیں۔ میں تمہیں یہی بات بتانے آیا ہوں۔ چلو فٹافٹ۔" اشناس بھائی نے کہا تو اس نے جلدی جلدی بیگ کی زِپ بند کی۔

"چلیں___میں بھی تیار ہوں۔" اس نے پلنگ پر رکھا ہوا شولڈر بیگ اٹھایا اور ساتھ ہی چادر بھی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اشناس بھائی اس کا دستی بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے باہر آ گئے۔

صبغت خان واقعی اب خاصے بیزار بیزار سے ہو گئے تھے۔ مگر ہشمینہ کو مکمل تیار دیکھ کر ان کی کیفیت بدل گئی۔

"تیار ہو؟"

"جی___بالکل۔" اس نے سر خم کر دیا تو وہ مسکرا کر کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

"اچھا، اور امی!" وہ سب سے مل کر امی کے قریب آئی تو امی نے محبت سے اسے گلے لگا لیا۔

"آپ لوگ اب کب آئیں گے؟" صبغت خان نے پوچھا۔

"انشاءاللہ اسی ہفتے میں۔" امی نے کہا۔

"اچھا ابرار بھائی! دعا کیجئے گا، سب خیریت سے نمٹ جائے۔ پہلی بیٹی کو بیاہ رہا ہوں۔ وہ بھی غیروں میں۔"

"ارے نہیں صبغت خان! سب بہتر ہی ہو گا۔ آپ دل پر بوجھ نہ رکھیں۔" نے انہیں متفکر دیکھ کر تسلی دی۔

"بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں۔" امی کی نگاہیں ہشمینہ پر اُٹھیں۔ "شہباز تو تمہارے دوست کا بیٹا ہے۔ جانا پہچانا۔ پھر بھلا کیا گھبرانا۔ اور سچ بات تو یہ ہے بھائی! کہ بیٹیاں اپنے اپنے

نصیب اپنے ساتھ لے کر آتی ہیں۔ دُکھ سُکھ تو نصیب کا مقدر ہے۔ انشاءاللہ شاندانہ بہت راج کرے گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" امی کی بات پر صبغت خان نے کہا اور پھر سب کو خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ

گئے۔

ہشمینہ سب سے مل کر بھابی کے پاس آئی۔

"اچھا خدا حافظ___اب آپ لوگ جلدی آجایئے گا۔"

"آجائیں گے بابا! اور سچ پوچھو تو مجھے تو آنے کی بہت جلدی ہے۔ جانتی ہو کیوں؟" بھابی کی شریر آنکھیں مسکرائیں۔

"جانتی ہوں۔" وہ گلنار چہرے کو جھکا کر تیزی سے پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وادی جانے کی اسے بے انتہا خوشی تھی۔ ایک تو شاندانہ کی شادی اور پھر دوسرے اس سے ملنے کی۔ کتنا عرصہ بیت گیا تھا اسے شاندانہ سے ملے ہوئے۔

وادی کا خوبصورت تصور ذہن و دل میں ہلچل مچا رہا تھا۔

"ماموں جان! شان کی شادی کی تو خوب رونق ہو گی وہاں پر۔" اس نے پوچھا۔

"ارے بیٹی کی جدائی پر رونق کہاں۔" صبغت خان کا دل بجھا بجھا سا تھا۔ پھر وہ جیسے چونک کر بولے۔ "ہاں، ہاں___خاصی رونق ہے۔ اور اب تمہارے آنے سے اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ شاندانہ تو روز ہی کہتی تھی مجھے کہ آپ جا کر ہشمینہ کو لے آیئے۔ آج تمہیں اچانک دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔"

"اچھا___آپ نے اسے نہیں بتایا؟" اس کا چہرہ چمک اٹھا۔

"نہیں___بالکل اچانک میرا آج شہر آنا ہوا تھا۔ چلو اچھا ہے، خوش ہو جائے گی وہ۔"

ہشمینہ کی نگاہوں کے سامنے شاندانہ کا چہرہ لہرا گیا۔ اسے دیکھ کر وہ کتنی حیران ہو گی۔ پھر وہ بے تحاشا خوش اور پھر اس سے لپٹ جائے گی اور روئے گی اور پھر اس کے چھیڑنے پر سرخ ہو جائے گی اور ہنس دے گی۔

پیچھے کی طرف بھاگتے درختوں کی قطار پر نگاہیں جمائے وہ سوچتی جا رہی تھی۔ جیپ تیزی سے شہری حدود چھوڑ رہی تھی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اُسے وادی کی خوشبو سے بھری ہوئی لگ رہی تھیں۔ اونچے نیچے راستوں سے گزر کر جیپ وادی میں داخل ہو چکی تھی۔ شفتالو اور خوبانیوں کی خوشبو پوری فضا کو معطر کر رہی تھی۔

وہ وادی کی خوبصورتیوں میں جانے کب تک گم رہتی کہ اچانک جیپ ایک جھٹکا کھا کر رک گئی۔

"کیا ہم پہنچ گئے ماموں؟" وہ خوشی سے چلائی۔

"بالکل ___ یہ رہا سامنے گھر۔ کیا خوشی میں یاد ہی نہیں رہا گھر کا دروازہ؟" صبغت خان ہنسے۔

وہ جیپ سے چھلانگ لگا کر اُتری اور بھاگ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کا چہرہ اندر کی خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔

ہائے، شان تو مجھے دیکھ کر کتنی پاگل ہو جائے گی۔

اُس نے بھڑا ہوا دروازہ کھول دیا۔ صبغت خان اُس کی معصوم دیوانگی پر مسکرا رہے تھے۔

"ہائے اللہ ___ ہشمینہ باجی! آپ؟" حور مینا برآمدے میں ہی کھڑی تھی، اُسے دیکھ کر اپنی جگہ حیران رہ گئی۔ مگر وہ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔

"ہاں میں ___ یہ بتاؤ شان کہاں ہے؟"

"آپی اندر ہیں ___ مگر آپ ___" وہ ابھی تک اس کی اچانک آمد پر حیران تھی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے صبغت خان کو دیکھ کر جیسے سمجھ گئی۔

"اچھا تو آپ ابو کے ساتھ آئی ہیں۔" اس کی ایک پریشانی رفع ہوئی تھی۔

ہشمینہ مسکراتی اندر آئی۔ تب زنان خانے کے دروازے پر ہی اُسے شاندانہ کھڑی نظر آئی جو کچھ ناراض ناراض سی لگی اور زنان خانے میں اس کی پڑوسنیں اور جاننے والی عورتیں تھیں جن سے وہ باتوں میں مصروف تھی۔ معاً اس کی نگاہیں ہشمینہ پر اُٹھیں تو اُسے جھٹکا سا لگا۔ پھر اچانک وہ چھلانگ لگا کر اس کی طرف بڑھی۔

"ارے ہش۔۔۔۔۔مینا۔۔۔۔۔۔تُو۔۔۔۔۔تُو اس طرح۔۔۔۔۔ہائے، نہیں۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟" وہ اس سے کچھ فاصلے پر رک کر حیرت آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں جنابہ! یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ میں ماموں کے ساتھ آئی ہوں۔" ہشمینہ ہنستی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ دوسرے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

"توبہ ___ کتنا انتظار کرایا تُو نے۔ یقین نہیں آرہا ___" شاندانہ بے یقین سی ہو رہی تھی

"سرپرائز دینا نا تجھے؟"

"ہشمینہ! تم ___" وہ اچانک رونے لگی۔ زور زور سے۔ اُس کی آواز سن کر گل بی بی باہر نکلیں اور ہشمینہ کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"ہائے میری چاند! تُو کب آئی؟"

"میں لایا ہوں ___ میرا اچانک شہر جانا ہوا تو سوچا ہشمینہ بیٹی کو بھی ساتھ لیتا جاؤں۔" صبغت خان کی آواز پر شاندانہ اس سے الگ ہوئی اور ڈھلکا ہوا آنچل سر پر ڈال لیا۔

"پاگل ہی ہے ___ یہ تو سب سے لپٹ کر رونے لگتی ہے۔" گل بی بی، شاندانہ کے چہرے پر نظر ڈال کر بولیں۔

"اتنی خوشی تو مجھ سے بھی نہیں سنبھل رہی، سچی امی! یہاں آ کر مارے خوشی کے میرا بھی رونے کو دل چاہ رہا ہے۔"

اس نے پھر شاندانہ کو خود سے قریب کر لیا۔

"بہت بدتمیز ہے___ آئی بھی تب ہے جب میرے جانے کے دن قریب ہیں۔" وہ چادر کے کنارے سے آنکھیں رگڑتے ہوئے اُسے پیار سے دیکھنے لگی۔

"ارے واہ___ تو کون سا تم دوسری دنیا میں جا رہی ہو۔" ہثمینہ زور سے ہنسی۔ "شہباز بھائی جن تو ہرگز نہیں ہیں کہ تجھے قید کر کے رکھ لیں گے۔"

اس کی بات پر شاندانہ کا چہرہ کانپ اٹھا۔

ہثمینہ سب کے پاس خاصی دیر بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر شاندانہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئی۔

"یہ تم میرے آنے سے پہلے منہ لٹکائے زنان خانے کے دروازے پر کیوں کھڑی تھیں؟" اس نے تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے اس سے پوچھا تو شاندانہ کا منہ بن گیا۔

"ساری عورتیں امی سمیت میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہیں کہ ٹِک کر میں نہیں بیٹھتی، یوں گھر میں دندناتی پھرتی ہوں، شادی میں چند دن رہ گئے ہیں۔ اب تم خود ہی بتاؤ ہثمینہ! جدا ہونے سے پہلے انسان سب سے جی بھر کے ملتا ہے نا۔ ڈھیروں ڈھیروں باتیں کرتا ہے نا؟"

"تو پھر نور کہاں سے آئے گا آپی کے چہرے پر؟" حورینا دروازے پر کھڑی تھی، ہنس کر بولی تو اس نے اسے گھورا۔

"اونہہ___ کوئی مجھے نور وور کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو یادوں کی ضرورت ہے۔ خوشگوار یادوں کی جو میں اپنے ہمراہ سمیٹ کر لے جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہی تو کہتی ہیں۔ سب سے او جھل نہیں بیٹھو گی تو خاک دُلہن لگو گی؟ اب میں آگئی ہوں نا، اچھی طرح خبر لوں

گی تیری۔"

"کیا آتے ہی تم بھی___" شاندانہ نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو ہثمینہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"بالکل۔" اس نے شانے اچکائے اور شاندانہ سر پکڑ کر بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

...☆☆☆...

شاہ خانم جہاں اشمل کے آنے پر خوش تھیں، وہاں اس کے زخموں پر متفکر بھی۔

"سچ سچ بتاؤ، یہ زخم تمہیں یونیورسٹی میں کسی جھگڑے میں آئے ہیں؟ مجھے تو نہیں لگتا کہ تمہاری کار کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔"

شاہ خانم بے حد تاڑنے والی نگاہیں رکھتی تھیں۔ مگر اشمل خان نے بھی کمال سے جھوٹ بول دیا تھا۔

"ارے نہیں شاہ خانم! بس یہاں آنے سے ایک دن پہلے ہی ہوا۔ میری کار سلپ ہو گئی تھی۔ اور یہ تو معمولی خراشیں ہیں۔ یوں منٹوں میں ٹھیک ہو جائیں گی۔ جس دن سے میں آیا ہوں، آپ کو تو بس میری فکر ہے۔"

"آپ ہی کی تو بس فکر ہے انہیں۔" اشارا نے دودھ سے بھرا ہوا گلاس تپائی پر رکھتے ہوئے عجیب دل گرفتہ لہجے میں کہا تو شاہ خانم نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اسے تقریباً خفگی سے گھورا۔

"کیا بات ہے اشارا! تم اتنی بجھی بجھی سی کیوں ہو؟ کیا شاندانہ کی شادی کو انجوائے نہیں کر رہی؟" شاہ خانم کے کمرے سے نکل جانے کے بعد اشمل نے اسے مخاطب کیا۔ سفید شال میں وہ خاموش خاموش سی اُسے کچھ مضطرب سی نظر آئی۔

"ہاں، ہاں___ کیوں نہیں۔ بہت رونق ہے شان کے پاس۔"

"ادھر آؤ اشارا! میرے پاس۔" اس نے اس کا جملہ نظرانداز کرتے ہوئے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پکارا تو وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔

"کیا بات ہے ___ شاہ خانم نے کس بات پر ڈانٹا ہے تمہیں؟" اُس نے اُسے اپنے قریب صوفے پر بٹھالیا۔ اُسے اشارا دل و جان سے عزیز تھی۔

"نہیں ___ انہوں نے مجھے کبھی اس طرح ڈانٹا ہی نہیں لالہ! یہی تو غم ہے۔ جو ڈانٹتے ہیں نا، وہ پھر کسی دن گلے سے لگا کر بہت پیار بھی کر لیتے ہیں۔ مگر شاہ خانم نے تو مجھے کبھی۔۔۔۔۔" اُس کا گلا رندھ گیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔

اس کا دل بے حد پژمردہ ہو گیا تھا۔

ایک طرف ذولین خان کا خراب رویہ اور پھر آج صبح سے وہ جانے کتنی بار شاہ خانم کی تنبیہی نظریں سہہ چکی تھی۔ کتنی بار وہ اسے جھڑک چکی تھیں۔ گل بی بی کے گھر جانے کے نام سے۔

آج اشمل کی محبت اور استفسار پر اس کا دل پگھل گیا۔ صبح سے آنسو دبائے بیٹھی تھی، یکلخت اُمڈ آئے۔

اشمل نے اُسے پیار سے سینے سے لگالیا۔

"پاگل لڑکی ہو بالکل۔ معمولی باتوں کو دل پر لے بیٹھتی ہو۔" وہ پیار سے اس کا سر سہلانے لگا۔ "جانتی ہو، وہ دل کی بری نہیں ہیں۔ بس غصے کی ذرا تیز ہیں۔ اور پھر تم شاندانہ کی جدائی پر اتنی رنجیدہ ہو رہی ہو نا۔" اس نے جھک کر اس کا بھیگا بھیگا چہرہ اٹھایا۔ مگر وہ چپ رہی۔

"ممانی جان کی فیملی کے جانے کے بعد دراصل تم تنہا ہو گئی ہو اس لئے پریشان رہتی ہو۔ چلو شاباش، آنسو پونچھ لو۔"

"آپ گل بی بی کی طرف نہیں گئے؟" اس نے شال کے کنارے سے آنکھیں رگڑیں۔

"ہاں ___ آج جاؤں گا۔ طبیعت اب بہتر ہے نا۔ چلنا تم بھی میرے ساتھ۔ ویسے گل بی بی بہت خفا ہو رہی ہوں گی مجھ پر۔ ہے نا؟" وہ مسکرایا اور اس کے سنہری بال بکھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"تم مجھے بہت عزیز ہو اشارا! جو بھی دل میں بوجھ ہو، میرے پاس بیٹھ کر ہلکا کر لیا کرو اور دل کو اتنا حساس مت رکھو۔ یہ دنیا ہے گڑیا! یہاں پریشانیاں، دکھ، رنج سب کو ملتا ہے۔ کسی کو پہلے غم اور پھر خوشی۔ اور یہ معمولی معمولی ناراضگیاں اور خفگیاں تو چلتی رہتی ہیں۔ دراصل یہ سب زندگی میں جمود کو توڑنے کے لئے ہوتی ہیں۔ تم نے تو اتنا چڑیا جتنا دل رکھا ہے۔" اشمل نے شفقت بھرے انداز میں اس کا سر ہلایا۔

اسی لمحے ذولین اندر داخل ہوا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اشارا بے آواز بہتے آنسو پونچھ رہی تھی اور سرخ چہرہ چادر سے رگڑ رگڑ کر اور بھی سرخ کر رہی تھی۔

"کیا کوئی پرابلم؟" وہ اندر آگیا۔

اُس نے ذولین کی آواز سن کر سر اٹھایا تو ذولین کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ یقیناً وہ اس کے رویے پر اس حد تک دل برداشتہ ہو رہی تھی۔

"نہیں، کوئی پرابلم نہیں۔ بس یوں ہی، پاگل سی لڑکی ہے۔" اشمل مسکرایا۔

"آؤ بیٹھو ___ کہیں جا رہے ہو کیا؟" اشمل نے اسے تیار دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں، ذرا زمینوں تک جا رہا ہوں۔ چچا خان نے بلایا تھا، اس لئے آیا تھا مگر وہ تو ہیں نہیں اس وقت۔" اس نے جیب کی چابی سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"میں بھی ذرا گل بی بی کی طرف جا رہا ہوں۔ تین دن ہو گئے ہیں، اب جا کر خوب گرم گرم ڈانٹ سنوں گا۔"

اشتارا خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اشتارا کو کیا ہوا تھا اشمل؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔ اس کا ذہن وہیں پر اٹک کر رہ گیا تھا۔

کوئی موقع بھی تو نہیں ملا تھا اُسے منانے کا۔ اور وہ تھی کہ اتنی دُکھی ہوئی جا رہی تھی۔

اشمل نے اُسے چونک کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔

"ارے نہیں، بس شان کی جدائی نے اسے ڈسٹرب کر دیا ہے۔ دل بھر آیا تھا تو میرے پاس بیٹھ کر رو دی۔ اب تو سوچا ہے کہ اس بار وادی آؤں گا تو اس موصوفہ کو بھی رخصت کرنے کا بندوبست کروں گا۔" اس نے واسکٹ پہنتے ہوئے کہا اور ریک سے گاڑی کی چابی نکالی۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال تو تم کرو گے نا اب۔" اس نے پلٹ کر برجستہ کہا تو ذولین مسکرا کر رہ گیا۔

"اوکے___ میں اب چلوں گا۔ تم جاؤ گل بی بی کی گرما گرم ڈش کھانے۔" وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

راہداری میں اشتارا اسے نظر آئی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ پلٹ کر جانے لگی کہ وہ اس کی طرف بڑھا۔

"تم تو میرے اندازے سے کہیں زیادہ احمق لڑکی ہو۔" اس کے لہجے میں مسکراہٹ گھلی ہوئی تھی۔ مگر وہ پلٹی نہیں۔ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ جیسے اس کی ناراضگی سے محظوظ ہوا تھا۔

"ہاں ذولین! انتہائی درجے کی احمق ہی تو ہوں جو تمہاری بے اعتنائی اور کج روی پر جلتی کڑھتی ہوں۔" اس نے تیزی سے قدم اشمل کے کمرے کی طرف بڑھا دیئے۔

اشمل، شاہ خانم سے اجازت لے کر اشتارا کو ساتھ لئے گل بی بی کے گھر کی طرف چلا آیا۔

"ذولین کیسا ہے اشتارا؟" اُس نے بالکل اچانک پوچھا تھا۔ شیشے کے باہر جھانکتی اشتارا کا دل دھک سے رہ گیا۔

"تم سے کچھ پوچھا ہے میں نے۔" اس کی خاموشی پر اشمل خان نے اپنا سوال دہرایا تو وہ پہلو بدل کر دھیرے سے بولی۔

"آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں انہیں۔"

"ہاں___ مجھے تو بہت عزیز ہے وہ۔" اس نے کن انکھیوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ اس کے قریب بیٹھی تھی دونوں ہاتھ گود میں رکھے۔

"آپ کی تو ان سے دوستی ہے نا بچپن سے بہت۔" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ وہ قطعی نہ جان پا رہی تھی کہ اشمل یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہا تھا۔ یہ تو اس کے اندر کا چور ہی اسے ہولائے دے رہا تھا۔

"ہاں___ ہم نے مل کر بہت اچھے دن گزارے ہیں۔" اس نے گاڑی کی اسپیڈ قدرے کم کر دی اور اس کی سمت رخ کیا۔ "اشتارا! بسا اوقات پابندیوں کے در جتنے مضبوط ہوتے جاتے ہیں بغاوت کے عالم بھی اسی تیزی سے بلند ہونے لگتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ جس شے کے قریب جانے پر پابندی عائد ہو، انسان اسی شے میں دلچسپی لیتا ہے۔ شاہ خانم نے ہمیشہ تمہیں ذولین سے دور رہنے کی تاکید کی اپنی ذاتی نفرت کی وجہ سے۔" وہ رک گیا اور اس کے تپتے ہوئے لال سرخ چہرے کو دیکھا۔

"پتہ نہیں، میں جو محسوس کر رہا ہوں وہ کس حد تک درست ہے۔ اشتارا! کیا تم___"

"اشمل لالہ!" اشارا کے سینے کی چار دیواری جیسے پھٹنے کو تھی۔ اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔ "پلیز مجھ سے کوئی ایسا سوال مت پوچھئے گا جو میرا سر آپ کے سامنے ندامت سے جھکا دے۔"

اشمل نے اُسے دیکھا۔ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے سرخ ہو رہی تھی۔ بے بسی سے لب دانتوں سے کچل رہی تھی۔

وہ جو پوچھنا چاہتا تھا سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔

"میں ڈرتا ہوں اشارا! کہ تمہیں کوئی بڑا دکھ نہ مل جائے۔" اس نے چہرہ ونڈ اسکرین کی طرف کر دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

"یہ بہت پُر پیچ راستے ہیں۔ اور یکطرفہ سفر ہو تو اور بھی اذیت ناک ہوتا ہے۔ اور پھر ہمارے حالات۔" اس کا لہجہ شفیق اور نرم تھا۔

اشارا دونوں ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا بھائی اس راز سے واقف ہو چکا ہے جسے وہ چھپائے پھرتی تھی۔ مارے ندامت کے اس کا سر اٹھ نہ رہا تھا۔ پلکیں بھاری بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ اس کی حالت دیکھ کر اشمل نے کچھ سوچ کر موضوع بدل دیا۔

"یہ بتاؤ، گل بی بی کا کیا حال ہے؟ ان کے گھر خوب چہل پہل ہو گی۔"

"جی___ چہل پہل تو ہے مگر شان بہت روتی ہے۔ اور خود گل بی بی بھی۔" اس کے دل کو ڈھارس سی ملی۔

وہ اس موضوع سے بچنا چاہتی تھی۔ اس نے خود ہی موضوع بدل دیا تھا۔

اس کے دل میں اشمل کے لئے ڈھیر ساری محبت سرایت کر گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

گاڑی گل بی بی کے گھر کے سامنے رکی تو وہ نیچے اتر آئی۔

"ہائے اشارا! تو اب آئی ہے۔ شاندانہ تو کب سے تیرا انتظار کر رہی ہے۔" مہک باہر ہی اُسے مل گئی۔

اشمل خان کو دیکھ کر اس نے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔

"تم کیوں واپس جا رہی ہو؟" وہ اس کے قریب آ گئی۔

"ڈانٹ کھانے جا رہی ہوں۔" مہک یہ کہہ کر ہنسی۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے آئے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔ بی بی نے پیچھے سے شیر جان کو بھیجا، میں چولہے پر ہنڈیا چڑھا کر آئی تھی صرف شاندانہ کو یہ کہنے کہ شام کو دوبارہ آؤں گی۔ پر بیٹھی رہ گئی۔ ہائے، ہنڈیا جل کر راکھ ہو گئی اور بی بی بھی سمجھو، ہنڈیا جیسی ہی ہو گئیں۔"

اس کی بات پر اشارا کو بھی بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"تیرے تو کام ہی نرالے ہیں۔"

"بی بی کہتی ہیں کہ آٹھ جماعتیں پڑھ کر تُو اور بھی نکمی ہو گئی ہے۔ ہا، ہا___ میں نے کہا دس پڑھ لیتی تو شاید کچھ سدھر جاتی۔"

اشمل، گل بی بی کے گھر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دروازہ کھلا ہی ملا۔ وہ برآمدہ عبور کر کے اندر آیا تو جیسے اس کی آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔

وہ سرخ، نرم شال سر پر اوڑھے لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی گا رہی تھی۔

اس کی آواز سب سے اونچی تھی۔ مارے جوش کے گلابی چہرہ ٹمٹما رہا تھا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں خوشیوں اور طمانیت کے رنگ بھرے ہوئے تھے جو اُسے اور بھی دلکش بنا رہے تھے۔ کانوں میں بڑی بڑی سنہری بالیاں سرخ چادر کی اوٹ سے نکل کر لہراتیں اور اس کے رخساروں پر سنہرے رنگ بکھیر جاتیں۔

اشمل خان کی نگاہیں جیسے خیرہ ہو رہی تھیں۔ وہ کتنے مختلف اور انوکھے روپ میں اس کے سامنے آئی تھی۔ وہ دم بخود سا اُسے دیکھتا رہا۔ معاً کسی لڑکی کی نگاہ اس پر اٹھی تھی۔ اس نے سب کو متوجہ کر لیا اور سب غیر مرد کو دیکھ کر گھبرا کر اپنی اپنی چادریں سنبھالتی اٹھ کر بھاگیں۔ اس یکبارگی افرا تفری نے اسے بھی چونکا دیا۔

ہشمینہ کی نگاہیں اشمل پر اٹھی تھیں تو اس کا سارا وجود مجسمہ کی طرح ساکت و جامد ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ پلکیں جھپکے بنا اسے دیکھنے لگی۔ پھر جیسے اچانک اشمل خان کی سحر انگیز نگاہوں اور والہانہ مسکراہٹ نے اُسے شرما دیا۔ اس نے جلدی سے شانوں پر پھسلتی چادر کو سر پر ڈال لیا۔ اسے بے طرح شرم نے آگھیرا۔ اپنے اس انداز میں اشمل خان کے آنے پر وہ کچھ محجوب سی ہو گئی۔ جلدی سے ڈھولکی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

اشمل کے لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا مگر اشارا کو دیکھ کر رک گیا۔

اشارا نے اشمل اور ہشمینہ کو ایک دوسرے کے سامنے بے خود سا ہوتے دیکھا۔

اشمل خان کا اس اجنبی لڑکی کو دیکھ کر رک جانا اور اس کا شرمانا اسے حیران کر گیا۔ مگر اس نے اپنی کسی حیرانگی کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اندر آ گئی۔

"دیکھو ذرا اشارا! گل بی بی اندر ہیں کیا؟" اشمل نے خود کو سنبھالتے ہوئے اشارا کو مخاطب کیا۔

ہشمینہ جھپاک سے اندر کسی کمرے میں گم ہو چکی تھی۔

اپنے دل کی دھک دھک سے اسے اپنے کانوں کے پردے لرزتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ اشمل خان ضرور آئے گا۔ مگر یوں اچانک اسے دیکھ کر اس کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔ مارے شرم اور خجالت کے وہ کتنی ہی دیر خالی کمرے میں تنہا بیٹھی رہی۔

باہر گل بی بی کی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

دوسری ساری لڑکیاں شاندانہ کے کمرے میں تھیں۔

یہ محبت بھی کیا چیز ہے۔ شرم اور خوف ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کہاں وہ اشمل خان کو دیکھنے کو ترس گئی تھی اور اب یہ حالت کہ باہر نکلنے کا سوچ کر ہی بے طرح شرم محسوس کر رہی تھی۔ پاؤں جیسے من من بھر کے ہوتے جا رہے تھے۔

اچانک دروازہ کھلا اور شاندانہ اندر آئی۔ اس کے ساتھ اشارا بھی تھی۔

"یہ تم یہاں اکیلی بند ہو کر کیوں بیٹھ گئی ہو؟" وہ اس کے قریب آگئی۔ "اشارا کو تم سے ملوانے لائی ہوں۔ اشارا! یہ ہشمینہ ہے جس کا میں ذکر کرتی تھی نا تم سے۔"

ہشمینہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

معصوم اور نازک سی، بے تحاشا خوبصورت لڑکی کو اپنے روبرو دیکھ کر وہ چند ثانیے مبہوت سی رہی۔

سنہری آنکھوں اور سنہرے بالوں والی اس لڑکی کو دیکھ کر اسے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ اشمل خان کی بہن ہے جس کا ذکر وہ اس سے کئی بار کر چکا تھا۔ بے حد محبت اور شفقت کے ساتھ۔ اس کے ذہن میں جو خاکہ بنا تھا، اس سے کہیں زیادہ دلکش تھی۔

"ہشمینہ! یہ اشتارا ہے، شاہ خانم کی بیٹی۔" شاندانہ نے تعارفی مرحلہ طے کیا تو اشتارا نے مسکرا کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے ہشمینہ نے تھام لیا۔

"جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔" اشتارا اس کی سیاہ بھوری سی دلکش آنکھوں کو دیکھ کر پوری سچائی سے بولی۔

"میرے بارے میں تو تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔" ہشمینہ جھینپ کر ہنس دی۔ رخساروں کی رنگت ابھی تک تپ رہی تھی۔ سرخ شال کے ہالے میں اس کا چہرہ بے حد تاباں لگ رہا تھا۔

'اشمل کا ٹھٹک جانا کچھ غلط تو نہ تھا۔ وہ لگ ہی پیاری رہی تھی۔' اشتارا نے سوچا۔

"اب تم دونوں میرے ساتھ میرے کمرے میں آجاؤ۔ بقیہ باتیں وہیں ہوں گی۔ اگر مجھے کسی نے یہاں دیکھ لیا نا تو خیر نہیں ہے۔" شاندانہ نے گھبرا کر کہا۔

"ہونے والی دُلہن کو دیکھو، یہاں وہاں اُچھلتی کودتی پھرتی ہے۔" اشتارا نے اسے چھیڑا تو وہ دونوں ہنس دیں۔

"ایمان سے اوجھل ہونا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ بھلا مرد اوجھل بیٹھ کر دکھادیں۔ یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ کھاؤ، وہ نہ کھاؤ۔ میرے تو کان پک گئے ہیں ایسی باتیں سن سن کر۔ ذولین لالہ سے مجھے کتنی صلواتیں سننی پڑی تھیں۔" وہ دل کی بھڑاس نکالتی کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔ وہ دونوں بھی ہنستی اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئیں۔

...☆☆☆

ریحان پراچہ نے فون رکھا تو خوف اس کی نس نس میں اتر چکا تھا____ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے سیاہ دائرے بنتے اور بگڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"ریحان! سراج کیا کہہ رہا تھا؟" یاور نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا دل ریحان پراچہ کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھ کر دھڑک اٹھا تھا۔

"کسی نے خبر دی ہے پولیس کو کہ میں یہیں، اسی فلیٹ میں ہوں۔ سراج کہہ رہا تھا، ہو سکے تو وقت ضائع کئے بغیر یہ فلیٹ چھوڑ دوں۔" وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا صوفے پر ڈھے گیا۔

"اوہ۔۔۔۔۔" یاور کے حلق میں جیسے سانس اٹک گئی۔ "اب کیا ہوگا؟"

"مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ پتہ نہیں پاپا اپنا اثر ورسوخ استعمال کیوں نہیں کر رہے۔" اس نے صوفے کے ہتھے پر زور سے مکا مارا۔ "ایسا تو کبھی نہیں ہوا یاور!"

"ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا ہے پیارے۔ ہم اس کبھی کبھی میں پھنس گئے۔ خیر چھوڑو، وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے ہمیں۔ اُٹھو، چلو۔" یاور یہ کہہ کر جلدی سے اندر کمرے میں غائب ہو گیا۔

ریحان کی نگاہیں دیوار کو گھورنے لگیں____ اُسے پھانسی کا پھندا بے حد قریب محسوس ہونے لگا۔ اس بار وہ بچ نہیں پائے گا____ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبا دیا ہو۔

وہ تڑپ کر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

اس کے خلاف کارروائیاں تیز ہو رہی تھیں۔ پولیس جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ سراج اُسے لمحہ لمحہ کی خبریں پہنچاتا رہا تھا اور وہ خود یہاں بند پڑا تھا۔

اس قید سے اُسے وحشت ہو رہی تھی۔ مگر موت کا خوف پھر بھی غالب تھا۔ یہ قید خانہ اسے غنیمت لگتا۔

وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پھر اچانک ٹیلی فون کی سمت لپکا۔

"کیا کر رہے ہو ریحان؟ تم وقت ضائع کر رہے ہو۔"

"میں پاپا کو فون پر مطلع کر دوں۔" وہ پلٹا۔ یاور کاندھے پر سیاہ چمڑے کا بیگ لٹکائے ہوئے تھا۔

"تمہارے پاپا اس وقت گھر پر نہیں ہوتے۔ یہ جگہ تمہارے لئے خطرناک ہے۔ ہم محفوظ جگہ پر پہنچ کر بھی انہیں مطلع کر سکتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر سرعت سے دروازے کی طرف بڑھا۔

"مگر اب ہم جائیں گے کہاں؟" وہ بولا یا بولایا اس کے پیچھے لپکا۔

"ظفری کے گھر میں۔"

"ظفری___" ریحان نے اُسے دیکھا۔

"اوہو یار___ دوست ہے میرا۔ بہت اچھے تعلقات ہیں اس سے میرے۔ پہلے بھی وہ ایسے موقعوں پر میرا ساتھ دے چکا ہے۔ اب سوچنے کا وقت نہیں ہے۔" اس نے ریحان کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

ریحان نے جیسے خود کو سنبھال لیا تھا اور جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر یاور کی طرف بڑھا دی اور خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

یاور نے بھی اسی تیزی سے سیاہ بیگ بیک سیٹ پر اچھالا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

تھوڑی ہی دیر میں تارکول کی سیاہ سڑک پر گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔

"ارے___ میرا ریوالور لیا یا نہیں؟" ریحان کو اچانک یاد آیا۔

"لے لیا ہے یار۔۔۔۔۔ سب کچھ لے لیا ہے۔" یاور ہنسا۔ "تم تو بالکل بزدل ہو رہے ہو۔ حالانکہ اس میدان میں مجھ سے زیادہ ماہر ہو۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

یہ سن کر ریحان کے لبوں پر پہلی بار مسکراہٹ پھیلی۔

"میں تو بس یہ سوچ رہا ہوں کہ پاپا نے کیا، کیا؟___ یہ ساری مصیبت ڈی ایس پی منظور احمد کی پھیلائی ہوئی ہے___ خیر، میرا نام بھی ریحان ہے۔ اسے بھی سیدھا نہ کر دیا تو میرا نام بدل دینا۔"

گاڑی تیزی سے ناآشنا راستوں پر رواں دواں تھی

"یہ ظفری کرتا کیا ہے؟" ریحان نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ارے کرتا کیا ہے، بس ہم جیسوں کو پناہ دیتا ہے___ اسی سے اس کا گھر بار چل رہا ہے۔"

"ہوں___ اس کا مطلب ہے با اعتبار شخص ہے۔" اُسے اطمینان ہوا۔

اچانک مخصوص سائرن کی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

"پولیس۔۔۔۔۔۔" یاور کے ہاتھوں سے گاڑی پھسلی۔

پولیس سائرن کی گونج تیزی سے قریب آ رہی تھی___ جس نے ریحان پراچہ کے اندر دہشت بھر دی۔

"یاور! گاڑی دائیں طرف موڑ لو___" وہ کچے راستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زور سے چلایا۔

گاڑی کچے راستوں پر جھٹکے کھاتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی___ خوف اور دہشت ان دونوں کی رگوں میں بھرتا جا رہا تھا۔

"ریحان! آگے راستہ بہت خراب ہے___ گاڑی چلانا مشکل بلکہ ناممکن ہو گا۔" یاور نے ریحان پراچہ کی سمت دیکھا۔ "میرے خیال میں ہمیں یہیں رک جانا چاہیئے۔"

"نہیں، نہیں ___" ریحان چلایا۔

"آگے گاڑی جانا مشکل ہے ریحان! اور پھر میرے خیال سے پولیس کسی اور راستے پر نکل گئی ہے۔" اس نے فضا میں خاموشی محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے کہا اور گاڑی روک دی۔

ریحان پراچہ کے حلق سے جیسے کوئی اٹکی ہوئی وزنی شے اُتری تھی۔ اُس نے سینے سے ایک گہری سانس خارج کی۔

"واپس جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔" اُس نے دُور تک فضا میں نگاہیں دوڑائیں۔

"تو واپس کون پاگل جانے کو کہہ رہا ہے۔"

"تو ___ کیا مطلب ہے تمہارا؟ آگے ہم جا نہیں سکتے، پیچھے پلٹ نہیں سکتے۔ تو کیا اس تپتی ریت پر مٹر گشت کریں گے؟" اس نے یاور کو عجیب نظروں سے دیکھا۔

"لگتا ہے خوف نے عقل سلب کر لی ہے تمہاری۔" یاور زور سے ہنس دیا۔ "پولیس کو تو جُل دے ہی دیا ہے ہم نے۔ مگر پھر بھی کوئی بھروسہ نہیں، کب وہ یہاں تک آجائے۔ میرا خیال ہے ہم گاڑی کو جھاڑیوں کے پیچھے چھپا کر پیدل آگے بڑھتے ہیں۔ آگے کچی آبادی ہے۔"

"ہوں ___ شام بھی اُتر رہی ہے۔" ریحان پراچہ اس کی بات پر متفق ہو گیا۔

ظفری کے پاس تو آج ہم پہنچ نہیں سکیں گے۔ کیونکہ رات بھی یہیں کہیں بسر کرنا ہو گی۔" یاور گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر کے اسے گھنی جھاڑیوں کے پیچھے لے آیا۔

"کیا پوری رات ہمیں اس کچی آبادی میں بسر کرنا ہو گی؟" ریحان پراچہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ "مائی فُٹ ___ یہ دن بھی دیکھنا تھا مجھے۔" اس نے گاڑی سے اتر کر دروازہ غصے سے بند کیا۔

"دن نہیں، رات ڈیئر!" یاور ہنسا۔ "تم تو عادی نہیں ہونا۔ باپ کی تھپکیوں نے بچائے رکھا تھا ابھی تک۔ مجھ سے پوچھو، ایسی بلکہ اس سے بھی خوفناک راتیں کاٹ چکا ہوں۔ البتہ تمہارے لئے یہ نیا تجربہ ہے۔ بھٹی میں پک کر ہی کندن بنو گے پیارے۔" اس نے گاڑی لاک کر کے چابی اس کی طرف اچھالی اور سیاہ چرمی بیگ کاندھے پر ڈال کر آگے بڑھا۔

"ایسے دھندوں میں یہ سب تو ہوتا ہے۔ اور سچ پوچھو تو وہ شہباز مرا تمہاری گولی سے تھا۔ میں تو صرف ہوائی فائرنگ میں پھنس گیا۔"

"تو اب پچھتا رہے ہو" ریحان پراچہ نے اُسے دیکھا۔

"نہ۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ میں خوار ہو رہا ہوں۔" اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر رخ موڑ کر بڑے بڑے قدم اٹھانے لگا۔

اونچے نیچے کئی ٹیلے عبور کر کے وہ دونوں کچی بستی کی جانب بڑھنے لگے۔

"ویسے یہ اشمل خان بڑا پاور فل لڑکا ہے۔ عدالت میں تمہیں نچا سکتا ہے۔"

"ہاں ___ افسوس رہ گیا کہ شہباز کی بجائے وہ کیوں نہ مارا گیا۔" اشمل خان کے نام پر اس کے چہرے پر سختی آگئی اور تن بدن میں آگ بھر گئی۔ اُسے اپنی وہ درگت یاد آگئی جو ہشمینہ ابرار کے اغواء کے سلسلے میں اشمل نے بنائی تھی۔

اس خیال کے ساتھ ذہن کے پردوں پر ہشمینہ کا دلکش سراپا لہرایا اور دل میں آگ سی بھڑک اٹھی۔ "ہمیشہ وہ میری راہ میں حائل رہا ہے۔" اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔

"ریحان!" یاور اچانک چلایا۔ مخصوص سائرن کی گونج دار آواز نے اُسے دہلا دیا۔

ریحان پراچہ کی چلتی سانسیں بھی حلق میں اٹک کر رہ گئیں۔

"یہ۔۔۔۔۔۔یہ بہت غلط ہو گیا ریحان!" اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ "آؤ جلدی، بھاگو۔"

ان دونوں کے قدم بے اختیار حرکت میں آگئے تھے۔ ریت کو اپنے مضبوط جوتوں سے روندتے ہوئے بھاگنے لگے۔

"اس طرف۔۔۔۔۔۔اس طرف۔" یاور نے اُسے اشارہ کیا تو وہ دونوں دائیں طرف آبادی والے حصے کی جانب بڑھے۔

تیز سائرن ساری فضا کو مرتعش کر رہا تھا۔ گزرتے مرد عورتیں اور بچے حیرت زدہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"ہم بری طرح پھنس گئے ہیں ریحان!" یاور ایک پتلی سی گلی میں داخل ہوتے ہوئے پھولی ہوئی سانس کے درمیان بولا۔

"ہماری گاڑی ___"

"ہاں، اسی گاڑی نے ہمیں مروا دیا۔ وہ اسے پا چکے ہیں اور انہیں یقین ہو چکا ہے کہ ہم اسی طرف آئے ہیں۔" یاور نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔ پھر اچانک اس نے بیگ سے ریوالور نکال لیا اور پھر ایک چھوٹے سے کچے پکے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے ریحان تھا۔ اس نے بھی اپنا ریوالور لوڈ کر لیا تھا۔

☆☆☆...

دولہا والوں کے استقبال کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ آج دولہا والوں کی طرف سے لڑکیاں اور عورتیں شاندانہ کو مہندی لگانے آرہی تھیں۔ یہ رسم سب سے پیاری تھی۔ لڑکیاں اس میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی

تھیں۔ اور یہ دن دُلہن کے لئے سب سے بھاری تھا ___ الوداعی گیت سن سن کر اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہہ رہا تھا۔

شاندانہ گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی اور لڑکیوں کو تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔ سبز جھلملاتا گھیر دار پشواز اور لمبے چوڑے جھلملاتے دوپٹے میں اشارا قیامت ڈھا رہی تھی۔ چھنکتی ماتھا پٹی اور بھاری زیور میں اُس نے اپنا سراپا قد آدم آئینے میں دیکھا۔ پھر اچانک اُس کے رخسار تپ گئے۔ آئینے میں ہشمینہ کا مسکراتا چہرہ جھلک آیا۔ وہ پلٹی۔

"اتنا سارا حُسن اب تک کسی کے نام نہیں ہوا کیا؟" وہ ہنسی تو اشارا کے رخساروں پر لہو رنگ چھلک آیا۔

"ہے ___ ذولین لالہ کے نام۔" شاندانہ نے برجستہ کہا تو ہشمینہ ایڑیوں کے بل پلٹی۔

"کیا ___ کون ہے وہ خوش نصیب؟"

"بکتی ہے یہ تو۔" اشارا نے شاندانہ کو اپنی قیامت خیز آنکھوں سے گھورا جس میں تنبیہہ تھی۔ مگر وہ اس کی نگاہوں کو نظر انداز کر گئی۔

"ادھر آؤ، تمہیں بتاؤں۔" اُس نے شرارت آمیز نظریں اشارا پر ڈالیں اور ہشمینہ کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"بے شرم ___" اشارا مارے حیا کے کچھ نہ بول پائی اور جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

ہشمینہ اپنا زیور کا بکس اُٹھائے پُر تجسّس سی اس کے قریب پلنگ پر ٹِک گئی، جیسے شاندانہ اُسے کوئی بہت ہی مزے دار کہانی سنانے والی تھی۔

"میں بھی سوچتی رہی کہ اتنی پیاری لڑکی ابھی تک آزاد کیسے ہے۔" وہ ہنسی اور بکس کھول کر اس میں سے اپنے زیورات نکال کر پہننے لگی۔

"آں، ہاں ___ ابھی منگنی نہیں ہوئی۔" شاندانہ جلدی سے بولی۔ پھر اُسے ساری بات دھیرے دھیرے بتانے لگی۔

"یعنی جوڑی چاند، سورج کی کہہ سکتے ہیں۔"

"ہاں، بالکل ___ ذولیلن لالہ سورج کی طرح گرم گرم۔" شاندانہ ہنسی۔

"شان!" اچانک اشمل کی گاڑی کی آواز اُبھری تو شاندانہ چونک گئی اور پھر جلدی سے بولی۔

"اشمل لالہ! یہاں۔۔۔۔۔۔ یہاں مت آیئے۔" وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پلنگ سے نیچے اُتری۔ "میرا آپ سے پردہ ہے ___ اور پھر یہاں میری سہیلی بھی ہے۔" وہ زور سے چلائی کہ کہیں وہ اندر ہی نہ آجائے۔ مگر اشمل خان دروازہ عبور کر چکا تھا۔

ہشمینہ کا دل تیزی سے دھڑکا ___ اس مانوس آواز نے اُس کی دھڑکنوں کو منتشر کر ڈالا تھا۔ اُس نے جلدی سے اپنے سیاہ کامدار سوٹ کا بڑا سا کام والا دوپٹہ کھینچ کر سر پر ڈال لیا۔

"یہاں تو میرے لئے کوئی اجنبی نہیں ہے ___ ویسے میں تمہیں یہ گفٹ دینے آرہا تھا جس کے بغیر یقیناً تم رخصت نہ ہوتیں۔ یا پھر مجھے بے حد برا کہتیں۔" اُس نے مخملی ڈبہ شاندانہ کی طرف بڑھا دیا۔ لمحہ بھر کے لئے نگاہیں جھلملاتے دوپٹے سے جھانکتے تاباں چہرے کی جانب اُٹھیں تو اُس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"شان! تمہاری یہ سہیلی تو وادی آکر مجھے بالکل بھول گئی ___ شاید پہچانتی بھی نہیں اب تو۔"

"جج۔۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔۔" شاندانہ ہکا بکا رہ گئی۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ کر اشمل کو دیکھا۔

ہشمینہ کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ اشمل اس اطمینان بھرے انداز میں شاندانہ کے سامنے یہ راز طشت ازبام کر دے گا۔ وہ

بالکل غیر اختیاری طور پر پلٹی تھی اور اشمل خان مبہوت سا رہ گیا تھا جیسے بجلی کا جھماکا سا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔

دوپٹے میں سجے دمکتے ستاروں کا عکس اُس کے چہرے کو پھر جگمگا گیا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ اور بڑے بڑے جھولتے آویزوں نے اُس کے چہرے پر عجیب طرح کا نکھار بھر دیا تھا۔ وہ بھرپور دلکشی کے ساتھ اُس کے سامنے تھی۔

انوکھے اور روپہلے روپ میں۔

"ہائے اشمل لالہ! ___ آپ یہ کک۔۔۔۔۔۔ کیا کہہ رہے ہیں؟" شاندانہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اس انکشاف نے اُسے کتنے ہی لمحے گنگ کئے رکھا۔

اشمل خان کا دل چاہا وہ اُس کے قریب آجائے اور اُسے دیکھتا رہے۔ اس حُسن کی ساری رعنائیاں اپنے دل پر نقش کر لے۔ اُس کی والہانہ نگاہوں نے ہشمینہ کو سرخ کر ڈالا۔ وہ دفعتہ ہوش میں آگئی اور جیسے ہی اپنی پوزیشن کا احساس ہوا خود کو سنبھالا اور آئو دیکھا نہ تائو، جھپاک سے کھلے باتھ رُوم میں غائب ہو گئی۔

"اشمل لالہ۔۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔۔ یہ کیا؟" شاندانہ کے حواس پر تو بجلی سی گری اور اشمل کا یہ جملہ اور والہانہ نگاہوں سے ہشمینہ کو تکتے رہنا، یہ کسی انکشاف سے کم نہ تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ اُس کی حیرانگی کو رفع کئے بغیر تیزی سے اُس کے پیچھے لپکی۔

"آ۔۔۔۔۔۔ آپ اور ہشمینہ کیا ایک دوسرے کو جان۔۔۔۔۔۔" ابھی وہ اپنی حیرت پر مکمل قابو نہ پا سکی تھی۔

"ہوں ___" وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔ "یہ بات تم اپنی سہیلی سے بھی پوچھ سکتی ہو۔"

"نہیں ___ مجھے آپ بتایئے۔۔۔۔۔۔ بتایئے نا۔" اس نے اس کا بازو تھام لیا، مبادا وہ بھاگ نہ جائے۔

"ارے، ارے ___ خود کو سنبھالو لڑکی! دولہا والے آئیں گے تو کیا سوچیں گے ایسی ہونق دُلہن کو دیکھ کر۔" بات کو مذاق میں اُڑا کر وہ سرعت سے کمرے سے نکل گیا۔

"ہائے ہشمینہ! تم تو چھپی رستم نکلیں۔" شاندانہ باتھ روم کی طرف بڑھی جہاں ہشمینہ خود کو شاندانہ کی نگاہوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر رہی تھی۔

☆☆☆...

اشتارا کو بے حد شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

اُسے اب ہشمینہ سے شرم سی محسوس ہونے لگی اور شاندانہ پر غصہ ___ کیا ضرورت تھی اُسے کہ اُس کی محبت کی تشہیر کرتی پھرے۔

وہ تو اب بھی ہوا پر محل بنا رہی تھی۔ کیا خبر، کون سا جھونکا اس محل کو دھڑام سے گرا دے ___ شاہ خانم کا کون سا جملہ اُس کی محبت کے چراغ کو گل کر دے یا ذولین خان کی انا اُس کی آنکھوں سے سارے خواب چھین لے۔

اُس کا ذہن پھر منفی انداز میں سوچنے لگا۔ ذولین سے ناراضگی نے اُسے اندر سے بکھیر دیا تھا۔

وہ پھر رنجیدہ ہونے لگی تھی۔

دولہا والے مہندی کے بڑے بڑے تھال اُٹھائے اندر آ گئے تھے۔ عورتوں اور بچوں کا ایک بڑا سا ریلا سارے ماحول پر یکلخت چھا گیا تھا۔

لڑکے والوں کے چہروں پر مسرت کے رنگ ہلکورے لے رہے تھے۔ لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔

وہ فاتح ہی تو تھے ___ لڑکی لینے آئے تھے۔ اپنے گھر کی رونق بڑھانے۔

اور لڑکی والوں کے چہروں پر اُداسی ڈیرے ڈال رہی تھی۔ وہ اپنے گھر کی رونق کسی اور کی جھولی میں ڈال رہے تھے۔

گل بی بی کی تو آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں۔ ساری عورتیں اُنہیں دلاسہ دے رہی تھیں۔

شاہ خانم بھی اس وقت عجیب سی کیفیت سے دوچار بیٹھی تھیں۔ ایک تو وہ گل بی بی کے گھر اتنے برس کے بعد آئی تھیں۔ اُن کی خود ساختہ ناراضگی نے اُنہیں ہمیشہ گل بی بی سے دُور رکھا۔ مگر آج بیٹی کی خوشیوں میں وہ شریک نہ ہوتیں تو زمانہ انہی پر تھو تھو کرتا۔ اُن کی ناراضگی، اُن کے دل کی جلن، وہ دُکھن دنیا والوں پر آشکارا تو نہ تھی۔ وہ اُن کے گھر آئیں تو گل بی بی بچھ بچھ گئیں۔ کوئی شکوہ، کوئی گلہ ___ غرض آنکھوں میں کسی رنجش کا رنگ بھی نہ لہرایا تھا۔ وہ تو بھر بھر کر محبت دینے والی ہستی تھیں۔ بدلے میں اُنہیں کیا ملا، انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ اور پھر شاہ خانم تو انہیں ہمیشہ سے عزیز تھیں۔ اُن کی سہیلی اور بھائی کی بیوی، اشتارا اور اشمل کی ماں۔ اتنے بہت سارے رشتوں نے انہیں اور بھی گداز دل بنا دیا تھا۔

شاہ خانم اُن کی اس قدر اپنائیت اور محبت پر عجیب سے خلفشار کا شکار بیٹھی تھیں۔ مگر ان میں اس وقت اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اُٹھ کر روئی روئی گل بی بی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیتیں۔ اُن کی انا نے یہاں بھی ان کے قدم جکڑ لئے۔

مہک اور سلطانہ، اشتارا کو شاندانہ کے کمرے سے باہر پکڑ لائیں۔

"دیکھو تو ___ دولہا والے زبردست تیاریاں کر کے آئے ہیں۔"

"ہم تو لڑکی والے ہیں ___ یوں بھی ہارے ہی ہارے ہیں۔" اشتارا کا دل شاندانہ کے آنسوؤں میں ابھی تک بہہ رہا تھا۔ مگر پھر بھی اُس نے تمام لڑکیوں کے ساتھ ڈھولک سنبھال لی۔

"ارے لڑکی تو ہم ہار ہی چکے، کم از کم یہ مقابلہ نہیں ہاریں گے۔" ہشمینہ ہنسی۔

"بالکل____" مہک نے اُس کی تائید کی۔

شبہ و نگر ژو جنکے

تمبل وہی نا خلق واخوانا

یہ ودء راغلّی دینا

مابہ اُسس ڈولی وڑی

(مہندی کی رات ہے اور لڑکیاں تمبل بجا رہی ہیں۔ لوگ اُس طرف سے شادی میں آئے ہیں۔ مجھے ڈولی میں لے جائیں گے)

وہ مقابلے پر اُتر آئی تھی۔ سارا جوش و خروش اُمڈ آیا تھا۔ ہشمینہ بھی اُس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

اُس نے اچانک ڈھول ہشمینہ کی طرف بڑھا دیا اور خود تالیاں بجانے لگی۔

یہ ودء راغلّی دینا

مابہ اُسس ڈولی وڑی

جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ تمتمارہا تھا اور دوسرے کمرے میں بیٹھے ذولین خان کا پسلیوں میں دبا دل جیسے مچل مچل کر باہر نکلنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ اُڑتے پردے کے پیچھے سے اُس کے تاباں چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی پردہ لہرا کر تیز جھونکے سے اوپر اٹھتا اُس کی آنکھیں اشارا کی چمک سے خیرہ ہو جاتیں۔

اُس نے کچھ دیر قبل اُسے شاندانہ کے کمرے کے پاس ملول سا دیکھا تھا۔ تب اُس کی کندن رنگ آنکھوں میں اُس کا عطا کردہ دکھ تھا۔ مگر اس وقت وہ صرف اور صرف دلہن والوں کا پلہ بھاری کرنے کے لئے اپنی ساری اُداسی کو پسِ پشت ڈال کر پُرجوش انداز میں گیت گا رہی تھی۔ سب سے اونچی آواز اُس کی تھی اور یہ مترنم آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی

اچانک دولہا والوں میں سے کسی لڑکی نے اُس کی خوبصورت چوٹی ہلکے سے چھوتے ہوئے کہا۔

"بے کار تم لوگ اتنی محنت کر رہی ہو۔ دُلہن کو تو ہم جیت ہی چکے ہیں۔" اُس کی آنکھوں میں فتح کا نشہ تھا۔ ہشمینہ جلدی سے بولی۔

"تو پھر یہ مقابلہ بھی جیت کر دکھا دو۔"

"نہ بابا____ یہ تو اپنے بس کا نہیں رہا۔" اُس نے اشارا کو پُرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے برجستہ کہا تو وہ سب ہنسنے لگیں۔

گانے کا مقابلہ تھم گیا تھا۔ دُلہن والی عورتیں شاندانہ کی نرم ہتھیلی پر رکھے پتے پر مہندی لگانے لگیں۔ اس رسم کے شروع ہوتے ہی ساری لڑکیاں بھی ارد گرد جمع ہو گئیں۔

رنگ و بُو کا ایک سیلاب تھا جو گل بی بی کے اس بڑے کمرے میں اُمڈ آیا تھا۔ لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق بھی کر رہی تھیں۔ لڑکیوں کے اس ٹولے سے عورتیں دُور ہی بیٹھی تھیں اور دُور سے اُن کی نوک جھونک اور رسم کی ادائیگی پر لطف اُٹھا رہی تھیں۔

ہشمینہ نے حنا رنگ مہندی کا ایک گولہ سا بنا کر مہک اور سلطانہ کی طرف اچھال دیا جو دونوں پر گرا تھا۔

"ہشمینہ کی بچی ___" مہک اس کی طرف جھپٹی اور رنگ دار مہندی اٹھالی تو ہشمینہ چلائی۔

"اے،اے ___ دیکھو، یہ مت اُڑانا۔"

"تم نے اپنی مرضی سے پھینکی تھی۔اب میری مرضی۔" مہک اترائی۔

"اے ہے ___ لڑکیو! سنبھل کر۔یہ رنگ دار مہندی تو مت اُڑاؤ۔داغ چھوڑ جائے گی۔" گل بی بی اس شرارتی ٹولے کو سمجھاتی ہوئی اشارا کی طرف آئیں۔

"اشارا بیٹی! ذرا دیکھنا، زہرہ سے معلوم کرو کہ کھانا آگیا ہے یا نہیں؟ پتہ نہیں، نواز احمد کہاں رہ گیا ہے۔"

"جی اچھا ___ میں ابھی معلوم کرتی ہوں۔" وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔اُسے تو موقع چاہئے تھا اس کمرے سے فرار ہونے کا ___ اُسے ہشمینہ اور مہک سے ڈر لگ رہا تھا۔نہ جانے کب وہ اس پر رنگ دار مہندی پھینک دیں۔خود کو اُس نے کب سے عورتوں کی آڑ میں چھپا رکھا تھا۔اور اب جونہی موقع ملا، جھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔

زہرہ بی بی اُسے باورچی خانے کی طرف جاتی نظر آئی تو وہ اُس کی طرف بڑھی۔

"زہرہ بی بی! ابھی تک نواز احمد نہیں آیا ہے؟ ___ گل بی بی پوچھ رہی تھی کھانے کا۔"

"اے نہیں خان زادی! وہ تو کب کا آچکا ہے۔" زہرہ جلدی سے بولی۔"دیگیں تیار رکھی ہیں۔کیا بڑے کمرے میں کھانے کا انتظام کریں؟"

"ہاں، ہاں بالکل۔اب دیر نہیں ہونی چاہئے۔" اشارا یہ کہہ کر اُلٹے قدموں واپس مڑ گئی۔اور ابھی راہداری عبور نہ کر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سکی تھی کہ اُس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے۔

اپنے اسی دلکش سراپے اور تمکنت کے ساتھ ذولین خان اس کے سامنے تھا۔اسی سکون کے ساتھ جو اس کا سکون تباہ کر دیتا تھا۔

اُس کی پلکیں اُٹھیں اور جھک گئیں۔

ذولین اُس کے فسوں خیز حُسن کے سامنے کتنے ہی ثانیے مسحور کھڑا رہا۔"اتنا ڈھیر سارا حُسن کہاں سے چرا لیا اشارا مہروز! تم نے؟" اُس کے مضبوط سینے میں مقید دل میں جیسے طوفان سا بپا ہو گیا۔وہ آگے بڑھا اور بے اختیار اس کے نازک شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

اشارا پوری جان سے کانپ گئی۔اُسے یوں لگا جیسے پور پور میں برقی لہریں سرایت کر گئی ہوں۔وہ لمحہ بھر کے لئے اُس کی قربت سے بوکھلا گئی، پھر خود کو سنبھالتی تیزی سے پیچھے ہٹی۔

"احتیاط لازم ہے ذولین خان! کہیں بابا خان کے دل میں آپ کی طرف سے کوئی ایسا خوفزدہ خیال نہ آجائے۔یا کوئی ایسی بات۔" اس کا لہجہ طنز آمیز تھا۔

وہ اُس کے الفاظ اُسے لوٹا رہی تھی۔ذولین کے لبوں کی تراش میں ایک دل فریب مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کہہ لو جی بھر کر جو کہنا ہے ___ میں تمہیں منانے ہی آیا ہوں۔" اُس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اونہہ ___ آپ کو منانا ہی کب آتا ہے۔روٹھنے والے منانا کب جانتے ہیں؟" وہ ازحد دُکھی ہو رہی تھی۔سنہری آنکھوں میں ڈھیر سارے شکوے مچل رہے تھے۔

"نہیں ___ اب تو خاصی جانفشانی سے میدان میں اُترا ہوں۔" وہ مخمور نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔روٹھی روٹھی

برہم سی اشارا اُسے اپنے دل سے بے حد قریب محسوس ہو رہی تھی۔

"اب دیکھو کتنا کامیاب ہوتا ہوں۔" وہ ہنس دیا۔

اُس نے اپنی پلکوں کی باڑ اُٹھائی، پھر جھکا دی۔ 'اُف ___ تم مجھے ہر بار شکست دیتے آتے ہو ذولین خان!' وہ اُس کے سبز نگینوں میں جیسے پھر ڈوبنے لگی تھی۔

"اشارا! مجھے شاید محبت کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔" اُس کی آواز اُبھری جس میں سنجیدگی مستور تھی۔ "مجھے کبھی اتنی ڈھیر ساری چاہت ملی بھی تو نہیں ہے نا ___ جو محبت کے لمس سے سدا ناآشنا رہے ہوں، وہ شاید محبت کے تقاضے پورے کرنا نہیں جانتے۔ میں مانتا ہوں میرے رویوں نے تمہیں بے حد دُکھ پہنچایا ہے اشارا! میں تمہیں کھل کر چاہتا ہوں۔ مگر میرے پاس اظہار کے کوئی طریقے نہیں۔ یا شاید کوئی الفاظ نہیں۔ تم بھی سوچتی ہو گی کہ کس پتھر سے سر ٹکرایا ہے۔" اُس کے لہجے میں بے چارگی سمٹ آئی۔ اُس نے آہستگی سے سر اٹھایا تو اُس کا دل پگھلتا چلا گیا۔

وہ جتنا اکھڑ لگتا تھا اس سے کہیں زیادہ مہذب تھا۔

جتنا ظالم لگتا تھا اس سے کہیں زیادہ چاہنے والا محسوس ہوا تھا۔

وہ اُس کے چہرے کی نرمی میں کھوئی رہی۔

"میں بہت پیاسا ہوں اشارا! بہت پیاسا۔ تمہاری بے کراں چاہت سے خود کو سیراب کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز مجھ سے خفا مت ہو۔ اگر ناراض ہو تو مجھ سے اُلجھو، مجھ سے لڑو۔ ایسی خاموشی اختیار مت کرو۔ مجھے خاموشی توڑنا بہت مشکل لگتا ہے۔" اُس نے بے حد صاف گوئی سے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا۔

وہ تو پہلے ہی گھائل تھی۔ آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

"آں۔۔۔۔۔آں۔۔۔۔۔نہیں، نہیں۔" اُس نے جلدی سے کہا۔ "ان آنسوئوں سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ یہ بڑا خطرناک ہتھیار ہوتا ہے تم عورتوں کا۔ یہ سخت سے سخت چٹان کو بھی بہا لے جاتے ہیں۔" وہ مسکرایا تو وہ روتے ہوئے ہنس دی۔

"کیا سمجھوں ناراضگی ختم؟" وہ اُس کی ہنسی کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

"آپ کو تو منانا بھی نہیں آتا ذولین!" اُس کی اُداسی زائل ہوتی چلی گئی۔ "جو دل میں رہتے ہوں بھلا ان سے ناراضگی کب تک قائم رہ سکتی ہے۔" اُس نے آنکھیں پونچھتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔

"اور جو دل میں رہتے ہیں انہیں منانے کی ضرورت کب پیش آتی ہے۔" اس نے آہستگی سے اُس کا سر اونچا کیا۔

"تمہارا یہ پیارا چہرہ تو میری آنکھوں کی روشنی بنا ہوا ہے اشارا! یہ معصوم اور سادہ حُسن تو مجھے دنیا کی ہر شے سے عزیز ہو گیا ہے۔" وہ بے حد سچائی کے ساتھ اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اُس کی تعریف اور اتنی محبت پر اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

یہ جملے مثلِ آبِ حیات تھے جو اُس کی پور پور میں زندگی کا نیا رس بھر گئے۔ ذہنی تھکن پر روشن تازگی سج گئی۔

اُس کے نرم نرم ہاتھ ذولین کے مضبوط ہاتھوں کے حصار میں تھے۔ اُس نے لمحہ بھر آنکھیں موند کر محبتوں کی ہمیشگی کی دعائیں مانگ ڈالیں۔

"اشارا!" ذولین کی آواز پر اُس نے آنکھیں کھول لیں۔

"شاندانہ کی شادی کے بعد میں چاچا خان سے تمہیں ہمیشہ کے لئے مانگ لوں گا۔" اس کے لہجے میں محبت کا نشہ بکھرا ہوا تھا اور اُس کے چاہنے کی تڑپ تھی۔ اُس کا چہرہ لوئوں تک گرم ہو گیا۔

"مم۔۔۔۔۔۔مجھے تو یاد ہی نہیں رہا، گل بی بی نے کام سے بھیجا تھا مجھے۔" وہ اُس کی والہانہ نگاہوں سے گھبرا کر جلدی سے پیچھے ہٹی۔

"اس سے اہم کام اور کون سا ہو سکتا ہے؟" وہ اُس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیا تو وہ تیزی سے بڑے کمرے کی جانب بھاگ لی۔

...☆☆☆...

اُسے اپنی سماعتوں اور بصارتوں پر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

شاردا بھابی کے مسکراتے لب اور مطمئن چہرہ۔

زمان بھائی کا نرم روّیہ اور___اور___وہ سارے انداز جو اُس نے آج تک نہ دیکھے تھے نہ سوچے تھے۔

اتنا پیارا انقلاب شاردا اور زمان کی زندگی میں یوں ایک دم آجائے گا۔

اب تو وہ مایوس ہو چکی تھی۔ اُسے اُمید نہیں تھی۔ کسی معجزے کی منتظر بھی نہ رہی تھی۔ اور آج جیسے معجزہ ہی رونما ہو گیا تھا۔

"ماہی! سچ پوچھو تو میں اپنے خدا سے مایوس نہیں ہوئی تھی۔ دلوں کو بنانے والا دل کو پھیرنا بھی جانتا ہے۔"

وہ بے یقینی سی کیفیت میں بغیر سانس لئے شاردا بھابی کو دیکھتی رہی۔ اُن کے چہرے پر محبت پالینے کا خمار بکھرا ہوا تھا۔ اُن کے لہجے میں اُجلے موسموں کی خوشبو بسی تھی اور ہونٹوں پر ایسی صبیح مسکراہٹ جیسے پہلی بار لب مسکراہٹ سے آشنا ہوئے ہوں۔

وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھی اور وفورِ مسرت سے شاردا بھابی کے سینے سے لگ کر بلک اُٹھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"یہ خواب___میرا خواب آج تعبیر پا گیا کہ آپ اور زمان بھائی ایک ہو جائیں۔ ایک دوسرے کو پالیں۔ صلح کر لیں۔" اُس کی آواز آنسوؤں کی یورش سے بھاری ہو گئی۔

امی الگ اپنے کمرے میں اس خوشی پر اپنے خدا کے حضور سر بسجود تھیں۔

شاردا کے پُرسکون چہرے اور زمان کے دل کی اس تبدیلی نے انہیں سرشار کر دیا تھا۔

'اب ماہ گل بھی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔' خوش آئند خیال ہی ان کے اندر توانائیاں بھر گیا۔

"ماہی!" شاردا بھابی نے اُسے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔ "تیرا میرا درد مشترک تھا۔ اب تم بھی میرے بھائی کے اُجڑے گھر کو آباد کر دو___اُسے معاف کر دو۔" وہ یکلخت سوالی بن گئیں۔

ماہ گل کا دل تیزی سے دھڑکا اور پلکیں تھرتھرا کر رخساروں پر جھک گئیں۔ اُس کے خیال کے پردوں پر وہ مانوس سا چہرہ جھانکنے لگا تو وہ سارے درد جاگ اُٹھے۔ وہ سارے بیتے پل آنکھوں کے سامنے جاوداں ہو گئے۔

'آہ___مسعود شاہ۔' ایک تیز سسکاری اُس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔

"ماہی! مسعود بھائی بے قصور ہیں۔ بس حالات نے ہی انہیں تمہارے سامنے مجرم بنا ڈالا۔ اُنہوں نے بہن کی محبت میں یہ سب کچھ کر ڈالا۔ ہاں ماہی! میرے دُکھی وجود نے انہیں یہ سب کرنے پر مجبور کیا تھا۔ قصوروار تو میں ہوئی نا۔ تم اپنے دُکھوں کا حساب مجھ سے مانگو۔"

"شاردا___" ماہ گل نے تڑپ کر اُسے سینے سے لگا لیا۔ "کیسی اجنبیوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔" اُس کا دل پگھل گیا۔ وہ اُٹھی اور سسکیاں بھرتی سرعت سے کمرے سے نکل گئی۔

"تم مسعود کو فون کر دینا شاردا!" اُس کے کمرے سے نکل جانے کے بعد امی شاردا بھابی کے پاس آئیں۔

"نہیں امی! وہ خود کریں گے۔ انہوں نے کہا ہے مجھ سے۔" شاردا بھابی آنسو پونچھتی کھڑی ہو گئیں۔

"شاردا! مجھے بڑا ڈر لگتا ہے اس لڑکی کے پاگل پن سے۔" امی کے چہرے پر اضطراب سا پھیل گیا۔ وہ متفکر سی نظر آنے لگیں۔ شاردا بھابی نے اُنہیں دیکھا۔

"تم اُسے سمجھانا___ کہیں وہ جذبات میں آکر کوئی ایسا غلط قدم نہ اٹھالے جو تاعمر اس کے لئے پچھتاوا بن جائے۔"

"آپ فکر مت کریں امی! مسعود بھائی اُسے منالیں گے۔" شاردا نے انہیں تسلی دینی چاہی مگر نہ جانے کیوں انہیں تسلی نہ ہو پا رہی تھی۔

"جذبات میں کئے گئے فیصلے خود ہماری خوشیوں کے قاتل ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں نا، چیدہ چیدہ خوشیاں بھی ملیں تو انہیں سمیٹ لینا چاہئے۔ پھر ایسا نہ ہو کہ ہم انہیں ٹھکرا کر خوشیوں کے لئے ترستے رہ جائیں۔ یہ اس کی انا نہیں، بے وقوفی ہے۔" امی اضطرابی انداز میں ہاتھ مسلنے لگیں۔ "بس شاردا! تم اُسے سمجھا دینا، اُسے قائل کر لینا۔ یہی دنیا ہے اور ہم اور وہ کوئی انوکھے یا اس دنیا سے الگ تو نہیں ہیں___ دُکھ، غم تو سب کے حصے میں آتے ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر بھی بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرے ہیں۔ ابھی ہم نے تو وہ دُکھ نہیں اٹھائے ہیں۔"

"آپ تسلی رکھئے امی! مجھے یقین ہے مسعود بھائی ماہ گل کی کسی بھی حماقت کی پذیرائی نہیں کریں گے۔ وہ خود اُسے سمجھالیں گے۔"

"ہاں___ خدا کرے ایسا ہی ہو۔" امی ایک گہری سانس لے کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆...

"سحر! تمہیں اشارا کیسی لگتی ہے؟" فروان کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سحر گل نے اُسے

دیکھا اور پھر ہاتھ میں پکڑی کتاب میز پر پٹخ دی۔

"اے ون، زبردست، بہت پیاری۔" وہ اُٹھ کر اُس کے قریب آئی اور پھر اُسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا تمہیں بہت اچھی لگتی ہے؟"

"اوں، ہوں___ میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔" وہ گھبرا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"نہ۔۔۔۔۔ دال میں کچھ کالا ہے۔" وہ ہنسی۔ "ویسے امی نے شاہ خانم سے باتوں باتوں میں تمہارے رشتے کی بات کی ہے۔"

"کک۔۔۔۔۔۔ کیا؟" وہ اچھل پڑا۔ "تمہیں کس نے بتایا؟" اُس نے سحر گل کو بے یقینی سے دیکھا۔

"بس پتہ چل گیا۔" وہ زور سے ہنسی۔ "سچ فرو! وہ بہت پیاری ہے۔ کسی کے خوابوں میں آنے والی لڑکی سے بھی زیادہ دلکش۔" سحر گل شاعرانہ انداز میں بولی تو فروان کو ہنسی آگئی۔ مگر وہ دل سے اُس کی بات کی تائید کر رہا تھا۔ اشارا کا خوبصورت چہرہ اُس کے خیال کے پردوں پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔

"پتہ ہے فروان! شاہ خانم کو بھی کوئی انکار نہیں۔ ہاں، انہوں نے ابھی فائنل جواب تو نہیں دیا ہے مگر اُن کے انداز میں انکار بھی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے انکل مہروز سے بات کرنے کے بعد ہی وہ کوئی حتمی جواب دیں۔"

سحر گل کی یہ باتیں سن کر فروان کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

"تم تو بڑی کمال کی چیز ہو___ اور کیا کیا باتیں ہوئی تھیں امی اور شاہ آنٹی کے درمیان؟" وہ پوچھنے لگا تو سحر گل چونکی اور پھر کھڑی ہو کر دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔

"ارے واہ___ تم تو پھیلتے ہی جا رہے ہو۔ تم کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہو اشارا مہروز میں۔ جبکہ تم کو۔۔۔۔۔۔"

"اچھابکومت زیادہ ___ جلدی جلدی بتائو۔" وہ دھونس جمانے لگا۔

"یعنی تم گئے کام سے۔"

"ہشت ___" فروان نے جلدی سے اُسے آنکھیں دکھا کر خاموش کر دیا۔ کیونکہ ماہ گل اندر داخل ہوئی تھی۔

وہ سخت ذہنی دبائو میں تھی۔ بدلتے حالات نے اُسے عجیب سی اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ مسعود شاہ کے سابقہ رویوں اور اپنے دل کے فیصلے کے درمیان اُلجھی جارہی تھی اور جب بہت تھک

گئی تو سحر گل اور فروان کے پاس آگئی۔

اُن کی ہلکی پھلکی باتوں اور مسکراہٹوں میں خود کو گم کرنے اور اس دبائو سے نجات پانے کی سعی کی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی؟" وہ جبراً مسکرا کر اُن کے پاس آ بیٹھی۔

"اشتارا کی باتیں ہو رہی تھیں۔" سحر گل نے جلدی سے کہا تو ماہ گل کی بے اختیار نگاہیں فروان پر اُٹھیں جو کہ سحر گل کو گھور رہا تھا۔

"اچھا ___ تو وادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اوں، ہوں ___ وادی کے حُسن کی۔" سحر گل پھر بولی اور ہنسنے لگی۔

"سحر! جائو، ماہی آپی کے لئے فٹافٹ گرم گرم چائے بنا لائو۔" فروان نے اُسے گھورتے ہوئے حکم دیا تو وہ بادلِ نخواستہ کھڑی ہو گئی۔ "ماہی آپی کی طبیعت ویسے کچھ بہتر نہیں لگ رہی ہے۔ اور تمہاری اُوٹ پٹانگ باتیں انہیں اور بھی تھکا دیں گی۔ جائو بھاگو۔" وہ اُسے یہاں سے بھیج دینا چاہتا تھا۔ وہ کھل کھلاتی جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"فروان ___!" ماہ گل نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر اُسے نیم وا آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پکارا۔

"جی ___؟"

"کیا تم اشتارا کو بہت چاہتے ہو؟" اُس کا جملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ فروان کچھ خفیف سا ہو گیا۔

"پتہ نہیں ___ کبھی پیمائش نہیں کی۔" وہ سر کھجانے لگا۔ "بس اچھی لگتی ہے۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اُسے ماہ گل سے نظریں ملانے سے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

"فروان! تم بہت سمجھ دار ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی بھی زمان بھائی کی طرح کسی المیے یا دُکھ سے دوچار ہو جائے۔" انہوں نے فروان کو بہت غور سے دیکھا۔ آج وہ سب کچھ کہہ دینے کی ہمت پیدا کرنے لگیں خود میں۔

وہ فروان کو اندھیرے میں رکھ کر اشتارا کو یا فروان کو کسی بھی دُکھ سے ہمکنار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے تو قدم قدم پر اشتارا کو جانچا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے ان سپنوں کو بغور دیکھا تھا۔ وہ ذولین کو چاہتی تھی اور اُس کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ چکی تھی کہ واپسی ناممکن تھی۔

"کیا بات ہے آپی؟" فروان اُس کے متغیر چہرے کو دیکھ کر چونکا۔

"فروان! امی ایک اور غلط فیصلہ کرنے چل نکلی ہیں۔ تم ہی اُنہیں روک سکتے ہو۔ فروان، میرے بھائی! تم نہیں جانتے شادی کے بعد کی زندگی بے حد مشکل اور پُر پیچ ہوتی ہے۔ خاص کر عورت کے لئے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم یا اشتارا ساری عمر سمجھوتے کی زندگی گزارو۔"

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں ___ میں سمجھا نہیں۔ پلیز آپی! کھل کر بتایئے نا۔" فروان اُلجھ سا گیا۔ ماہ گل نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے قریب بٹھا لیا۔

"فروان! تم اشارا کو بھول جائو۔ بلکہ امی کو بھی اس اقدام سے باز رکھو۔ اشارا، ذولین خان کے نصیب کا ستارہ ہے اور اسے اسی کے نام رہنے دو۔ و گرنہ وہ بکھر جائے گی۔"

"آپی!" فروان کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ "کیا اشارا، ذولین سے۔۔۔۔۔۔؟" اُس کے بقیہ لفظ ٹوٹ گئے۔

"ہاں___" اُس نے سر جھکا لیا۔ فروان کا متغیر چہرہ اُس کے لئے کرب کا باعث بنا۔ "فرو! وہ بہت معصوم اور بے ضرر سی لڑکی ہے۔ شاہ خانم کے ہر فیصلے پر قربان ہو جائے گی۔ لیکن سوچو فرو! ایک ایسی لڑکی جس کا دل اور روح کسی اور کو چاہتی ہو، تم اُسے پا کر کیا کرو گے؟___ایک خالی مکان جہاں صرف تمہیں اپنی آواز کی بازگشت ہی سنائی دے گی۔ تم بہت سمجھ دار اور حقیقت کو قبول کرنے والے لڑکے ہو۔ مجھے یقین ہے تم خود کو یا اشارا کو آزمائش میں نہیں ڈالو گے۔" اُس نے اُس کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ اُس کا دل اندر سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُس کے بس میں ہوتا تو وہ ڈھیر ساری خوشیاں کہیں سے لا کر فروان کے قدموں میں ڈال دیتی۔

"آپ نے پھر امی کو اسی وقت روک کیوں نہیں دیا جب وہ شاہ خانم سے بات کر رہی تھیں؟" وہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی تھی اور آنکھوں میں یکلخت ہی اُداسی بھر گئی تھی۔

"امی کو تو تم جانتے ہو___انہوں نے کب کہا مانا ہے میرا؟ انہوں نے تو زمان بھائی کی بھی بات نہیں مانی تھی۔ اور شاردا بھابی نے سات سال تک کا طویل عرصہ بے پناہ اذیت میں گزارا ہے۔"

"اور آپ نے بھی تو۔" فروان نے اسے دیکھا اور پھر اضطرابی انداز میں ہاتھ مسلنے لگا۔ پھر اچانک پلٹا اور پردہ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں جانتی ہوں فروان! تم ان راستوں پر اتنا آگے نہیں بڑھے ہو جتنا اشارا اور ذولین خان۔ مجھے یقین ہے تم خود کو سنبھال لو گے اور واپس پلٹ آئو گے___چند دنوں کی کسک، تا عمر کے دُکھ سے بہتر ہی تو ہوتی ہے۔" اُس نے اپنے

گرم گرم آنسو اندر ہی اُتار لئے۔

اُسی لمحے فون کی گھنٹی چیخ اُٹھی تھی اور وہ کرسی سے اُٹھی اور ریسیور اُٹھا لیا

"ہیلو___!"

"ہیلو___میں مسعود بول رہا ہوں۔" مائوتھ پیس سے مانوس سی آواز اُبھری اور ماہ گل کا سارا بدن کانپ گیا۔

...☆☆☆...

گل بی بی کا بڑا سا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا___ایک شور تھا، ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ آج شادی کا دن تھا اس لئے افراتفری سی مچی ہوئی تھی۔ لڑکیاں اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔

ایک بڑے سے کھلے حصے میں شامیانے ڈال کر مہمانوں کے لئے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ پچھلے حصے میں بارات کے ساتھ آنے والے مردوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ عورتوں کے حصے میں ایک بڑا سا اسٹیج بنا دیا گیا تھا دُلہن کے لئے۔ یہ سارے کام ذولین اور اشمل اپنی پسند اور نگرانی میں کروا رہے تھے۔

"بارات تو میرے خیال میں عصر کے بعد تک پہنچ جائے گی۔" ذولین کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہوں___دوسرے گائوں سے آ رہی ہے۔ آنا تو جلدی ہی چاہئے۔"

"ایک تو میں اس عورت ذات سے عاجز آ گیا ہوں۔" اشناس بھائی منہ بناتے ہوئے بولے اور کرسی پر بیٹھ گئے تو ذولین اور اشمل نے انہیں دیکھا۔

"خیریت؟"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی جگہ ہمارے لئے بھی ہے کہ نہیں___جس طرف جاتا ہوں کوئی چیختا ہے کہ اے بھائی!

یہ زنانہ خانہ ہے ___ کسی دوسرے کمرے کی طرف بڑھتا ہوں تو وہاں لڑکیاں بالیاں بیٹھی ہیں۔ پورا گھر لڑکیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہم مردوں کے لئے لگتا ہے زمین تنگ ہو گئی ہے۔“

اُن کی بات پر وہ دونوں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکے۔

”تو پھر آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ یہیں بیٹھے رہیے۔ ہمارے ہمراہ کچھ کام کر لیجئے۔“ ذولین نے مشورہ دیا۔

”بھائی! مجھے بھی تیار ہونا ہے۔ ایک وہ تمہاری بھابی نظر ہی نہیں آ رہی ہیں۔ وادی آکر تو نگاہیں ہی بدل لی ہیں اُس نے بھی۔“ وہ سخت متوحش سے ہو رہے تھے۔

”انہیں تو آپ اب بھول ہی جائیے۔ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔“ اشمل نے میز پر رکھے ٹھنڈے پانی کے جگ سے ایک گلاس بھر کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ پیجئے اور سکون سے یہاں بیٹھے رہیئے ___ یہ شادی وغیرہ کے موقع پر تو سارے گھر پر عورتوں کی اجارہ داری ہوتی ہے ___ اسی لئے تو ہم بھی باہر باہر نظر آ رہے ہیں آپ کو۔“

اشناس نے پانی کا گلاس اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

”تو گویا ان کی ایک دن کی بادشاہت قبول کرنا پڑے گی۔“

”بالکل ___ سو دن مرد کے، ایک دن عورت کا۔“ اشمل مسکرایا تو اشناس بھائی نے منہ بنایا۔

”ویسے یہ ایک دن اُن کا سو دن پر بھاری ہوتا ہے۔ اب دیکھو، رخصت ایک لڑکی کو ہونا ہے مگر لگتا ہے علاقے کی ساری عورتیں اس کے ہمراہ روانہ ہونے کے لئے تیار ہیں۔ لڑکیوں نے تو پورا آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔“ وہ شکوہ کناں ہو گئے۔ اُن کی ناراضگی بھی بجا تھی۔ نہ انہیں اپنے کپڑے استری کئے ملے تھے اور نہ کوئی باتھ روم مل رہا تھا کہ نہا کر

تازہ دم ہو جائیں۔ ہر جگہ لڑکیاں ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھیں۔ اپنی بیوی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تھے مگر صبح سے اب تک کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے تھے۔

”ذولین! میں ذرا اوپر کا ایک چکر لگا آؤں۔ لائٹنگ وغیرہ دیکھ آؤں، کام پورا ہوا کہ نہیں۔ تم ذرا اشناس بھائی کو کمپنی دو۔ پھر بھابی کو ہی کہیں سے ڈھونڈ کر مجھے لانا پڑے گا۔“ وہ اشناس کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہنس دیا اور پھر پلٹ کر سرعت سے اس حصہ سے باہر نکل گیا۔

...☆☆☆...

ہشمینہ اپنے کامدار دوپٹے کو سنبھال کر پن لگا رہی تھی۔ اپنے لمبے سیاہ بالوں کو اُس نے کلپ میں جکڑ کر پونی ٹیل کی صورت دے دی تھی۔ وہ شاندانہ کے کمرے میں ہی تھی کہ گل بی بی اندر آئیں۔

”ہشمینہ بیٹی!“

”جی۔۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔۔ ممانی جان!“ وہ جلدی سے پلٹی۔

”ایک کام کر دینا میری بچی! نہ جانے ساری لڑکیاں کہاں غائب ہو گئیں۔ اشارا بھی حویلی گئی ہے کسی کام سے۔“

”آپ مجھ سے کہیے۔“ وہ پن لگا کر اُن کے قریب آ گئی۔

”ماشاءاللہ ___ خدا نظر بد سے بچائے۔“ گل بی بی کی نظریں اُس کے سراپا پر اُٹھیں تو وہ محبت سے اسے دیکھنے لگیں۔

ہشمینہ کے رخسار گلابی ہو گئے۔

”چھوٹی ممانی جان! کیوں بنا رہی ہیں مجھے؟ ___“ وہ ہنس دی۔ ”آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔“

"اے ہاں___ ذرا اوپر کے کمرے میں دیوار میں لگی الماری میں زیور کا بکس رکھا ہے، وہ لے کر آنا۔ میں چھوٹے کمرے میں ہوں۔ وہیں دے جانا مجھے۔" انہیں اپنا کام یاد آگیا تو بولیں اور پھر کمرے کا پردہ اُٹھا کر باہر نکل گئیں۔

ہشمینہ ڈریسنگ سے اپنے سنہرے آویزے اٹھا کر ہنستے ہوئے شاندانہ کی طرف پلٹی۔

"سنو___ میں ابھی آتی ہوں۔ بکس لے کر تم اندر سے دروازہ بند کر لو۔"

"جلدی آنا___ پتہ نہیں، اشارا ابھی ابھی تک کیوں نہیں آئی۔" شاندانہ بیڈ سے نیچے اُتر آئی اور ہشمینہ کے باہر نکل جانے پر آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

ہشمینہ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بھاگی تھی کہ اوپر سے نیچے آتے اشمل خان سے بری طرح ٹکرا گئی___ اور اُس کی کلائیوں میں چھنکتی گلابی اور سبز کانچ کی چوڑیاں ایک چھناکے سے ٹوٹ کر سیڑھیوں پر بکھر گئیں۔

"ہائے اللہ___" وہ اپنی پیشانی کی ضرب بھول کر چوڑیوں کی طرف لپکی۔

"اوہ، سوری___ ویری سوری۔" اشمل اس اچانک تصادم پر بوکھلا گیا تھا۔ اُس کی نگاہیں بکھری چوڑیوں پر اُٹھیں تو اُسے واقعی ندامت ہوئی۔ اُس نے نگاہیں اوپر اٹھائیں تو اس کے دلکش سراپے پر جم گئیں۔

"ہائے اللہ___ اتنی پیاری چوڑیاں___ ساری ہی ٹوٹ گئیں۔ اتنی محبت سے پہنائی تھیں۔" اُس کا دم چوڑیوں میں اٹک گیا تھا۔ اُس نے ایک حسرت بھری نگاہ ٹوٹی چوڑیوں پر ڈالی جو اب صرف کانچ کے ریزے تھے۔ اور پھر پلکیں اوپر اٹھائیں۔ مگر پھر جلدی سے جھکا دیں۔

وہ شوق کا ایک جہاں لئے ہوئے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"کس نے پہنائی تھیں؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"اشارا نے___ ابھی صبح ہی تو پہنائی تھیں۔" اُس کی نگاہوں کے سحر سے وہ پگھلنے لگی۔

"تو اور پہن لینا___ ویسے میں نے جان کر نہیں توڑیں۔"

"اونہہ___ اور کہاں سے پہن لوں؟ اُس نے کوئی دکان تھوڑی کھول رکھی ہے۔" وہ کلائی سہلانے لگی جس میں صرف تین چوڑیاں اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھیں۔ باقی سیڑھیوں پر بکھر کر دم توڑ چکی تھیں۔

"کیا چوڑیوں کے ساتھ دل بھی ٹوٹ گیا ہے؟" وہ اس کے پلکیں اٹھانے پر سیدھا اُس کی خوشنما آنکھوں میں جھانکا۔

"خدا نہ کرے___ دل کیوں ٹوٹنے لگا۔ بس ایسے ہی دُکھ ہوا تھا۔" وہ اُس کی مسکراتی آنکھوں سے شرما کر پیچھے ہو گئی۔ "راستہ دیجئے___ مجھے اوپر جانا ہے۔"

"تم وادی میں آکر تو بالکل بدل گئی ہو۔" وہ اُس کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے گویا ہوا تو اُس نے حیرانگی سے آنکھیں جھپکیں۔

"کیا بدلی ہوں؟"

"پوری کی پوری۔" اُس کی آنکھیں متبسم تھیں۔

"ہائے___ نہیں تو۔" وہ گھبرائی۔ "میں تو وہی ہوں۔ ذرا بھی نہیں بدلی ہوں۔"

اُس کے اس انداز پر وہ خاصا محظوظ ہوا۔

"یہ بتاؤ تمہیں وادی کیسی لگی؟" وہ ایک سیڑھی اُتر کر اُس کے قریب آگیا۔

"ابھی آپ کی وادی کی سیر ہی کہاں کی ہے۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔

"جانتی ہو، میری شدید خواہش تھی کہ تمہیں اپنی وادی میں دیکھوں کہ تم کیسی لگتی ہو۔"

"تو پھر کیسی لگی؟"

"بہت پیاری ____ تصور سے زیادہ دلکش۔" اُس کے لہجے میں محبتوں کے گھنگرو بج رہے تھے اور آنکھیں التفات کا ایک خزانہ لٹا رہی تھیں۔ وہ بری طرح شرما گئی۔

"آپ ایسے تو نہیں لگتے تھے اشمل!" وہ اُس کی قربت سے گھبرا کر پیچھے ہٹ کر ریلنگ سے جا لگی۔ "خاصے اکھڑ اور خشک مزاج لگتے تھے۔"

اُس کی بات پر وہ پُر زور انداز میں ہنسا تھا۔

"خوب۔۔۔۔ تمہارا کیا مطلب ہے ہر لڑکی سے اسی انداز میں بات کروں؟ پھر تمہیں ہی شکایت ہوتی ہے۔ ویسے اب اجازت دے دو تو میں تمام لڑکیوں سے اسی انداز میں بات کروں

گا جس طرح تم سے کرتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں ____" بے ساختہ جملہ اس کے لبوں سے پھسل گیا۔ پھر خود ہی جھینپ گئی۔

"اب آپ تشریف لے جائیں ____ کسی نے دیکھ لیا نا تو آپ کے ساتھ میری بھی عزت کا ستیاناس ہو جائے گا۔"

"تم واقعی بدل گئی ہو ____" اُس نے منہ بنا کر اُسے دیکھا۔ "نہیں ہٹتا ____ کیا کر لو گی تم؟"

"اوفوہ ____ ممانی جان کا کام ہے نا، مجھے اوپر جانا ہے۔"

"تمہارے سارے راستے یہیں ختم ہوتے ہیں ہشمینہ ابرار صاحبہ!" اُس نے اُسے چڑانے کے لئے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور مزید پھیل کر اُس کی راہیں مسدود کر دیں۔

...☆☆☆...

اشارا حویلی میں ہی تھی اور اپنے کمرے میں تھی۔ تبھی زیبل اندر آئی۔

"ارے تم ابھی تک گئیں نہیں خان زادی؟"

"بھئی دوبارہ آئی ہوں۔ سنو ذرا، دیکھنا اس دراز میں سنہری بکس ہو گا۔ خدا جانے کہاں کھو گیا ہے۔ مل نہیں رہا ہے۔ اس میں میری جیولری ہے جو آج پہننی ہے۔"

"آج پہننا ضروری ہے کیا؟" زیبل ہنسی۔

"بالکل۔"

"بغیر زیورات کے بھی غضب ڈھا رہی ہو خان زادی!" زیبل اُس کے سراپا کو دیکھ کر بے حد سچائی سے بولی تو وہ شرما گئی۔

"باتیں بنانا تو کوئی تجھ سے سیکھے۔ اچھا سنو ____ بکس مل جائے تو تم معمور جان کے ساتھ بھیج دینا۔ میں چلتی ہوں۔" وہ چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور پھر کچھ سوچ کر شاہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی کہ ٹھٹک جانا پڑا۔ اندر بابا خان موجود تھے اور شاہ خانم ان سے باتوں میں مصروف تھیں۔

"بس میں کہے دیتی ہوں، اشمل اب کے آیا ہے، میں اس سے ضرور بات کر لوں گی۔ سحر گل بہت اچھی لڑکی ہے۔ بھلا وہ کیونکر انکار کرے گا؟"

"ہاں ___ اگر اُسے انکار نہ ہو گا تو پھر مجھے کیا حرج ہے۔" باباخان واسکٹ پہنتے ہوئے لاپرواہی سے بولے۔

"بس تو پھر میں کل اشمل سے بات کرلوں گی۔ میں جانتی ہوں اُسے، شاندانہ کی شادی کے دوسرے تیسرے دن ہی بھاگ لے گا شہر۔"

"بھئی میرا تو اب بھی یہی کہنا ہے کہ اسے پہلے پڑھ لینے دو۔ آخر تمہیں اتنی جلدی کیا ہے؟"

"تو کون سا پکڑ کر اس کی شادی کر رہی ہوں۔ صرف سحر گل کو اس کے نام کی انگوٹھی ہی تو پہنانی ہے مجھے۔"

"اچھا بابا! ابھی تو چلنے کی تیاری کرو گل کے گھر۔ بارات بھی آنے والی ہو گی۔ دوسرے گاؤں سے آ رہی ہے۔ جلدی آئے گی۔"

اشارا گھبرا کر دروازے سے ہٹ گئی۔ مارے مسرت کے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"تو شان کی شادی کے بعد اشمل لالہ کی منگنی کی رونق ہو گی ___ ہائے، کتنا مزہ آئے گا ___ اشمل لالہ بھلا کیوں انکار کریں گے؟"

وہ خوشی سے مہکتے چہکتے دل کو سنبھالتی راہداری عبور کر گئی۔ تب زیبل اُسے نظر آئی۔ اُس کے ہاتھ میں سنہری بکس تھا۔

"لو ___ تم گئی نہیں۔ چلو اچھا ہے، تمہارا بکس مل گیا۔" اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھوں سے سنہری بکس لے لیا۔

"زیبے! اب ہمارے گھر میں ڈھیر ساری رونقیں اُتریں گی۔" وہ فورِ مسرت سے چہکتے دل کے ساتھ بولی اور بکس اٹھا کر پلٹ کر بھاگ لی۔ زیبل حیرانگی سے اُسے یوں بھاگتا دیکھتی رہی۔ اشارا کو تو جیسے یہ بوجھ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ جلد از جلد اشمل خان کو ڈھونڈ کر اُسے بتا دینا چاہتی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی تُو نے۔" شاندانہ اُسے اندر آتے دیکھ کر بگڑی۔

"ہشمینہ کہاں ہے؟" اشارا نے اُسے کمرے میں تنہا دیکھ کر پوچھا۔

"وہ تو نہ جانے کہاں دفع ہو گئی ہے ___ اور تُو بھی حویلی میں چپک کر رہ گئی۔" شاندانہ یہ کہہ کر رونے لگی۔ اشارا گھبرا گئی۔ وہ جانتی تھی اس کے رونے کی وجہ۔ اب اُسے بات بات پر رونا آ رہا تھا۔

"دیکھو شان! ہشمینہ تمہیں بہت مارے گی اگر اب تم روئیں تو۔" اشارا نے اُس کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا۔ اسی وقت گل بی بی اندر آئیں۔

"اشارا! آ گئیں تم؟"

"جی گل بی بی!"

"ارے دیکھنا بیٹی! یہ ہشمینہ نہ جانے کدھر رہ گئی ہے۔ اُسے میں نے اوپر کمرے سے بکس لینے بھیجا تھا۔"

"میں دیکھتی ہوں گل بی بی! آپ پریشان نہ ہوں۔" اشارا انہیں متفکر سی دیکھ کر جلدی سے بولی۔

اُن کے چہرے پر جیسے برسوں کی تھکن سمٹ آئی تھی۔ اُن کی نگاہیں شاندانہ پر اُٹھیں تو ڈبڈبا گئیں۔ وہ رُکی نہیں اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اشارا اُس کے حکم کی بجا آوری کے لئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی مگر اس کی آنکھیں اور قدم جیسے ساکن ہو گئے ___ وہ ستون کے پیچھے ہی رہ گئی۔

ہشمینہ کا گلابی چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اشمل خان کی آنکھوں میں محبت کا ایک بیش بہا خزانہ تھا۔

"اشمل! بھابی آئی ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" ہشمینہ کہہ رہی تھی۔

"ہوں____ غالباً میں اُن سے مل چکا ہوں۔"

"ہاں____ مگر اس وقت جب آپ کا اور میرا جھگڑا چل رہا تھا۔"

"اور اب کیا چل رہا ہے؟" اشمل کے جملے پر وہ لوئوں تک سرخ ہو گئی۔

"آپ مجھے باتوں میں اُلجھا رہے ہیں۔ ہٹیئے، اب مجھے اوپر جانے دیں۔" وہ اُس کی باتوں سے سخت ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ پھر اچانک وہ اُسے دھکیل کر اوپر سیڑھیاں پھلانگ گئی اور اشمل مسکراتا سیڑھیاں اُتر گیا۔

اشارا جلدی سے پوری طرح ستون کی آڑ میں ہو گئی۔

اُس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔

اُس نے جو دیکھا اس پر اُس کی آنکھیں یقین کرنے کو تیار نہ تھیں۔ اور وہ کتنے ہی لمحے خالی الذہن اپنی جگہ پر ایستادہ رہی۔

وہ تو اشمل کو یہ خوش خبری سنانے آ رہی تھی کہ شاہ خانم سحر گل کو جلد از جلد بہو بنا کر حویلی میں لانا چاہ رہی تھیں۔ مگر اب یہ خوشخبری نہ رہی تھی۔ بس خبر دینا تھی جو یقیناً اشمل کے لئے پریشان کن خبر ہوتی۔

"آپ نے چپکے چپکے اپنے لئے لڑکی بھی پسند کر لی اشمل لالہ!" بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُسے ہشمینہ پہلی نظر میں ہی، بہت پسند آئی تھی۔ اور وہ تھی بھی پسند کے قابل۔ اس نے سوچا کہ سحر گل نہ سہی، ہشمینہ ہی سہی۔ گل بی بی کی نند کی بیٹی جو سحر گل سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی اور سب سے بڑی بات اشمل لالہ کی پسند تھی اور اُسے تو بس اشمل کی پسند اور خوشی عزیز تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

☆☆☆...

اس مانوس آواز نے اُسے پھر اندر باہر سے بکھیر دیا تھا____ اُس نے اپنا کانپتا لہجہ سنبھالا۔

"ہاں____ میں ماہ گل بول رہی ہوں۔"

"میں نے کب نہیں پہچانا؟____ یہ آواز تو لاکھوں آوازوں میں پہچان سکتا ہوں۔" مسعود شاہ کی مدھم آواز اُبھری۔

"شار دا بتا رہی تھی کہ۔۔۔۔۔۔ تم وادی گئی تھیں۔ میں نے کئی بار تمہیں رِنگ کیا تھا۔"

"ہاں۔۔۔۔۔۔ خود کو تمام تر اذیت ناک سوچوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے۔" اُس نے دھیرے سے کہا۔

"تو ملا چھٹکارا____؟" مسعود شاہ کے لہجے میں ہلکی کاٹ تھی۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"مسعو۔۔۔۔۔۔د۔۔۔۔۔۔"

"ماہی! تمہارے اور میرے دُکھوں کا واحد مداوا یہی ہے کہ بس تم آ جاؤ اس گھر میں جو تمہارا اور میرا ہے____ جہاں کا آنگن تمہارے بن سُونا ہے۔"

"سُونا تو پہلے بھی تھا مسعود____ اب تمہیں یہ تنہائی۔۔۔۔۔۔"

"ماہ گل____" مسعود نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم جانتی ہو اچھی طرح کہ میں نے صرف بھائی ہونے کا حق نبھایا ہے۔ اس میں تم کتنے نقصان میں رہیں، میں جانتا ہوں۔ مگر ماہی! میں خود غرض انسان نہیں بننا چاہتا تھا۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ اس میں سراسر ظلم تم پر ہی ہوا ہے؟____ یہ سال کانٹوں پر صرف تم نے ہی بسر نہیں کئے ماہی! میں نے بھی۔۔۔۔۔۔ میں نے بھی بہت دُکھ سہے ہیں۔ سات سال ایک مرد کے لئے بہت ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی اور بیٹے سے جدا رہے۔ مگر مجھے ان سات سالوں کے دُکھ کا پچھتاوا نہیں ہے۔ میں سرخرو ہوں____

میں اب اعتماد کے ساتھ اپنی بہن کا سامنا کر سکتا ہوں۔" اُس کا لہجہ بے حد تیز تھا۔ وہ اپنے دل سے اٹھنے والی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ "اب صرف اور صرف تمہاری انا تمہیں مجھ سے بدظن کر رہی ہے۔ یہ یاد رکھو ماہ گل! کہ محبت اور انا میں ہمیشہ پرچم انا کا سربلند رہا ہے۔ انا نے ہمیشہ محبتوں کے گھر منہدم کئے ہیں۔"

"مسعود شاہ! میں محبت کی ایسی مسخ شدہ صورت نہیں چاہتی۔ مجھے تو اُجلی اُجلی، نکھری نکھری محبت کی ضرورت تھی۔" اُس کا لہجہ رندھ گیا۔ ایک بار پھر سرکش آنسو لڑیوں کی صورت ٹوٹ ٹوٹ کر بہہ رہے تھے۔

"ماہ گل! ہماری محبت مسخ نہیں ہوگئی ___ تم غور کرو، یہ اور بھی نکھر آئی ہے۔ تم نے دیکھا ہے برسات سے پہلے کتنی دُھند چھا جاتی ہے۔ کچھ بھی صاف نہیں دکھائی دیتا۔ اور پھر بارش ہوتی ہے

بہت تیز تو بہت کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے ___ جب بارش رُکتی ہے تو مطلع کتنا صاف ہو جاتا ہے۔ ہر شے دُھل کر نکھر آتی ہے۔ اُجلی اُجلی اور نور نور روشنی ہو جاتی ہے ___ ہاں ماہی! اب ہماری محبت بھی دکھوں کی بارش میں دھل کر اور بھی نکھر آئی ہے۔ تم دیکھو۔۔۔۔۔ سوچو۔۔۔۔۔۔ بہت اُجلا اُجلا ماحول ہو گیا ہے تمہارے اطراف۔ شارد کی مسکراہٹ، زمان کا رویہ ___ کیا یہ خوبصورتی نہیں؟ کیا یہ خوش آئند بات نہیں؟" اُس سے تو بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

لمحہ لمحہ اذیت میں گزرنے والے دنوں کے تصور سے چھٹکارے کی صورت کو وہ محسوس کر رہی تھی۔

"ماہی! اب میں کوئی لمحہ بھی گنوانا نہیں چاہتا ___ اب میں سارے پل، سارے لمحے سمیٹ لینا چاہتا ہوں۔ ساری خوشیاں، ساری مسکراہٹیں بڑھ کر اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہوں ___ کیونکہ ان پر ہمارا پورا حق ہے۔ ہاں ماہی! ___ اب اس کائنات کی ایک ایک خوشی، ایک ایک مسرت پر ہمارا حق ہے۔ کچھ بولو ماہی!" اُس نے بے حد

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

بھاری آواز میں اُسے پکارا۔

"کک۔۔۔۔۔ کیا بولوں۔۔۔۔۔۔ مسعود!۔۔۔۔۔۔" وہ بمشکل اتنا کہہ پائی۔ حلق میں آنسوئوں کا گولا سا پھنس گیا۔

"تم ان سات برسوں میں بہت روئی ہو ماہی! میں نے تمہیں صرف آنسو ہی دیئے ہیں۔ مگر اب ان آنکھوں میں صرف مسکراہٹیں بھر دوں گا ماہی! مجھے معاف کر دو۔"

"مسعود! نہیں۔۔۔۔۔۔ نہیں مسعود۔۔۔۔۔۔!" وہ اور بھی زور سے رونے لگی۔ "تم کیوں معافی مانگ رہے ہو؟" اُس کے دل میں جیسے خنجر سا اُتر گیا۔

اُس کا محبوب ___ اُس کا شوہر ___ اُسے اب بھی اسی طرح عزیز تھا۔ اُس کی ذات اُس کی سوچوں میں اب بھی اسی انداز میں تلاطم پیدا کر دیتی تھی۔

اس کا تصور اب بھی اس کی دھڑکنوں کو منتشر کر دیتا تھا۔ وہ اس کے خیال سے کٹ کر جی نہیں سکتی تھی۔ وہ خود جانتی تھی۔ ان سات برسوں میں جو فاصلے آ گئے تھے، ہجر کا جو تپتا موسم آ ٹھہرا تھا ___ اُس کے گزر جانے کے لئے اُس نے اپنے رب سے بہت سی دعائیں مانگی تھیں۔

اور اب اُس کی دعائوں نے شرفِ قبولیت پا لیا تھا تو وہ خوش تھی۔ بے انتہا خوش۔

ایک دکھ تھا ___ رنج تھا اور ایک انا جو اُسے بے چین کر رہی تھی۔ مگر آج مسعود شاہ کی وہی آواز جو اُس کے دل میں گھنگرو سے بجا جاتی، وہ آواز سن کر وہ بے قرار ہو گئی تھی۔

وہ انا کے تخت سے نیچے اُتر آئی۔

وہ عورت تھی اور عورت ہی رہنا چاہتی تھی۔ اپنے محبوب، اپنے مجازی خدا کے خوبصورت لفظوں پر قربان ہونا چاہتی تھی اور وہ قربان ہو گئی۔

"ماہی! میں تمہیں لینے آرہا ہوں۔" مسعود شاہ نے فیصلہ سنا دیا۔ "بس تم تیار ہو جاؤ۔ اور ہاں، مسکرا کر میرا استقبال کرنا ___ ماضی کی کوئی گرد ہمارے حال میں نہ آنے پائے۔"

اُس نے کچھ بھی نہ کہا۔ اور جب ریسیور رکھا تو جیسے دل کی ساری تھکن آنسوؤں میں بہہ گئی تھی۔

ہر رنج، ہر اندیشہ اس سیلاب میں بہہ گیا تھا ___ ٹھنڈی ٹھنڈی ریت تھی جو اس کے پیروں کے سارے زخموں پر جیسے مرہم رکھ رہی تھی ___ بھیگے بھیگے چہرے پر چاندنی اُتر آئی۔

وہ ایک گہری سانس لے کر پلٹی تو سحر گل دروازے میں ایستادہ تھی۔

☆☆☆...

شاندانہ کے آنسو تھم نہ پا رہے تھے ___ جیسے ایک سمندر اُتر آیا تھا اُس کی آنکھوں میں۔ ہشمینہ نے نفاست سے میک اپ کیا تھا، وہ سارا ڈھل گیا تھا ہشمینہ چیخ اُٹھی۔

"یہ ـــــ یہ کیا پاگل پن ہے شان!" وہ اپنی محنت یوں ضائع جانے پر تڑپ گئی۔

"کیا اس حلیے میں جاؤ گی؟ ___ شہباز لالہ تو ڈر جائیں گے۔" مہک نے شرارت سے کہا۔

"بس اسی طرح جاؤں گی ___ قبول کریں تو کریں۔" اُس کی ہچکی بندھ گئی۔

"تین بار قبول کر چکے ہیں۔ اب مجال ہے جو کر پائیں۔ ادھر آؤ اب۔" ہشمینہ نے اُسے کھینچ کر دوبارہ کرسی پر پٹخ دیا اور میک اپ کرنے لگی۔ وہ نہ نہ کرتی رہی مگر ہشمینہ کے سامنے ایک نہ چلی۔ اس نے اب کی بار ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سرخ کامدار پشواز میں ہلکے میک اپ میں وہ روئی روئی، مضمحل، بے پناہ دلکش لگ رہی تھی۔

اشارا اپنے آنسو روکتی اُس کے قریب آئی اور اُس سے لپٹ کر بے آواز رو دی۔ سب کے چہرے غمگین تھے اور دل بوجھل ہو رہے تھے۔

گل بی بی کو تو ہشمینہ کی امی نے بمشکل سنبھالا تھا۔

بارات چونکہ دوسرے گاؤں سے آئی تھی اس لئے شام ہی کو روانہ ہو جانا تھا۔ اس لئے شاندانہ کی رخصتی جلدی کر دی تھی۔ وہ چلی گئی ___ سب کو اُداس اور ملول کر کے۔

اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود گھر جیسے بھائیں بھائیں کرنے لگا۔

گل بی بی کمرے میں بند ابھی تک اشک بہا رہی تھیں۔ اشارا کو ہشمینہ نے زبردستی روک لیا تھا۔ شاندانہ کے جانے کے بعد وہ خود بھی بے کل سی ہو گئی تھی۔ اور خود اشارا بھی گل بی بی کی حالت دیکھ کر رُک گئی تھی۔

ذولین، اشمل کے ہمراہ حویلی کی طرف آ گیا۔ شاندانہ کی رخصتی اور گل بی بی کی دل گرفتہ حالت نے دونوں پر اثر ڈالا تھا ___ دونوں کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"یہ شان کو دیکھو، سب کو رُلا گئی۔" آدھا راستہ طے ہوا تو اشمل دھیرے سے بولا۔

"گل بی بی بہت اپ سیٹ ہو گئی ہیں۔"

"ہوں۔" ذولین چونکا۔ "تمہارے اب کیا ارادے ہیں ___ کتنے دن ہو یہاں پر؟" اُس نے رُخ اشمل کی طرف کر لیا۔

”پرسوں جا رہا ہوں۔آج صبح ڈی ایس پی منظور احمد سے بات ہوئی تھی فون پر۔“

”اچھا___کیا بات ہوئی؟“

”ریحان پراچہ روپوش ہو گیا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے اس بار شاہنواز پراچہ کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہیں۔“ ذولین نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں___اب کی بار ریحان کو میں سلاخوں کے پیچھے ڈال کر رہوں گا۔وہ قاتل ہے اور اس کی سزا بہر کیف عمر قید یا پھانسی ہے۔وہ بھاگ کر کہاں جائے گا___اس زمین اور اس آسمان کے نیچے ہی ہوگا نا۔“ اشمل کا چہرہ تن گیا۔ذولین نے اُسے دیکھا۔

”ڈی ایس پی اچھا آدمی ہے۔“

”ہاں___بے حد تعاون کر رہا ہے۔خاصا محنتی بھی ہے۔ریحان کو پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔وہ اپنے کسی فلیٹ میں منتقل ہو گیا تھا۔مگر اب وہاں سے بھی فرار ہو گیا ہے۔“ اشمل اُسے تفصیل بتا رہا تھا جو ڈی ایس پی منظور احمد نے اُسے دی تھی۔وہ ایک ایک پل کی خبر رکھنا چاہتا تھا۔اس بار وہ ریحان پراچہ کو ہر حالت میں اس کے انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔

جیپ حویلی کے پورچ میں رک گئی۔وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔

”اچھا پھر___خدا حافظ۔اور ہاں، پرسوں مجھ سے ضرور مل کر جانا۔“ ذولین نے اشمل سے کہا اور پھر انیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

اشمل اپنی جگہ ایستادہ اُسے دیکھتا رہا۔

اُس کا اپنا خون، اُس کا عم زاد، اُس کا بھائی___مگر یہ درمیان کیسی دیواریں کھڑی تھیں؟___اُس کے قدم انیکسی کی جانب اُٹھ رہے تھے۔اشمل کے دل میں دھواں سا بھر گیا۔

”تم بہت مضبوط ہو ذولین!___بہت مضبوط۔“

وہ اچانک پلٹا اور اشمل کو اپنی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتا پا کر مسکرایا اور ہاتھ ہلا دیا۔اشمل بھی مسکرا دیا اور پھر رہائشی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اندر آیا تو شاہ خانم بڑے کمرے میں تھیں۔وہ خود بھی ابھی گل بی بی کے گھر سے واپس آئی تھیں۔بھاری کپڑوں اور قیمتی زیورات میں ملبوس تھیں۔اشمل کو دیکھ کر وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئیں۔

”مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

”مجھ سے۔۔۔۔۔۔؟“ وہ رک گیا۔”اس وقت تو میں بہت تھک گیا ہوں شاہ خانم! کیا بہت ضروری ہیں؟“ اس کے چہرے پر تھکن کے واضح رنگ پھیلے ہوئے تھے۔

”میری باتیں تمہاری تھکن میں اضافہ ہرگز نہیں کریں گی۔“ شاہ خانم مسکرانے لگیں۔

”اچھا___تو پھر ضرور کیجئے۔“

”ادھر آؤ، میرے کمرے میں۔“

”نہیں___میرا خیال ہے آپ میرے کمرے میں آجایئے۔“ اُس نے کہا تو شاہ خانم نے زیادہ تردّد نہیں کیا اور اس کے ہمراہ اس کے کمرے میں آ گئیں۔

صوفے پر بیٹھ کر اشمل نے پیروں سے اپنے وزنی پشاوری چپل اُتارے۔اتنی دیر میں شاہ خانم اُس کے وسیع بیڈ کے

کنارے اُس کے بالکل سامنے بیٹھتے ہوئے کچھ سوچنے لگیں۔

"کیا کوئی پرابلم ہے؟" اُس نے جوتوں کو پیروں سے صوفے کے نیچے دھکیلتے ہوئے شاہ خانم کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"آں ___ تم کب واپس جانے کا سوچ رہے ہو؟" انہوں نے اُس کا جملہ سنا ہی نہیں یا پھر نظر انداز کر دیا۔

"پرسوں جا رہا ہوں ___ اگر آپ کہیں تو ایک دن اور رہ لوں؟" اُس نے انہیں چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"نہیں ___ اب اکٹھے ہی آنا۔" وہ بغیر برا مانے بولیں۔ پھر ایک گہری طویل سانس سینے کی تہہ سے آزاد کرتے ہوئے بولیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ کم از کم تمہاری منگنی کر دوں۔" انہوں نے اپنا اصل مدعا بیان کیا۔ "بات ابھی طے ہو جائے۔ پھر جب تمہاری پڑھائی مکمل ہو جائے گی، شادی کر دوں گی۔ بس اب کوئی خوشی ہو گھر میں۔" وہ بیڈ کے کنارے سے اُٹھ کر ٹہلنے لگیں۔

اشمل خان کا اُٹھا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا،

"تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"آپ فی الحال میری فکر چھوڑیں اور اشتارا کے بارے میں سوچیے۔" اُس نے بے حد خوبصورتی سے بات گھمانے کی سعی کی۔ شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔

"اشتارا کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"اشتارا کا ذکر ہی ہونا چاہیے۔ پہلے بہن رخصت ہونی چاہیے۔ اس کی فکر کرنی چاہیے۔" وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ وہ

ہر ممکن طریقے سے اپنی ذات کو اس موضوع سے بچانا چاہ رہا تھا۔

اُس کی پسند ہثمینہ ابرار تھی۔ اور وہ اس طرح کا کوئی ذکر کر کے اس معاملے کو سنگین نہیں بنانا چاہتا تھا۔

"اشتارا کا کیا ہے ___ وہ تو بیٹی ہے۔ کون سا اُس کی رضامندی لینی ہے۔" شاہ خانم بولیں۔

"تو بھی پھر اُسے فٹافٹ رخصت کرنے کی تیاریاں کیجیے۔" اس نے ہلکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تمہاری ممانی نے بات کی ہے مجھ سے اشتارا کے سلسلے میں۔" شاہ خانم پھر بیڈ پر ٹِک گئیں۔

اشمل کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا۔

"ہاں، فروان کے سلسلے میں۔ گھر کا لڑکا ہے، دیکھا بھالا ہے۔ بس وہ لوگ تو میرے جواب کے منتظر ہیں۔"

"فروان اور اشتارا ___" اشمل کو اپنی سماعت پر جیسے یقین نہ آ رہا تھا۔ "آپ جانتی ہیں اشتارا اور فروان کی عمروں میں کتنا فرق ہے اور۔۔۔۔۔۔"

"ہاں ___ ایک سال کا فرق ہے۔ وہ ایک سال چھوٹا ہے۔ بھلا کہیں سے لگتا ہے۔ کیسا اُونچا لانبا، گبھرو جوان ہے۔ اور پھر گھر کا لڑکا ہے۔" شاہ خانم کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔ "تمہیں اشتارا کے سلسلے میں فکر کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ مجھے کہ سحر گل کیسی لگتی ہے تمہیں؟ میں نے سوچا ہے اشتارا اور فروان کے ساتھ تمہاری اور سحر گل کی بھی منگنی کر دوں۔" یہ کہتے ہوئے شاہ خانم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اب اس حویلی میں رونق ہونی چاہیے ___ تم نے سحر کو دیکھا ہے نا؟" انہوں نے پوچھا۔

اشمل کی سماعتوں پر برچھی سی لگی تھی۔

یہ شاہ خانم کیا کرنے چلی تھیں؟ ___ وہ مارے تحیر کے اپنی جگہ دم بخود سا رہ گیا۔

"تم نے بتایا نہیں، تمہیں سحر گل کیسی لگتی ہے؟___ بہت عرصہ ہو گیا ہے نا تم نے اُسے دیکھا نہیں ہے۔ اب دیکھو گے تو تمہیں یقیناً پسند آئے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے۔"

شاہ خانم کے لہجے میں سحر گل کے لئے مٹھاس کا دریا بہہ رہا تھا۔

اُس کی سمجھ میں فوری طور پر کچھ نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ کتنے ہی ثانیے وہ خالی خالی نظروں سے شاہ خانم کو تکتا رہا۔

یہ فیصلے صادر کرنے والی شاہ خانم اُس سے اجازت طلب کر رہی تھیں یا اپنے ارادوں سے باخبر کر رہی تھیں؟___ یہ کیسے ممکن ہے؟___ اُس کے خیالوں کے نرم پردوں پر ہشمینہ ابرار کا چہرہ چمکنے لگا۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ لاکھ شاہ خانم کی عزت کرتا ہے، اُن کا فرمانبردار ہے___ مگر یہاں منافقت کا راستہ نہیں اپنائے گا۔

"میں جانتی ہوں، تمہیں بھلا کیا اعتراض ہو گا۔" شاہ خانم کے لہجے میں یقین تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں تو وہ یک دم ہوش میں آگیا۔

"میں آپ کو اس سلسلے میں کسی طرح کا بھی جواب نہیں دے سکتا۔" اُس کا لہجہ سپاٹ تھا جس میں نہ انکار تھا اور نہ اقرار۔

"کیا مطلب؟" شاہ خانم نے حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُس نے خود کو بروقت سنبھال لیا تھا۔ اُس کے شہر جانے میں صرف ایک دن رہ گیا تھا اور وہ جاتے وقت کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا نہ کسی طرح کا تنازعہ اُٹھانا چاہتا تھا۔

یہ تو صرف شاہ خانم کی خواہش ہی تھی۔ کون سا وہ ابھی عملی قدم اُٹھا رہی تھیں___ اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اُس نے بے حد تدبر سے صورتحال کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"آپ جانتی ہیں، کل میں واپس ہاسٹل جا رہا ہوں۔ اور میں ذہنی طور پر اس چیز کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں صرف اور صرف اپنی پڑھائی مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ شادی کے لئے تو ایک عمر پڑی ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"میں جانتی تھی تمہارا جواب اتنا ہی فضول ہو گا۔" شاہ خانم کا چہرہ تن گیا۔ "اور پھر میں کون سا ابھی تمہاری شادی کر رہی ہوں۔ صرف منگنی۔"

"شاہ خانم! کیا ضرورت ہے ابھی کسی لڑکی کو بے کار رشتے میں باندھ دینا۔ بھئی جب شادی ہی ابھی نہیں کرنی تو یہ منگنی، یہ زبان دے دینا سب بے کار، بے معنی باتیں ہیں۔ ہو سکتا ہے اس دوران سحر گل کے لئے کوئی مجھ سے بہتر رشتہ مل جائے۔" اُس نے شگفتہ انداز اختیار کیا۔

شاہ خانم کی پیشانی پر ڈھیر سارے بل پھیل گئے۔

"کچھ غلط کہا میں نے؟" وہ پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔

"نہیں___ بہت ٹھیک کہا۔ تم باپ بیٹے تو ہر بات ہی درست کہتے ہو۔ غلط تو صرف میں سوچتی ہوں اور میں ہی بولتی ہوں۔"

"ارے، ارے___ آپ تو خفا ہو گئیں۔" وہ اٹھ کر ان کے قریب چلا آیا۔ پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "میں شادی سے انکاری تو نہیں ہوں۔ بس کچھ مہلت مانگ رہا ہوں۔"

"تو پھر سحر گل اچھی تو ہے نا؟"

"یقیناً ہو گی___ آپ اُسے بہتر جانتی ہوں گی۔"

شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔ وہ اس وقت اس موضوع پر بالکل سنجیدہ ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تھکن اور اکتاہٹ اُس

کی بھوری آنکھوں میں ہلکورے لے رہی تھی۔

"میرے خیال سے تم اس وقت آرام کر ہی لو۔" انہوں نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ پھر رُک گئیں اور پلٹ کر بولیں۔ "مگر یہ بات تمہاری پڑھائی ختم ہونے تک کے لئے ملتوی نہیں ہو گی۔ ہاں، اب کی بار تم آئو گے تو پھر بات ہو گی اور حتمی ہو گی۔" وہ یہ کہہ کر سرعت سے پردہ اٹھا کر باہر نکل گئیں۔

وہ ایک گہری سانس لے کر دوبارہ اپنے وسیع بیڈ پر دراز ہو گیا۔ اُسے شاہ خانم کی اس سوچ نے پریشان کر دیا تھا۔

"سحر گل۔"

اُس نے اپنے ذہن پر زور دے کر سحر گل کا تصور جمایا۔ پُرکشش سی لڑکی تھی۔ ہنستی، شرارتی۔ وہ اُسے عزیز تھی خونی رشتے کے ناطے۔

'اُف، یہ شاہ خانم بھی کیا کرنے نکلی ہیں؟' اُس نے سر جھٹک دیا اور آنکھیں موندیں تو ہشمینہ کا دلکش سراپا آٹھہرا اور دل جیسے ٹھنڈی روشنی سے بھر گیا۔ سرخ شال میں گھبرائی گھبرائی وہ اُسے پہلی بار ڈھول بجاتی زور و شور سے شاندانہ کی شادی کے گیت گاتی کتنی مختلف لگی تھی۔ پھر وہ اُس سے ٹکرا گئی تھی اور ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ جانے پر کتنی خفا ہوئی تھی۔ مگر لمحہ بھر کے لئے۔

وہ آنکھیں موندے اُس کی رعنائیوں میں کھوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆...

شاندانہ کی شادی کے بعد گھر میں یکدم ہی جیسے سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ ایسے میں گل بی بی کا دل سخت بوجھل ہو رہا تھا۔ یہ تو ہشمینہ کا دم غنیمت تھا اور اُس نے بھابی اور اشناس بھائی کو زبردستی روک لیا تھا۔ ساتھ ہی اُس نے اشارا کو بھی روک لیا

تھا۔

"مجھے تمہاری ضرورت رہے گی نا۔"

"کیوں؟" اشارا نے اُسے شریر نظروں سے دیکھا۔

"بھئی اپنی وادی کی سیر نہیں کرائو گی ہمیں؟" اُس نے کہا تو اشارا نے سر ہلا دیا اور پھر وہ اور بھابی، اشارا کے ہمراہ وادی کی سیر کو نکل آئیں۔

"لگتا ہے یہاں تو بارہ مہینے سردی ہی رہتی ہے۔" شام کا وقت تھا۔ ہشمینہ کو خنکی کا احساس ہوا۔ اُس نے شال اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لی۔

"تم عادی نہیں ہو نا، اس لئے تمہیں زیادہ سردی لگ رہی ہے۔ یہ موسم تو بہار کا ہے۔ اس موسم میں تو پوری فضا خوشبو سے بھر جاتی ہے اور ڈھیر سارے پھول کھلتے ہیں۔"

"دل کے؟" بھابی نے شرارت سے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"دل کے پھول کھلنے کے لئے کسی موسم کی قید نہیں ہوتی۔ وہ تو جون جولائی کی گرمیوں میں بھی کھل اٹھتے ہیں۔" ہشمینہ اونچے اونچے پہاڑوں پر نگاہیں جمائے بولی۔

وہ تینوں ہلکی پھلکی گفتگو کرتی ہوئی، ماحول سے لطف اندوز ہوتیں ایک خوبصورت جگہ پر آ گئیں۔ یہ جگہ اونچے اونچے درختوں اور سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سامنے پہاڑوں سے شور مچاتا ہوا چشمہ بہہ کر مختلف پتھروں سے ٹکرا کر منقسم ہو جاتا اور ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار ارد گرد کے پھولوں کو نہلا دیتی۔

"یہاں کتنا حُسن ہے۔" ہشمینہ کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ بھابی بھی مسحور سی ہو گئیں۔

"آہ___ ہم شہر والے اتنی بڑی نعمت سے محروم ہیں۔ تم تو بڑی خوش قسمت ہو اشارا!" بھابی نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی یہیں رہ جائیں نا۔" اشارا نے کہا تو ہثمینہ بے ساختہ ہنس دی۔

"پھر اشناس بھائی کا کیا ہوگا؟ اُن کا بیڑا غرق۔۔۔۔۔۔۔۔"

"ہشت___ بدتمیز۔" بھابی جھینپ گئیں اور آگے چلنے لگیں۔

"پھر ہثمینہ! تم یہاں آجاؤ ہمیشہ کے لئے۔" اشارا نے پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھا تو وہ ٹپٹا گئی۔

"مم۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔ نہ، میں یہاں کیوں رہنے لگی؟"

"اب تو مجبوری ہے۔" اُس کی ہنسی معنی خیز تھی۔ ہثمینہ نے پلکیں جھپک کر اُسے دیکھا۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ بھابی تو خاصی آگے نکل گئی تھیں۔

"اشمل لالہ کی خاطر تو رہنا پڑے گا نا۔ وہ تو وادی نہیں چھوڑ سکتے۔" اُس نے اُس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور ہثمینہ بھونچکا سی رہ گئی۔

اشارا کے اس واضح جملے نے اُسے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ یک بیک اُس کے رخسار سرخ ہو گئے اور پلکوں پر منوں بوجھ آن گرا۔

"وہ___ میں تو___"

"آں۔۔۔۔۔۔ آں۔۔۔۔۔۔" اشارا نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے کچھ بولنے سے پہلے ہی روک دیا۔ "جنابہ! مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرنا۔ ویسے یہ اشمل لالہ بڑے چھپے رستم نکلے۔ اور تم اس سے بھی زیادہ۔ میرے بارے میں تو سب

کچھ شاندانہ سے پوچھ لیا اور اپنا آپ اُس بیچاری سے بھی چھپا گئے۔"

ہثمینہ کی پلکیں مارے خفت کے اُٹھ نہ رہی تھیں۔

اشارا کے سامنے سب کچھ کھل چکا تھا۔ وہ نہ جانے کب سے جانتی آئی تھی۔

"کیا اشمل نے تمہیں۔۔۔۔۔۔" اُس نے بمشکل دل کو سنبھالتے ہوئے پوچھنا چاہا تو وہ زور سے ہنس دی۔

"میں نے کہا نا، وہ تو بڑے چھپے رستم ہیں___ بھنک تک نہیں لگنے دی مجھے۔ ویسے ہثمینہ! بالکل سچی سچی بتاؤ، تمہیں اشمل لالہ کتنے اچھے لگے ہیں؟" اُس نے پوچھا تو ہثمینہ کا چہرہ گرم ہو گیا۔ اُس کی پلکیں رخساروں پر کانپ کر رہ گئیں۔

کتنی شریر ہو رہی تھی اس وقت اشارا___ راز جو جان گئی تھی

اشارا اُس کی حالت سے خوب محظوظ ہو رہی تھی۔

"ارے تم دونوں وہیں اٹک گئیں۔" بھابی نے پلٹ کر ان دونوں کو پکارا تو ہثمینہ پلٹ کر ان کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اشارا کی شریر نگاہوں سے بے حد نروس ہو رہی تھی۔

"ہائے ہثمینہ! میں کیمرہ تو لانا ہی بھول گئی۔ تمہارے بیگ میں تو نہیں ہے کہیں؟" بھابی اپنا بیگ ٹٹول کر بولیں۔

"نہیں___ میرے پاس تو نہیں ہے۔ آپ نے نکال کے تو رکھا تھا۔"

"ہاں، شاید وہیں میز پر رکھا رہ گیا۔ ٹھہرو___ میں ابھی جا کر لے آتی ہوں۔"

"ہائیں___ واپس جائیں گی آپ؟" ہثمینہ نے انہیں دیکھا۔

"ہاں، تو کیا ہوا۔ زیادہ دُور تو نہیں ہے۔ کیوں اشارا! سامنے ہی سے آئے ہیں نا؟"

"ہاں ___ سامنے اُس پہاڑی سے اُتر کر دائیں طرف ہی تو گھر ہے۔" اشارا نے کہا تو وہ خوش ہو گئیں۔

"اتنی حسین جگہ کی تصویر میں نہ لوں گی تو تاعمر افسوس رہے گا۔" وہ بھاگیں اور ہشمینہ اُن کی دیوانگی پر مسکرا کر رہ گئی۔

بھابی کے جانے کے بعد دونوں نے زیادہ آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور قریبی پتھر پر بیٹھ گئیں۔

"تم نے بتایا نہیں؟" اشارا نے اُسے دیکھا۔

"کیا؟"

"یہی کہ اشمل لالہ تمہیں کتنے اچھے لگتے ہیں؟" اُس کی شوخی پھر عود کر آئی تو ہشمینہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"بتاؤں؟"

"ہاں بتاؤ۔"

"اتنا جتنا تمہیں ذولین خان اچھا لگتا ہے۔" اُس کا جملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ اشارا ساکت رہ گئی۔ سنہری آنکھوں پر سایہ فگن پلکیں جھک گئیں۔

"ہا، ہا، ہا ___ اب بتاؤ کہ تمہیں ذولین کتنا اچھا لگتا ہے؟" ہشمینہ اُس کی ساری شوخی کو شرم میں بدلتے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"بہت بری ہو تم۔" وہ خفیف ہو گئی۔

"ارے واہ ___ میں بری ہو گئی۔ میں نے تو صرف یہی پوچھا ہے جو تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔"

اشارا نے بس لمحہ بھر دیکھا اور پھر جھینپ کر پلکوں کی باڑھ دوبارہ گرالی۔

اسی دم دونوں کی نگاہیں چھوٹی سڑک کی جانب اُٹھ گئیں جہاں سیاہ جیپ فراٹے بھرتی اسی طرف آ رہی تھی۔

"اشمل لالہ کی جیپ ہے یہ تو۔" اشارا ایک دم کھڑی ہو گئی۔ "لگتا ہے انہیں علم ہو گیا ہے کہ ان کے بارے میں ہم باتیں کر رہے ہیں۔" وہ ہنسی۔ پھر ہشمینہ کو دیکھ کر بولی۔ "وہ ادھر ہی آ رہے ہیں، شاید تمہارا پیچھا کرتے ہوئے۔ گل بی بی کے گھر جو تم نہیں ملی ہو گی۔" اُس کی بات پر ہشمینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

اشارا کا اندازہ درست تھا۔ جیپ سامنے رک گئی تھی اور اس میں سے اشمل خان اُتر رہا تھا۔

اُس کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔ نہ جانے کیوں وادی میں ہر بار اُس کا سامنا کرنے پر اُس کی کیفیت ایسی ہی ہو جاتی۔ شاید رومان پرور ماحول کا اثر ہوتا تھا یا پھر اشمل خان کی بھوری آنکھوں میں ہلکورے لیتے رنگ میں ہی قیامت جھلکتی تھی۔ اُس کا دل پسلیوں میں بے قرار ہو کر مچل اُٹھتا۔

لبوں کی معنی خیز مسکراہٹ اُس کی رگوں میں مچلتے خون میں طوفان مچا دیتی۔ اُسے اشمل سے بے طرح شرم آنے لگتی۔

وہ ان دونوں کے قریب آ چکا تھا۔

سیاہ سوٹ اور سرخ شال میں وہ جھینپی جھینپی اپنے دل کی حالت کو سنبھالنے میں سرخ ہو رہی تھی۔ اُس کے لبوں پر وہی دل موہ لینے والی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ہشمینہ نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

"یہ تم کہاں کہاں گھومتی پھر رہی ہو؟" وہ اُسے نظر انداز کرتا اشارا سے مخاطب ہوا جو ہشمینہ کی حالت سے خوب

محظوظ ہو کر دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔

"مہمانوں کو اپنے علاقے کی سیر کرا رہی تھی___ آپ نہیں جانتے انہیں، یہ گل بی بی کی خاص الخاص مہمان ہیں۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے ہثمینہ کی پشت کی طرف دیکھا۔ سرخ شال کے نیچے سے اُس کی لانبی چوٹی نظر آ رہی تھی۔

"اچھا___ مگر گل بی بی کے تو سارے اہم اہم مہمان جا چکے ہیں۔ پھر یہ کیوں نہیں گئیں؟" وہ لاپرواہی سے بولا تو اشتارا کے لبوں پر مسکراہٹ چھلک آئی۔

"میں نے کہا نا، یہ خاص الخاص ہیں۔ ارے ہثمینہ! ملو نا اشمل لالہ سے۔" اُس نے بالکل اچانک اُس کا ہاتھ پکڑ کر رُخ اشمل کی جانب موڑ دیا۔ یہ جملہ بالکل غیر متوقع اور اچانک تھا۔ ہثمینہ سٹپٹا گئی۔

"اچھا___ تو یہ ہیں گل بی بی کی خاص مہمان۔" اُس نے لبوں کا ایک گوشہ دانتوں میں دبا کر اُسے دیکھا۔

"جی___ یہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں آپ کی۔"

"پڑھتی ہیں یا پڑھتی تھیں؟" اشمل کے منہ سے بے ساختہ جملہ پھسلا تھا۔

"تو آپ جانتے ہیں انہیں؟" اشتارا نے حیرانگی ظاہر کی تو اشمل گڑبڑا گیا۔

"مم۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔ نہیں بھئی، میں انہیں کیسے جان سکتا ہوں؟"

"تو اب جان لیجئے نا۔ ویسے لالہ! وادی کے لوگ جھوٹ بولتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔" وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ پھر اچانک بولی۔ "میں بھابی کو دیکھتی ہوں۔ نہ جانے وہ کہاں رہ گئی ہیں۔" وہ پلٹ کر بھاگی۔ اشمل اُس کے یوں بھاگنے پر حیران رہ گیا۔ ہثمینہ سمجھ گئی اس نے جان بوجھ کر ان دونوں کو بات کرنے کا موقع دیا ہے۔

وہ دونوں چند ثانیے ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے رہے۔ پھر اشمل خان دھیرے سے بولا۔

"یہ تم عورتیں کوئی راز، راز ہی نہیں رکھ سکتیں۔"

"کیا۔۔۔۔۔۔ آپ کا مطلب ہے اسے میں نے کچھ بتایا ہے؟" ہثمینہ نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"میرا تو یہی خیال ہے۔" اُس نے شانے اُچکائے تو ہثمینہ کا چہرہ تپ اُٹھا۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔ وہ آپ کی بہن ہے۔ اور ظاہر ہے آپ کی جانب سے ہی اُسے۔۔۔۔۔۔" اُس نے بادل نخواستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور لب بھینچ لئے۔

اشمل نے اُسے دیکھا وہ خفا سی ہو رہی تھی۔

"ویسے کہتے ہیں لوگ کہ عشق اور مشک چھپ نہیں سکتا۔ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" اُس نے اپنی سرمئی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اُسے بغور دیکھا۔ "میں آج جا رہا ہوں واپس۔"

"اتنی جلدی؟" وہ بے ساختہ بول اٹھی۔ پھر جھینپ گئی۔ "مم۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔۔۔۔"

"تو کیا تمہارا واپس شہر جانے کا ارادہ نہیں ہے؟" اُس نے اُس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے پوچھا تو وہ پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگی اور ہولے سے مسکرا دی۔

"سچ کہوں اشمل! اتنا حُسن، اتنا خلوص اور اتنے پیارے لوگوں کے درمیان سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔" اُس نے سچائی کے ساتھ کہا___ اُس کی آنکھوں کے سامنے گل بی بی، شاندانہ، اشتارا سب کے چہرے بنتے اور مٹتے گئے۔

"اس کا مطلب ہے اب جلد کچھ انتظام کرنا ہو گا۔" وہ ہنسا۔

"اوہ، نہیں___ میرا مطلب یہ تو نہیں تھا۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"آج کل شاہ خانم میری شادی کے لئے بے تاب ہو رہی ہیں۔" اُس نے قدرے توقف کے بعد لاپرواہ سے انداز میں

اُسے اطلاع دی۔

''تو پھر کر لیں ____ کس نے روکا ہے؟'' وہ پلٹ کر آگے چلنے لگی۔

''جانتی ہو انہوں نے لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔'' وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ رک گئی۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکا۔

''سحر گل اچھی لڑکی ہے ____ فیصل ماموں کی بیٹی۔ میں نے سوچا کہ کم از کم منگنی ہی کر لوں۔ مگر پھر۔۔۔۔۔۔۔''

''اش۔۔۔۔۔۔مل۔۔۔۔۔۔'' وہ یکدم پلٹی۔ اُس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور لب کپکپا گئے۔ شاہ خانم نے اُس کی زندگی کا فیصلہ کر لیا تھا تو یقیناً اب اشمل اس سے سرتابی نہ کر پائے گا۔

''سحر گل ____''

یہ نام اُس کے سارے وجود کو ہلا گیا۔

''اشمل! وہ بہت اچھی لڑکی ہے کیا؟'' اُس کی سیاہ خوبصورت آنکھوں کے فرش گیلے ہو گئے تھے۔

''ارے ہشمینہ!'' اشمل اُس کی بدلتی حالت سے گھبرا کر اُس کی طرف بڑھا۔

''ارے بے وقوف لڑکی! یہ صرف مذاق ہے۔ تم نے سچ سمجھ لیا۔'' وہ مسکرانے لگا۔

''اشمل! یہ شاہ خانم کا فیصلہ۔۔۔۔۔۔۔''

''کم آن ہشمینہ! بی ایزی ____ میں نے کہا نا، یہ صرف ایک مذاق ہے بس۔''

''کیا واقعی؟'' اُس نے اپنی بھیگی پلکیں جھپکیں۔

وہ مسکرا رہا تھا۔

اُس کے سارے اندیشے رفع ہونے لگے۔

اتنا خوفناک مذاق ____ اُس نے جھرجھری لے کر آنکھیں موند لیں۔ اشمل نے اُسے دیکھا۔ اُس کے رخساروں کی رنگت پھر لوٹ آئی تھی۔

''ہشمینہ! اتنی شدت سے چاہتی ہو مجھے؟'' اُس نے اُس کے نرم ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

اُس کے مذاق میں کہے جملوں نے اُسے لرزا ہی دیا تھا۔ اُس کی حالت کو یکسر بدل دیا تھا۔ وہ کسی معصوم بچے کی طرح بلکنے کو تیار تھی۔

''مجھ سے ایسا جان لیوا مذاق نہ کیجئے گا اشمل خان! میرے لئے تو کوئی ایسا خیال ہی بہت برا ہے۔'' اُس نے خود کو سنبھالا۔

''پاگل لڑکی! تمہیں اس پہاڑی شخص نے چاہا ہے جس کی محبت بھی ان پہاڑوں کی طرح مضبوط، اٹل اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ ہم اڑیل لوگ زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتے ہیں اور اپنی ساری زندگی اسی پر قربان کر دیتے ہیں۔''

اشمل کا لہجہ مضبوط تھا۔ ہشمینہ کی رگوں میں طمانیت انگیز ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

...☆☆☆...

ماہ گل نے دیکھا، سحر گل کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں مگر لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ ایسی جیسے کوئی وزنی بوجھ اُتارنے کے بعد مزدور کے لبوں پر چھا جاتی ہے۔ ایک اطمینان ان سرخ، روئی آنکھوں میں

ہلکورے لے رہا تھا۔ دُکھ اور خوشی کے مشترکہ احساس سے اُس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور بے اختیار ماہ گل سے لپٹ گئی۔

"آپی! سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے خوش ہونا چاہئے یا دُکھی۔" وہ رُندھی آواز میں بولی۔ ماہ گل اُسے تھام کر صوفے پر لے آئی۔ اُسے خیال گزرا کہ وہ شاید اُس کے اور مسعود کے تعلقات استوار ہو جانے پر خوش ہے اور اُس کے اب یہاں سے چلے جانے پر اُداس۔

وہ ہولے سے مسکرائی۔ کیوں سحر! کیا بات ہے؟" اُس نے اس کا سر اونچا کیا۔

اُس کے آنسو اب خشک ہو گئے تھے اور چہرے پر گہری سنجیدگی آویزاں تھی۔

"آپی! فضہ آئی تھی۔" اُس نے ٹھہر کر بتایا۔

"فضہ ۔۔۔۔۔۔ کیوں؟"

"آپی! منصور کا بہت بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ___ منصور، وہی لڑکا جو ۔۔۔۔۔۔" اُس نے بادل نخواستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ منصور کے ذکر پر اُسے جھجک نے آگھیرا۔

"ہاں، ہاں۔ یاد ہے۔" ماہ گل نے سر ہلایا۔ "کس طرح ہو گیا اُس کا ایکسیڈنٹ؟" وہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

"فضہ بتا رہی تھی کہ وہ کسی کالج گرل کے پیچھے آج کل چکر لگا رہا تھا اور اس دن اس کے پیچھے اسکوٹر بھگا رہا تھا کہ سامنے سے آتے ٹرک نے اُسے کچل دیا۔ اس حادثے میں اُس کی ایک ٹانگ بھی ضائع ہو گئی ہے۔"

"اُف، توبہ ___" ماہ گل کے دل کو دھچکا سا لگا۔ وہ صوفے سے اُٹھ گئی۔

"بہت بڑا حادثہ تھا ___ دوسرے بھی کئی گہرے زخم آئے تھے۔"

"ہاں ۔۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہوتا ہے ___ دوسروں کے گھروں میں آگ لگانے والے خدا کے عتاب سے دنیا میں بھی نہیں بچ سکتے۔ بہنوں، بیٹیوں کے سر سے ردا کھینچنے والے کبھی نہ کبھی

"کئی دن ہو گئے ہیں، بات نہیں ہوئی اُن سے۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"جی نہیں ___ کچھ اور بات ہے۔" سحر گل مسکراتی ہوئی فون کی طرف بڑھی۔

"کہیں اشارا کے سلسلے میں تو ___؟" اُس نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ امی بے ساختہ ہنس دیں۔

"آپ نے اُن سے بات تو کی تھی جب ہم حویلی گئے تھے۔ انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟"

"ہاں ___ اسی سلسلے میں تو پوچھنا ہے۔ اس وقت تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اُن کے انداز میں انکار ہرگز نہیں تھا۔ بس انہیں تو مہروز بھائی سے پوچھنا تھا۔" امی اُٹھ کر اُس کے قریب آگئیں۔ "تم جلدی سے نمبر تو ملاؤ۔"

"نہیں امی! آپ شاہ خانم کو فون نہیں کریں گی۔" فروان کی آواز دروازے سے اُبھری تو امی اور سحر گل ایک ساتھ پلٹیں۔

فروان کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"میرے اور اشارا کے رشتے کے سلسلے میں آپ شاہ خانم سے کوئی بات نہیں کریں گی۔" وہ اندر آ گیا۔ اُس کا لہجہ اٹل تھا۔ سحر گل کو جھٹکا لگا۔

"کیا کہہ رہے ہو فرو! ___ تم ہوش میں تو ہو؟" امی استعجاب سے اُس کی طرف بڑھیں۔

"آپ کو میرے لئے اتنی دُور سے لڑکی لانے کی کیا ضرورت ہے ___ کیا کوئی قریب قریب نظر نہیں آئی؟" وہ یہ

کہتے ہوئے اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گیا۔

"ہائے فرواں!____یہ کیا کہہ رہے ہو؟" سحر گل نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ اُسے اُس کی دماغی حالت پر شک سا گزرا۔ کہاں وہ اشارا کے قصیدے پڑھتے نہ تھکتا تھا، اُس کی آنکھوں کی چمک اور لبوں کی مسکراہٹ سحر گل سے چھپی تو نہ تھی۔ اور پھر وہ ذومعنی جملے۔ یہ سب مذاق تو ہر گز نہیں تھا۔ لاکھ وہ شوخ اور شرارتی تھا مگر اس قدر بھونڈے مذاق کی توقع فرواں سے وہ نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں امی! میں اشارا سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" اُس نے بے حد واضح الفاظ میں کہا تو امی کا منہ بن گیا۔

"یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔"

"کیا____؟" وہ اچھل پڑا۔ "شادی میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ اور اس میں آپ کی پسند، ہر گز نہیں۔ زندگی مجھے گزارنی ہے امی! اور ظاہر ہے میں اپنی پسند کو اولیت دوں گا۔ یہ کوئی کھیل تو نہیں ہے۔" وہ خطرناک حد تک سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں____میں بھی یہی کہتی ہوں کہ یہ کوئی کھیل نہیں ہے۔ میں شاہ خانم سے بات کر چکی ہوں۔ اور انہیں یقیناً کوئی انکار نہیں ہو گا۔ تم چاہتے ہو میں بات چھیڑ کر اب خود پہلو تہی کروں۔ ہر گز نہیں۔"

"تو آپ نے مجھ سے اس وقت کیوں نہیں پوچھا؟____مجھ سے بلا اجازت رشتہ کی بات کیوں چھیڑ دی؟" وہ برہم سا صوفے سے کھڑا ہو گیا اور امی کو شاک لگا۔

"تم۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔۔فرواں! تم بھی زمان کی طرح اب الجھ رہے ہو جب تیر کمان سے نکل گیا ہے____مجھے اپنی ہی نند کے سامنے رُسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہو؟" وہ صوفے پر ڈھے گئیں۔

فرواں کا تنا تنا چہرہ اور آنکھوں میں جھلکتی پتھر ضد اُنہیں اندر ہی اندر سے دہلا گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اُن کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ فرواں بھی زمان کی طرح اُسی کے رنگ میں کھڑا ہو گا۔ وہی انداز، وہی پتھریلا لہجہ____یاالٰہی!

"امی____امی! آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں بھی زمان کی طرح اپنے قیمتی جواں سات سال اسی انداز میں گزار دوں____سرد رویوں اور منجمد جذبوں کے ساتھ؟____اور شاردا بھابی کی طرح بے قصور ہوتے ہوئے بھی اشارا سراسر قصوروار ٹھہرائی جائے؟____وہ بھی وہی دُکھ اُٹھائے جو ماہی آپی اور شاردا بھابی نے اُٹھائے ایک مرد کے ہاتھوں؟"

فرواں کی آنکھوں میں گہری یاسیت سمٹ آئی۔ بہر کیف اس دکھ سے کہیں زیادہ اشارا کو پا لینے کا دکھ ہوتا اُسے۔ وہ اُس کی تھی ہی کب۔ اُس کا دل جب کسی اور کے نام پر دھڑکتا ہو تو وہ محض جسمانی طور پر اُسے پا بھی لے تو نا آسودہ ہی رہے گا۔

اُس نے بے چینی سے انگلیاں مسلتے ہوئے امی کو دیکھا جو ناگوار نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ اچانک کھڑی ہو گئیں۔

"اشارا کو ناپسند کرنے کا جواز کیا ہے؟" انہوں نے سیدھا فرواں کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ پلکیں جھکانے پر مجبور ہو گیا۔

"جو شخص ناپسند نہ ہو، ضروری نہیں کہ وہ پسند ہی ہو۔ بس میں اُسے اپنی کزن سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ نہیں۔" اُس کا لہجہ قطعی تھا۔

"ایسی بے معنی باتیں مت کرو مجھ سے۔ میں جانتی ہوں تمہارے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں۔ اور کان کھول کر سن لو____اشارا ہی میری بہو بنے گی۔ اور میں شاہ خانم سے بات چھیڑ چکی ہوں۔ اور میرا یہ فیصلہ پتھر کی لکیر سمجھ لو۔"

امی کا لہجہ از حد تلخ اور مضبوط تھا۔ وہ رُکیں نہیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

فروان نے بے چارگی سے اُنہیں جاتے دیکھا اور پھر لبوں کو دانتوں میں جکڑ لیا۔

''فرو! یہ تم یکایک اتنی بدلی بدلی باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' سحر گل اُس کی طرف بڑھی۔ امی کی موجودگی میں وہ فون اسٹینڈ کے پاس دبکی کھڑی ہوئی تھی۔ فروان کی باتوں سے اُس کے اعصاب کو جھٹکا سا لگا تھا۔

''سحر! میں اشارا کو منافقت کی زندگی گزارتے نہیں دیکھ سکتا۔ نہ ہی اتنا وسیع القلب اور اعلیٰ ظرف ہوں کہ کسی ایسی لڑکی کا شوہر کہلاؤں جو اپنے دل میں کوئی نرم اور روایتی جذبے نہ لا سکے۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا اور سحر گل کو حیران چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اُف خدایا!'' سحر گل نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کر کے خود کو سنبھالا۔ وہ اتنی کم فہم یا سادہ لوح ہرگز نہ تھی کہ فروان کے جملوں سے اُس کا مفہوم اخذ نہ کر پاتی۔ تو کیا اشارا کسی اور کو پسند کرتی ہے؟'' اُس نے بے حد تحیر سے سوچا۔

مہروز خان کو گل بی بی نے خصوصی طور پر بلوایا تھا۔ وہ زمینوں سے واپسی پر گل بی بی ہی کی طرف چلے آئے۔ بہن کی شادی کے بعد صبغت خان کا مزاج بھی یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔ انہوں نے مہروزان کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور خاصی آئو بھگت کی۔

''آپ تو بڑے لوگ ہیں___ کبھی کبھار غریب خانے پر تشریف لاتے ہیں۔'' صبغت خان کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ مگر اُن کا انداز جارحانہ نہیں بلکہ شگفتہ تھا۔ مہروز خان مسکرا کر رہ گئے۔ وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، پھر اپنے کام پر چلے گئے۔ تب گل بی بی بھائی کے پاس آبیٹھیں۔

''شاندانہ کیسی ہے___ خیریت سے تو ہے؟'' مہروز خان نے پوچھا۔

''ہاں، اللہ کا فضل ہے۔ اور پھر دن ہی کتنے ہوئے ہیں اُسے رخصت ہوئے۔'' گل بی بی نے ان کے سامنے گرم گرم قہوہ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر حور مینا کو آواز دینے لگی۔

''مینا! جائو باورچی خانے میں ٹرے رکھی ہے، وہ لے آئو۔''

''ارے، ارے___ گل! کچھ تکلف مت کرنا بھئی۔'' مہروز خان جلدی سے بولے۔

''شاندانہ کا باپ دے گیا ہے چیزیں۔ اُن کے مزاج کی تو آپ کو خبر ہے، جلدی برا مان جاتے ہیں۔'' گل بی بی مسکرائیں اور پھر حور مینا کے ہاتھ سے لوازمات سے سجی ٹرے لے کر مہروز خان کے سامنے رکھ دی۔

''تمہارے شہر کے مہمان چلے گئے؟''

''ہاں___ بس نند کی بیٹی ہثمینہ ہے۔ اشارا نے اُسے زبردستی روک لیا ہے اُسے۔ اپنے ساتھ حویلی لے کر گئی ہے۔'' گل بی بی نے بتایا۔ ''مہروز لالہ! آپ تو کچھ لے ہی نہیں رہے۔ اگر ٹرے یونہی سجی رہی نا تو شاندانہ کا باپ مجھ پر خفا ہو گا کہ ہم غریبوں کا شاید حویلی والوں کو کچھ پسند نہیں آتا۔'' گل بی بی کہہ کر مسکرائیں۔ مہروز خان بھی ہنس دیئے۔

''کیسی باتیں کرتی ہو گل!___ اچھا، تم نے مجھے بلوایا تھا۔ کیا کوئی خاص بات ہے یا بس یہ ٹرے خالی کرنے کے لئے ہی بلایا تھا؟'' مہروز خان نے کہا تو گل بی بی گہری سوچ میں کھو گئیں۔

وہ الفاظ تلاش کرنے لگیں کہ بات کا آغاز کس طرح کریں۔ کل ذولین نے اُن سے جو کچھ کہا تھا وہ اُن کے لئے بے پایاں خوشی کا باعث تھا۔ مگر کیا خبر مہروز خان اسے کس رنگ میں لیں۔ اور پھر بات صرف مہروز خان تک تو ختم نہیں ہوتی، شاہ خانم کا کردار ہر فیصلہ میں بھرپور ہوتا تھا۔

انہوں نے متفکر سی نظر مہروز خان پر ڈالی۔

"کیا بات ہے گل! تم کچھ پریشان ہو؟" مہروز خان کو اُن کی خاموشی پر کچھ تشویش ہوئی۔

"بس لالہ! بات میری تو نہیں، مگر ایک طرح سے میری ہی ہے۔" گل بی بی جیسے خود سے بولیں اور پھر سوچ کر کہنے لگیں۔ "ذولین، فیروز لالہ کی نشانی ہے___اور میں جانتی ہوں کہ وہ تمہیں بے حد عزیز ہے۔ اشمل سے بھی زیادہ۔"

"کک۔۔۔۔۔ کیا ہوا ذولین کو؟" مہروز خان اُن کی ادھوری بات پر گھبرا گئے۔ یہ حقیقت تھی کہ ذولین ان کے خون میں بس رہا تھا۔ انہیں بے حد عزیز تھا۔

"نہیں لالہ! سب خیریت ہے۔" گل بی بی جلدی سے بولیں۔ "دراصل بات یہ ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ ذولین کی شادی اشتارا سے___میرا مطلب ہے کہ۔۔۔۔۔۔"

"گل۔۔۔۔۔" مہروز خان نے اُس کی بات کاٹ دی اور سر جھکا کر بے چینی سے قہوہ کی پیالی پر انگلیاں پھیرنے لگے۔

"کیوں۔۔۔۔۔ کیا تمہیں انکار ہو گا؟" گل بی بی کا دل لرزا۔

"بات میرے انکار کی نہیں___اور پھر یہ تو تمہاری خواہش ہے گل! وہ مجھے بے حد عزیز ہے۔ اس سے مجھے کبھی بھی انکار نہیں۔ لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ میں اس سے اپنی محبت کے بدلے یہ فیصلہ اس پر مسلط کر دوں۔ وہ عاقل بالغ ہے___اُسے پورا اختیار ہے۔ اور وہ اس معاملے میں بھی آزاد ہے۔"

"مہروز لالہ! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" گل بی بی زور سے ہنس دیں۔ اُن کے حلق میں اٹکی سانسیں پھر سے رواں ہو

گئیں۔ انہوں نے ایک نظر مہروز خان پر ڈالی اور پھر آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"یہ صرف میری خواہش ہی نہیں، خود ذولین کی بھی یہی خواہش ہے۔ اُس نے مجھ سے خود کہا ہے کہ وہ اشتارا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور کہا کہ میں اس سلسلے میں آپ سے بات کروں۔"

"کیا___ذولین نے تم سے یہ کہا ہے؟" مہروز خان بے یقینی کی سی کیفیت میں گل بی بی کو دیکھتے رہ گئے___بات صرف رشتے ہی کی نہیں، ذولین کی پسند کی بھی ہو رہی تھی۔

"ہاں___اور سچ پوچھو تو مہروز لالہ! ذولین تو ہیرا ہے۔ سچا ہیرا___اور پھر ہمارا اپنا خون ہے۔ اُس نے خود اشتارا کا ہاتھ مانگا ہے۔ پہلی بار ہی تو اُس نے کچھ مانگا ہے۔ اُسے مایوس مت کرنا لالہ!___اُسے عزت بخشنا۔" گل بی بی کی آواز بھاری ہو گئی۔

ذولین کی خاطر تو وہ مہروز خان سے لڑ کر بھی اُس کی خواہش کا دم بھرنے کو تیار تھیں۔ کتنے چاؤ سے اُس نے کہا تھا___"گل بی بی! میں اشتارا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میں اس قابل ہوں؟" اس لمحے اُس کی سبز آنکھوں میں کتنے ہیرے دمک رہے تھے۔ لبوں پر کتنی دلفریب مسکراہٹ سجی تھی۔ اور انہوں نے پیار سے اس کی فراخ پیشانی چوم لی تھی اور اسی لمحے سوچ لیا تھا کہ وہ اُس کی آنکھوں میں دمکتے یہ سپنے بکھرنے نہیں دیں گی۔

اُدھر مہروز خان کے دل میں اس نرم جملے نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی جو بیک وقت انہیں سرشار بھی کر گئی اور ملول بھی۔ گل سچ ہی تو کہہ رہی تھی کہ اتنے برس گزر گئے، اس بن ماں باپ کے بچے نے اُن سے کچھ بھی تو نہیں مانگا تھا۔ محبت اور توجہ بھی نہیں۔ وہ تو خود ہی محبت لٹاتے آئے تھے اُس پر۔

کتنا صابر تھا وہ___اور وہ کتنے لاپرواہ ہو گئے تھے اُس سے___اتنا توانا جوان ہو گیا تھا___اور ابھی تک اُس کی شادی کا سوچا تک نہ تھا۔ شاہ خانم، اشمل کی شادی کے لئے کتنی بے چین تھیں۔ ماں تھیں اسی لئے جوان اولاد کی

خوشیاں اور دُکھ نظر میں رکھتی تھیں۔ مگر ذولین؟

"نجانے میں نے اپنی ذمہ داری میں کہاں کہاں کوتاہیاں کی ہوں گی ___ کہاں کہاں ناانصافی کا مرتکب ہوا ہوں گا ___ ' یہ خیال، یہ احساس اُن کے خون میں اب بھی سلگ رہا تھا۔

"تم نے کوئی جواب نہیں دیا لالہ!" گل بی بی دھیرے سے بولیں۔

"آں ۔۔۔۔۔۔ ہاں ۔۔۔۔۔۔ کیا جواب دوں گل! ایسی خوشی، ایسا سرور تو دل نے کبھی محسوس نہیں کیا ___ یوں لگ رہا ہے جیسے سینکڑوں پھول میرے قلب میں مہک اُٹھے ہوں۔ میرے بیٹے نے مجھے بے پناہ مسرور کر دیا ہے ___ یہ صرف اُس کی خواہش تو نہیں، یہ تو میری تمنا تھی۔" مارے خوشی کے ان کی آواز کانپ رہی تھی اور آنکھوں میں ڈھیر سارے جگنو چمکنے لگے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

"ارے ___ آپ بیٹھئے تو۔" گل بی بی انہیں اٹھتا دیکھ کر بولیں۔

"نہ ___ اب تو بیٹھا بھی نہیں جا رہا۔" وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

"میں ذولین سے کیا کہوں لالہ؟" گل بی بی بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ مہروز خان رُکے، پلٹے اور مبہم سے مسکرائے۔

"تو کیا اب بھی میرے کچھ کہنے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟" گل بی بی مسکرا دیں۔ اور پھر ان کے قریب آ کر بولیں۔

"میں جانتی تھی ___ میرا دل کہتا تھا کہ آپ کا جواب اقرار میں ہی ہو گا۔ آپ ذولین کے پیام کو ہرگز نہیں ٹھکرائیں گے ___ مگر لالہ! ___ شاہے تو یہ برداشت نہ کر پائے گی۔" انہوں نے اپنے دل میں دھڑکتے خدشے کو زبان دے دی تو مہروز خان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اُن کا چہرہ تن گیا۔

"اشارا میری بیٹی ہے۔ اُس پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا شاہے کا ___ اور آج تک اس نے جو چاہا وہی کیا ہے ۔۔۔۔۔۔ اب کچھ فیصلے اسے میرے بھی قبول کرنے ہوں گے۔" وہ یہ کہہ کر سرعت سے باہر نکل گئے۔

گل بی بی کے گھر سے وہ سیدھے حویلی میں آ گئے۔ مگر رہائشی حصے کی طرف جانے کی بجائے ان کے قدم انیکسی کی طرف اُٹھ رہے تھے۔

حویلی کے بیرونی حصے اور لان کی بتیوں نے پوری حویلی کو جگمگا دیا تھا۔ ڈھلتی شام سے ہی حویلی کو روشنیوں سے نہلا دینے کا حکم شاہ خانم کا تھا۔

انیکسی کے کوریڈور کا بڑا سا بلب بھی روشن تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ذولین انیکسی میں موجود تھا۔ وہ اتنی مدت بعد انیکسی کی طرف آئے تھے، ورنہ ہمیشہ ذولین ہی ان کے پاس آتا تھا، کبھی سلام اور خیریت پوچھنے یا کبھی کسی ضروری کام کے سلسلے میں وہ رہائشی حصے کی طرف آتا تھا۔ ورنہ ان دونوں کی ملاقات زمینوں پر ہی ہوتی تھی۔ اُن کے قدم تیزی سے اُٹھ رہے تھے۔

اپنے بیڈروم سے نکلتے ہوئے ذولین ٹھٹک گیا۔

"چچا خان ۔۔۔۔۔۔ آ ۔۔۔۔۔۔ آپ یہاں ۔۔۔۔۔۔" اُس کی آنکھوں میں تحیر آمیز بے یقینی تھی۔

"ہاں ۔۔۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔۔۔ کیا بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟" مہروز خان مسکرائے تو وہ جلدی سے سنبھل گیا۔

"آں ۔۔۔۔۔۔ ہاں ۔۔۔۔۔۔ کیوں نہیں۔ پلیز، بیٹھئے نا۔" اُس نے جلدی سے سٹنگ روم کا پردہ کھینچ کر کھولا تھا اور مہروز خان صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تمہاری یہ حیرانگی بجا ہے ___ کبھی میں یہاں آیا جو نہیں ___ ہے نا؟" انہوں نے محبت آمیز نظروں سے اُسے

دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"آپ بیٹھئے____ میں آپ کے لئے قہوہ بنا کر لاتا ہوں۔"

"نہیں____ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔" اُسے پلٹتے دیکھ کر مہروز خان صوفے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ذولین، اشمل کے ہمراہ حویلی کی طرف آ گیا۔ شاندانہ کی رخصتی اور گل بی بی کی دل گرفتہ حالت نے دونوں پر اثر ڈالا تھا____ دونوں کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"یہ شان کو دیکھو، سب کو رُلا گئی۔" آدھا راستہ طے ہوا تو اشمل دھیرے سے بولا۔

"گل بی بی بہت اپ سیٹ ہو گئی ہیں۔"

"ہوں۔" ذولین چونکا۔ "تمہارے اب کیا ارادے ہیں____ کتنے دن ہو یہاں پر؟" اُس نے رُخ اشمل کی طرف کر لیا۔

"پرسوں جا رہا ہوں۔ آج صبح ڈی ایس پی منظور احمد سے بات ہوئی تھی فون پر۔"

"اچھا____ کیا بات ہوئی؟"

"ریحان پراچہ روپوش ہو گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اس بار شاہنواز پراچہ کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہیں۔" ذولین نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں____ اب کی بار ریحان کو میں سلاخوں کے پیچھے ڈال کر رہوں گا۔ وہ قاتل ہے اور اس کی سزا بہر کیف عمر قید یا پھانسی ہے۔ وہ بھاگ کر کہاں جائے گا____ اس زمین اور اس آسمان کے نیچے ہی ہو گا نا۔" اشمل کا چہرہ تن گیا۔ ذولین نے اُسے دیکھا۔

"ڈی ایس پی اچھا آدمی ہے۔"

"ہاں____ بے حد تعاون کر رہا ہے۔ خاصا محنتی بھی ہے۔ ریحان کو پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔ وہ اپنے کسی فلیٹ میں منتقل ہو گیا تھا۔ مگر اب وہاں سے بھی فرار ہو گیا ہے۔" اشمل اُسے تفصیل بتا رہا تھا جو ڈی ایس پی منظور احمد نے اُسے دی تھی۔ وہ ایک ایک پل کی خبر رکھنا چاہتا تھا۔ اس بار وہ ریحان پراچہ کو ہر حالت میں اس کے انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔

جیپ حویلی کے پورچ میں رک گئی۔ وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔

"اچھا پھر____ خدا حافظ۔ اور ہاں، پرسوں مجھ سے ضرور مل کر جانا۔" ذولین نے اشمل سے کہا اور پھر انیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

اشمل اپنی جگہ ایستادہ اُسے دیکھتا رہا۔

اُس کا اپنا خون، اُس کا عم زاد، اُس کا بھائی____ مگر یہ درمیان کیسی دیواریں کھڑی تھیں؟____ اُس کے قدم انیکسی کی جانب اُٹھ رہے تھے۔ اشمل کے دل میں دھواں سا بھر گیا۔

"تم بہت مضبوط ہو ذولین!____ بہت مضبوط۔"

وہ اچانک پلٹا اور اشمل کو اپنی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتا پا کر مسکرایا اور ہاتھ ہلا دیا۔ اشمل بھی مسکرا دیا اور پھر رہائشی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اندر آیا تو شاہ خانم بڑے کمرے میں تھیں۔ وہ خود بھی ابھی گل بی بی کے گھر سے واپس آئی تھیں۔ بھاری کپڑوں اور قیمتی زیورات میں ملبوس تھیں۔ اشمل کو دیکھ کر وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئیں۔

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"مجھ سے۔۔۔۔۔۔؟" وہ رک گیا۔ "اس وقت تو میں بہت تھک گیا ہوں شاہ خانم! کیا بہت ضروری ہیں؟" اس کے چہرے پر تھکن کے واضح رنگ پھیلے ہوئے تھے۔

"میری باتیں تمہاری تھکن میں اضافہ ہرگز نہیں کریں گی۔" شاہ خانم مسکرانے لگیں۔

"اچھا ___ تو پھر ضرور کیجئے۔"

"ادھر آؤ، میرے کمرے میں۔"

"نہیں ___ میرا خیال ہے آپ میرے کمرے میں آجایئے۔" اُس نے کہا تو شاہ خانم نے زیادہ تردّد نہیں کیا اور اس کے ہمراہ اس کے کمرے میں آگئیں۔

صوفے پر بیٹھ کر اشمل نے پیروں سے اپنے وزنی پشاوری چپل اُتارے۔ اتنی دیر میں شاہ خانم اُس کے وسیع بیڈ کے کنارے اُس کے بالکل سامنے بیٹھتے ہوئے کچھ سوچنے لگیں۔

"کیا کوئی پرابلم ہے؟" اُس نے جوتوں کو پیروں سے صوفے کے نیچے دھکیلتے ہوئے شاہ خانم کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"آں ___ تم کب واپس جانے کا سوچ رہے ہو؟" انہوں نے اُس کا جملہ سنا ہی نہیں یا پھر نظرانداز کر دیا۔

"پرسوں جا رہا ہوں ___ اگر آپ کہیں تو ایک دن اور رہ لوں؟" اُس نے انہیں چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"نہیں ___ اب اکٹھے ہی آنا۔" وہ بغیر برا مانے بولیں۔ پھر ایک گہری طویل سانس سینے کی تہہ سے آزاد کرتے ہوئے بولیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ کم از کم تمہاری منگنی کر دوں۔" انہوں نے اپنا اصل مدعا بیان کیا۔ "بات ابھی طے ہو جائے۔ پھر جب تمہاری پڑھائی مکمل ہو جائے گی، شادی کر دوں گی۔ بس اب کوئی خوشی ہو گھر میں۔" وہ بیڈ کے کنارے سے اُٹھ کر ٹہلنے لگیں۔

اشمل خان کا اُٹھا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"آپ فی الحال میری فکر چھوڑیں اور اشارا کے بارے میں سوچئے۔" اُس نے بے حد خوبصورتی سے بات گھمانے کی سعی کی۔ شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔

"اشارا کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

"اشارا کا ذکر ہی ہونا چاہئے۔ پہلے بہن رخصت ہونی چاہئے۔ اس کی فکر کرنی چاہئے۔" وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اپنی ذات کو اس موضوع سے بچانا چاہ رہا تھا۔

اُس کی پسند ہشمینہ ابرار تھی۔ اور وہ اس طرح کا کوئی ذکر کر کے اس معاملے کو سنگین نہیں بنانا چاہتا تھا۔

"اشارا کا کیا ہے ___ وہ تو بیٹی ہے۔ کون سا اُس کی رضامندی لینی ہے۔" شاہ خانم بولیں۔

"تو بھئی پھر اُسے فٹافٹ رخصت کرنے کی تیاریاں کیجئے۔" اس نے ہلکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تمہاری ممانی نے بات کی ہے مجھ سے اشارا کے سلسلے میں۔" شاہ خانم پھر بیڈ پر ٹِک گئیں۔

اشمل کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا۔

"ہاں، فروان کے سلسلے میں۔ گھر کا لڑکا ہے، دیکھا بھالا ہے۔ بس وہ لوگ تو میرے جواب کے منتظر ہیں۔"

"فروان اور اشارا___" اشمل کو اپنی سماعت پر جیسے یقین نہ آرہا تھا۔ "آپ جانتی ہیں اشارا اور فروان کی عمروں میں کتنا فرق ہے اور۔۔۔۔۔۔"

"ہاں___ ایک سال کا فرق ہے۔ وہ ایک سال چھوٹا ہے۔ بھلا کہیں سے لگتا ہے۔ کیسا اُونچا لانبا، گبھرو جوان ہے۔ اور پھر گھر کا لڑکا ہے۔" شاہ خانم کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔ "تمہیں اشارا کے سلسلے میں فکر کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ مجھے کہ سحر گل کیسی لگتی ہے تمہیں؟ میں نے سوچا ہے اشارا اور فروان کے ساتھ تمہاری اور سحر گل کی بھی منگنی کر دوں۔" یہ کہتے ہوئے شاہ خانم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اب اس حویلی میں رونق ہونی چاہئے___ تم نے سحر کو دیکھا ہے نا؟" انہوں نے پوچھا۔

اشمل کی سماعتوں پر برچھی سی لگی تھی۔

یہ شاہ خانم کیا کرنے چلی تھیں؟___ وہ مارے تحیر کے اپنی جگہ دم بخود سا رہ گیا۔

"تم نے بتایا نہیں، تمہیں سحر گل کیسی لگتی ہے؟___ بہت عرصہ ہو گیا ہے نا تم نے اُسے دیکھا نہیں ہے۔ اب دیکھو گے تو تمہیں یقیناً پسند آئے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے۔"

شاہ خانم کے لہجے میں سحر گل کے لئے مٹھاس کا دریا بہہ رہا تھا۔

اُس کی سمجھ میں فوری طور پر کچھ نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ کتنے ہی ثانیے وہ خالی خالی نظروں سے شاہ خانم کو تکتا رہا۔

یہ فیصلے صادر کرنے والی شاہ خانم اُس سے اجازت طلب کر رہی تھیں یا اپنے ارادوں سے باخبر کر رہی تھیں؟___ یہ کیسے ممکن ہے؟___ اُس کے خیالوں کے نرم پردوں پر ہثمینہ ابرار کا چہرہ چمکنے لگا۔ نہیں۔۔۔۔۔۔ وہ لاکھ شاہ خانم کی عزت کرتا ہے، اُن کا فرمانبردار ہے___ مگر یہاں منافقت کا راستہ نہیں اپنائے گا۔

"میں جانتی ہوں، تمہیں بھلا کیا اعتراض ہو گا۔" شاہ خانم کے لہجے میں یقین تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں تو وہ یک دم ہوش میں آ گیا۔

"میں آپ کو اس سلسلے میں کسی طرح کا بھی جواب نہیں دے سکتا۔" اُس کا لہجہ سپاٹ تھا جس میں نہ انکار تھا اور نہ اقرار۔

"کیا مطلب؟" شاہ خانم نے حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُس نے خود کو بروقت سنبھال لیا تھا۔ اُس کے شہر جانے میں صرف ایک دن رہ گیا تھا اور وہ جاتے وقت کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا نہ کسی طرح کا تنازعہ اُٹھانا چاہتا تھا۔

یہ تو صرف شاہ خانم کی خواہش ہی تھی۔ کون سا وہ ابھی عملی قدم اُٹھا رہی تھیں___ اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اُس نے بے حد تدبر سے صورتحال کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتی ہیں، کل میں واپس ہاسٹل جا رہا ہوں۔ اور میں ذہنی طور پر اس چیز کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں صرف اور صرف اپنی پڑھائی مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ شادی کے لئے تو ایک عمر پڑی ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"میں جانتی تھی تمہارا جواب اتنا ہی فضول ہو گا۔" شاہ خانم کا چہرہ تن گیا۔ "اور پھر میں کون سا ابھی تمہاری شادی کر رہی ہوں۔ صرف منگنی۔"

"شاہ خانم! کیا ضرورت ہے ابھی کسی لڑکی کو بے کار رشتے میں باندھ دینا۔ بھئی جب شادی ہی ابھی نہیں کرنی تو یہ منگنی، یہ زبان دے دینا سب بے کار، بے معنی باتیں ہیں۔ ہو سکتا ہے اس دوران سحر گل کے لئے کوئی مجھ سے بہتر رشتہ مل جائے۔" اُس نے شگفتہ انداز اختیار کیا۔

شاہ خانم کی پیشانی پر ڈھیر سارے بل پھیل گئے۔

"کچھ غلط کہا میں نے؟" وہ پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔

"نہیں ____ بہت ٹھیک کہا۔ تم باپ بیٹے تو ہر بات ہی درست کہتے ہو۔ غلط تو صرف میں سوچتی ہوں اور میں ہی بولتی ہوں۔"

"ارے، ارے ____ آپ تو خفا ہو گئیں۔" وہ اٹھ کر ان کے قریب چلا آیا۔ پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "میں شادی سے انکاری تو نہیں ہوں۔ بس کچھ مہلت مانگ رہا ہوں۔"

"تو پھر سحر گل اچھی تو ہے نا؟"

"یقیناً ہو گی ____ آپ اُسے بہتر جانتی ہوں گی۔"

شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔ وہ اس وقت اس موضوع پر بالکل سنجیدہ ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تھکن اور اکتاہٹ اُس کی بھوری آنکھوں میں ہلکورے لے رہی تھی۔

"میرے خیال سے تم اس وقت آرام کر ہی لو۔" انہوں نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ پھر رُک گئیں اور پلٹ کر بولیں۔ "مگر یہ بات تمہاری پڑھائی ختم ہونے تک کے لئے ملتوی نہیں ہو گی۔ ہاں، اب کی بار تم آؤ گے تو پھر بات ہو گی اور حتمی ہو گی۔" وہ یہ کہہ کر سرعت سے پردہ اٹھا کر باہر نکل گئیں۔

وہ ایک گہری سانس لے کر دوبارہ اپنے وسیع بیڈ پر دراز ہو گیا۔ اُسے شاہ خانم کی اس سوچ نے پریشان کر دیا تھا۔

"سحر گل۔"

اُس نے اپنے ذہن پر زور دے کر سحر گل کا تصور جمایا۔ پُرکشش سی لڑکی تھی۔ ہنستی، شرارتی۔ وہ اُسے عزیز تھی خونی رشتے کے ناطے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"اُف، یہ شاہ خانم بھی کیا کرنے نکلی ہیں؟" اُس نے سر جھٹک دیا اور آنکھیں موندیں تو ہشمینہ کا دلکش سراپا آٹھہرا اور دل جیسے ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی سے بھر گیا۔ سرخ شال میں گھبرائی گھبرائی وہ اُسے پہلی بار ڈھول بجاتی زور و شور سے شاندانہ کی شادی کے گیت گاتی کتنی مختلف لگی تھی۔ پھر وہ اُس سے ٹکرا گئی تھی اور ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ جانے پر کتنی خفا ہوئی تھی۔ مگر لمحہ بھر کے لئے۔

وہ آنکھیں موندے اُس کی رعنائیوں میں کھوتا جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

شاندانہ کی شادی کے بعد گھر میں یکدم ہی جیسے سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ ایسے میں گل بی بی کا دل سخت بوجھل ہو رہا تھا۔ یہ تو ہشمینہ کا دم غنیمت تھا اور اُس نے بھابی اور اشناس بھائی کو زبردستی روک لیا تھا۔ ساتھ ہی اُس نے اشارا کو بھی روک لیا تھا۔

"مجھے تمہاری ضرورت رہے گی نا۔"

"کیوں؟" اشارا نے اُسے شریر نظروں سے دیکھا۔

"بھئی اپنی وادی کی سیر نہیں کراؤ گی ہمیں؟" اُس نے کہا تو اشارا نے سر ہلا دیا اور پھر وہ اور بھابی، اشارا کے ہمراہ وادی کی سیر کو نکل آئیں۔

"لگتا ہے یہاں تو بارہ مہینے سردی ہی رہتی ہے۔" شام کا وقت تھا۔ ہشمینہ کو خنکی کا احساس ہوا۔ اُس نے شال اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لی۔

"تم عادی نہیں ہو نا، اس لئے تمہیں زیادہ سردی لگ رہی ہے۔ یہ موسم تو بہار کا ہے۔ اس موسم میں تو پوری فضا

خوشبو سے بھر جاتی ہے اور ڈھیر سارے پھول کھلتے ہیں۔"

"دل کے؟" بھابی نے شرارت سے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"دل کے پھول کھلنے کے لئے کسی موسم کی قید نہیں ہوتی۔ وہ تو جون جولائی کی گرمیوں میں بھی کھل اٹھتے ہیں۔" ہشمینہ اونچے اونچے پہاڑوں پر نگاہیں جمائے بولی۔

وہ تینوں ہلکی پھلکی گفتگو کرتی ہوئی، ماحول سے لطف اندوز ہوتیں ایک خوبصورت جگہ پر آگئیں۔ یہ جگہ اونچے اونچے درختوں اور سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سامنے پہاڑوں سے شور مچاتا ہوا چشمہ بہہ کر مختلف پتھروں سے ٹکرا کر منقسم ہو جاتا اور ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار ارد گرد کے پھولوں کو نہلا دیتی۔

"یہاں کتنا حُسن ہے۔" ہشمینہ کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ بھابی بھی مسحور سی ہو گئیں۔

"آہ ___ ہم شہر والے اتنی بڑی نعمت سے محروم ہیں۔ تم تو بڑی خوش قسمت ہو اشارا!" بھابی نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی یہیں رہ جائیں نا۔" اشارا نے کہا تو ہشمینہ بے ساختہ ہنس دی۔

"پھر اشناس بھائی کا کیا ہو گا؟ اُن کا بیڑا غرق۔۔۔۔۔۔۔"

"ہشت ___ بدتمیز۔" بھابی جھینپ گئیں اور آگے چلنے لگیں۔

"پھر ہشمینہ! تم یہاں آجاؤ ہمیشہ کے لئے۔" اشارا نے پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ نہ، میں یہاں کیوں رہنے لگی؟"

"اب تو مجبوری ہے۔" اُس کی ہنسی معنی خیز تھی۔ ہشمینہ نے پلکیں جھپک کر اُسے دیکھا۔ اُس کا دل تیزی سے

دھڑکنے لگا۔ بھابی تو خاصی آگے نکل گئی تھیں۔

"اشمل لالہ کی خاطر تو رہنا پڑے گا نا۔ وہ تو وادی نہیں چھوڑ سکتے۔" اُس نے اُس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور ہشمینہ بھونچکا سی رہ گئی۔

اشارا کے اس واضح جملے نے اُسے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ یک بیک اُس کے رخسار سرخ ہو گئے اور پلکوں پر منوں بوجھ آن گرا۔

"وہ ___ میں تو ___"

"آں۔۔۔۔۔ آں۔۔۔۔۔" اشارا نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے کچھ بولنے سے پہلے ہی روک دیا۔ "جنابہ! مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرنا۔ ویسے یہ اشمل لالہ بڑے چھپے رستم نکلے۔ اور تم اس سے بھی زیادہ۔ میرے بارے میں تو سب کچھ شاندانہ سے پوچھ لیا اور اپنا آپ اُس بیچاری سے بھی چھپا گئے۔"

ہشمینہ کی پلکیں مارے خفت کے اُٹھ نہ رہی تھیں۔

اشارا کے سامنے سب کچھ کھل چکا تھا۔ وہ نہ جانے کب سے جانتی آئی تھی۔

"کیا اشمل نے تمہیں۔۔۔۔۔" اُس نے بمشکل دل کو سنبھالتے ہوئے پوچھنا چاہا تو وہ زور سے ہنس دی۔

"میں نے کہا نا، وہ تو بڑے چھپے رستم ہیں ___ بھنک تک نہیں لگنے دی مجھے۔ ویسے ہشمینہ! بالکل سچ سچ بتاؤ، تمہیں اشمل لالہ کتنے اچھے لگے ہیں؟" اُس نے پوچھا تو ہشمینہ کا چہرہ گرم ہو گیا۔ اُس کی پلکیں رخساروں پر کانپ کر رہ گئیں۔

کتنی شریر ہو رہی تھی اس وقت اشارا ___ راز جو جان گئی تھی

اشارا اُس کی حالت سے خوب محظوظ ہو رہی تھی۔

"ارے تم دونوں وہیں اٹک گئیں۔" بھابی نے پلٹ کر ان دونوں کو پکارا تو ہشمینہ پلٹ کر ان کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اشارا کی شریر نگاہوں سے بے حد نروس ہو رہی تھی۔

"ہائے ہشمینہ! میں کیمرہ تو لانا ہی بھول گئی۔ تمہارے بیگ میں تو نہیں ہے کہیں؟" بھابی اپنا بیگ ٹٹول کر بولیں۔

"نہیں ___ میرے پاس تو نہیں ہے۔ آپ نے نکال کے تو رکھا تھا۔"

"ہاں، شاید وہیں میز پر رکھا رہ گیا۔ ٹھہرو ___ میں ابھی جا کر لے آتی ہوں۔"

"ہائیں ___ واپس جائیں گی آپ؟" ہشمینہ نے انہیں دیکھا۔

"ہاں، تو کیا ہوا۔ زیادہ دُور تو نہیں ہے۔ کیوں اشارا! سامنے ہی سے آئے ہیں نا؟"

"ہاں ___ سامنے اُس پہاڑی سے اُتر کر دائیں طرف ہی تو گھر ہے۔" اشارا نے کہا تو وہ خوش ہو گئیں۔

"اتنی حسین جگہ کی تصویر میں نہ لوں گی تو تاعمر افسوس رہے گا۔" وہ بھاگیں اور ہشمینہ اُن کی دیوانگی پر مسکرا کر رہ گئی۔

بھابی کے جانے کے بعد دونوں نے زیادہ آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور قریبی پتھر پر بیٹھ گئیں۔

"تم نے بتایا نہیں؟" اشارا نے اُسے دیکھا۔

"کیا؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"یہی کہ اشمل لالہ تمہیں کتنے اچھے لگتے ہیں؟" اُس کی شوخی پھر عود کر آئی تو ہشمینہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"بتاؤں؟"

"ہاں بتاؤ۔"

"اتنا جتنا تمہیں ذولین خان اچھا لگتا ہے۔" اُس کا جملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ اشارا ساکت رہ گئی۔ سنہری آنکھوں پر سایہ فگن پلکیں جھک گئیں۔

"ہا، ہا، ہا ___ اب بتاؤ کہ تمہیں ذولین کتنا اچھا لگتا ہے؟" ہشمینہ اُس کی ساری شوخی کو شرم میں بدلتے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"بہت بری ہو تم۔" وہ خفیف ہو گئی۔

"ارے واہ ___ میں بری ہو گئی۔ میں نے تو صرف یہی پوچھا ہے جو تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔"

اشارا نے بس لمحہ بھر دیکھا اور پھر جھینپ کر پلکوں کی باڑھ دوبارہ گرا لی۔

اسی دم دونوں کی نگاہیں چھوٹی سڑک کی جانب اُٹھ گئیں جہاں سیاہ جیپ فراٹے بھرتی اسی طرف آ رہی تھی۔

"اشمل لالہ کی جیپ ہے یہ تو۔" اشارا ایک دم کھڑی ہو گئی۔ "لگتا ہے انہیں علم ہو گیا ہے کہ ان کے بارے میں ہم باتیں کر رہے ہیں۔" وہ ہنسی۔ پھر ہشمینہ کو دیکھ کر بولی۔ "وہ ادھر ہی آ رہے ہیں، شاید تمہارا پیچھا کرتے ہوئے۔ گل بی بی کے گھر جو تم نہیں ملی ہو گی۔" اُس کی بات پر ہشمینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

اشارا کا اندازہ درست تھا۔ جیپ سامنے رک گئی تھی اور اس میں سے اشمل خان اُتر رہا تھا۔

اُس کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔نہ جانے کیوں وادی میں ہر بار اُس کا سامنا کرنے پر اُس کی کیفیت ایسی ہی ہو جاتی۔شاید رومان پرور ماحول کا اثر ہوتا تھا یا پھر اشمل خان کی بھوری آنکھوں میں ہلکورے لیتے رنگ میں ہی قیامت جھلکتی تھی۔اُس کا دل پسلیوں میں بے قرار ہو کر مچل اُٹھتا

لبوں کی معنی خیز مسکراہٹ اُس کی رگوں میں مچلتے خون میں طوفان مچا دیتی۔اُسے اشمل سے بے طرح شرم آنے لگتی۔

وہ ان دونوں کے قریب آچکا تھا۔

سیاہ سوٹ اور سرخ شال میں وہ جھینپی جھینپی اپنے دل کی حالت کو سنبھالنے میں سرخ ہو رہی تھی۔اُس کے لبوں پر وہی دل موہ لینے والی مسکراہٹ بکھر گئی۔ہشمینہ نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

"یہ تم کہاں کہاں گھومتی پھر رہی ہو؟" وہ اُسے نظر انداز کرتا اشتارا سے مخاطب ہوا جو ہشمینہ کی حالت سے خوب محظوظ ہو کر دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔

"مہمانوں کو اپنے علاقے کی سیر کرا رہی تھی___آپ نہیں جانتے انہیں،یہ گل بی بی کی خاص الخاص مہمان ہیں۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے ہشمینہ کی پشت کی طرف دیکھا۔سرخ شال کے نیچے سے اُس کی لانبی چوٹی نظر آ رہی تھی۔

"اچھا___مگر گل بی بی کے تو سارے اہم اہم مہمان جا چکے ہیں۔پھر یہ کیوں نہیں گئیں؟" وہ لاپرواہی سے بولا تو اشتارا کے لبوں پر مسکراہٹ چھلک آئی۔

"میں نے کہا نا،یہ خاص الخاص ہیں۔ارے ہشمینہ!ملو نا اشمل لالہ سے۔" اُس نے بالکل اچانک اُس کا ہاتھ پکڑ کر رُخ اشمل کی جانب موڑ دیا۔یہ جملہ بالکل غیر متوقع اور اچانک تھا۔ہشمینہ سٹپٹا گئی۔

"اچھا___تو یہ ہیں گل بی بی کی خاص مہمان۔" اُس نے لبوں کا ایک گوشہ دانتوں میں دبا کر اُسے دیکھا۔

"جی___یہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں آپ کی۔"

"پڑھتی ہیں یا پڑھتی تھیں؟" اشمل کے منہ سے بے ساختہ جملہ پھسلا تھا۔

"تو آپ جانتے ہیں انہیں؟" اشتارا نے حیرانگی ظاہر کی تو اشمل گڑبڑا گیا۔

"مم۔۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔نہیں بھئی،میں انہیں کیسے جان سکتا ہوں؟"

"تو اب جان لیجئے نا۔ویسے لالہ!وادی کے لوگ جھوٹ بولتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔" وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ پھر اچانک بولی۔"میں بھابی کو دیکھتی ہوں۔نہ جانے وہ کہاں رہ گئی ہیں۔" وہ پلٹ کر بھاگی۔اشمل اُس کے یوں بھاگنے پر حیران رہ گیا۔ہشمینہ سمجھ گئی اس نے جان بوجھ کر ان دونوں کو بات کرنے کا موقع دیا ہے۔

وہ دونوں چند ثانیے ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے رہے۔پھر اشمل خان دھیرے سے بولا۔

"یہ تم عورتیں کوئی راز،راز ہی نہیں رکھ سکتیں۔"

"کیا۔۔۔۔۔۔۔آپ کا مطلب ہے اسے میں نے کچھ بتایا ہے؟" ہشمینہ نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"میرا تو یہی خیال ہے۔" اُس نے شانے اُچکائے تو ہشمینہ کا چہرہ تپ اُٹھا۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔وہ آپ کی بہن ہے۔اور ظاہر ہے آپ کی جانب سے ہی اُسے۔۔۔۔۔۔۔" اُس نے بادل نخواستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور لب بھینچ لئے۔

اشمل نے اُسے دیکھا وہ خفا سی ہو رہی تھی۔

"ویسے کہتے ہیں لوگ کہ عشق اور مشک چھپ نہیں سکتا۔ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" اُس نے اپنی سرمئی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اُسے بغور دیکھا۔ "میں آج جارہا ہوں واپس۔"

"اتنی جلدی؟" وہ بے ساختہ بول اٹھی۔ پھر جھینپ گئی۔ "مم۔۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔"

"تو کیا تمہارا واپس شہر جانے کا ارادہ نہیں ہے؟" اُس نے اُس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے پوچھا تو وہ پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگی اور ہولے سے مسکرادی۔

"سچ کہوں اشمل! اتنا حُسن، اتنا خلوص اور اتنے پیارے لوگوں کے درمیان سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔" اُس نے سچائی کے ساتھ کہا___ اُس کی آنکھوں کے سامنے گل بی بی، شاندانہ، اشارا سب کے چہرے بنتے اور مٹتے گئے۔

"اس کا مطلب ہے اب جلد کچھ انتظام کرنا ہوگا۔" وہ ہنسا۔

"اوہ، نہیں___ میرا مطلب یہ تو نہیں تھا۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"آج کل شاہ خانم میری شادی کے لئے بے تاب ہورہی ہیں۔" اُس نے قدرے توقف کے بعد لاپرواہ سے انداز میں اُسے اطلاع دی۔

"تو پھر کرلیں___ کس نے روکا ہے؟" وہ پلٹ کر آگے چلنے لگی۔

"جانتی ہو انہوں نے لڑکی بھی پسند کرلی ہے۔" وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ رک گئی۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"سحر گل اچھی لڑکی ہے___ فیصل ماموں کی بیٹی۔ میں نے سوچا کہ کم از کم منگنی ہی کرلوں۔ مگر پھر۔۔۔۔۔۔۔"

"اش۔۔۔۔۔۔مل۔۔۔۔۔۔" وہ یکدم پلٹی۔ اُس کا چہرہ زرد ہورہا تھا اور لب کپکپا گئے۔ شاہ خانم نے اُس کی زندگی کا فیصلہ کرلیا تھا تو یقیناً اب اشمل اس سے سرتابی نہ کرپائے گا۔

"سحر گل___"

یہ نام اُس کے سارے وجود کو ہلا گیا۔

"اشمل! وہ بہت اچھی لڑکی ہے کیا؟" اُس کی سیاہ خوبصورت آنکھوں کے فرش گیلے ہوگئے تھے۔

"ارے ہشمینہ!" اشمل اُس کی بدلتی حالت سے گھبرا کر اُس کی طرف بڑھا۔

"ارے بے وقوف لڑکی! یہ صرف مذاق ہے۔ تم نے سچ سمجھ لیا۔" وہ مسکرانے لگا۔

"اشمل! یہ شاہ خانم کا فیصلہ۔۔۔۔۔۔۔"

"کم آن ہشمینہ! ای ایزی___ میں نے کہا نا، یہ صرف ایک مذاق ہے بس۔"

"کیا واقعی؟" اُس نے اپنی بھیگی پلکیں جھپکیں۔

وہ مسکرا رہا تھا۔

اُس کے سارے اندیشے رفع ہونے لگے۔

اتنا خوفناک مذاق___ اُس نے جھرجھری لے کر آنکھیں موندلیں۔ اشمل نے اُسے دیکھا۔ اُس کے رخساروں کی رنگت پھر لوٹ آئی تھی۔

"ہشمینہ! اتنی شدت سے چاہتی ہو مجھے؟" اُس نے اُس کے نرم ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

اُس کے مذاق میں کہے جملوں نے اُسے لرزا ہی دیا تھا۔ اُس کی حالت کو یکسر بدل دیا تھا۔ وہ کسی معصوم بچے کی طرح

بلکنے کو تیار تھی۔

"مجھ سے ایسا جان لیوا مذاق نہ کیجئے گا اشمل خان! میرے لئے تو کوئی ایسا خیال ہی بہت برا ہے۔" اُس نے خود کو سنبھالا۔

"پاگل لڑکی! تمہیں اس پہاڑی شخص نے چاہا ہے جس کی محبت بھی ان پہاڑوں کی طرح مضبوط، اٹل اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ ہم اڑیل لوگ زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتے ہیں اور اپنی ساری زندگی اسی پر قربان کر دیتے ہیں۔"

اشمل کا لہجہ مضبوط تھا۔ ہثمینہ کی رگوں میں طمانیت انگیز ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

☆☆☆...

ماہ گل نے دیکھا، سحر گل کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں مگر لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ ایسی جیسے کوئی وزنی بوجھ اُتارنے کے بعد مزدور کے لبوں پر چھا جاتی ہے۔ ایک اطمینان ان سرخ، روئی روئی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔ دُکھ اور خوشی کے مشترکہ احساس سے اُس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور بے اختیار ماہ گل سے لپٹ گئی۔

"آپی! سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے خوش ہونا چاہئے یا دُکھی۔" وہ رُندھی آواز میں بولی۔ ماہ گل اُسے تھام کر صوفے پر لے آئی۔ اُسے خیال گزرا کہ وہ شاید اُس کے اور مسعود کے تعلقات استوار ہو جانے پر خوش ہے اور اُس کے اب یہاں سے چلے جانے پر اُداس۔

وہ ہولے سے مسکرائی۔ کیوں سحر! کیا بات ہے؟" اُس نے اس کا سر اونچا کیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اُس کے آنسو اب خشک ہو گئے تھے اور چہرے پر گہری سنجیدگی آویزاں تھی۔

"آپی! فضہ آئی تھی۔" اُس نے ٹھہر کر بتایا۔

"فضہ۔۔۔۔۔۔۔ کیوں؟"

"آپی! منصور کا بہت بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا___ منصور، وہی لڑکا جو۔۔۔۔۔۔" اُس نے بادل نخواستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ منصور کے ذکر پر اُسے جھجک نے آگھیرا۔

"ہاں، ہاں۔ یاد ہے۔" ماہ گل نے سر ہلایا۔ "کس طرح ہو گیا اُس کا ایکسیڈنٹ؟" وہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

"فضہ بتا رہی تھی کہ وہ کسی کالج گرل کے پیچھے آج کل چکر لگا رہا تھا اور اس دن اس کے پیچھے اسکوٹر بھگا رہا تھا کہ سامنے سے آتے ٹرک نے اُسے کچل دیا۔ اس حادثے میں اُس کی ایک ٹانگ بھی ضائع ہو گئی ہے۔"

"اُف، توبہ___" ماہ گل کے دل کو دھچکا سا لگا۔ وہ صوفے سے اُٹھ گئی۔

"بہت بڑا حادثہ تھا___ دوسرے بھی کئی گہرے زخم آئے تھے۔"

"ہاں۔۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہوتا ہے___ دوسروں کے گھروں میں آگ لگانے والے خدا کے عتاب سے دنیا میں بھی نہیں بچ سکتے۔ بہنوں، بیٹیوں کے سر سے ردا کھینچنے والے کبھی نہ کبھی

"کئی دن ہو گئے ہیں، بات نہیں ہوئی اُن سے۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"جی نہیں___ کچھ اور بات ہے۔" سحر گل مسکراتی ہوئی فون کی طرف بڑھی۔

"کہیں اشارا کے سلسلے میں تو___؟" اُس نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔امی بے ساختہ ہنس دیں۔

"آپ نے اُن سے بات تو کی تھی جب ہم حویلی گئے تھے۔انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟"

"ہاں___اسی سلسلے میں تو پوچھنا ہے۔اس وقت تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔اُن کے انداز میں انکار ہر گز نہیں تھا۔بس انہیں تو مہروز بھائی سے پوچھنا تھا۔" امی اُٹھ کر اُس کے قریب آگئیں۔"تم جلدی سے نمبر تو ملاؤ۔"

"نہیں امی!آپ شاہ خانم کو فون نہیں کریں گی۔" فروان کی آواز دروازے سے اُبھری تو امی اور سحر گل ایک ساتھ پلٹیں۔

فروان کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"میرے اور اشارا کے رشتے کے سلسلے میں آپ شاہ خانم سے کوئی بات نہیں کریں گی۔" وہ اندر آگیا۔اُس کا لہجہ اٹل تھا۔سحر گل کو جھٹکا لگا۔

"کیا کہہ رہے ہو فرو!___تم ہوش میں تو ہو؟" امی استعجاب سے اُس کی طرف بڑھیں۔

"آپ کو میرے لئے اتنی دُور سے لڑکی لانے کی کیا ضرورت ہے___کیا کوئی قریب قریب نظر نہیں آئی؟" وہ یہ کہتے ہوئے اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گیا۔

"ہائے فروان!___یہ کیا کہہ رہے ہو؟" سحر گل نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔اُسے اُس کی دماغی حالت پر شک سا گزرا۔کہاں وہ اشارا کے قصیدے پڑھتے نہ تھکتا تھا،اُس کی آنکھوں کی چمک اور لبوں کی مسکراہٹ سحر گل سے چھپی تو نہ تھی۔اور پھر وہ ذو معنی جملے۔یہ سب مذاق تو ہر گز نہیں تھا۔لاکھ وہ شوخ اور شرارتی تھا مگر اس قدر بھونڈے مذاق کی توقع فروان سے وہ نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں امی!میں اشارا سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" اُس نے بے حد واضح الفاظ میں کہا تو امی کا منہ بن گیا۔

"یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔

"کیا___؟" وہ اچھل پڑا۔"شادی میرا ذاتی مسئلہ ہے۔اور اس میں آپ کی پسند،ہر گز نہیں۔زندگی مجھے گزارنی ہے امی!اور ظاہر ہے میں اپنی پسند کو اولیت دوں گا۔یہ کوئی کھیل تو نہیں ہے۔" وہ خطرناک حد تک سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں___میں بھی یہی کہتی ہوں کہ یہ کوئی کھیل نہیں ہے۔میں شاہ خانم سے بات کر چکی ہوں۔اور انہیں یقیناً کوئی انکار نہیں ہو گا۔تم چاہتے ہو میں بات چھیڑ کر اب خود پہلو تہی کروں۔ہر گز نہیں۔"

"تو آپ نے مجھ سے اس وقت کیوں نہیں پوچھا؟___مجھ سے بلا اجازت رشتہ کی بات کیوں چھیڑ دی؟" وہ برہم سا صوفے سے کھڑا ہو گیا اور امی کو شاک لگا۔

"تم۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔۔فروان!تم بھی زمان کی طرح اب الجھ رہے ہو جب تیر کمان سے نکل گیا ہے___مجھے اپنی ہی نند کے سامنے رُسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہو؟" وہ صوفے پر ڈھے گئیں۔

فروان کا تنا تنا چہرہ اور آنکھوں میں جھلکتی پتھر ضد اُنہیں اندر ہی اندر سے دہلا گئی۔

اُن کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ فروان بھی زمان کی طرح اُسی کے رنگ میں کھڑا ہو گا۔وہی انداز،وہی پتھریلا لہجہ___یاالٰہی!

"امی___امی!آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں بھی زمان کی طرح اپنے قیمتی جواں سات سال اسی انداز میں گزار دوں___سرد رویوں اور منجمد جذبوں کے ساتھ؟___اور شاردا بھابی کی طرح بے قصور ہوتے ہوئے بھی اشارا سراسر قصور وار ٹھہرائی جائے؟___وہ بھی وہی دُکھ اُٹھائے جو ماہی آپی اور شاردا بھابی نے اُٹھائے

ایک مرد کے ہاتھوں؟""

فروان کی آنکھوں میں گہری یاسیت سمٹ آئی۔ بہر کیف اس دکھ سے کہیں زیادہ اشارا کو پالینے کا دکھ ہوتا اُسے۔ وہ اُس کی تھی ہی کب۔ اُس کا دل جب کسی اور کے نام پر دھڑکتا ہو تو وہ محض جسمانی طور پر اُسے پا بھی لے تو نا آسودہ ہی رہے گا۔

اُس نے بے چینی سے انگلیاں مسلتے ہوئے امی کو دیکھا جو ناگوار نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ اچانک کھڑی ہو گئیں۔

"اشارا کو ناپسند کرنے کا جواز کیا ہے؟" انہوں نے سیدھا فروان کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ پلکیں جھکانے پر مجبور ہو گیا۔

"جو شخص ناپسند نہ ہو، ضروری نہیں کہ وہ پسند ہی ہو۔ بس میں اُسے اپنی کزن سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ نہیں۔" اُس کا لہجہ قطعی تھا۔

"ایسی بے معنی باتیں مت کرو مجھ سے۔ میں جانتی ہوں تمہارے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں۔ اور کان کھول کر سن لو ___ اشارا ہی میری بہو بنے گی۔ اور میں شاہ خانم سے بات چھیڑ چکی ہوں۔ اور میرا یہ فیصلہ پتھر کی لکیر سمجھ لو۔" امی کا لہجہ از حد تلخ اور مضبوط تھا۔ وہ رُکیں نہیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

فروان نے بے چارگی سے اُنہیں جاتے دیکھا اور پھر لبوں کو دانتوں میں جکڑ لیا۔

"فرو! یہ تم یکایک اتنی بدلی بدلی باتیں کیوں کر رہے ہو؟" سحر گل اُس کی طرف بڑھی۔ امی کی موجودگی میں وہ فون اسٹینڈ کے پاس دبکی کھڑی ہوئی تھی۔ فروان کی باتوں سے اُس کے اعصاب کو جھٹکا سا لگا تھا۔

"سحر! میں اشارا کو منافقت کی زندگی گزارتے نہیں دیکھ سکتا۔ نہ ہی اتنا وسیع القلب اور اعلیٰ ظرف ہوں کہ کسی ایسی لڑکی کا شوہر کہلاؤں جو اپنے دل میں کوئی نرم اور روایتی جذبے نہ لا سکے۔" وہ بے حد سنجیدگی سے بولا اور سحر گل کو حیران چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اُف خدایا!" سحر گل نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کر کے خود کو سنبھالا۔ وہ اتنی کم فہم یا سادہ لوح ہر گز نہ تھی کہ فروان کے جملوں سے اُس کا مفہوم اخذ نہ کر پاتی۔ تو کیا اشارا کسی اور کو پسند کرتی ہے؟" اُس نے بے حد تحیر سے سوچا۔

مہروز خان کو گل بی بی نے خصوصی طور پر بلوایا تھا۔ وہ زمینوں سے واپسی پر گل بی بی ہی کی طرف چلے آئے۔ بہن کی شادی کے بعد صبغت خان کا مزاج بھی یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔ انہوں نے مہروزان کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور خاصی آئو بھگت کی۔

"آپ تو بڑے لوگ ہیں ___ کبھی کبھار غریب خانے پر تشریف لاتے ہیں۔" صبغت خان کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ مگر اُن کا انداز جارحانہ نہیں بلکہ شگفتہ تھا۔ مہروز خان مسکرا کر رہ گئے۔ وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، پھر اپنے کام پر چلے گئے۔ تب گل بی بی بھائی کے پاس آبیٹھیں۔

"شاندانہ کیسی ہے ___ خیریت سے تو ہے؟" مہروز خان نے پوچھا۔

"ہاں، اللہ کا فضل ہے۔ اور پھر دن ہی کتنے ہوئے ہیں اُسے رخصت ہوئے۔" گل بی بی نے ان کے سامنے گرم گرم قہوہ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر حور مینا کو آواز دینے لگی۔

"مینا! جائو باورچی خانے میں ٹرے رکھی ہے، وہ لے آئو۔"

"ارے، ارے ___ گل! کچھ تکلف مت کرنا بھئی۔" مہروز خان جلدی سے بولے۔

"شاندانہ کا باپ دے گیا ہے چیزیں۔ اُن کے مزاج کی تو آپ کو خبر ہے، جلدی برا مان جاتے ہیں۔" گل بی بی مسکرائیں اور پھر حور مینا کے ہاتھ سے لوازمات سے سجی ٹرے لے کر مہروز خان کے سامنے رکھ دی۔

"تمہارے شہر کے مہمان چلے گئے؟"

"ہاں ___ بس نند کی بیٹی ہشمینہ ہے۔ اشارا نے اُسے زبردستی روک لیا ہے اُسے۔ اپنے ساتھ حویلی لے کر گئی ہے۔" گل بی بی نے بتایا۔ "مہروز لالہ! آپ تو کچھ لے ہی نہیں رہے۔ اگر ٹرے یونہی سجی رہی نا تو شاندانہ کا باپ مجھ پر خفا ہو گا کہ ہم غریبوں کا شاید حویلی والوں کو کچھ پسند نہیں آتا۔" گل بی بی کہہ کر مسکرائیں۔ مہروز خان بھی ہنس دیئے۔

"کیسی باتیں کرتی ہو گل! ___ اچھا، تم نے مجھے بلوایا تھا۔ کیا کوئی خاص بات ہے یا بس یہ ٹرے خالی کرنے کے لئے ہی بلایا تھا؟" مہروز خان نے کہا تو گل بی بی گہری سوچ میں کھو گئیں۔

وہ الفاظ تلاش کرنے لگیں کہ بات کا آغاز کس طرح کریں۔ کل ذولین نے اُن سے جو کچھ کہا تھا وہ اُن کے لئے بے پایاں خوشی کا باعث تھا۔ مگر کیا خبر مہروز خان اسے کس رنگ میں لیں۔ اور پھر بات صرف مہروز خان تک تو ختم نہیں ہوتی، شاہ خانم کا کردار ہر فیصلہ میں بھرپور ہوتا تھا۔

انہوں نے متفکر سی نظر مہروز خان پر ڈالی۔

"کیا بات ہے گل! تم کچھ پریشان ہو؟" مہروز خان کو اُن کی خاموشی پر کچھ تشویش ہوئی۔

"بس لالہ! بات میری تو نہیں، مگر ایک طرح سے میری ہی ہے۔" گل بی بی جیسے خود سے بولیں اور پھر سوچ کر کہنے لگیں۔ "ذولین، فیروز لالہ کی نشانی ہے ___ اور میں جانتی ہوں کہ وہ تمہیں بے حد عزیز ہے۔ اشمل سے بھی زیادہ۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"کک ۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا ذولین کو؟" مہروز خان اُن کی ادھوری بات پر گھبرا گئے۔ یہ حقیقت تھی کہ ذولین ان کے خون میں بس رہا تھا۔ انہیں بے حد عزیز تھا۔

"نہیں لالہ! سب خیریت ہے۔" گل بی بی جلدی سے بولیں۔ "دراصل بات یہ ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ ذولین کی شادی اشارا سے ___ میرا مطلب ہے کہ ۔۔۔۔۔۔"

"گل ۔۔۔۔۔۔" مہروز خان نے اُس کی بات کاٹ دی اور سر جھکا کر بے چینی سے قہوہ کی پیالی پر انگلیاں پھیرنے لگے۔

"کیوں ۔۔۔۔۔ کیا تمہیں انکار ہو گا؟" گل بی بی کا دل لرزا۔

"بات میرے انکار کی نہیں ___ اور پھر یہ تو تمہاری خواہش ہے گل! وہ مجھے بے حد عزیز ہے۔ اس سے مجھے کبھی بھی انکار نہیں۔ لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ میں اس سے اپنی محبت کے بدلے یہ فیصلہ اس پر مسلط کر دوں۔ وہ عاقل بالغ ہے ___ اُسے پورا اختیار ہے۔ اور وہ اس معاملے میں بھی آزاد ہے۔"

"مہروز لالہ! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" گل بی بی زور سے ہنس دیں۔ اُن کے حلق میں اٹکی سانسیں پھر سے رواں ہو گئیں۔ انہوں نے ایک نظر مہروز خان پر ڈالی اور پھر آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"یہ صرف میری خواہش ہی نہیں، خود ذولین کی بھی یہی خواہش ہے۔ اُس نے مجھ سے خود کہا ہے کہ وہ اشارا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور کہا کہ میں اس سلسلے میں آپ سے بات کروں۔"

"کیا ___ ذولین نے تم سے یہ کہا ہے؟" مہروز خان بے یقینی کی سی کیفیت میں گل بی بی کو دیکھتے رہ گئے ___ بات صرف رشتے ہی کی نہیں، ذولین کی پسند کی بھی ہو رہی تھی۔

"ہاں ___ اور سچ پوچھو تو مہروز لالہ! ذولین تو ہیرا ہے۔ سچا ہیرا ___ اور پھر ہمارا اپنا خون ہے۔ اُس نے خود اشارا کا ہاتھ مانگا ہے۔ پہلی بار ہی تو اُس نے کچھ مانگا ہے۔ اُسے مایوس مت کرنا لالہ! ___ اُسے عزت بخشنا۔" گل بی بی کی آواز بھاری ہو گئی۔

ذولین کی خاطر تو وہ مہروز خان سے لڑ کر بھی اُس کی خواہش کا دم بھرنے کو تیار تھیں۔ کتنے چائو سے اُس نے کہا تھا ___ "گل بی بی! میں اشارا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میں اس قابل ہوں؟" اس لمحے اُس کی سبز آنکھوں میں کتنے ہیرے دمک رہے تھے۔ لبوں پر کتنی دلفریب مسکراہٹ سجی تھی۔ اور انہوں نے پیار سے اس کی فراخ پیشانی چوم لی تھی اور اسی لمحے سوچ لیا تھا کہ وہ اُس کی آنکھوں میں دمکتے یہ سپنے بکھرنے نہیں دیں گی۔

اُدھر مہروز خان کے دل میں اس نرم جملے نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی جو بیک وقت انہیں سرشار بھی کر گئی اور ملول بھی۔ گل سچ ہی تو کہہ رہی تھی کہ اتنے برس گزر گئے، اس بن ماں باپ کے بچے نے اُن سے کچھ بھی تو نہیں مانگا تھا۔ محبت اور توجہ بھی نہیں۔ وہ تو خود ہی محبت لٹاتے آئے تھے اُس پر۔

کتنا صابر تھا وہ ___ اور وہ کتنے لاپرواہ ہو گئے تھے اُس سے ___ اتنا توانا جوان ہو گیا تھا ___ اور ابھی تک اُس کی شادی کا سوچا تک نہ تھا۔ شاہ خانم، اشمل کی شادی کے لئے کتنی بے چین تھیں۔ ماں تھیں اسی لئے جوان اولاد کی خوشیاں اور دُکھ نظر میں رکھتی تھیں۔ مگر ذولین؟

'نجانے میں نے اپنی ذمہ داری میں کہاں کہاں کوتاہیاں کی ہوں گی ___ کہاں کہاں ناانصافی کا مرتکب ہوا ہوں گا ___' یہ خیال، یہ احساس اُن کے خون میں اب بھی سلگ رہا تھا۔

"تم نے کوئی جواب نہیں دیا لالہ!" گل بی بی دھیرے سے بولیں۔

"آں ۔۔۔۔۔۔ ہاں ۔۔۔۔۔۔ کیا جواب دوں گل! ایسی خوشی، ایسا سرور تو دل نے کبھی محسوس نہیں کیا ___

یوں لگ رہا ہے جیسے سینکڑوں پھول میرے قلب میں مہک اُٹھے ہوں۔ میرے بیٹے نے مجھے بے پناہ مسرور کر دیا ہے ___ یہ صرف اُس کی خواہش تو نہیں، یہ تو میری تمنا تھی۔" مارے خوشی کے ان کی آواز کانپ رہی تھی اور آنکھوں میں ڈھیر سارے جگنو چمکنے لگے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

"ارے ___ آپ بیٹھئے تو۔" گل بی بی انہیں اٹھتا دیکھ کر بولیں۔

"نہ ___ اب تو بیٹھا بھی نہیں جا رہا۔" وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

"میں ذولین سے کیا کہوں لالہ؟" گل بی بی بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ مہروز خان رُکے، پلٹے اور مبہم سے مسکرائے۔

"تو کیا اب بھی میرے کچھ کہنے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟" گل بی بی مسکرا دیں۔ اور پھر ان کے قریب آ کر بولیں۔

"میں جانتی تھی ___ میرا دل کہتا تھا کہ آپ کا جواب اقرار میں ہی ہو گا۔ آپ ذولین کے پیام کو ہرگز نہیں ٹھکرائیں گے ___ مگر لالہ! ___ شاہے تو یہ برداشت نہ کر پائے گی۔" انہوں نے اپنے دل میں دھڑکتے خدشے کو زبان دے دی تو مہروز خان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اُن کا چہرہ تن گیا۔

"اشارا میری بیٹی ہے۔ اُس پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا شاہے کا ___ اور آج تک اس نے جو چاہا وہی کیا ہے ۔۔۔۔۔۔ اب کچھ فیصلے اسے میرے بھی قبول کرنے ہوں گے۔" وہ یہ کہہ کر سرعت سے باہر نکل گئے۔

گل بی بی کے گھر سے وہ سیدھے حویلی میں آ گئے۔ مگر رہائشی حصے کی طرف جانے کی بجائے ان کے قدم انیکسی کی طرف اُٹھ رہے تھے۔

حویلی کے بیرونی حصے اور لان کی بتیوں نے پوری حویلی کو جگمگا دیا تھا۔ ڈھلتی شام سے ہی حویلی کو روشنیوں سے نہلا دینے کا حکم شاہ خانم کا تھا۔

انیکسی کے کوریڈور کا بڑا سا بلب بھی روشن تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ذولین انیکسی میں موجود تھا۔ وہ اتنی مدت بعد انیکسی کی طرف آئے تھے، ورنہ ہمیشہ ذولین ہی ان کے پاس آتا تھا، کبھی سلام اور خیریت پوچھنے یا کبھی کسی ضروری کام کے سلسلے میں وہ رہائشی حصے کی طرف آتا تھا۔ ورنہ ان دونوں کی ملاقات زمینوں پر ہی ہوتی تھی۔ اُن کے قدم تیزی سے اُٹھ رہے تھے۔

اپنے بیڈ روم سے نکلتے ہوئے ذولین ٹھٹک گیا۔

"چچا خان۔۔۔۔۔۔۔آ۔۔۔۔۔۔۔آپ یہاں۔۔۔۔۔۔۔" اُس کی آنکھوں میں تحیر آمیز بے یقینی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔کیا بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟" مہروز خان مسکرائے تو وہ جلدی سے سنبھل گیا۔

"آں۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔کیوں نہیں۔ پلیز، بیٹھئے نا۔" اُس نے جلدی سے سٹنگ روم کا پردہ کھینچ کر کھولا تھا اور مہروز خان صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تمہاری یہ حیرانگی بجا ہے____کبھی میں یہاں آیا جو نہیں____ہے نا؟" انہوں نے محبت آمیز نظروں سے اُسے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"آپ بیٹھئے____میں آپ کے لئے قہوہ بنا کر لاتا ہوں۔"

"نہیں____کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔" اُسے پلٹتے دیکھ کر مہروز خان صوفے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ذولین! آج میں بہت خوش ہوں۔" انہوں نے ذولین کے مضبوط شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ "تم نے مجھے سرخرو کر دیا ذولین! میرے سارے خدشوں کو تم نے دور کر دیا۔" ان کے لہجے میں تشکر تھا____ذولین نے اشارا کا ہاتھ مانگ کر انہیں فخر ہی تو بخش دیا تھا کہ وہ ذولین کی ذمہ داری سنبھالنے میں کامیاب رہے ہیں____وہ اُن سے،

اُن کے خاندان سے خائف ہر گز نہیں ہے۔ اب ایک نیا رشتہ جوڑنا چاہتا ہے، اپنی خوشی سے۔

"میں سمجھا نہیں چچا خان!" وہ ابھی تک حیران تھا۔

اُن کا انیکسی میں آنا۔

اُن کی آنکھوں کی جگمگاہٹ۔

اب یہ جملے____

یہ سب کی سمجھ سے بالا تر تھے۔

"ارے میں نے تو تمہیں پریشان کر دیا۔" مہروز خان اچانک پیچھے ہٹے اور مسکرائے۔ انہوں نے بروقت خود کو سنبھالا۔

"جائو، قہوہ بنا لائو____آج میں تمہارے پاس بہت دیر تک بیٹھ کر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے پُر سکون انداز میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔ اور ذولین ان کے حکم کی بجاآوری کے لئے تیزی سے کچن کی سمت بڑھا۔ مگر پھر رک گیا۔ احمد جان تو اس وقت تھا نہیں۔ رات کا کھانا تیار کر کے وہ آج جلدی ہی چلا گیا تھا۔

وہ پلٹا اور باباخان کے پاس آیا۔

"چچا خان! کیا میرے ہاتھ کا بنا قہوہ برداشت کر سکیں گے؟" اُس نے کہا تو مہروز خان ہنس دیئے۔

"ہاں____تمہارے ہاتھ کا ہی پینا چاہتا ہوں۔"

"اوکے۔۔۔۔۔۔" وہ واپس پلٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ قہوہ کے کپ اٹھائے سٹنگ روم میں آ گیا۔

"ان کاموں میں بالکل اناڑی ہوں۔" اُس نے ایک پیالی مہروز خان کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنی نا اہلی کا اعتراف کیا تو مہروز خان ایک شفیق مسکراہٹ سے اُسے دیکھنے لگے اور پھر دھیرے سے بولے۔

"میں گل کے گھر سے سیدھا یہیں آیا ہوں۔"

ذولین ساکت رہ گیا۔ قہوہ کی پیالی جیسے اُس کے لبوں پر چپک گئی ____ "تو پھر گل بی بی نے ضرور ان سے اشتارا کے بارے میں بات کی ہو گی۔ تو کیا ان کی خوشی کا سبب یہی بات ہے؟"

اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ مہروز خان کی طرف دیکھا جو پیالی پر نگاہیں ٹکائے کچھ سوچ رہے تھے۔

وہ دوبارہ اپنی سابقہ حالت میں آگیا اور دھیرے دھیرے قہوہ پینے لگا۔ تب مہروز خان بولے۔

"ذولین بیٹے! مجھے ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ نجانے انصاف بھی کیا ہے کہ نہیں ____ اپنی اولاد سے کم تو تمہیں نہیں چاہا، تمہارا دل میری محبت سے سیر اب بھی ہوا ہو گا کہ نہیں؟" انہوں نے پیالی میز پر رکھ دی۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں چچا خان! آپ ہی تو میرے لئے وہ مضبوط شجر ہیں جس نے مجھے بچپن سے اب تک بے سائبان نہیں ہونے دیا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آپ کے یہ اتنے احسانات کیسے چکاؤں گا؟ ____ مقروض تو میں ہوں آپ کا چچا خان!"

"نہیں۔۔۔۔۔ نہیں ذولین! ____ میرے بچے!" مہروز خان کا دل بھاری ہو گیا۔ "تم نے اشتارا کا ہاتھ مانگا ہے تو اس پر تمہارا ہی حق ہے۔ اشتارا میری بیٹی ہے اور تم میرے بھائی کے بیٹے ____ میرا خون ____ پھر بھلا مجھے کیونکر انکار ہو گا۔"

"چچا خان ____" ذولین ساکت رہ گیا۔

وہ کھڑے ہو گئے۔ اُن کے لبوں پر خود اعتمادی اور یقین سے بھرپور مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

وہ بے تابانہ اُن کی طرف بڑھا اور مہروز خان نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"چچا خان۔۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔۔ آپ نے مجھے۔۔۔۔۔۔" اُس نے بہت کچھ کہنا چاہا۔ تشکر بھرے جملے۔ مگر جذبات کی یورش نے اُس کی قوتِ گویائی جیسے سلب کر لی تھی۔

"تم تو ہمیشہ سے میرے بیٹے ہو۔" بابا خان نے اُس کی کشادہ پیٹھ تھپکی اور اس سے الگ ہو کر محبت سے اسے دیکھا۔

مہروز خان کے یہ جملے مثلِ آبِ حیات تھے جو ذولین خان کی پور پور میں زندگی کا نیا رس گھول گئے۔

اُس سے یہ خوشی سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے یکلخت اُس کے اطراف ڈھیر سارے پھول کھل اُٹھے ہوں ____ ایسے پھول جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اور ان کی خوشبو بالکل مانوس سی تھی۔

اُس کی قسمت کی تحریر چمک اُٹھی تھی۔

آج مہروز خان نے اُس کے سارے اندیشوں کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ اُس کے تمام وہموں اور خوف کی چادر کو کاٹ دیا تھا ____ اب اُس کی آنکھوں کے سامنے روشنی ہی روشنی تھی۔

مہروز خان جا چکے تھے ____ مگر وہ ابھی تک اسی سحر میں کھویا ہوا تھا اور کھویا رہنا چاہتا تھا۔

...☆☆☆...

اُن دونوں نے مکان کے تمام افراد کو اپنی ریوالور کی زد میں لیا ہوا تھا ____

یہ پانچ افراد پر مشتمل گھرانہ ان دونوں اجنبیوں کے ریوالور سے بری طرح خوفزدہ تھا۔ سب سہمے ہوئے دیوار سے لگے کھڑے تھے۔

"اگر کسی نے بھی ہلنے کی یا کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ اُسے گولیوں سے چھلنی کر دوں گا" ریحان پراچہ غرایا۔

"مم۔۔۔۔۔۔ مگر ہمارا قصور۔۔۔۔۔۔؟" آدمی منمنایا۔

"تم لوگ اگر ہمارا بھرپور ساتھ دو گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ___ ہمیں بس تھوڑی دیر یہاں ٹھہرنا ہے۔ پولیس کہیں اور نکل جائے گی تو ہم بھی چلے جائیں گے۔" یاور نے کہا اور پھر ریحان کی طرف دیکھا۔

"میرے خیال میں پولیس کہیں دوسری طرف نکل گئی ہے۔" اُس نے کہا تو ریحان کھڑکی کی طرف بڑھا اور باہر کا جائزہ لیا۔ اُسے کچھ نظر نہ آیا تو جیسے اُس کی اٹکی سانسیں بحال ہوئیں۔ اُس کا ریوالور والا ہاتھ پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ وہ پلٹا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ___ پولیس شاید آگے نکل گئی ہے۔" وہ چلتا ہوا اس کے پاس آگیا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔" یاور اُس سے باتیں کرتے ہوئے بھی ان پانچ نفوس سے غافل ہرگز نہیں تھا۔ مگر وہ کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھا۔

"ایسا کرو تم سب اس کمرے میں چلے جاؤ۔" اُس نے ایک کمرے کے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"کک۔۔۔۔۔۔ کیوں جی؟" عورت روہانسی تو پہلے ہی تھی، اب رو دی۔

"اوہو۔۔۔۔۔۔ جو کہہ رہے ہیں وہ کرو۔" ریحان دہاڑا۔ اور پھر ان سب کو کمرے میں دھکیل دیا اور باہر سے کنڈا لگا

دیا۔

"اب ___"

"اب کچھ سوچنا ہے ___ یعنی آگے کا لائحہ عمل۔"

"یاور۔۔۔۔۔۔ یاور! اس طرح آخر کب تک۔۔۔۔۔۔؟" ریحان جھنجلا گیا اور سامنے رکھی ٹوٹی ہوئی میز کو پیروں سے دُور اُچھال دیا۔

"یار ___ تم تو بالکل ناکارہ ہو ___ صبر میرے شہزادے! ___ یہ آگ کا کھیل ایسا ہی ہوتا ہے۔ صرف اس کھلونے کو چلانا کوئی کام نہیں۔" یاور نے ریوالور کو اچھالا۔ وہ اُس کی بے بسی پر کھل کر ہنس رہا تھا۔ پھر وہ اسی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ "اب مل کر ہی کوئی حل سوچیں گے۔" اُس نے یہ کہہ کر کھڑکی کا کپاٹ کھول دیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے دہشت سے پیچھے ہٹا۔

"ری۔۔۔۔۔۔ حان۔۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔۔ پپ۔۔۔۔۔۔ پپ۔۔۔۔۔۔ پولیس کے گھیرے میں ہیں۔" اُس کی کپکپاتی آواز اُبھری جو ریحان کو دہلا گئی۔

"کک۔۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔۔؟"

"ہاں۔" اُس نے جلدی سے کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے۔ "اس مکان کے چاروں طرف پولیس ہے۔" وہ پلٹ کر ریحان کے پاس آیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف بھرا تھا۔ "ریحان!۔۔۔۔۔۔ یہ بہت برا ہوا۔۔۔۔۔۔"

اسی لمحے لاؤڈ اسپیکر پر بھاری آواز گونجی۔

"تم دونوں اپنے ہتھیار پھینک کر خود کو پولیس کے حوالے کر دو ___ پولیس تمہیں چاروں طرف سے گھیر چکی

ہے۔اس لئے اب تمہاری کوئی کوشش بے کار ہوگی۔" یہ جملہ بار بار دہرایا جارہا تھا ___ اور وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے تھے۔ پھر یاور بولا۔

"یار ریحان! اب خود کو پولیس کے حوالے کردینا ہی بہتر ہے۔" اُس نے یہ کہہ کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اُس کا ریوالور والا ہاتھ لٹک گیا۔

"نہیں ___ نہیں ___" ریحان چلایا۔ اُس کی آواز میں غراہٹ تھی۔ "ہرگز نہیں۔"

"کیا۔۔۔۔ کیا کروگے اب تم۔۔۔۔۔؟" یاور کو اُس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔

"فرار ___" اُس نے بدستور اسی انداز میں کہا تو یاور بے بسی سے ہنسنے لگا۔

"فرار ___ کس سے فرار؟ ___ پولیس چاروں طرف کھڑی ہے۔ اب کوئی راستہ نہیں ہے فرار کا۔"

"تو پھر اس طرح ہتھیار پھینک کر خود کو پولیس کے حوالے کردینا گویا موت کو گلے لگانا ہی ہوا۔"

"نہیں ___ ہوسکتا ہے مقدمے میں کوئی بات بن جائے۔"

"نہیں۔۔۔۔۔۔ میں محسوس کررہا ہوں اب آگے کوئی چانس نہیں۔ پاپا اگر کچھ کرسکتے تو اس وقت پولیس ہمارے تعاقب میں یوں بھیڑیوں کی طرح نہ نکلتی۔" اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا ___ وہ چند لمحے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ پھر اچانک کھڑکی کی سمت بھاگا۔

"ریحان!۔۔۔۔۔ یہ کیا کررہے ہو؟" یاور اُس کے ارادوں کو بھانپ گیا۔ مگر اس اثناء میں وہ کھڑکی سے چھلانگ لگا چکا تھا اور ساتھ ہی اپنے ریوالور سے فائرنگ کرتے ہوئے دوڑ لگادی۔ اور پھر یکایک پولیس کی طرف سے جوابی فائرنگ ہونے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔۔۔۔" یاور نے خوفزدہ ہوکر کھڑکی پر سر ٹکا کر جیسے اس اندوہناک منظر سے بچنے کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ "یہ۔۔۔۔۔۔ یہ بہت برا کیا ریحان تم نے۔" اُس کے سارے بدن پر کپکپی طاری ہونے لگی۔

"یہی بہرحال ہونا تھا۔" ڈی ایس پی منظور احمد کی آواز گونجی تو وہ پلٹا۔ "یہ ہتھیار پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کردو۔"

یاور نے ریوالور ڈی ایس پی کی طرف اُچھال دیا۔ "اب اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے انسپکٹر!" اُس کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

"بدی کا انجام یہی ہوتا ہے ___ دیر سویر ___ بدلہ ضرور ملتا ہے مسٹر یاور! ___ بزدل ہو یا بہادر، مجرم بہرحال کبھی نہ کبھی سزا ضرور پاتا ہے۔ اپنی بہادری اور چالاکی کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ چند ماہ یا چند سال قانون کی آنکھوں میں دُھول جھونک سکتا ہے مگر۔۔۔۔۔۔"

"وہ۔۔۔۔۔۔ ریحان۔۔۔۔۔۔" یاور نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"وہی ہوا، جو ایک نادان دہشت گرد کا انجام ہوتا ہے۔"

"کیا ___" یاور اُچھلا۔ اُس کی سمجھ میں قطعی کچھ نہیں آیا۔

سپاہی اُس کے ہتھکڑی لگا کر باہر لے آیا۔ تب یاور کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

خون سے لت پت ریحان کو پولیس کے سپاہی اُٹھائے جیپ میں ڈال رہے تھے۔

...☆☆☆...

شاہ خانم کی نگاہیں بار بار پھیل کر ثمینہ کے چہرے پر اُٹھ جاتیں اور کتنی ہی دیر وہ بغیر پلکیں جھپکے اُسے تکے جاتیں۔

اُن کی بھوری بھوری آنکھوں میں نامانوس سے رنگ چمکتے، پھر معدوم ہو جاتے۔

پیازی رنگ کے سوٹ میں دمکتی رنگت، سیاہ دراز چوٹی جو آگے جھول رہی تھی، ستواں ناک میں سرخ نگوں والی کیل ____ وہ اس قدر دلکش لگ رہی تھی یا انہیں محسوس ہو رہی تھی۔

اور ادھر ہشمینہ، شاہ خانم کی نگاہوں کی محویت سے کبھی کبھار گھبرا جاتی۔ اشتارا اُسے زبردستی اپنے ہمراہ حویلی لائی تھی۔ وہ واپس شہر جانے والی تھی اور اشتارا اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اُسے اب ہشمینہ، اشمل کے حوالے سے اور بھی اپنے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

وہ دونوں کبھی کمرے میں بیٹھ کر ہنسی مذاق کرتیں، کبھی سٹنگ روم کے صوفے پر ٹِک جاتیں تو کبھی باتیں کرتی ہوئی بغلی لان میں نکل جاتیں۔

شام ڈھلنے لگی۔ تب صبغت خان آئے تھے۔ ہشمینہ کو بلایا۔ تب وہ شاہ خانم سے پہلی بار مخاطب ہوئی۔

''اچھا آنٹی! اب میں جاؤں گی۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے شاہ خانم کی آنکھوں کو غور سے دیکھا جو بالکل اشمل کی آنکھوں سے مشابہہ تھیں

''شہر چلی جاؤ گی؟'' شاہ خانم نے پوچھا۔

''جی۔''

''کیوں ____ اتنی جلدی؟'' شاہ خانم سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گئیں ____ وہ گل بی بی سے تعلق رکھنے کے باوجود انہیں اچھی لگی تھی ____ وہ بہت متانت سے اس سے بات کر رہی تھیں۔

''بس ____ بہت رہ لیا۔'' وہ ہنسی۔ ''اب تو شان بھی چلی گئی ہے۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

''وادی میں شاندانہ سے زیادہ بھی ایک اہم شخصیت ہے۔'' اشتارا آہستگی سے بولی اور پھر ہنسنے لگی۔ وہ جھینپ گئی۔ اور اس کے ساتھ باہر آگئی۔

اشتارا اُسے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ اور تب تک کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی جب تک وہ صبغت خان کی جیپ میں بیٹھ کر اُس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

وہ شاندانہ کی شادی کے بعد بالکل تنہا سی ہو گئی تھی۔ اشمل بھی اپنی رونقوں سمیت چلا گیا تھا اور شاندانہ بھی پرائی ہو گئی تھی۔ اور سچ تو یہ تھا کہ اب اُسے ذولین سے بھی شرم آتی۔ اُس کی نگاہوں کی والہانہ چمک اُس کے حواس کو منتشر کر ڈالتی۔

وہ واپس آئی تو ٹھٹک گئی۔ باباخان انیکسی سے نکل کر رہائشی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ذولین انیکسی کے کوریڈور میں کھڑا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ باباخان انیکسی میں ذولین کے پاس گئے تھے ____ کیوں؟ ____ اُس کی یہ حیرانگی فطری عمل تھا۔ کیونکہ مہروز خان کو طویل عرصہ ہو چکا تھا خود انیکسی میں گئے ہوئے۔

اُسے دیکھ کر ذولین کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ ریلنگ پر ہتھیلیاں ٹکائے اب بغور اسی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ اچانک پلٹی۔ باباخان اُس کے قریب سے گزر کر اندر بڑھ گئے تھے ____ اُن کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی اور وہ کسی خوشی میں مگن تھے۔

رات کے کھانے کے بعد شاہ خانم اپنے کمرے میں تھیں اور اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

مہروز خان نے انہیں غور سے دیکھا۔ وہ کسی حد تک تروتازہ اور خوش رنگ موڈ میں تھیں۔

"خیریت تو ہے؟" شاہ خانم چونکیں۔مہروز خان کی نگاہیں مسلسل انہی پر مرکوز تھیں۔

"کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

"ہاں کہئے، کیا کوئی اہم بات ہے؟"

"ہوں___ہاں، بہت اہم۔" مہروز خان مسکرائے پھر اُٹھ کر دروازہ کا پٹ کھول کر ایک نظر لان کے جامد سناٹے پر ڈالی۔

"شاہ ہے! اس وسیع کائنات میں انسان ہی وہ خوش نصیب مخلوق ہے جو محبت جیسے جذبے سے آشنا ہے۔اسے سمجھتا اور حاصل کرکے دل روشن رکھتا ہے۔ محبت ہر روپ، ہر رشتے میں خوبصورت ہے___ہے نا؟" انہوں نے شاہ خانم کو دیکھا جو حیران نظروں سے انہیں ہی تک رہی تھیں۔

"کیا بات ہے___آپ کو آج اپنی جوانی یاد آرہی ہے___یہ محبت پر بے لاگ تبصرہ۔" وہ ہنسیں تو مہروز خان کے لب وا ہوئے، پھر باہم جڑ گئے۔

"جوانی نہیں___ہاں، وہ بیتے دن ضرور یاد آرہے ہیں۔آج فیروز لالہ بہت شدت سے یاد آرہے ہیں شاہ ہے!" ان کی آواز بوجھل ہوگئی۔

فیروز خان کے نام پر شاہ خانم کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔انہوں نے خود کو سنبھالے رکھا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے تھے مجھ سے کچھ باتیں۔"

"ہاں شاہ بانو!___آج میں اپنا ایک فیصلہ تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔میں ذولین سے اپنی محبت اور اپنے رشتے کو اور بھی مضبوط کررہا ہوں___میں اشتارا سے اُس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اُن کا لہجہ بے حد پُرسکون تھا۔

مہروز خان کا جملہ شاہ خانم کے لئے دھماکہ سے کم نہ تھا___

انہیں لگا جیسے ان کے بے حد قریب کوئی بم بلاسٹ ہوا تھا___اور وہ کتنے ہی ثانیے اپنی جگہ سُن سی کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بے بہرہ ہوگئی تھیں۔

"وہ فیروز لالہ کی نشانی ہے___میرا خون ہے۔اور پھر اشتارا کے لئے بھی ہر لحاظ سے قابل ہے۔اب کسی تردّد کی گنجائش نہیں نکلتی۔"

مہروز خان نے کھڑکی کا پردہ گرادیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔۔۔۔یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔" وہ یکدم ہوش میں آکر سخت برہمی کے ساتھ اپنی کرسی سے کھڑی ہوگئی تھیں۔

مہروز خان نے انہیں دیکھا مگر ان کے جملہ نے انہیں قطعی حیران، پریشان نہیں کیا تھا۔وہ جانتے تھے شاہ ہے اس فیصلے کو قطعی قبول نہیں کرے گی۔ان کا رویہ اس سلسلے میں منفی ہی ہوگا۔ مگر اب وہ اپنے سارے اختیارات استعمال کرنا چاہتے تھے۔

"آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اشتارا کا رشتہ فروان سے طے کرچکی ہوں۔اور ذولین سے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ ہنوز اسی برہمی سے گویا ہوئیں تو مہروز خان کا چہرہ تن گیا۔

"ذولین سے تمہاری یہ خود ساختہ نفرت میرے فیصلوں میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی۔اس اندھی نفرت نے تمہارے ذہن کو مسخ کردیا ہے___تمہارے پاس سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں نہیں رہیں۔"

"مہروز خان!" شاہ خانم بھڑک اُٹھیں۔

"فروان اشتارا سے ایک سال چھوٹا ہے___اور پھر اَن میچورڈ۔ ابھی اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہے۔ محض تمہارے بھائی کی اولاد ہے، اس لئے تم نے آنکھیں بند کر کے سارے فیصلے اُس کے حق میں دے دیئے___نہیں شاہ بیگم! میری نرمی کا ناجائز فائدہ تم نے بہت اٹھالیا۔ سارے رشتوں کو تم نے نفرت کی بھٹی میں جھونک رکھا ہے۔ اب یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ اب میں جو چاہوں گا وہی ہوگا۔" مہروز خان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

شاہ خانم کی رگوں میں انگارے دوڑنے لگے۔

"تم یہ قدم میرے جیتے جی نہیں اٹھا سکتے___میری زندگی اب اس عمر میں کسی انقلاب سے دوچار نہیں ہونا چاہتی۔" وہ مہروز خان کے پیچھے لپکیں۔

اشتارا اپنے کمرے سے تیزی سے باہر نکلی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ باباخان کے کمرے سے باباخان کی اتنی بلند اور تیز آواز اُبھری تھی۔ نہ صرف ان کی بلکہ شاہ خانم بھی تیز تیز بول رہی تھیں۔ اُس کا دل دہل گیا۔ "خدایا! اب کون سا نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے؟" اُس نے لمبی راہداری عبور کی کہ زیبل اُس کے سامنے آگئی

"خان زادی! اپنے کمرے میں چلی آئو۔" زیبل نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کک۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا زیبی؟___یہ شور کیسا ہے؟ باباخان کس پر خفا ہو رہے ہیں؟ کک۔۔۔۔۔۔ کہیں مجھ سے تو کوئی غلطی___؟" اُس کا چڑیا جتنا دل دھک دھک کرنے لگا۔

اب سٹنگ رُوم سے آوازیں آرہی تھیں۔ شاہ خانم، مہروز خان کے پیچھے سٹنگ روم میں آئی تھیں۔

زیبل، اشتارا کو واپس کمرے میں لے آئی۔

"وہی ہوا ہے خان زادی! جو ایک دن ہونا تھا۔" اُس نے اشتارا کو دیکھا جو سخت خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ اُس کی سنہری آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی تھی۔ زیبل نے آگے بڑھ کر اُسے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔

"تمہاری اور ذولین خان کی شادی کا مسئلہ۔" زیبل نے دھیرے سے کہا۔ "میں نے کچھ سنا تو نہیں مگر اتنا اندازہ ہو گیا ہے، مہروز خان تمہاری شادی ذولین سے کرنا چاہتے ہیں اور شاہ خانم مخالف ہیں۔"

وہ دم بخود رہ گئی۔

"ذ ذ۔۔۔۔۔۔ ذ۔۔۔۔۔۔۔ باباخان ذولین سے؟" اُس کے لب کپکپا گئے۔ باباخان اُس کے لئے شاہ خانم سے لڑ رہے تھے۔ اُس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس کی حالت غیر ہونے لگی۔

اُسے یکدم یاد آیا، باباخان شام کو انیکسی سے نکل رہے تھے۔

"تو کیا ذولین خان نے اُن سے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے؟___اُف۔' اُس نے اپنے دھڑکتے دل پر بے اختیار ہاتھ رکھ دیا۔

سٹنگ روم میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔ شاہ خانم شاید اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ زیبل اُسے چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ آہستگی سے صوفے سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ تب باباخان کی بھاری آواز نے اُس کے قدم جکڑ لئے۔

"اشتارا! ادھر آئو۔" انہوں نے سٹنگ روم کے دروازے میں کھڑے کھڑے اُسے پکارا تو وہ پلٹی اور جلدی سے ان کے قریب آئی۔

"ادھر آئو___بیٹھو۔" انہوں نے کہا تو اُس نے دھڑکتے دل کو سنبھالا اور جلدی سے صوفے کے کنارے ٹِک گئی۔

مہروز خان اُس کے سامنے بیٹھ گئے۔اُن کی رنگت دمک رہی تھی اور سبز آنکھوں میں غصہ لہرا رہا تھا۔وہ چند ثانیے سر جھکائے کسی خلفشار کا شکار رہے، پھر سر اُٹھا کر اشارا کی طرف دیکھا جو ڈری سہمی بیٹھی تھی۔انہیں بے ساختہ اس بے ضرر لڑکی پر ٹوٹ کر پیار آگیا۔

"ادھر میرے پاس بیٹھو اشارا بیٹے!" ان کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا اور لہجے میں ڈھیر ساری چاشنی گھل گئی۔انہیں اشارا بے حد عزیز تھی۔وہ اُٹھ کر ان کے قریب بیٹھ گئی اور حیرت پاش نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بیٹی! میں جانتا ہوں کہ اس حویلی میں،اس وادی میں بلکہ اس پورے معاشرے میں بیٹیوں کو ان کے تمام حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ تمہیں تمہارے کسی جائز حق سے دستبردار نہیں کرنا چاہتا۔میں نے کبھی نہیں چاہا کہ میں سخت گیر باپ کہلاؤں،غاصب کہلاؤں۔"

"باباخان!" اشارا نے اُن کے ہاتھ پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھ دیا۔"میں نے تو کبھی آپ کو ایسا نہیں سمجھا اور نہ آپ ایسے ہیں۔"

انہوں نے محبت سے اُسے دیکھا۔"ذولین تمہیں کیسا لگتا ہے؟" اُن کا جملہ بالکل اچانک اور اُس کے لئے غیر متوقع تھا۔اُس کے ہاتھ کانپ گئے اور پلکیں جھک گئیں۔

"میں ذولین کی چاہت میں اور نہ اپنی خواہش پر تمہیں قربان کرنا چاہوں گا۔میں جانتا ہوں جذبات میں کئے گئے فیصلے اور جبر کے رشتے بہت ناپائیدار ہوتے ہیں۔بتاؤ بیٹا!____میں تم پر کوئی زبردستی نہیں کروں گا۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو کتنے ہی موتی اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر گرے۔یہ ٹھنڈی چھاؤں اُس کے لئے کس قدر تقویت کا باعث تھی۔اُس نے تو ہمیشہ وادی کے مردوں کو ظالم اور غاصب دیکھا تھا۔ کتنی لڑکیوں کو باپ کے مظالم سے مرتے دیکھا تھا۔زرسانگہ کی موت اُسے یاد تھی۔ صبغت اللہ خان کو گل بی بی پر مظالم ڈھاتے دیکھا تھا۔ مگر کتنی

خوش بخت تھی وہ کہ اُس کے ساتھ یہ سب نہ تھا____اُس کا باپ اُس کے لئے ٹھنڈی چھاؤں تھا۔اُس کی پناہوں میں وہ کتنی مطمئن تھی۔

"باباخان!آپ بہتر سوچ سکتے ہیں میرے لئے۔" اُس کا سر اور بھی جھک گیا۔مہروز خان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اُس کے جملے میں انکار ہر گز نہیں تھا۔شرم تھی،احترام تھا۔

مہروز خان کھڑے ہو گئے۔

"شا ہے ایک ناسمجھ اور کم عقل عورت ہے____اُس نے فیروزلالہ کی نفرت میں خود اپنی زندگی کو تباہ کر ڈالا ہے۔خیر۔" وہ خود سے بڑبڑائے اور پھر سٹنگ روم کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

☆☆☆...

اُس نے نیلے رنگ کا کامدار سوٹ زیب تن کیا تھا۔سحر گل نے اُس کے خوبصورت اور ریشمی بال زبردستی کھول کر پشت پر پھیلا دیئے تھے اور اُس کے نہ،نہ کرنے کے باوجود اُس کا ہلکا میک اپ کر دیا تھا۔شاردا بھابی نے جیولری بھی پہنادی تھی۔اور جب اُس نے نیلا دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر خود کو قدآدم آئینے میں دیکھا تو شرما کر رہ گئی۔ بڑے بڑے ہلکورے لیتے آویزے،ہلکا میک اپ اور چہرے پر تازگی نے اُسے بے انتہا دلکش بنا دیا تھا۔اپنا یہ روپ دیکھ کر وہ خود بھی حیران رہ گئی تھی۔اتنے برسوں کے بعد اُس نے خود کو ڈھنگ سے سنوارا تھا____کلائیوں میں کھنکتی سنہری چوڑیاں،سفید گردن میں طلائی لاکٹ____یہ سب کس قدر دلفریب لگ رہا تھا۔

"بھابی جان! مسعود بھائی گاڑی میں بیٹھ گئے ہیں۔" شاردا بھابی نے اُسے شانوں سے تھام کر بے حد خوبصورت انداز میں بھابی جان کہہ کر مخاطب کیا تو اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار اس گھر سے رخصت ہو کر مسعود شاہ کے ساتھ جانے والی ہے۔دل اپنی ایک الگ لے پر دھڑک رہا تھا۔

امی نے اُس کی پیشانی چوم کر اُسے ڈھیروں دعائیں دیں۔اور جب وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر آئی تو مسعود شاہ فرنٹ ڈور کھولے اُس کا منتظر تھا۔اُسے دیکھ کر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اُس کی آنکھوں کی والہانہ چمک نے ماہ گل کے چہرے پر گلال بھر دیئے۔

برہمی اس کی سدا مجھ کو سزا دیتی رہی

کر چکا تھا وہ اس لطف کا عادی مجھ کو

مسکرا کے وہ کھلے دل سے ملا ہے اب کے

جانے کیا سوچ کر اُس نے یہ سزا دی مجھ کو

اُس کے قریب آنے پر لہک کر شعر پڑھا تو ماہ گل کا چہرہ گرم ہو گیا۔وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور گڈو کو گود میں بٹھا لیا۔

"بڑی نوازش جنابہ!" اُس نے اُس کی طرف کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور پھر گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"ممی!____میری پاپا سے دوستی ہو گئی ہے۔" گڈو نے چھوٹتے ہی نئی اطلاع فراہم کی تو ماہ گل ہنس دی۔

"ہاں بیٹا!اب تو دوستی کرنا آپ کی اور میری مجبوری ٹھہری۔" اُس نے اُسے چھیڑنے کی غرض سے کہا تو مسعود شاہ نے اُسے گھورا۔

"یعنی ابھی تمہارے دماغ کے کچھ اسکرو ڈھیلے ہیں جو مجھے کسنے ہوں گے۔" اس نے کہا تو ماہ گل کھلکھلا کر ہنس دی____اُسے بے تحاشہ ہنسی آرہی تھی۔بات بے بات اس کے لب مسکرا رہے تھے۔دل بے انتہا شانت تھا____مسعود شاہ کا پُرسکون چہرہ،اُس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے رنگ اُس کے لئے کس قدر تقویت کا باعث بن رہے

تھے۔اُس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن کر دیا اور غزل کے خوبصورت بول گاڑی میں گونجنے لگے۔

وہ دل ہی کیا تیرے ملنے کی جو دُعا نہ کرے

میں تجھ کو بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے

رہے گا ساتھ تیرا پیار زندگی بن کر

یہ اور بات میری زندگی وفا نہ کرے

سنا ہے اس کی محبت دعائیں دیتی ہے

جو دل پر چوٹ تو کھائے مگر گلہ نہ کرے

اُس نے سر اُٹھا کر مسعود شاہ کو دیکھا جس کے گداز لبوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔وہ بہت غور سے غزل سن رہا تھا مگر اُس کی طرف سے غافل قطعی نہیں تھا۔

اُس نے آنکھیں موند کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

'مسعود شاہ!تم بالکل نہیں بدلے____تمہیں اب تک یاد ہے کہ میں اس غزل کی دیوانی ہوں۔'

وہ آنکھیں کھول کر مسعود شاہ کو دیکھنے لگی۔اُسے یاد تھا مسعود شاہ غزلیں بہت کم سنتا تھا مگر وہ اُسے زبردستی سنایا کرتی تھی اور وہ اُس کی خاطر سن لیا کرتا تھا۔مگر اب گاڑی میں ان گنت غزلوں کے کیسٹ رکھے ہوئے تھے۔

"مسعود!" اُس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہوں ___" اُس نے پلٹ کر والہانہ نگاہیں اُٹھائیں۔ "ہاں، کہو جانِ مسعود __" اُس نے اُسے خاموش پا کر کہا۔

"کچھ نہیں۔" اُس نے نگاہیں ونڈ اسکرین پر کر لیں۔ اب کیا پوچھے۔ کچھ پوچھے جانے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اُس نے اُسے یاد رکھا تھا، اُس کی پسندیدہ کیسٹوں سے گاڑی سجا رکھی تھی۔ اب لفظوں کی وقعت کیا رہ گئی تھی۔

ڈھیر ساری طمانیت اُس کے اندر اُتر رہی تھی۔

تشنہ نظریں ملیں شوخ نظروں سے جب

مے برسنے لگی جام بھرنے لگے

ساقیا آج تیری ضرورت نہیں

بن پیئے بن پلائے خمار آگیا

مسعود شاہ گنگنا رہا تھا۔ اُس کے انگ انگ سے خوشی چھلک رہی تھی۔

گاڑی گھر کے سامنے رکی تو ماہ گل کے پور پور میں گدگدی سی ہونے لگی۔ میٹھی میٹھی کسک ___ ٹھنڈی ٹھنڈی کسک۔ وہ گڈو کو لے کر نیچے اُتری۔

"یہ ہے ہمارا گھر۔" مسعود شاہ نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ "یاد ہے یا بھول گئیں؟"

"کیسے بھول سکتی ہوں ___ یہاں گزارا ایک ایک پل فلم کی طرح میرے ذہن میں چل رہا ہے۔" ماہ گل کی آواز جذبات کی یورش سے بھاری ہوگئی۔

دروازہ امبر بھابی نے کھولا تھا اور بڑھ کر اُس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ وہ مسعود شاہ کے ہمراہ اندر آگئی۔ سب سے پہلے وہ ساس سے ملی۔ انہوں نے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا اور پھر گڈو کو گود میں بھینچ لیا۔ دونوں جیٹھانیاں مسکرا کر اس سے مل رہی تھیں۔ ماہ گل کو لگا جیسے وہ پہلی بار بیاہ کر اس گھر میں آئی ہو۔ نئی اور شوخ اُمنگیں لے کر۔ اور سب بڑھ کر اُسے نئی زندگی کی مبارکباد دے رہی تھیں۔ کسی کے لبوں پر معنی خیز یا طنز بھری مسکراہٹ نہ تھی۔ کوئی ہمدردی نہیں جتا رہا تھا ___ آج وہ کتنی معتبر ہوگئی تھی۔ اس لئے کہ مسعود شاہ کا مکمل اعتماد اس کے ساتھ تھا۔ اس کی بھرپور چاہت اور توجہ لئے وہ اس کے ہمراہ تھا۔ کوئی خوف اور دھڑکا نہ تھا ___ سارے اندیشے وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

وہ مسعود کے ہمراہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مسعود شاہ نے دروازے کا لاک کھول کر دروازہ پورا کھولا تو خوشبو کا ایک ریلا آیا اور ماہ گل کے سارے وجود کا احاطہ کر لیا۔ اُس کی آنکھیں حیرت اور مسرت سے جھپکنا بھول گئیں ___ پورا کمرہ مشکبار پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ بیڈ کی نیلی چادر پر سرخ سرخ پھول، ڈریسنگ، کرسیاں، میزیں، کھڑکیوں پر لڑیوں کی صورت میں کہ ایسا لگتا تھا جیسے ساری کائنات کے پھول ایک جگہ جمع ہوگئے ہیں۔

وہ مسحور سی اندر بڑھی کہ اچانک ڈھیر سارے پھول اس پر آگرے اور جیسے اُس کا سارا وجود خوشبوؤں میں نہا گیا۔ اُس نے رخ موڑا تو مسعود شاہ اُسے محبت پاش نظروں سے تک رہا تھا۔

"یاد ہے ___ جب میں کبھی تم سے خفا ہو جایا کرتا تھا تو تم مجھ پر اسی طرح پھولوں کی بارش کرتی تھیں۔" اُس نے کہا تو ماہ گل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"تم کہتی تھیں پھول فاصلوں کو مٹا دیں گے۔ خفگی کو خوشبو میں بدل دیں گے۔" وہ اُسے یاد دلا رہا تھا۔ مگر وہ بھلا کیا بھولی تھی۔ اُسے تو ایک ایک بات یاد تھی۔ اُس کی مسرت انتہا کو چھونے لگی۔

"مسعود! تت۔۔۔۔۔۔ تمہیں سب یاد ہے؟" اُس نے فرطِ مسرت سے مغلوب ہو کر پوچھا۔ اُس کی پذیرائی کا یہ

اندازکتنا بھلااور منفرد سا تھا___اُس کی رگوں میں خوشی وانبساط تھرکنے لگی۔

"ہاں___مجھے سب یاد ہے۔اور مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ تم پھران پھولوں کا گجرابنا لیتی تھیں اور میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے پہنادیا کرتا تھااور اس طرح فاصلے بالکل ہی ختم ہو جاتے۔" مسعود شاہ یہ کہتا اُس کے قریب آیا تو وہ سرخ ہو گئی۔

"ابو___" گڈو کی آواز نے مسعود شاہ کے بڑھتے قدم روک لئے۔وہ پلٹا اور لبوں پر خود بخود نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ارے میرا بیٹا۔" اُس نے دروازے پر کھڑے گڈو کو اُٹھالیا۔"مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ ہماری شادی کو اتنا لمبا عرصہ ہو گیا ہے اور کباب میں ایک عدد ہڈی بھی ہے۔"

"کیا۔۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔۔ میرا بیٹا ہڈی ہے؟" ماہ گل نے اُسے دیکھا اور ہنسنے لگی۔

"ارے یہ ہڈی تو میری جان ہے۔" اُس نے خود کو بیڈ پر گرا کر گڈو کو اپنے اوپر بٹھا لیا۔"

"ماہی جان! میں نے اس کمرے کو اور اس کی کسی شے کو بھی کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔بس اوپری اوپری صفائی ہوتی تھی۔میں تمہارے سارے لمس کو کھونے نہیں دینا چاہتا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا اور ماہ گل نے خود کو صوفے پر گرا لیا۔یہ اتنی ڈھیر ساری خوشیاں اُسے سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔مسعود شاہ کے جملے اور یہ سارا ماحول اسے کتنا مغرور بنائے دے رہے تھے۔

فخر اور چاہے جانے کے احساس نے اُسے سرشار کر دیا۔

کتنی مکمل ہو گئی تھی آج اُس کی ذات اور اُس کا گھر۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کوئی دراڑ نہ دلوں میں رہی تھی نہ سوچوں میں۔

"خدایا!___تُو میری اس زندگی کو حسین تر بنائے رکھنا۔معبود! میری ان خوشیوں کو نظرِ بد سے بچانا۔" اُس نے آنکھیں موند کر محبتوں کی ہمیشگی کی دُعائیں مانگ ڈالیں۔اور جب آنکھیں کھولیں تو مسعود شاہ بیڈ پر بیٹھا اُسے والہانہ نگاہوں سے تک رہا تھا۔

...☆☆☆...

جامعہ کی سڑک، لابی، لان ہر جگہ گروپ کی شکل میں کھڑے اسٹوڈنٹس میں یہی خبر کئی دنوں سے گرم تھی کہ پولیس مقابلہ میں ریحان پراچہ مارا گیا۔اشمل کو بھی احسن نے پہلی خبر یہی دی تھی اور وہ کتنی دیر تک ششدر رہا تھا۔

"اُس کے ساتھ یاور بھی تھا۔وہ پکڑا گیا تھا۔" احسن نے اُسے تفصیل بتانی شروع کی۔افتخار اور نعیم جان بھی اسی طرف چلے آئے۔

"اُس نے خود کو گرفتار کیوں نہیں کروایا؟" اشمل کا دل عجیب سے احساسات سے دوچار تھا۔بہر کیف وہ ایک جوان موت تھی۔لاکھ اُس کا مخالف تھا مگر اس زمین، اس ملک کا ایک سپوت تھا۔توانا لڑکا اس طرح موت کے منہ میں چلا جائے تو رنجیدگی ایک فطری عمل تھا۔

"بہت بے وقوف تھا ریحان۔پولیس کے گھیرے میں سے بھاگنے کی کوشش کی۔" افتخار نے بھی اس موضوع میں حصہ لیا۔"اپنے باپ کے اثر و رسوخ سے اس بار وہ شاید مایوس ہو گیا تھا۔ویسے یہ ڈی ایس پی منظور احمد بھی بڑا خرانٹ آدمی ہے۔کہہ رہا تھا، پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔اشمل! وہ واقعی مبارک باد کا مستحق ہے۔"

"ہاں ____" اشمل نے ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے آزاد کی اور پھر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ "احسن! میں ہاسٹل جا رہا ہوں۔" اُس نے احسن کو مخاطب کیا اور دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ احسن اُس کے پیچھے لپکا۔

"خیریت؟"

"احسن! طبیعت میں عجیب بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔ ریحان کی موت صرف ایک دہشت گرد کی موت تو نہیں، ایک بیٹے کی بھی موت ہے۔ اس نے اپنے پیچھے اپنے والدین کو بالکل بکھیر کر رکھ دیا۔ کیا رہ گیا اُس کے والدین کے پاس اب؟"

"یہ تو اس کے والدین کو اس کی پشت پناہی کرتے وقت سوچنا چاہئے تھا۔" احسن اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"ہاں ____ شاہنواز پراچہ جیسے لوگ اپنے اسٹیٹس کا غلط فائدہ اٹھا کر اپنی اولاد کو اس حال پر پہنچا دیتے ہیں ____ اچھی سوچ ہی اچھے معاشرے کو جنم دیتی ہے۔ کاش شاہنواز پراچہ یہ بات سوچ لیتا تو اُس کی سوچ کا انداز بدل جاتا اور ریحان کو اس دلدل میں مزید دھنسانے کی بجائے اُسے نکالنے کی تدبیر کرتا۔" اشمل کو سخت تاسف ہو رہا تھا۔ "یہ بات بہر کیف خوشی کی تو نہیں ہے۔""

"ہاں اشمل! خوشی کی نہ سہی مگر ان دہشت گردوں کو سزا ضرور ملنی چاہئے۔ بے حد سخت۔ دوسروں کی زندگی سے کھیلنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اور ہونا بھی چاہئے۔ تمہیں شہباز کی موت یاد ہے؟" احسن کو اُس کی بات سے اختلاف ہو رہا تھا۔

"یاد ہے ____ اور اُس کی ماں کی حالت بھی یاد ہے۔ اسی لئے تو سوچ رہا ہوں کہ ۔۔۔۔۔۔ خیر۔" اشمل نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اوکے، تم جاؤ اور ریسٹ کرو۔" احسن نے اس کا شانہ تھپکا اور خود دوسری طرف نکل گیا۔

اشمل ہاسٹل کی طرف آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی ماں اپنے بیٹے کی موت کا صدمہ نہ جانے کیسے اور کس طرح سہتی ہو گی ____ اُسے یاد تھا کہ شاہ خانم اس کے آنے پر کس قدر کھل اُٹھتی تھیں اور اس کے واپس یونیورسٹی جانے پر بے حد ملول ہو جاتی تھیں۔

وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔

یہ اضمحلال اس پر پورے دن طاری رہا اور پھر گزرتے دنوں میں دوسری معاشرتی ذمہ داریوں نے اس واقعہ کو اس کے ذہن سے معدوم کر ڈالا۔ وہ یکسوئی سے اپنی پڑھائی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"یار اشمل! تم نے تو میری طرف نگاہ اٹھا کر اب دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔" احسن اس سے شکوہ کناں تھا۔ "تمہیں یاد ہے میرا ناک نقشہ؟"

اُس کی اس غیر سنجیدہ بات پر اشمل نے کتاب سے سر اٹھایا۔

"لگتا ہے اب تم سوچتے بھی صرف ہثمینہ ابرار کے لئے ہو۔" اُس کا جملہ برجستہ تھا۔ اشمل کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

"احسن!" اُس نے خشمگیں نظروں سے اُسے دیکھا۔

"اچھا بابا! معاف ____" احسن نے جلدی سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں تو بھی یہ کہہ رہا تھا کہ تم کچھ میری بھی سن لو، مجھے پھر دیکھ لو، بقول شاعر

ہو سکے تو نگاہ کر لینا ____ تم پر کچھ زور تو ہمارا نہیں۔"

"کیوں، خدانخواستہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"اسے مالیخولیا ہو گیا ہے۔" افتخار کا پیچھے سے قہقہہ بلند ہوا تو احسن پلٹا۔

"تم ضرور ٹپکنا ___ کبھی مجھے اور اشمل کو تنہا نہ بیٹھنے دینا۔"

"ارے واہ ___ تم دونوں کوئی لیلیٰ مجنوں ہو؟" افتخار نے اُسے چڑایا تو احسن نے اُسے گھورا۔

"ہاں، یہی سمجھ لو ___ اور اشمل! میں کیا کہہ رہا تھا؟" وہ پھر اشمل کی طرف گھوم گیا۔ پھر اُسے یاد آگیا، جلدی سے بولا۔ "اشمل یار! میں آج کل بہت خوش ہوں ___ کیا میرے چہرے سے خوشی ظاہر نہیں ہو رہی؟"

"انگ انگ سے ظاہر ہو رہی ہے۔" افتخار نے پھر بولنا ضروری سمجھا۔

"اس خوشی کا راز؟"

"جناب! اس لئے کہ اس کی فیانسی آج کل۔۔۔۔۔۔"

"افتخار! خدا کے لئے۔" احسن نے افتخار کا جملہ کاٹ دیا اور اسے بری طرح گھورنے لگا۔ "تم بیچ میں بولے بغیر نہ رہنا۔"

افتخار بھی کمال کا ڈھیٹ تھا۔ زور زور سے ہنسنے لگا۔

"میرے خیال سے تم دونوں پہلے لڑ لو۔ میں تو چلا۔" اشمل اٹھ کر جانے لگا تو احسن نے اُسے پکڑ لیا۔

"چلو، کیفے چلتے ہیں۔ وہاں بتاؤں گا میری خوشی کا راز۔ چلو بھوت! تم بھی چلو۔" احسن نے افتخار سے کہا جو پہلے ہی تیار تھا۔

"اشمل! یہ بیچارا تین دن سے راز سنبھالے ہوئے ہلکان ہو رہا ہے۔" کیفے میں داخل ہوتے ہوئے افتخار نے کہا۔

اشمل، احسن کی طرف پلٹا۔

"کیوں بھئی ___ یہ تین دن سے سنبھالنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے بتا دیتے۔" اشمل نے کہا تو احسن صرف مسکرا دیا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آج چائے میری طرف سے۔"

"ایں ___ صرف چائے ___ اتنی بڑی خوشی اور چائے؟" افتخار نے پھر چھیڑا۔

"یار افتخار! خدا کے لئے میری جاں بخشی کرو۔ ایمان سے، اشمل کی صحبت میں رہنے کے باوجود تم ذرا بھی کم گو نہ ہوئے۔" احسن اس کے جملوں پر زچ ہو گیا تھا۔

"پیارے! تم پر اثر ہوا نہیں تو مجھ پر کیا اثر ہو گا۔ ویسے مجھے تو لگتا ہے کہ مجھ پر تمہارا ہی اثر ہونے لگا ہے۔ اچھا چھوڑو، تم خبر تو سناؤ۔"

"تم موقع دو تب نا۔" احسن نے سلگ کر کہا۔

"چلو اب احسن! جلدی سے سناؤ بھئی۔" اشمل ان دونوں کو مزید الجھنے سے بچانے کے لئے بولا۔

"میری فیانسی صاحبہ سے میرا جھگڑا ختم ___ یعنی اب وہ مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔" احسن کچھ اس انداز سے بولا تھا کہ افتخار کے حلق سے ایک طویل قہقہہ اُبل پڑا۔ اشمل بھی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا۔

"یہ مذاق نہیں ہے ___ اب وہ مجھ سے شرمانے لگی ہے۔ پتہ ہے کیوں؟" اس نے یہ کہہ کر اشمل کو دیکھا جیسے اب اس کے بعد بڑا انکشاف کرنے والا تھا۔

"مشرقی جوشاندہ پی لیا ہو گا۔" افتخار کی زبان سے پھر جملہ پھسلا۔ مگر احسن نے اُس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے

اپنی بات جاری رکھی۔

"میرے والدین اور سسرال والوں نے مل کر میری شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔ یعنی ٹھیک ایگزام کے فوراً بعد مابدولت کے سر پر سہرا سج جائے گا۔"

"یعنی سہرے کے اندر کارٹون۔" افتخار زور سے ہنسا۔

"بکواس مت کرو___ اتنی پیاری صورت ہے۔ دیکھنا تو سہی، سہرے کے پھول بھی شرما جائیں گے۔"

"چہ، چہ___ اُن بیچاروں کا کیا قصور جو تمہارے سر پر سجیں گے۔"

"ویسے احسن! یہ کچھ زیادتی نہیں؟" اشمل نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے احسن کو دیکھا تو وہ اُچھلا۔

"زیادتی کیسی؟___ کس کے ساتھ؟"

"تمہاری فیانسی کے ساتھ۔" افتخار یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ کر دور کھڑا ہو گیا، مبادا احسن اب کپ اٹھا کر اس کے سر پر نہ مار دے۔ وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اشمل کو بھی اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور احسن پوری طرح خفا ہو گیا تھا۔

"تم لوگوں کو خبر سنانا بے کار ہے___ مجھے مبارک باد دو، اُلٹا مذاق بنا رہے ہو۔ جاؤ، میں چائے وائے نہیں پلاتا۔" اس نے کرسی سمیت اپنا رخ پھیر لیا۔

"ارے چائے تو ویسے بھی تم نہ پلاتے کنجوس! میں جانتا تھا۔ اتنی ہی بڑی خبر تھی تو مٹھائی لے کر ہی آنا چاہئے تھا۔" افتخار پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا مگر ذرا فاصلے پر۔

"ارے بھئی افتخار! بہت ہو گیا۔ چلو احسن! آج تمہاری اس خوشی میں میری طرف سے برگر اور چائے۔" اشمل نے

اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بولا۔

"یہ ہوئی نا بات___ دل خوش کر دیا تم نے۔" وہ پل بھر میں ناراضگی بھول بھال کر مسکرانے لگا۔

"بس یہی تو یہ چاہتا تھا۔" افتخار جیسے اُس کی رگ رگ سے واقف تھا۔

اشمل نے آرڈر دے دیا۔

"احسن! ابھی تو تمہاری شادی میں لمبا ٹائم ہے۔ اس سے پہلے ایگزام کی فکر کرو ڈیئر! جو بڑا امتحان ہے۔"

"ارے چھوڑو___ بڑا امتحان تو شادی ہے جس میں پاس بہت کم ہوتے ہیں۔" احسن برگر کھاتے ہوئے پھر اپنے موڈ میں آگیا۔

"آ۔۔۔۔۔۔ چھا۔۔۔۔۔۔" اشمل نے چائے کا کپ لبوں سے لگا کر اسے دیکھا۔ "تم کلیئر ہو جاؤ گے؟___ انگیج منٹ پیریڈ میں تو ناکام رہے ہو۔" اشمل کے جملے پر احسن کھسیا گیا۔

"اب تم پر بھی افتخار کا اثر ہونے لگا ہے۔" اس کا منہ بن گیا۔

وہ تینوں لگاتار دو پیریڈ فری ہونے کی وجہ سے کیفے میں ہی بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے۔ مگر جونہی باہر نکلے ایک بری خبر اُن کی منتظر تھی۔ جامعہ کی سڑک پر بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ شہزاد بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیا ہوا شہزاد؟" اشمل نے اُسے جلدی سے پکڑ لیا۔

"ارے اشمل بھائی! غضب ہو گیا۔ پبلک بس اور پوائنٹ بس آپس میں بری طرح ٹکرا گئی ہیں۔"

"کیا___ پوائنٹ کا ایکسیڈنٹ___" وہ تینوں متحیر رہ گئے اور اشمل خود کو بروقت سنبھال کر جائے حادثہ کی سمت بھاگا۔

یونیورسٹی روڈ پر ایک کہرام بپا تھا۔ دو بھری بسوں کا تصادم انتہائی ہولناک تھا۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ پولیس گاڑیوں اور ایمبولینس کی گھن گرج نے دُور والوں کو بھی چونکا دیا تھا۔

یوتھ فیڈریشن کا پورا گروپ ایکٹو ہو گیا تھا۔ وہ بس اور اپنی گاڑیوں میں بھی زخمیوں کو لے کر ہسپتال کی جانب رواں دواں تھے۔ تب نعیم جان نے بری طرح زخمی ہوئے سراج کیانی کو اشمل کی گاڑی میں ڈالا۔ اُسے دیکھ کر اشمل خان کو جھٹکا سا لگا۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ اور ہاتھ خون سے لت پت تھے۔

"اشمل! اس کی کنڈیشن بہت نازک ہے۔"

"تم رہنے دو___ میں اسے لے جاتا ہوں۔" اشمل نے پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس وقت زخمیوں کی ایک ایک سانس قیمتی تھی اور جس کی حفاظت ان سب کو کرنی تھی۔ لیڈی ریڈنگ ہاسپٹل بھی اس بڑے حادثے سے بھرا ہوا تھا۔ لوگوں کا ایک اژدہام تھا۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار، مردوں کی بھاگ دوڑ۔

اشمل خان نے فون کر کے اپنے فیڈریشن کے سارے کارکنوں کو ہاسپٹل میں بلوا لیا تھا۔ اس وقت ہاسپٹل کا عملہ اتنے سارے مریضوں کے لئے ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔ اسے مدد کی ضرورت تھی، جو کم از کم مریضوں کے رشتے داروں کو ڈیل کرے۔

دس اسٹوڈنٹس موقع پر ہی دم توڑ گئے تھے۔ اور پانچ کی حالت انتہائی نازک تھی۔ ڈاکٹر فیاض حسن تفصیل بتا رہے تھے۔ اشمل خون دینے کے لئے ان کے کمرے میں آیا تھا۔

"ڈاکٹر فیاض حسن! کم از کم ان پانچ اسٹوڈنٹس کو بچا لیجئے گا۔" احسن نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔ ان سب پر ایک

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کربناک احساس طاری تھا۔

نعیم جان، شہزاد اور افتخار جامعہ میں گئے تھے تاکہ خون دینے کے لئے طلبہ و طالبات کو کنونس کر سکیں۔ کیونکہ زخمیوں کے لئے خون کی اشد ضرورت تھی۔

ڈی ایس پی منظور احمد، ڈاکٹر فیاض کے آفس میں داخل ہوئے تو اشمل کو لیٹے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

"مجھے یقین تھا تم اس وقت اسی نیک کام میں مصروف ہو گے ینگ مین!" انہوں نے اسے خون دیتے دیکھ کر کہا۔

"ڈپٹی صاحب! آپ نے ابھی تک یہ نیک فریضہ انجام نہیں دیا۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔

اس کی رگوں سے خارج ہوتا خون پلاسٹک بیگ میں جمع ہو رہا تھا۔ اُس نے ٹیوب سے گزرتے خون کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ خون جو میرے جسم سے خارج ہو رہا ہے اس سے مجھے بے تحاشہ خوشی ہو رہی ہے___ اس لئے کہ یہ ہم پر قرض ہے۔ ہر انسان کا خون، اس کا مال اور اس کی جان اگر دوسروں کے کام نہ آئے تو یقین جانئے، خود اس کے لئے بھی یہ جینا عبث ہے۔" اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"ہیلو اشمل___ کیا حال ہے؟" ڈاکٹر فیاض اندر آئے۔ "کمزوری تو محسوس نہیں کر رہے؟" انہوں نے اس کی رگ میں لگی ہوئی نیڈل کو چیک کیا۔

"میرے خیال میں اب میں سرنج نکال دوں۔ تم کافی خون دے چکے ہو۔"

"نہیں سر! میں بالکل فریش ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ حالانکہ اس کے چہرے کی سرخی معدوم ہوتی جا رہی تھی اور وہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ مگر وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

ڈاکٹر فیاض نے اُسے محبت سے دیکھا اور اس کے شانے تھپتھپائے۔

"خوش قسمت ہوگا وہ شخص جس کی رگوں میں تمہارا خون دوڑے گا۔ ایک قابل اور ہمدرد انسان کا خون۔"

"تو پھر ڈاکٹر! جلدی سے مجھے اس کا خون ٹرانسفر کر دیجئے۔" احسن نے ماحول کی گمبھیرتا کو کچھ کم کرنے کی سعی کرتے ہوئے پُر مزاح انداز میں کہا تو وہ سب مسکرا دیئے۔

"تم ابھی تک یہیں بیٹھے ہو___ ارے ڈاکٹر فیاض! اس کا خون کسی کے کام نہیں آنے والا کیا؟" ڈی ایس پی منظور احمد نے اُسے چھیڑا تو وہ کھسیا گیا۔

"ارے واہ___ میں خون دے چکا ہوں۔"

"ہاں___ مگر بہت کم۔" ڈاکٹر فیاض نے برجستہ کہا تو اشمل کے چہرے پر سختی آ گئی۔ اُس نے احسن کی طرف خفگی سے دیکھا۔

"کیوں تم نے خون۔۔۔۔۔۔"

"ارے نہیں اشمل! میں تو مذاق کر رہا ہوں۔" ڈاکٹر فیاض نے جلدی سے کہا۔ "بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس فیڈریشن کا لیڈر، یونین کا صدر انتہائی قابل، ہمدرد اور ایکٹو ہو، اس کے ساتھی مستعد نہ ہوں۔ احسن نے بھی کافی خون دیا ہے۔"

اشمل کے چہرے پر اطمینان اُتر آیا۔ اس کے سارے ساتھی جانفشانی سے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کہیں بھی تو اسے مایوس نہیں کیا تھا۔

احسن کرسی کھینچ کر اس کے قریب آ گیا۔

"اشمل! میرے پہلو میں بھی ایک ہمدرد اور نرم دل ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اپنے سامنے کراہتے زخمیوں کو دیکھتے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ہوئے بھی بے حس بنا رہتا۔ نہیں اشمل! اس وقت میرا دل بھی غم سے پھٹا جا رہا ہے۔ یہ ہنسی مذاق تو محض میں ماحول کی سنجیدگی کو کم کرنے کے لئے کرتا ہوں۔" اس کا لہجہ از حد سنجیدہ اور دکھی تھا۔ اشمل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں احسن! میں تمہیں جانتا ہوں۔ اور مجھے اپنے تمام دوستوں اور ساتھیوں پر فخر ہے۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی قدم پر مایوس نہیں کیا۔"

سراج کی رگوں میں اشمل کا خون دوڑنے لگا تھا۔ وہ بھی شدید زخمیوں میں سے تھا جس کے بچ جانے کے چانسز کم تھے۔ مگر اب وہ تیزی سے زندگی کی طرف واپس آ رہا تھا اور اب قدرے ہوش میں تھا۔ اور اب اشمل سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے نعیم جان سے بے حد اصرار کیا کہ وہ اشمل کو یہاں لے آئے۔ تب نعیم جان نے اشمل کو اس کا پیغام دیا تو اشمل اس کے پاس چلا آیا اور اسے ہوش میں دیکھ کر اس کے دل میں اطمینان اتر آیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"اشمل خان!" سراج کیانی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ ہمیشہ سے اس کا مخالف رہا تھا۔ ریحان پراچہ کے ساتھ مل کر اس نے ہمیشہ اشمل خان کو ذاتی طور پر بھی زک پہنچانے کی سعی کی تھی۔ اور اب وہ اس کا محسن تھا۔ اسے دوبارہ حیات بخشنے والا۔ اگر وہ چاہتا تو اسے نہ اپنی گاڑی میں ڈالتا نہ اُسے خون دیتا۔

"میں تمہارا بے حد ممنون ہوں اشمل! کہ تم۔۔۔۔۔۔"

"سراج! مجھے شرمندہ مت کرو___ میں نے کوئی احسان نہیں کیا تم پر۔ بس اپنا فرض نبھایا ہے۔" اس نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ "میں نے کسی پارٹی کے توسط سے کام نہیں کیا، محض انسانیت کے ناطے کیا ہے___ کم آن، بی ریلیکس___ کوئی احسان نہیں ہے میرا تم پر۔" اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مسکرا دیا۔ سراج کی

آنکھوں میں تشکر کے رنگ لہرا گئے۔

"تم اپنا احسان مانو یا نہ مانو اشمل خان! مگر میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تمہارا خون اب مجھ پر قرض ہے۔ کبھی تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر میری ضرورت پڑے تو مجھے ضرور آواز دینا۔" اس نے اتنا کہا اور آنکھیں موند لیں۔

اس ہولناک سانحے نے ان سب کو دماغی اور جسمانی طور پر تھکا دیا تھا۔

اشمل خان بھی مسلسل تین دن ہاسپٹل میں رہا۔ پیرامیڈیکل اسٹاف کا مستعدی سے ساتھ دیتا رہا۔ اور اس دن ڈاکٹر فیاض نے اسے زبردستی ہاسٹل بھیج دیا۔ وہ ان کے بے حد اصرار پر ہاسٹل آگیا۔ اور جونہی بیڈ پر لیٹا، اُسے گہری نیند نے آ دبوچ لیا۔ تین راتوں سے وہ ڈھنگ سے نہ سویا تھا۔ اور تین دن مسلسل یہاں وہاں بھاگتے دوڑتے گزر گئے تھے۔ خون دینے کی کمزوری الگ تھی۔ بظاہر اس نے اپنے اوپر تھکن طاری ہونے نہیں دی تھی۔ مگر بیڈ پر گرتے ہی اُسے شدید تھکاوٹ کا احساس ہوا اور پلکیں نیند سے بھاری ہونے لگیں۔ بس آنکھیں موندتے ہی اُسے کچھ ہوش نہ رہا۔ اور جب آنکھ کھلی تو شام اُتر آئی تھی۔ اُس نے دریچے سے باہر جھانکا، زندگی کی رونق وہی تھی۔ ٹریفک کا شور۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا سحر۔

اُس نے سینے سے ایک گہری سانس خارج کی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اور جب باہر آیا تو وارڈن نے اُسے ٹیلیفون کی اطلاع دی۔ اُس کے ذہن میں پہلا خیال ہشمینہ ہی کا آیا۔ یقیناً اُسی نے فون کیا ہوگا۔ کتنے دن ہو گئے تھے اس کی آواز سنے اور اسے دیکھے ہوئے۔ اس کے تصور کے ساتھ ہی اس کے دل پر ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار پڑنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف شاہ خانم تھیں۔

"ارے شاہ خانم! آپ ___ خیریت ___؟"

"خیریت نہیں ہے اشمل!" شاہ خانم کی آواز میں غصہ بھرا ہوا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اشمل بری طرح چونکا۔ "کیا۔۔۔۔۔۔ کیا مطلب؟"

"تم فوراً آج یا کل حویلی آؤ ___ مجھے اس وقت تمہاری اشد ضرورت ہے۔'

"مگر ہوا کیا؟ ___ پلیز شاہ خانم! آپ کچھ بتایئے۔" وہ ان کے انداز اور جملوں پر پریشان ہو گیا۔

"تم حویلی آجاؤ ___ تمہیں سب پتہ چل جائے گا۔ بات اتنی مختصر نہیں ہے کہ میں تمہیں فون پر بتا سکوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ تمہارا باپ مجھے اور اس حویلی کو ڈھا دینا چاہتا ہے۔" ان کا لہجہ تنا ہوا تھا۔ اور پھر اشمل کو حیران پریشان چھوڑ کر رابطہ کاٹ دیا۔

...☆☆☆...

ہشمینہ نے بھابی کو کوریڈور میں ہی جا پکڑا۔

"یہ آج صبح ابی کے کمرے میں کیا میٹنگ ہو رہی تھی ___ اشناس بھائی اور امی کے درمیان؟" اُس نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں پھیلا کر بھابی کو کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

"بتا دوں؟" بھابی نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"بالکل۔"

"ادھر آؤ ___" بھابی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے لپکی۔

"اب زیادہ سسپنس مت پھیلایئے۔" وہ دروازے میں گھستے ہی چلائی۔ "بائی دی وے، معاملہ گمبھیر ہے کیا جو آپ کے چہرے کی بتیاں بجھی بجھی ہیں؟" اُس نے بھابی کی سنجیدگی کا مذاق اُڑایا۔

"ہشمینہ! کے دوست انکل کمال کو تو تم جانتی ہو۔ اور ان کے بیٹے سلطان کو بھی۔"

"ارے بابا! سب کو جانتی ہوں۔" وہ بھابی کی اس تمہید پر چڑ گئی۔

"سلطان سے تمہارا رشتہ طے کر رہے ہیں جان اور امی۔"

"کیا___؟" وہ بدک کر یوں پیچھے ہٹی جیسے اس کے آگے کسی نے لہراتا ہوا سانپ ڈال دیا ہو۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کل ہی پرپوزل آیا تھا___ اب سوچ بچار ہو رہی ہے۔"

"میری رائے، مرضی معلوم کئے بغیر یہ فیصلہ کر دیں گے؟" اس کی کانپتی آواز اُبھری۔

"نہیں___ ہو سکتا ہے تمہاری مرضی معلوم کریں۔ مگر ہشمینہ! تم انکار کی وجہ کیا بتاؤ گی؟" بھابی اس کے قریب آ گئیں۔

"آ۔۔۔۔۔آپ جانتی تو ہیں کہ میں اشمل خان۔۔۔۔۔"

"میں جانتی ہوں نا___ یا اشناس تو نہیں جانتے۔" بھابی نے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ خالی خالی نظروں سے بھابی کو تکنے لگی۔ بھابی کو اس پر رحم آ گیا۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے___ بہت روشن خیال انسان ہیں۔ وہ جلد بازی میں فیصلہ نہیں کریں گے۔ تمہاری رائے کو مقدم جانیں گے۔" بھابی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹھو ادھر۔" وہ کرسی پر ٹِک گئی۔ یہ خبر حقیقتاً اُسے پریشان کر گئی۔ وہ انکار کا کیا جواز پیش کرے گی؟___ لاکھ روشن خیال سہی، مگر اتنے ہر گز نہ تھے کہ وہ ان کے سامنے اشمل خان کا نام پیش کر دیتی۔ اُس کے اور اپنے تعلق سے انہیں آگاہ کر سکتی۔

"میرے خدایا! یہ بھی ہونا تھا، اُس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ معاً اُس کی آنکھیں چمکیں۔ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا۔

"یاد ہے بھابی! ابھی کچھ ماہ قبل ایک پرپوزل آیا تھا میرا اور میں نے انکار کر دیا تھا تو بھی فوراً مان گئے تھے۔ اور ۔۔۔۔۔۔" اس کی خوش فہم نگاہیں بھابی کے چہرے پر ٹک گئیں اور بھابی بے ساختہ ہنسنے لگیں۔

"جنابہ! وہ لڑکا جرمنی میں رہتا تھا اس لئے امی پہلے ہی راضی نہ تھیں۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو اتنی دور نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔ یوں بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر یہاں سلطان کمال کا پلہ بھاری لگتا ہے۔"

"اُف___" وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ "کچھ بھی ہے، میں اس رشتے سے انکاری ہوں۔ اور اگر کچھ نہ ہو سکا تو یاد رکھئے گا، میں سلطان کمال کو یا پھر خود کو شوٹ کر لوں گی۔" وہ پلٹ کر بھابی کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

یہ اچانک کیسی افتاد آ پڑی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں یکدم مفلوج ہو چکی ہیں۔ اُسے یہ یقین تھا کہ اس سلسلے میں اُس کی رائے ضرور معلوم کریں گے۔ بلکہ اُس کی رائے کو مقدم بھی جانیں گے۔ اگر وہ انکار کرتی ہے تو وجہ ضرور ہونی چاہئے۔ اور اس کے پاس کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی ایسا جواز نہیں تھا۔ سلطان کمال ہر لحاظ سے مکمل انسان تھا___ اس کے گھرانہ سے انکل کے دیرینہ تعلقات تھے۔

"میرے اللہ___" اس پر سخت بے بسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

بھابی اندر داخل ہوئیں تو وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

"نری پاگل اور بے وقوف ترین لڑکی ہو۔" بھابی اس کے قریب آ گئیں۔ "اس طرح بیٹھے بیٹھے یا جذباتی ہونے سے

کوئی مسئلے حل نہیں ہوتے۔"

"پھر آپ ہی بتایئے ___ کیا کروں؟" اس نے سر اٹھا کر بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

"بھئی مل کر کچھ سوچتے ہیں۔" بھابی نے کہا تو اس کے لبوں پر اُداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کوئی حل نہیں ہے میرے پاس۔" اس نے پھر سر گھٹنوں پر ٹکا دیا۔ "بھابی! میں اشمل خان کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ چکی ہوں کہ واپسی کا اب کوئی راستہ نہیں رہا۔ میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر آگے بڑھی ہوں۔ میں اس کے بغیر بالکل ادھوری ہوں۔ بھابی! میں اشمل خان کے ساتھ کسی لڑکی کا نام تک برداشت نہیں کر سکتی، کہاں اب خود کسی دوسرے سے خود کو منسوب کر لوں۔ یہ ناممکن ہے۔" اس نے یہ کہہ کر ایک اذیت کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔

"کوئی خاص میٹنگ ہو رہی ہے کیا؟" اشناس بھائی کی آواز پر دونوں سنبھل گئیں۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"میٹنگ کیا ہونی ہے ___ ہشمینہ اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔" بھابی نے موقع مناسب سمجھ کر بات چھیڑ دی۔ اشناس بھائی چونکے۔

"کیا مطلب ___ کیوں؟" انہوں نے ہشمینہ کی طرف نظریں اٹھائیں جس نے جلدی سے سر جھکا لیا تھا۔

"ارے واہ ___ مرضی ہے اس کی۔ اسے نہیں پسند سلطان۔ لڑکی کی بھی تو رضا ہوتی ہے۔"

بھابی نے بات کو سنجیدگی سے بچانے کے لئے شگفتہ انداز اختیار کیا۔ "جس طرح مرد جب تک مطمئن نہیں ہوتے حامی نہیں بھرتے۔"

"خوب ___ مگر کوئی جواز تو ہوگا مطمئن نہ ہونے کا۔" اشناس نے کہا۔ پھر ہشمینہ سے مخاطب ہوئے۔ "ہاں بھئی،

یہ تمہاری بھابی کیا اول فول بک رہی ہے۔"

"کیا ___ کیا میں اول فول بک رہی ہوں؟" بھابی گھبرا کر بولیں۔ "بس اسے نہیں پسند۔ آپ سے جا کر کہہ دیں کہ ہشمینہ کو انکار ہے۔"

"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے سر اٹھا کر کہا تو بھابی کا دل چاہا سر پیٹ لیں۔ اتنا بودہ سا جواز اتنی جلدی پیش کر دینے کی کیا ضرورت تھی۔

"دیکھو لڑکی! تم پہلے بھی کے لاڈ کا کافی ناجائز فائدہ اٹھا چکی ہو۔ بھئی بغیر جواز شادی نہ کرنا یا اس رشتے سے انکار حماقت ہے سراسر۔" اشناس بھائی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا اور پھر بھابی کی طرف دیکھ کر بولے۔ "اور تم اس کی حماقتوں کا ساتھ مت دیا کرو، اسے سمجھانے کی بجائے اُلٹا بہکاتی ہو۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئے اور بھابی کا منہ بن گیا۔

"دیکھ لیا آپ نے ___ اب میں کو کیسے مطمئن کروں گی۔ جبکہ اشناس بھائی کو ہی ۔۔۔۔۔۔۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تو کس نے کہا تھا کہ جا کر اشمل سے محبت کر بیٹھو۔ بس اب یہی حل ہے کہ تم اشمل خان سے کہو کہ وہ میدان میں کود پڑے۔ یعنی اپنی امی کو بھیجے۔"

"ہائے ___ یہ میں اس سے کہوں؟" ہشمینہ کا چہرہ لال ہو گیا اور بھابی تلملا کر رہ گئیں۔

"ہائے مصیبت۔ یہ مشرقی لڑکیوں کی محبت بڑی مہنگی پڑتی ہے۔ ارے جب زبان کا قفل نہیں ٹوٹ سکتا تو یہ محبت کیسے کر لیتی ہو؟ ___ نہ سے کچھ کہہ سکتی ہو اور نہ اشمل خان سے۔ کیا اب کوئی فرشتہ آئے گا تمہارا حل لے کر؟"

"بھابی!" وہ لب کاٹ کر رونے لگی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی تھی ___ بھابی نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر ہشمینہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"بندے کی عمر بڑی ہے۔ اشمل خان ہے۔"

"کیا___ اشمل خان؟" وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور لپک کر بھابی کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا۔ بھابی کمرے سے باہر نکل گئیں اور جاتے جاتے دروازہ بند کر گئیں۔

ہشمینہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ہاتھ پیر سنسنانے لگے۔

"ہیلو۔۔۔۔۔۔۔ہیلو۔۔۔۔۔۔۔ہشمینہ!"

"ہیلو اشمل!" اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ اس کی آواز جیسے اس کی رگوں میں دوڑتے خون میں طوفان مچا گئی تھی۔

"بولتی کیوں نہیں ہو___ خیریت تو ہے؟"

"آں، ہاں___ سب خیریت ہے۔ آپ کیسے ہیں؟"

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تم نے پڑھا تو ہوگا اخبار میں، پوائنٹ کی بس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ بس اس سلسلے میں مصروف تھا۔

"نہیں___ میں نے تو نہیں پڑھی یہ خبر۔ کب، کیسے ہو گیا؟" اُسے شاک لگا۔ اخبار تو روزانہ آتا تھا اور اشناس بھائی باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ یہ خبر اس کی نظروں سے نہیں گزری ہو گی یا پھر وہ بتانا بھول گئے ہوں گے۔ اس نے تو اخبار پڑھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"بہت شدید حادثہ تھا۔ تین دن ہو گئے ہیں۔"

"او مائی گاڈ___ مجھے تو کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ کیا بہت زیادہ جانی نقصان ہو گیا ہے؟" اس نے گہرے تاسف سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

پوچھا۔

"وہاں کئی اسٹوڈنٹس کی ڈیتھ ہو گئی اور کئی زخمی ہوئے۔ اور دوسری پبلک بس کے بھی کئی مسافر زخمی ہو گئے ہیں۔"

"اوہ، میرے اللہ___" اُسے گہرے رنج نے آگھیرا۔

"سراج کیانی بھی بری طرح زخمی ہوا تھا۔ اب تو قدرے بہتر ہے۔ میں کل وادی جا رہا ہوں۔ کچھ ضروری کام ہے۔ سوچا تم سے بات کرتا جاؤں۔ کیا بات ہے، تم کچھ پریشان سی ہو؟" اشمل نے اس کی خاموشی کو بری طرح محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہو۔"

"اش۔۔۔۔۔۔۔مل۔۔۔۔۔۔۔" اُسے ضبط کا یارا نہ رہا اور بے اختیار سسک اٹھی۔

"فار گاڈ سیک ہشمینہ! مجھے بتاؤ، کیا پرابلم ہے؟"

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"او کے۔ کہاں، کس وقت؟" وہ بے تاب ہو گیا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا حلق تک آنسوؤں سے بھر گیا۔

"ٹھیک ہے___ تم لالہ زار آجاؤ، میں بھی پہنچ رہا ہوں۔" اس نے کہا تو وہ کچھ نہ بول سکی۔

"دیکھو، جلدی پہنچنا۔ دیر مت کرنا۔" اس نے ریسیور رکھتے ہوئے اسے تاکید کی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

پھر اس نے خود کو کسی حد تک سنبھالا۔ ابھی اختیار سے کچھ باہر تو نہیں۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اُس نے خود کو تسلی دی اور جلدی جلدی اپنا حلیہ درست کر کے چادر اٹھا کر کمرے سے باہر آئی۔ امی کو خدا حافظ کہہ کر وہ پورچ کی جانب بھاگی۔ اُسے یقین تھا کہ اشمل اس سے بھی زیادہ بے تاب ہو گا اور لالہ زار اس سے پہلے پہنچ جائے گا۔ وہ اُسے کس قدر

شدت سے چاہتا تھا، یہ فخر، یہ احساس تو اس کے جذبوں کو اور بھی شدید کر جاتا تھا۔

اس کا خیال درست تھا۔ وہ جب لالہ زار آئی تو اشمل خان بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی اس کی سمت لپکا۔ اس کے چہرے پر گہرا اضطراب ہلکورے لے رہا تھا۔ اور اس اضطراب کا سبب اُس کی وہ سسکیاں ہی تھیں جو اس نے فون پر سنی تھیں۔

"بیٹھو۔" اس نے کرسی کھینچ کر کہا تو وہ سرمئی چادر کو سنبھالتی اس کے سامنے ٹِک گئی۔ اُس کے چہرے پر گہرا رنج پھیلا ہوا تھا۔ اُس نے راستہ بھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ اشمل خان کو دیکھ کر پھر دل بے قرار آنسوئوں میں ڈھل جانا چاہتا تھا۔ مگر پلکوں کی مضبوط باڑھ نے آنسوئوں کو بہنے سے روکے رکھا۔

اشمل نے کافی کا آرڈر دے رکھا تھا۔ کافی آئی تو اس نے ایک کپ اس کی طرف بڑھا دیا اور اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اب مجھے بتائو، کیا معاملہ ہے؟"

اُس نے پلکیں اوپر اٹھائیں، پھر جھکا دیں۔ اُسے لگا جیسے یکدم لفظوں کے معاملے میں وہ بالکل تہی دامن ہو گئی ہو۔ وہ کیا کہے، کس طرح چھیڑے یہ مسئلہ ____ اچانک ڈھیر ساری شرم نے اُسے آگھیرا۔

"کم آن ہشمینہ ____ ڈونٹ وری ____ اینڈ ٹیل می ایوری تھنگ۔" اُس نے تسلی آمیز نظروں سے اُسے دیکھا اور میز کی سطح پر رکھے اس کے سفید ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

"نائو ہری اپ۔"

"اشمل! میری شادی کے بارے میں سیریس ہو گئے ہیں۔" وہ لحہ بھر کو رکی اور اشمل خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"بھئی والدین اولاد کی شادی کے معاملے میں سیریس نہیں ہوں گے تو پھر کون ہو گا؟"

"اشمل! وہ میری شادی اپنے دوست کے بیٹے سلطان کمال سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا پرپوزل آیا ہوا ہے۔" اُس نے اشمل کا جملہ کاٹ کر جلدی سے اپنی بات مکمل کی تو اشمل کے چہرے پر یکدم سنجیدگی چھا گئی۔

"آپ نہیں جانتے ____ سو فیصد راضی ہیں۔" اس کی آواز میں شکستگی در آئی۔

چند لمحے اشمل خان کچھ بولنے اور سوچنے کی پوزیشن میں نہ رہا اور خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ اشمل کی یہ خاموشی اس کے رنج کو اور بھی سوا کر گئی۔

"میرے پاس انکار کا ایسا کوئی جواز نہیں ہے جو میں کے سامنے پیش کر سکوں۔ اشمل! نے مجھے لاکھ آزادی دی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس لاڈ اور آزادی نے بھی مجھے ان کے سامنے گستاخ نہیں کیا۔ میں نے کبھی ان کے کسی حکم سے انحراف نہیں کیا۔ اور اس معاملے میں بھی شاید میں آواز نہ اٹھا سکوں۔ اشمل! اس آزادی نے میرے اندر شرافت اور مشرقی حمیت کو فنا نہیں ہونے دیا۔" وہ سر جھکا کر سسکنے لگی۔

اشمل خان اس انکشاف کی زد میں چند لمحے ضرور رہا مگر پھر بہ دقت خود کو سنبھال لیا۔ اس نے دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر قدرے اس کی سمت جھکتے ہوئے کہا۔

"ہشمینہ! تم انتہائی احمق لڑکی ہو۔" اس کا لہجہ ہلکی سی شرارت لئے ہوئے تھا۔ ہشمینہ نے چہرہ اٹھایا۔

"یہ بتائو، اس پرپوزل کو کتنے دن ہوئے ہیں؟" اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ اب وہ اپنے دل پر چھائے اس خوفناک خبر کے اثرات کو بالکل زائل کر چکا تھا۔

"دو دن۔"

"بس ____" وہ بے ساختہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں تسلی تھی۔ "بھئی تم اپنے کی لاڈلی بیٹی ہو اور ظاہر ہے وہ

اچھے سے اچھے پروپوزل پر بھی کم از کم ایک دو ہفتے تو ضرور غور کریں گے ___ ہے نا ___؟" اس نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر ___ ہمارے پاس بھی ایک ہفتہ سے زیادہ ہی وقت ہے نا ابھی۔ ابھی کچھ ہمارے اختیار سے باہر نہیں گیا۔"

ہشمینہ نے رومال سے چہرہ رگڑ کر حیرت پاش نظروں سے دیکھا۔ وہ اس کی بات کسی حد تک سمجھ رہی تھی۔

"چلو آؤ ___ میرا خیال ہے تمہیں کھلی ہوا کی ضرورت ہے۔" وہ مسکرایا اور کافی کا کپ میز پر رکھ کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ ہشمینہ بھی بادل نخواستہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ اپنی گاڑی کیفے سے باہر چھوڑ کر اس کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ اس کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ اشمل خان کا وجود، اس کے جملے اس کے لئے تقویت کا باعث بن رہے تھے۔ مگر دل پھر بھی اسی خدشے کی لپیٹ میں تھا۔

گاڑی دریائے کابل کے کنارے رک گئی۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے۔

دریائے کابل کا بھورا پانی اپنی خوبصورتی سے تمام لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہشمینہ کی بھی ساری توجہ اس دریا کی سمت ہو گئی۔ وہ اشمل خان کے ہمراہ اس کے کنارے کنارے چلنے لگی۔

"اشمل خان! میری محبت بھی اس دریا کی طرح گہری ہے۔ بظاہر پُرسکون۔ مگر اندر سے شوریدہ سر اور بے تاب۔" وہ دھیرے سے بولی۔ اُس کا لہجہ ملول تھا۔

"ہشمینہ! انسان کی زندگی ان تمام اصولوں، رشتوں اور روایتوں سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی باشعور انسان ان فانی چیزوں پر انسان کی قیمتی ذات کو قربان کر دے۔ ابرار انکل بہت سمجھدار اور باشعور انسان ہیں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے، میں ان کے سامنے یہی وجہ پیش کر دوں؟" اس نے نہایت درجہ تعجب کے ساتھ پوچھا تو وہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

مسکرا دیا۔

"کوئی حرج بھی نہیں۔" اُس کی بھوری آنکھوں کی جگمگاہٹ گہری ہو گئی۔ ہشمینہ کے رخسار تپ اٹھے۔

"ویسے اس کا ایک ہی حل ہے جو درست بھی ہے۔" اس نے اس کے گہرے گلابی رخسار کو پُرشوق نظروں سے دیکھا۔ "کہ اب وادی جا کر شاہ خانم کو لے آئوں اور تمہارے گھر روانہ کر دوں۔"

اُس کے جملے پر اُس نے اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ وہ دونوں ایک سایہ دار درخت کے تنے کے نیچے کھڑے تھے۔

"مگر ہشمینہ! پھر بھی ووٹ زیادہ سلطان کمال کے رہے تو؟"

"نہیں ___ بالکل نہیں۔" اُس نے پلٹ کر بے ساختہ کہا۔ پھر خود ہی جھینپ گئی۔

"ہشمینہ! تم نے کیا کہا تھا کچھ دیر پہلے اس دریا کو دیکھ کر؟" وہ لٹکتی ڈال کو ہٹا کر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ "میں نے سنا نہیں تھا۔" وہ اُس کی شرم سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اُس کے آزردہ جمال پر یک بیک شرم کا رنگ پڑتا بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں پر تنی گھنی جھالریں رخساروں پر لرز رہی تھیں۔

"آپ وادی کیوں جا رہے ہیں؟" اُس کی محویت توڑنے کے لئے دھیرے سے بولی یا پھر یہ سوال اس کے اندر مچل رہا تھا۔

"ہوں ___" وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے سوال پر ایک گہری سانس اس کے سینے سے آزاد ہوئی۔ اُس نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا کر پانی کی سطح پر ٹکا دیں۔

"مجھے شاہ خانم نے فون کیا تھا ___ کوئی مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ کوئی خود ساختہ مسئلہ ہے جو محض کسی نظریے سے اختلاف پر پیدا ہوا ہے۔" وہ دفعتہً سنجیدہ ہو گیا۔ شاہ خانم کے لفظوں اور انداز سے وہ یہی اخذ کر سکتا تھا یا

شاید وہ شاہ خانم کے مزاج سے آشنا تھا۔ ہمیشہ مسائل خود انہوں نے ہی پیدا کئے تھے۔

ہشمینہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"نظریے سے اختلاف؟"

"ہاں۔" اُس نے کئی سبز پتیوں کو ایک ساتھ مسلا۔ "ہشمینہ! پتہ نہیں، بابا خان آج تک شاہ خانم کے نظریوں سے کیوں اختلاف نہیں کر پائے ____ یا پھر وہ ہمیشہ ان سے متفق ہی رہتے ہیں۔" اس کی نگاہیں مسلے ہوئے پتوں کو گھور رہی تھیں۔

شاہ خانم نے فون کر کے حقیقتاً اُسے پریشان کر دیا تھا۔

"صرف یہی دو راستے تو نہیں ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ محبت کا گداز جذبہ دل میں موجزن ہو تو فریق ثانی کی بات سے لاکھ اختلاف ہو مگر نظر انداز کا طریقہ اپنا لیا جاتا ہے۔" ہشمینہ نے کہا تو

وہ چونکا۔

"ارے ____ میں بھی یہ کیا باتیں لے بیٹھا۔"

"کیا کوئی سیریس مسئلہ ہے اشمل؟"

"ارے نہیں ____ میں نے کہا نا، ہو گا کوئی خود ساختہ مسئلہ۔ اور شاہ خانم جذباتی ہو جاتی ہیں معمولی معمولی بات پر۔" وہ لاپرواہی سے ہنس دیا۔ اُسے اپنی کیفیات پر قابو پانے میں کمال حاصل تھا۔ اچانک وہ پلٹا تو بری طرح سٹپٹا گیا۔ وہ دونوں اس کے سامنے اور بالکل قریب آ گئے تھے۔

☆☆☆...

ماہ گل ڈرائنگ روم میں اپنے دونوں بہن بھائی کو دیکھ کر خوشی سے آگے بڑھی۔

"ارے فروان! تم کب آئے ____ اور سحر! تم کیسی ہو بھئی ____ یہ آج اچانک؟"

"بس ٹھیک ٹھاک۔" سحر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھی اور ماہ گل سے لپٹ گئی۔ ماہ گل کو ملازمہ نے ہی مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی اور تیار ہو رہی تھی۔ گھر میں اس وقت اس کے اور اس کی ساس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ بھی مسعود کے ہمراہ اس کے دوست کے بیٹے کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے والی تھی۔ سحر گل نے دیکھا، نیلے ایمبرائیڈری والے نئے فیشن کے سوٹ اور جھلملاتے دوپٹے میں اس کا چہرہ بے حد دمک رہا تھا۔ سفید سڈول کلائیوں میں گولڈ کی چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔ کانوں میں بڑے بڑے سنہری آویزے ہلکورے لے رہے تھے۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ بے حد نکھرا اور ترو تازہ لگ رہا تھا۔

سحر گل کو اس کا یہ روپ بے حد دلکش لگا۔ دل کی طمانیت اور خوشی ان کے چہرے پر نکھار بن کر سمٹ آئی تھی۔

"آپ کہیں جا رہی تھیں آپا؟" فروان نے پوچھا۔

"ہاں ____ مسعود کے فرینڈ کے بیٹے کی آج برتھ ڈے ہے۔"

"ارے پھر تو ہم غلط وقت پر آ گئے۔"

"ارے نہیں، نہیں۔ ابھی تو مسعود گئے ہوئے ہیں۔ ان کو آنے میں آدھا گھنٹہ لگ جائے گا۔ تم لوگ بیٹھو، بہت خوشی ہوئی تم دونوں کو دیکھ کر۔ گھر میں سب کیسے ہیں ____ امی، پاپا، شاردا، زمان سب؟" اس نے ایک ہی سانس میں سب کے بارے میں پوچھ لیا۔

"سب ٹھیک ہیں ___ مزے میں ہیں۔" فروان نے انگلیاں صوفے کے ہتھے پر پھیرتے ہوئے کہا تو ماہ گل نے اسے غور سے دیکھا۔

"مگر تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"آپی!" سحر گل اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔ "فرو بہت اپ سیٹ ہے۔"

"کیا بات ہے فروان جان؟" وہ سحر گل کی بات سن کر فروان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"آپی! پلیز، آپ امی کو سمجھایئے ___ اُنہیں کہیے میں کسی صورت میں اشارا سے شادی نہیں کر سکتا۔" فروان یکلخت پھٹ پڑا۔

"شش۔۔۔۔۔۔آہستہ۔" سحر گل نے اُسے ٹوکا۔ اُسے ماہ گل کے سسرال والوں کا احساس تھا۔ ماہ گل نے اس کی پریشانی بھانپ لی۔

"کوئی نہیں ہے اس وقت گھر پر۔ صرف اماں ہیں، وہ نماز پڑھ رہی ہیں اپنے کمرے میں۔"

"آپی! زندگی مجھے گزارنی ہے۔ امی کو یا کسی اور کو تو نہیں نا۔ آخر وہ یہ ظلم کیوں کرنے لگی ہیں؟ خدا کے لئے انہیں آپ ہی سمجھایئے۔" فروان سخت پراگندہ ہو رہا تھا۔

ماہ گل چند ثانیے جیسے کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہ رہی۔ اس مسئلے نے پھر سر اٹھایا تھا۔ اور اب معاملہ اتنا بڑھ گیا تھا۔

"آپی! امی نے شاہ آنٹی سے بھی بات کر لی ہے۔"

"فرو! تم جانتے ہو امی نے میری بات کب مانی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ وہی کیا ہے جو ان کا دل چاہا ہے۔" وہ قدرے شکستگی سے بولی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"مگر میں یہ ہونے نہیں دوں گا۔ وہ سراسر میری زندگی سے کھیلنا چاہتی ہیں۔ ایک ایسی لڑکی کو میری زندگی میں داخل کر رہی ہیں جو اپنے دل میں میرے لئے کوئی احساسات نہیں لا سکے گی۔ جس کے دل و دماغ میں کوئی اور بستا ہے۔"

ماہ گل آنکھیں کھولے اُسے عجیب سے احساسات سے دوچار تکنے لگی۔ ایک دُکھ سا اُسے اپنے وجود میں سرایت ہوتا محسوس ہوا۔ اس قدر بدل گیا تھا فروان ___ کبھی اشارا کے نام پر اس کی آنکھوں میں جگنو سے چمک اٹھتے تھے۔ لبوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔ اور اب وہ اشارا سے اس قدر بدک رہا تھا جیسے وہ اس کی زندگی میں داخل کر دی گئی تو وہ لمحہ قیامت ہو گا۔

ہاں، یہ بالکل حقیقت ہے کہ کوئی مرد بھی ایسی عورت کو قبول نہیں کر سکتا جس کے بارے میں وہ مشکوک ہو اور کجا اشارا، جو ذولین خان کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی ہے اور فروان جس سے آشنا ہے۔ فروان اتنا اعلیٰ ظرف نہیں تھا کہ کسی ایسی لڑکی کو قبول کرنے پر راضی ہو جاتا جس کے دل میں کوئی اور بستا ہو

وہ اٹھی اور فروان کے قریب آبیٹھی۔

"فرو ___ میری جان ___" اُس نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ "کبھی کبھی مجھے یہ پچھتاوا ڈسنے لگتا ہے کہ میں نے تمہیں اشارا کے بارے میں یہ سب کچھ کیوں بتا دیا۔ کہیں یہ مجھ سے جرم تو سرزد نہیں ہو گیا۔ کہیں یہ عظیم گناہ۔۔۔۔۔۔"

"نہیں آپی ___ آپ نے بہت اچھا کیا جو مجھے بتا دیا۔" اُس نے تیزی سے ماہ گل کی بات کاٹ دی۔ "اگر مجھے بعد میں علم ہوتا تو سراسر نقصان اشارا مہروز ہی اٹھاتی۔ بہر کیف ابھی میرے اختیار سے کچھ نکلا نہیں۔" وہ اٹھ گیا۔

"فروان! ہم نے تو آتے ہی آپی کو پریشان کر دیا۔" سحر گل اچانک بولی۔ اس کی نگاہیں ماہ گل کے چہرے کی طرف اُٹھیں جہاں سنجیدگی اور اُداسی مستور تھی۔ وہ سحر کی بات پر چونکی۔

"ارے نہیں ___ اس میں پریشان کر دینے والی کون سی بات ہے؟ تم لوگ اپنے مسائل مجھے نہیں بتاؤ گے تو کس کو بتاؤ گے۔ ارے ہاں، میں نے تو تم لوگوں کو چائے تک کا نہیں پوچھا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں آپی! اس کی ضرورت نہیں۔" سحر گل نے اسے روکنا چاہا۔ مگر وہ رکی نہیں اور پردہ اٹھا کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وہ کچن کی طرف بڑھی تو سامنے سے آتے ہوئے مسعود شاہ کو دیکھ کر رک گئی۔

"ارے ___ آپ کب آئے؟"

"جناب! بس ابھی قدم ہی رکھا ہے اور آپ کے درشن ہوئے ہیں۔" وہ سجی سنوری ماہ گل کو دلچسپی اور والہانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "پورے قتل کے سامان تیار رکھے ہیں۔" وہ اس کی سمت بڑھا تو ماہ گل جلدی سے بولی۔

"جناب! ڈرائنگ روم میں فروان اور سحر گل آئے بیٹھے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے قدم ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا دیں۔" ماہ گل یہ کہہ کر ہٹنے لگی تو مسعود شاہ اس کے قریب آ کر اس کی چوٹی کو کھینچ کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور ماہ گل کچن میں چلی آئی اور پھرتی سے کیتلی میں پانی بھر کر چولہے پر چڑھا دیا اور پتی اور چینی ڈال کر اس پر ڈھکن لگا دیا اور اتنی دیر میں ٹرے میں کپ سجانے لگی۔ تب سحر گل اندر داخل ہوئی۔

"ارے کیا ہوا؟" ماہ گل نے اسے دیکھا۔

"مسعود بھائی اور فروان تو اپنی باتیں کر رہے ہیں ___ میں ان کے درمیان مس فٹ ہو گئی ہوں اس لئے یہاں آ گئی۔ ویسے آپی! آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ سلیب پر کہنیاں ٹکا کر ماہ گل سے بولی۔

"کیا نہیں بتایا؟" ماہ گل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اشتارا اور ذولین خان کے بارے میں۔"

"سحر جان! تم جان کر کیا کرتیں بھلا؟" وہ مسکرائی۔

"کچھ نہیں تو کم از کم اشتارا کی بچی کو چھیڑ ہی لیتی ذولین کا نام لے لے کر۔" سحر گل یہ کہہ کر ہنسنے لگی تو ماہ گل بھی ہنس دی۔

چائے ابلنے لگی تو اس نے جلدی سے کپ میں دودھ انڈیلا اور چائے بھرنے لگی۔

"سحر ___" اس نے اچانک کچھ سوچ کر سحر کو دیکھا۔ "کیا امی بہت سیریس ہیں اس معاملے میں؟"

"ہاں آپی! بہت زیادہ۔ ویسے آپی! اشتارا بہت پیاری ہے۔ اور مجھے یقین ہے فروان کا یہ وقتی جوش ہے۔ شادی کے بعد وہ۔۔۔۔۔"

"نہیں سحر!" ماہ گل نے اُس کی بات کاٹ دی۔ اُس کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔ "تم نہیں جانتی گڑیا! یہ مرد کوئی آسان اور سیدھا سادھا فلسفہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر عورت کو مرد کی انا، غیرت اور ضد کی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی نہ جانے وہ مرد کی نظر میں معتبر ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ سحر جان! فرو بھی مرد ہے ___ وہ ابھی سے اشتارا کا مخالف ہو گیا ہے تو پھر شادی کے بعد وہ تو اُس کی بیوی اور ملکیت ہو جائے گی۔ اور جب عورت مرد کی بیوی ہو جائے تو مرد اس کے لئے صرف محبوب نہیں رہتا۔ چھوڑو ___ یہ چائے لے جاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔" اُس نے سحر کے ہاتھوں میں ٹرے تھما دی اور خود بکھرے برتن سمیٹنے لگی۔

چائے پی کر فروان جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مسعود شاہ کے بے حد اصرار پر بھی وہ نہ رکا اور دونوں بہن بھائی باہر نکل گئے۔

فروان نے گاڑی سڑک پر ڈالی۔ سحر گل بولی۔

"فرو! چلونا___آج ہم دریائے کابل چلتے ہیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں وہاں گئے ہوئے۔"

فروان نے اُسے دیکھا۔ اُس کے چہرے پر التجا تھی اور دریائے کابل دیکھنے کی خواہش۔ اُس نے سر ہلا دیا اور گاڑی کا رخ بدل لیا۔ حالانکہ اس وقت اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا، کسی تفریحی مقام پر جانے کو۔

دریائے کابل ہمیشہ کی طرح دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ وہ دونوں خاصی دیر اس کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ پھر اچانک فروان کی نگاہ اشمل خان پر اٹھی۔

"سحر! وہ اشمل بھائی ہیں نا___وہ سامنے؟" اُس نے سحر گل سے تصدیق چاہی تو سحر گل اچھل پڑی۔

"سو فیصدی___ارے مگر ان کے ساتھ یہ لڑکی کون ہے؟" سحر گل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "کتنی پیاری سی ہے۔ کہیں اشمل بھائی۔۔۔۔۔۔۔"

"اوں ہوں___پہلے سے کوئی رائے قائم مت کرو۔ چلو چلتے ہیں ان کے پاس۔" فروان نے قدم تیز کر دیئے اور دونوں اشمل اور ہشمینہ کے قریب پہنچ گئے۔ ان دونوں کو بالکل اچانک اپنے روبرو دیکھ کر اشمل لمحہ بھر کے لئے سٹپٹا گیا۔ ہشمینہ اس کے ہمراہ تھی جو اُن دونوں کے لئے یقیناً اجنبی تھی۔

"السلام علیکم۔" سحر گل کی آواز پر اُس نے جلدی سے خود کو سنبھالا۔

"وعلیکم السلام! یہ آج تم دونوں یوں اچانک؟"

"بس آج ایسے ہی نکل آئے۔ مگر آپ بہت برے ہیں اشمل بھائی! ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی ہمارے گھر نہیں آتے۔" سحر گل ہشمینہ کو چپکے چپکے بغور دیکھتے ہوئے اشمل سے مخاطب ہوئی۔

"ہم لوگ ماہی آپی کے گھر گئے تھے۔ واپسی پر سوچا دریائے کابل کی سیر ہو جائے۔ چلو اچھا ہوا آپ سے بھی ملاقات ہو

گئی۔"

ہشمینہ حیرانگی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو اشمل خان سے بے تکلف گفتگو کر رہے تھے۔

"ماہ گل کیسی ہے؟"

"بہت اچھی۔ اور اب بہت خوش۔" سحر جلدی سے بولی اور نگاہیں پھسلتی ہوئی پھر ہشمینہ پر اٹھیں تو اس نے اپنے دل میں مچلتے سوال کو زبان دے دی۔

"آپ نے ان کا تعارف نہیں کرایا۔"

"یہ میری کولیگ ہیں۔" اُس کی شرارت کو محسوس کرتے ہوئے اشمل نے بے حد پُر اعتماد لہجے میں کہا تو وہ ہنس دی۔

"صرف کولیگ؟" اُس سے برداشت نہ ہو رہا تھا۔ ڈھیر سارا تجسّس اُمڈا جا رہا تھا۔

فروان ہنس دیا۔ "تمہیں بڑی فکر لگ گئی ہے سحر!" اس نے اسے ٹوکا۔ اشمل کچھ خفیف سا ہو رہا تھا۔

سحر گل کی آنکھوں میں سجے شریر رنگ سب کچھ جان بھی رہے تھے مگر انجان بن کر وہ محض اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

ہشمینہ نے رخ موڑ لیا تھا اور پانی پر نگاہیں مرکوز کئے کھڑی تھی۔ وہ خود بھی جھینپ گئی تھی۔ تب اچانک سحر گل اس کے بالکل قریب کھڑی ہو گئی۔

فروان اور اشمل تو اپنی باتیں لے کر بیٹھ گئے تھے۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔" اس نے ہشمینہ کا بھرپور جائزہ لیا۔ سرمئی چادر کو سنبھالتی وہ اپنے دل کی کیفیت چھپانے میں سرخ ہو رہی تھی۔

"ہشمینہ نام ہے میرا۔ دراصل میں اشمل کی کولیگ ہوں۔ ایسے ہی ہماری ملاقات ہوگئی وہ بھی۔۔۔۔۔۔"

"آں ہاں، رہنے دیں جناب!" سحر گل نے جلدی سے اُسے وضاحت سے روک دیا۔ "اتنی پیاری لڑکی صرف اشمل بھائی کی کولیگ ہی نہیں ہوسکتی۔" اس کا جملہ بے ساختہ تھا۔ ہشمینہ کے رخسار تپ اُٹھے۔

"ویسے یہ اشمل بھائی بڑے چھپے رستم ہیں۔ اور آپ بھی ان کے ڈر سے نہیں بتائیں گی۔ ہے نا؟" وہ اس کی سمت جھکی۔ پھر اس کے سرخ رخساروں کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں اشمل بھائی کی ماموں زاد ہوں____ سحر گل کہتے ہیں مجھے۔" اس نے بے تکلفی سے اپنا تعارف کرایا اور ہشمینہ نے سکھ کا سانس لیا کہ وہ اس موضوع سے ہٹی تو سہی۔ پھر اُس کا اعتماد بحال ہونے لگا۔ وہ سحر گل کی بے تکلّفانہ باتوں سے محظوظ ہوتی رہی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں خاصی گھل مل گئیں____ اور جب فروان اور اشمل ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو انہیں مصروفِ گفتگو دیکھ کر فروان کی رگِ شرارت پھڑکی۔

"اشمل بھائی! یہ لڑکیاں یونہی بدنام نہیں ہیں____ باتیں کرنے کے لئے انہیں کوئی ملنا چاہئے۔ سارے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ دیں گی۔"

"ارے واہ____ اس میں بدنام ہونے والی کون سی بات ہے؟____ یہ تو ہم لڑکیوں میں خلوص ہوتا ہے جو ایک دوسرے کو قریب لے آتا ہے۔"

"خلوص نہیں، زبان بھی۔" اشمل نے کہا تو سحر گل نے منہ بنایا۔

"اونہہ____ ابھی تو ہم لوگوں نے کچھ باتیں ہی نہیں کیں اور آپ لوگ پیچھے پڑ گئے۔"

"سبحان اللہ____ کیا کہنے کہ ابھی تو انہوں نے باتیں ہی شروع نہیں کیں۔" فروان نے آنکھیں پھیلا کر مصنوعی حیرت کا اظہار کیا تو وہ دونوں بھی مسکرانے لگیں۔ فروان کا موڈ بھی قدرے

خوشگوار ہوگیا تھا۔ ذہن پر چھائی پژمردگی اور ڈپریشن کسی حد تک زائل ہوچکا تھا۔

"اب آپ ہشمینہ کو لے کر ہمارے گھر ضرور آیئے گا۔" سحر گل، اشمل سے بولی۔

"فی الحال تو میں وادی جا رہا ہوں۔"

"ہم تو آپ کو بس کبھی کبھی اخبار میں دیکھ لیتے ہیں۔ ویسے بڑے کارنامے انجام دیتے رہتے ہیں____ خوب تعریفیں اور بیانات ہوتے ہیں آپ کے بارے میں۔" سحر گل بولی۔

"آ۔۔۔۔۔ چھا۔۔۔۔۔" اشمل کو حیرت ہوئی۔ "مگر میں نے تو کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا، سوائے ایک کے۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے معنی خیز نگاہوں سے ہشمینہ کو دیکھا پھر مسکرا دیا۔

"ارے جناب! چاند کو کب خبر ہوتی ہے کہ وہ زمین والوں کے لئے روشنی کا کام انجام دے رہا ہے۔" فروان نے زبردست جملہ کسا تو اشمل خان اس کھلی تعریف پر جھینپ گیا۔

"تم دونوں بہن بھائی بہت زیادہ شریر ہوگئے ہو۔ اوکے، پھر ملاقات ہوگی اگر زندہ رہے تو۔" اشمل نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اُسے وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

"ارے واہ____ زندہ کیوں نہیں رہیں گے۔ ابھی تو آپ کے سہرے کے پھول بھی کھلنے ہیں۔" سحر گل جلدی سے بولی اور شرارت بھری نظروں سے ہشمینہ کو دیکھا اور ہنستی ہوئی فروان کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور ہشمینہ اور اشمل اپنی گاڑی کی طرف۔

"آپ نے کبھی بتایا نہیں اپنی اس کزن کے بارے میں____ بہت پیاری سی ہے سحر گل۔"

"جی، سب ہی پیارے ہیں۔ سوائے میرے۔" اشمل نے جھک کر گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے کہا تو ہشمینہ نے قطعی

نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"تم فرداً فرداً سب کی تعریف کر چکی سوائے میرے۔ اور میرا کیا قصور ہے۔"

"اوہ۔" اُس نے گھبرا کر جلدی سے پلکوں کی باڑھ جھکالی۔ ان بھوری آنکھوں کی جگمگاہٹ میں بڑی شرارت تھی۔ وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

'کیا یہ بندہ تعریف کے قابل نہیں؟' اُس نے اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے اس کے دھنک رنگ چہرے کو بے حد والہانہ پن سے دیکھا۔

"آپ کی تعریف میری شکست ہوتی ہے۔" اس نے چہرے کا رخ کھڑکی کی طرف کر لیا۔ "اور میرے لئے ایک شکست ہی کافی ہے۔ بار بار اس شکست کا اعتراف کرنا بہت مشکل ہے۔" اس نے کہا تو اشمل کی بھرپور ہنسی گاڑی میں بکھر گئی۔ اس نے سرشار انداز میں گاڑی شفاف سڑک پر فُل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

☆☆☆...

اُس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنا بڑا غدر مچ جائے گا۔ بات گو کہ معمولی نہ تھی کہ شاہ خانم خاموش رہتیں۔ مگر اب ان کے مقابل صرف وہ یا ذولین نہ تھا، بابا خان تھے۔ ان کے شوہر، ان کے مجازی خدا۔ یہ ان کی خواہش تھی۔ ان کا حکم تھا جس پر شاہ خانم سرتاپا سلگ اُٹھی تھیں۔

ذولین سے نفرت ان کی رگ رگ میں پھر جاگ اُٹھی تھی۔

اُن کے لبوں سے، اُن کی آنکھوں سے یہ نفرت اُمڈنے لگی تھی۔

اشارا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ کمرے میں جلے پاؤں کی بلی کی طرح ٹہل رہی تھی۔ تب زور سے دروازہ کھلا اور شاہ خانم تنے تنے چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

وہ اپنی جگہ پر جم گئی۔

"اشارا! ادھر آؤ، یہاں بیٹھو۔" ان کی آواز میں بلا کی کرختگی تھی۔ وہ کھٹ سے صوفے پر ٹِک گئی۔

"تمہیں شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس گھر میں کون سا طوفان اٹھا ہوا ہے۔" ان کے لہجے میں نرمی نام کو نہ تھی۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"مہروز خان، انہونی کرنے نکلا ہے۔ جانتی ہو مجھے ذولین سے نفرت کیوں ہے؟ کیا ہے اس کی وجہ؟" انہوں نے خود کو اس کے سامنے کرسی پر گرا لیا۔

اشارا نے بے حد آہستگی سے سر ہلایا۔

"ذولین کے باپ نے میری بہن کو سسکا سسکا کر مارا تھا اشارا! ___ اس شخص کا باپ قاتل ہے گلناز کا۔ خود غرض تھا وہ شخص۔ میں اتنی جلدی اُسے معاف نہیں کر سکتی۔"

اشارا نے بے اختیار سر اٹھایا۔

"اتنی جلدی ___ اب تو بہت دیر ہو گئی شاہ خانم! بہت عرصہ بیت گیا ہے۔ یہ جلدی تو نہیں رہی۔ بہت ظلم سہہ لیا ذولین نے بھی اپنے ناکردہ گناہ کی سزائیں۔" اس کی آنکھوں کے فرش گیلے ہو گئے۔

"فیروز خان خود نہ رہا مگر اپنی شبیہہ چھوڑ گیا۔ مجھے تڑپانے کے لئے۔ گل کی موت کا منظر اب بھی میرے حافظے میں اسی طرح جوان ہے۔ اس شخص نے میری بہن کی خوشیاں ڈس لی تھیں۔" شاہ خانم کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئیں۔

ان کا سراپا غصے سے کانپ رہا تھا اور آنکھوں میں شرارے لپک رہے تھے۔

"اگر آپ کے مجرم تھے بھی تو فیروز چچا تھے۔ ذولین تو نہیں۔ اس نے تو اس وقت دنیا میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ پھر مجرم وہ کیونکر ہو گیا۔ نفرت کا حق دار وہ کیونکر بنا ہے؟ یہ تو بالکل نیا وجود ہے جو

"وعلیکم السلام! کب آئے تم؟" اُسے دیکھ کر شاہ خانم کا چہرہ چمک اٹھا۔

"میں ابھی آیا ہوں۔" اس نے کاندھے پر پڑا بیگ زمین پر رکھ دیا اور پھر ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں ڈال کر شاہ خانم کو بغور دیکھا۔ ان کی روئی روئی، متورم آنکھیں اور چہرے پر چھائی گہری سنجیدگی نے اُسے مسئلے کی سنگینی کا احساس دلایا۔

"آیئے، ہم بیٹھتے ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر شاہ خانم کو محبت اور نرمی سے تھاما۔

"نہیں ___ تم تھک گئے ہو گے۔ پہلے کچھ کھا لو اور آرام کر لو۔"

"ارے دو گھنٹے کی ڈرائیونگ میں کیا تھکنا۔ میں بالکل فریش ہوں۔ اور بھوک تو بالکل نہیں ہے۔ زیبل! یہ بیگ میرے کمرے میں رکھ دو۔ آیئے شاہ خانم!" وہ شاہ خانم کو لئے ان ہی کے کمرے میں چلا آیا۔

"میں نے ہاسٹل چھوڑ دیا ہے۔ اب یونیورسٹی بائی کار ہی جاؤں گا۔ چند ماہ ہی تو رہ گئے ہیں میرے فائنل میں۔" اس نے پہلی خبر ہی دی تو شاہ خانم کھل اُٹھیں۔

"میں تو ہمیشہ ہی کہتی تھی۔ خدا کا شکر کہ تمہاری سمجھ میں آیا۔"

وہ ہنس دیا اور ان کے آرام دہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

"صرف آپ کی خاطر اب بھی یہ قدم اٹھایا ہے۔"

"جانتی ہوں ___ ایک تم ہی تو ہو جسے میرا خیال ہے۔" شاہ خانم نے محبت سے اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔

"نہیں شاہ خانم! آپ اپنے اطراف نگاہ ڈالیں تو محسوس کریں گی کہ اس گھر اور اس حویلی کے باہر سب آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ آپ کی عزت کرتے ہیں اور وہ سب آپ کی محبت کے خواہاں ہیں۔" اس نے دونوں بازو صوفے کی پشت پر پھیلا دیئے اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ "یہ بتایئے کہ یہ فون پر آپ نے کیسا بم بلاسٹ کیا تھا؟ بائی گاڈ، میں تو پریشان ہی ہو گیا۔ بھاگا چلا آیا ہوں۔"

شاہ خانم کمرے میں ٹہلنے لگیں ___ پھر بڑے سنہری وال کلاک کے سامنے رکیں اور پلٹیں۔

"اس حویلی میں سمجھو بم بلاسٹ ہی ہوا ہے۔ اور یہ بلاسٹ مہروز خان نے کیا ہے اشمل! تمہارا باپ وہ کرنے لگا ہے جو میری سوچ میں بھی نہیں تھا۔ اور نہ میں یہ کرنے دوں گی۔" ان کے چہرے پر غصہ کی سرخی دوڑ گئی۔

"کیا؟ ___ مجھے کھل کر بتائیں۔" اشمل سیدھا ہو بیٹھا۔

"وہ اشتار کی شادی ذولین سے کرنا چاہتے ہیں۔" شاہ خانم کے منہ سے نکلا ہوا یہ جملہ اشمل کے لئے خوشگوار حیرت لئے ہوئے تھا۔

"میں تو کبھی اس رشتے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اشمل!" شاہ خانم کا لہجہ آگ سے بھرا ہوا تھا۔ اشمل کے چہرے پر کئی تاثرات آئے اور معدوم ہو گئے۔ وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ خوشگوار حیرت اب سنجیدگی میں ڈھل گئی تھی۔

"بابا خان کا یہ فیصلہ قطعاً غلط نہیں ہے شاہ خانم!" اُس نے سنجیدگی سے کہا تو شاہ خانم نے غایت درجہ حیرانگی اور غصہ

کے ساتھ اُسے دیکھا۔

"اش۔۔۔۔۔مل۔۔۔۔۔تم بھی؟" ان کی آواز میں بے پناہ غراہٹ تھی اور جسم کا سارا خون یک بیک چہرے پر سمٹ آیا۔

"گستاخی معاف شاہ خانم! مگر یہ حقیقت ہے کہ بابا خان کا فیصلہ نہ صرف درست ہے بلکہ بہت ہی اچھا ہے۔ اشارا بہت خوش نصیب ہو گی اگر اُسے ذولین جیسا۔۔۔۔۔"

"شٹ یور ماؤتھ۔۔۔۔۔اشمل! تم۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔" شاہ خانم نے تیزی سے اُس کا جملہ کاٹ دیا۔ غصہ سے ان کا جسم کانپنے لگا۔ اشمل سے اُنہیں یہ اُمید ہرگز نہ تھی کہ وہ بھی مہروز خان کا ساتھ دے گا۔ ان کے تپتے آبلوں پر مرہم رکھنے کی بجائے ان کے درد کو اور بھی چھیل دے گا۔

"نکل جاؤ میرے کمرے سے ___ ابھی اور اسی وقت ___" انہوں نے شرارے برساتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"شاہ خانم! وقت تو ہر غم بھلا دیتا ہے۔ بڑی بڑی دیواریں ٹوٹ جاتی ہیں اور آپ نفرت کی اتنی کمزور اور بے وقعت دیوار کو تھامے کھڑی ہیں ابھی تک۔ گلناز آنٹی آپ کو یہ ذمہ داری تو نہیں سونپ کر گئی تھیں کہ خود کو اور ذولین کو بلکہ حویلی کے ہر فرد کو سزا دیں۔" اشمل نے حتی الامکان لہجہ کو نرم رکھتے ہوئے کہا۔ مگر شاہ خانم غصے سے پاگل ہو رہی تھیں۔ انہوں نے اشمل کو اپنی حمایت کے لئے بلایا تھا۔ اب اس کی باتیں ان کی برداشت سے باہر تھیں۔

"میں اس دیوار کو نہیں گرا سکتی۔ اتنی مدتیں بھی میرے درد کا مداوا نہیں رہیں۔ زخم بھر جائیں تو داغ رہ جاتا ہے۔"

"آپ اتنی مدتیں اس غم کو تازہ رکھتی رہیں بلکہ اس درد کو، ان زخموں کو کھرچتی رہی ہیں۔ ان میں اضافہ کرتی رہی ہیں۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچئے گا، اس میں صرف ذولین کی ذات ہی نہیں، خود آپ کی بیٹی بھی ہے۔ اس کی

زندگی، اس کا مستقبل آپ کی اندھی نفرت کی بھینٹ نہ چڑھ جائے۔"

"نہیں ___ اشارا میری بیٹی ہے۔ وہ کبھی میرا مان نہیں توڑے گی۔ اُسے میری عزت اور میری انا بہت عزیز ہے۔" ان کے لہجے میں تکبر تھا۔ فخر تھا۔ اور اشمل کے لبوں پر دُکھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں ___ وہ بیٹی ہے شاہ خانم! اور ہماری بیٹیاں ان ہی جھوٹی اناؤں کی بھینٹ چڑھتی آ رہی ہیں۔ ان کی خواہشات، ان کے خوابوں کی کرچیوں پر ہم لوگ قدم رکھ کر بہت فخر محسوس کرتے ہیں۔" اشمل کے لہجے میں گہرا تاسف ہی نہیں، گہری کاٹ بھی تھی۔ شاہ خانم نے اُسے دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ صرف صورت ہی نہیں کسی حد تک مزاجاً بھی انہی پر گیا تھا۔ اس کی بھوری بھوری آنکھوں میں غم اور غصہ ہلکورے لینے لگا تھا۔

وہ کرسی پر ڈھیر ہو گئیں۔

"تم سب لوگ مل کر مجھے توڑ دینا چاہتے ہو ___ مجھے شکست دینا چاہتے ہو۔" ان کی آواز میں اُداسی گھل گئی۔

اشمل اُن کے قریب بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں دیکھا۔

شاہ خانم نے اسے دیکھا، پھر پلکیں موند کر کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر بولیں۔

"مہروز خان مجھے شکست دینے چلا ہے۔ مگر میں یہ مرتے دم تک نہیں ہونے دوں گی۔ اشارا، فروان کی امانت ہے اور سحر گل اس گھر میں بہو بن کر آئے گی۔" انہوں نے کہا تو اشمل ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔

وہ لب بھینچے جیسے ایک کرب سے گزر رہا تھا۔اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔

"تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا اشمل !____اس جنگ میں تمہیں میرے ساتھ ہو کر لڑنا ہو گا۔"

"یہ جنگ نفرت کی بنیاد پر آپ نے اٹھائی ہے۔اور میں ہر گز ساتھ نہیں دوں گا۔" اُس نے قطعیت سے کہا اور پھر دھیرے سے بولا۔"شاہ خانم ! میں سحر گل سے شادی نہیں کر سکتا۔میرے دل میں سحر کے لئے ایسے کسی جذبے کی کوئی گنجائش نہیں۔وہ مجھے بہنوں کی طرح عزیز ضرور ہے مگر میں اُسے کسی ایسے رشتہ میں قبول نہیں کر سکتا۔اس لئے کہ۔۔۔۔۔۔" وہ لمحہ بھر رکا اور شاہ خانم کے متغیر چہرے پر نگاہ ٹکاتے ہوئے بولا۔"ہشمینہ ابرار ہی پہلی اور آخری لڑکی ہو گی جو اس رشتہ سے اس حویلی میں آئے گی ورنہ اور کوئی نہیں۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

وہ شاہ خانم کو کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔وہ ہر بات کھل کر کرنے کا عادی تھا۔جھوٹ یا منافقت کے راستے اُسے ہر گز پسند نہ تھے کہ وہ اس پر قدم رکھتا۔

اور شاہ خانم اس کی زبان سے یہ اقرار سن کر سناٹے میں رہ گئیں۔اشمل کے جملے کسی آہنی تیر کی طرح ان کے دل کے آر پار اُتر گئے تھے۔

'یہ چاروں طرف سے بغاوت کے طبل کیوں بج رہے ہیں؟____نہیں، میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔' ان کی رگوں میں خون نہیں انگارے دوڑنے لگے۔انہوں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئیں۔

...☆☆☆...

زبیل اشتار پر جھکی ہوئی تھی اور اُسے پکار رہی تھی۔

"خان زادی ! کیا ہوا؟____آنکھیں کھولو خان زادی !" اُس کی آواز میں بلا کا خوف تھا۔

اشتار اُس کی آواز سن رہی تھی۔وہ کرسی پر ڈھیر تھی۔پھر اس نے بوجھل پلکیں کھول کر اُسے دیکھا۔

"کیا ہوا خان زادی؟"

"کیا ہو گا زیبے____"

"میں تو بری طرح ڈر گئی تھی کہ خدانخواستہ بے ہوش تو نہیں ہو گئیں۔مگر یہ چہرہ کیوں زرد ہو گیا ہے تمہارا؟"

"جب خواب ٹوٹتے ہیں نا زیبے ! تو اندر باہر سب کچھ ہی بکھر جاتا ہے۔تم نے کبھی نم ہاتھوں سے کانچ کا برتن پھسلتے دیکھا ہے____کبھی بارش کے قطروں کو مٹی میں ملتے دیکھا ہے؟ہاں زیبے ! میری آرزوئیں بھی یوں ٹوٹ گئی ہیں جیسے کانچ کی نازک اور سبک چوڑیاں ہاتھوں سے گر کر کرچی کرچی ہو جائیں۔" اُس نے اپنی چراغ ہوتی آنکھیں اٹھائیں تو زبیل پوری جان سے کانپ گئی۔اُسے اس قدر ٹوٹا ہوا دیکھ کر وہ سخت حزیں ہو گئی۔اُسے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔آج کل حویلی میں جو طوفان اٹھا ہوا تھا اس سے وہ بے خبر نہ تھی۔اور شاہ خانم کا رویہ اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ذولین خان سے ان کی نفرت اس سے چھپی نہ تھی۔

وہ اشتار پر جھک آئی اور اس کے سنہری بالوں کو پیار سے سہلانے لگی۔

"اتنی جلدی ہمت ہار دو گی تو وہ شخص کیا کرے گا جو تمہارے ہی سہارے اتنا آگے بڑھ گیا ہے۔وہ پھر تنہا ہو جائے گا۔اس کے سارے حوصلے بکھر جائیں گے۔نہیں اشتار ! ذولین خان کو تمہاری ضرورت ہے____تمہاری ہمت اور محبت کی ضرورت۔اتنی جلدی شکست قبول کر لو گی تو کبھی کامیابی نہ پا سکو گی۔"

"زیبی! مجھ میں حوصلہ ہی تو نہیں ہے۔" اُس نے کرب سے لب کاٹے۔

"اوں،ہوں___محبت تو انسان کو نڈر بناتی ہے۔ تمہاری یہ بزدلی ذولین کے بھی قدم ڈگمگا دے گی۔ تم ہی پیچھے ہٹ جاؤ گی تو وہ کس آس پر آگے بڑھے گا؟ نہیں، نہیں خان زادی! اگر ذولین خان جیت گیا تو یہ صرف تمہاری محبت کی فتح نہ ہو گی بلکہ اس حویلی میں نفرت کی شکست اور خوشیوں کی فتح ہو گی۔" زیبل کا ٹھنڈا میٹھا لہجہ اُسے تقویت دے رہا تھا۔ "اُٹھو اور منہ دھو لو۔ ابھی تو تمہیں ذولین کو بھی حوصلہ دینا ہے۔ چلو شاباش۔" زیبل اُسے تھام کر باتھ روم کی طرف لے آئی۔

"ان بزدل آنسوؤں کو پانی سے دھو لو۔ یہ آنسو صرف دکھ کو بڑھاتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے ہیں۔" زیبل نے کہا تو اس نے اس کے مہربان چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھا اور پھر باتھ روم میں چلی گئی۔

زیبل کے جملوں نے اس کے اندر پھر جیتنے کی اُمنگ بھر دی تھی۔

ایک نئی توانائی۔

ایک نیا حوصلہ۔

ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اُسے فرحت بخش رہے تھے۔ وہ تولیے سے منہ پونچھتی ہوئی باہر نکلی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اشمل اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"لالہ! آپ کب آئے؟" وہ بے تابانہ اس کی طرف بڑھی۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" اس نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ "تم کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں___اس بار آپ جلدی آ گئے اور وہ بھی بغیر اطلاع دیئے۔" اشمل کو دیکھ کر اس کا دل بے پناہ مسرت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے شاہ خانم نے بلوایا تھا فون کر کے۔" اس نے اطلاع دی تو وہ چند لمحے اپنی جگہ حیرت میں کھڑی رہی۔ اس کی پلکیں جھک گئیں۔

اشمل نے اسے دیکھا۔ پلکوں کے کنارے سرخ سرخ اور متورم تھے اور چہرے پر رنج پھیلا ہوا تھا۔

"تو آپ کو انہوں نے سب کچھ بتا دیا ہو گا۔" اس نے جھکی جھکی نظروں کے ساتھ پوچھا تو اشمل نے لب بھینچ لئے۔

وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا اور پھر اس کے شانوں پر شفقت سے ہاتھ دھرتے ہوئے بولا۔ "باباخان کا فیصلہ بالکل درست ہے۔ اب اس حویلی میں انقلاب آئے گا___ضرور آئے گا۔"

"جی___" وہ سر اُٹھا کر اشمل کو دیکھنے لگی۔

"ہاں___" اُس نے سر ہلا دیا۔ "آؤ میرے ساتھ باہر___دیکھو کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے۔ تم تو اس منظر کی بہت دیوانی ہو۔ بارش کے بھی آثار ہیں۔" اُس نے ایک نظر دریچے سے باہر ڈالی اور پھر اسے لئے کمرے سے باہر آ گیا۔

زیبل موسم کی مناسبت سے سبز قہوہ اور دوسرے لوازمات تیار کر رہی تھی اور اشمل اشتارا کے ساتھ لان میں آ گیا۔

موسم بے حد دلکش ہو رہا تھا۔ سیاہ بادل لاجوردی آسمان کو ڈھانپ رہے تھے۔ فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی اور ہر سُو خوابیدہ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ وہ دونوں نرم نرم گھاس پر چلنے لگے۔ اشمل نے نظریں انیکسی کی طرف اٹھائیں۔

"ذولین ابھی نہیں آیا کیا؟"

"جی۔۔۔۔۔۔آں۔۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں۔" وہ جانے کن سوچوں میں کھوئی جا رہی تھی، جلدی سے چونکی اور پھر سنبھل کر بولی۔ "وہ اس وقت تو رائیڈنگ پر جاتے ہیں نا۔" اس نے بتایا تو اس کی معلومات پر اشمل کے لبوں پر

دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ ذولین کے بارے میں ایک ایک خبر رکھتی تھی۔

"اُس دیوانے کو رائیڈنگ کا کریزا بھی تک اتنا ہی ہے۔"

"آپ کو بھی تو بہت شوق ہے۔" اشتارا نے کہا تو اشمل نے سر ہلا دیا اور پھر یوکلپٹس کے خوشبودار پتوں سے کھیلتے ہوئے اشتارا کی سمت دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں اشتارا؟" اُس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ اشتارا کی جھکی جھکی پلکیں اُٹھ نہ پائیں۔ اُس کا دل زور سے دھڑکا۔

"جی___" اُس نے پلکیں اٹھائے بغیر جواب دیا۔ وہ اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔

"شاہ خانم جو چاہتی ہیں اس سے تم باخبر ہو___ انہوں نے مجھے اسی سلسلے میں بلوایا ہے۔" اُس نے تمہید باندھی۔ یا جو پوچھنا چاہتا تھا، یکدم پوچھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

"یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ شاہ خانم اس سلسلے میں تمہاری مرضی معلوم نہیں کریں گی۔ ان کا اپنا فیصلہ ہے جو اس حویلی کے ہر شخص نے آج تک قبول کیا ہے۔ جبری ہی سہی۔ مگر اب بات کچھ اور ہے۔ شادی دو انسانوں کے درمیان ایک گہرا اور ہمیشہ کا بندھن ہے۔ یہ ایک جواء ہے جسے بہت سوچ سمجھ کر کھیلنا پڑتا ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ شاہ خانم کا جذباتی فیصلہ یا تمہاری بزدلی تاعمر کا پچھتاوا بن جائے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات___؟" اُس نے رک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہرا اضمحلال پھیل گیا تھا۔ "اشتارا! تم اپنی رائے دو___ بلکہ اپنے حق کے لئے آواز اٹھاؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

اشتارا نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر کئی تاثر آئے اور معدوم ہو گئے۔ اشمل کے جملے نے اس کے دل پر عجیب سی کیفیت پیدا کر دی جو بیک وقت اُسے حوصلہ بھی دے رہا تھا اور ملال بھی۔

اچانک آسمان سے موٹے موٹے قطرے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"میں شاہ خانم کو نہیں، ان کی نفرت کو شکست دینا چاہتا ہوں۔" اس نے اس کا بازو تھاما اور شیلٹر کے نیچے بچھی کرسیوں کی طرف آ گیا۔ "بیٹھو یہاں۔"

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

موٹے موٹے قطرے تیز بارش میں بدل گئے اور بارش کے شور نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اشتارا نے ماحول کی پھیلتی سیاہی کو جیسے اپنے دل میں اُترتا محسوس کیا۔

"اشمل لالہ! اتنے برس بیت گئے اپنے اندر کی آوازوں کا گلا گھونٹتے ہوئے۔ اب احتجاج کی صدائیں بھی دم توڑ چلی ہیں۔" اس کے لہجے میں گہری یاسیت تھی۔

"نہیں اشتارا___ جب تک سانس کی ڈوری جسم کے ساتھ رہتی ہے تب تک آواز بھی زندہ رہتی ہے۔ فطرتِ انسانی اُمید، مزاحمت اور نبرد آزمائی کے لئے ہمیں آگے، اور آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ تم نے ذولین کی طرف قدم بڑھائے تو محض خوش آئند امید کے سہارے ہی نا۔" اشمل کا جملہ اشتارا کے چہرے کو سرخ کر گیا۔

تو اس کا بھائی سب کچھ جان چکا تھا___ اس سے دور رہتے ہوئے بھی وہ اس کے اتنے قریب تھا۔ اس کے مزاج اور اس کے دل کے قریب۔ اس نے چہرے کو اور بھی جھکا لیا۔

زیبے ان کے درمیان رکھی میز پر قہوہ اور لوازمات رکھ گئی تھی۔ اشمل نے قہوہ کی بلوریں پیالی اُٹھالی اور ہولے ہولے سپ لینے لگا اور نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا کر برستی بارش کو دیکھنے لگا۔ اشتارا دونوں ہاتھ گود میں رکھے عجیب سے خلفشار کا شکار بنی بیٹھی رہی۔ تاعمر پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی۔ وہ یک دم ساری زنجیریں کیسے توڑ سکتی تھی۔

"نہیں____یہ بہت مشکل ہے____میں ہی بے وقوف تھی کہ حقیقتوں سے بے خبر آرزوئوں کے ایوان سجاتی رہی۔ چاند تاروں کے، بہاروں کے سپنے بُننے لگی تھی۔

"اشارا! میں تمہاری بزدلی سے باخبر ہوں۔" اشمل کی بھاری آواز گونجی۔ اُس کی نگاہیں اس کے کرب زدہ چہرے پر ٹِک گئیں۔ "مگر یہ بہت ضروری ہے۔ شاہ خانم کو ان خود ساختہ نفرتوں کے جال سے نکالنا ہے۔ اور ذولین کو بھی اس کا حق ملنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نیا رشتہ ذولین اور ان کے درمیان تمام فاصلے سمیٹ لے گا۔"

اشارا کی آنکھوں میں آنسوئوں کے جالے تن گئے۔

"اشمل لالہ! میں فروان کے سنگ خوش نہیں رہ سکوں گی۔ میں نے اُسے کبھی۔۔۔۔" وہ آنسو پیتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولی تو اشمل ہنس دیا۔

"بے وقوف لڑکی! یہی تو میں بھی سمجھا رہا ہوں کہ بس تھوڑی ہمت کرنی ہو گی تمہیں۔ میرا اور بابا خان کا ساتھ دینا ہو گا۔" اشمل اٹھ کر اس کے قریب آگیا اور اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ سر جھکا کر بلک اٹھی۔ وہ سمجھ نہ سکی کہ یہ اتنے بہت سارے آنسو کیسے بہہ نکلے۔ شاید ذولین کو نہ پا سکنے کا دھڑکا تھا____شاہ خانم کا خوف تھا یا اشمل کے سامنے خفت کا احساس مارے دے رہا تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھی۔ تب لمحہ بھر اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ ذولین بہت خاموشی سے ان کی طرف آگیا تھا۔ بلیک شرٹ، بلیک جینز اور لونگ شوز میں وہ شاید ابھی ابھی رائیڈنگ سے واپس آیا تھا۔ اشارا کے آنسو اور اشمل کی موجودگی نے اُسے متحیر کر دیا تھا۔ پھر چونک کر اشمل بھی پلٹا۔

"ارے تم____" اشمل اُسے دیکھ کر مسکرایا۔ "تم کب آئے، اتنی رازداری سے؟" ذولین آگے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہو گیا۔ "یوں بغیر اطلاع دیئے اور اتنی جلدی؟" وہ واقعی حیران ہو رہا تھا۔

"ہاں یار! بس آنا پڑا۔ اور اب تو ہاسٹل کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہہ آیا ہوں____آئو بیٹھو۔"

ذولین نے کرسی کی جانب بڑھتے ہوئے اشارا کی سمت دیکھا جو آہستگی سے پلٹی اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"بہت بزدل لڑکی ہے۔ اور بہت معصوم۔" اشمل نے عجیب اُداس اور ملول سے لہجے میں کہا تو ذولین نے چونک کر اُسے دیکھا۔ اُسے تو کبھی سمجھانے کے لئے فریق ثانی کو زیادہ لفظوں کی ضرورت نہ پڑی تھی۔ وہ لہجے سے ہی بہت کچھ جان لیتا تھا۔ اشارا کے آنسو اور اشمل کے جملے نے اسے سب کچھ نہ سہی مگر بہت کچھ سمجھا دیا۔

"رائیڈنگ سے واپس آئے ہو؟" اشمل نے یکلخت موضوع بدل ڈالا۔

"ہاں____موسم یکدم بدل گیا اس لئے جلدی واپس آنا پڑا۔ مجھے خبر ہوتی کہ تم آنے والے ہو تو پھر ساتھ ہی جاتے۔ تم آئے بھی تو بغیر اطلاع ہو۔" وہ بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے تو لگتا ہے اب گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنا بھول گیا ہوں۔ یا گھوڑا مجھے بٹھانا۔ اتنی مصروفیت میں سب کچھ ہی بھول گیا ہوں۔ ڈرنے لگا ہوں اب تو۔ خاص کر تمہارے اُس پالتو سے۔"

"کیا____ڈرنے لگے ہو؟" ذولین نے اپنی سبز آنکھوں کو پھیلا کر اُسے دیکھا اور پھر دونوں ہنسنے لگے۔

"یہی سمجھ لو۔" اس نے قہوہ پیالی میں بھر کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

...☆☆☆...

رقص میں ہے سارا جہاں جھوم میرے دل جواں

محفل میرے یار کی ہے جھوم میرے دل جواں

ڈیک فُل والیوم سے بج رہا تھا۔ گلوکار کی آواز پورے محلے میں گونج رہی تھی۔ سحر گل لپ اسٹک کا آخر ٹچ دے کر پلٹی۔

"لگتا ہے دُولہا والے آچکے ہیں۔ ڈیک کا والیوم کچھ زیادہ ہی تیز ہو گیا ہے۔" وہ شاردا بھابی سے مخاطب تھی جو اپنی جمپر کٹنگ کرا رہی تھیں۔

"یہ ڈیک تو صبح سے ہی اسی آواز میں بج رہا ہے۔ توبہ میری، زمان تو کہہ رہے تھے شادی ایک گھر میں ہو رہی ہے اور بھگتنا سب کو پڑ رہا ہے۔" اُن کا انداز شگفتہ تھا۔ سحر گل ہنسنے لگی۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھ کر مطمئن ہو کر ہٹ گئی۔

آج فضہ کی مہندی دُولہا والوں کی طرف سے آنے والی تھی اور وہ پُرجوش انداز میں شرکت کر رہی تھی۔ فضہ نے تو اُس سے کہا تھا وہ شادی تک اسی کے پاس رہے۔ خود آنٹی (فضہ کی امی) نے بھی اس کے رکنے پر بہت اصرار کیا تھا۔ مگر اُس نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ایک گلی چھوڑ کر ہی تو اس کا گھر ہے اور وہ روز آجایا کرے گی۔

"اتنے لشکارے نہ مارو___ آج کل تو ویسے بھی مشکوک لوگوں کا آنا جانا بڑھ گیا ہے ہمارے گھر۔" بھابی اس کے سراپا پر نگاہیں ڈال کر مسکرائیں۔

ڈارک گرین رنگ کے لمبے ڈھیلے کُرتے اور شلوار پر جھلملاتا ستاروں والا دوپٹہ اوڑھے وہ ہلکے ہلکے میک اپ میں بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے تیکھے نقوش میک اپ نے نمایاں کر دیئے تھے۔ کھلتی رنگت پر سبز رنگ بے حد اُٹھ رہا تھا۔

"روز کوئی نہ کوئی منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ اور آج تو ویسے بھی پوری کی پوری بیری کا پیڑ بن کر جا رہی ہو۔ پتھر آنے شروع ہو جائیں گے دھڑا دھڑ۔" بھابی کپڑا لپیٹ کر اٹھ کر اس کے قریب آئیں اور پھر ماشاءاللہ کہہ کر اُس پر دم کیا۔

"بیری بڑی مضبوط ہے___ کسی کے ہاتھ نہ آئے گی۔" وہ کھلکھلاتی باہر نکل گئی۔

ہری ہری مہندی کے نیچے سرخ گلاب

تیرے خواب تیری آنکھوں جیسے

ان ہی گلابوں جیسے چومے تیرے ہاتھ مہندی والی رات

ہری ہری مہندی

وہ فضہ کے گھر پہنچی تو ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ لان میں لگے شامیانے مہمانوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اجنبی، ناآشنا چہروں کے درمیان وہ کچھ گھبرا سی گئی اور تیزی سے آگے بڑھی۔ تب بری طرح کسی سے ٹکرا گئی___ وہ تیلیاں لگا رہا تھا۔ اُس کے دھکے پر ہاتھ میں پڑا تاروں کا رول دھپ سے زمین پر گر گیا اور وہ خود اس بڑے ستون سے ٹکرا گیا۔

وہ پلٹا تو سحر گل کھسیا کر جلدی سے پرے ہو گئی۔ جھلملاتے دوپٹہ کا کونا تاروں کے رول کے نیچے پھنس گیا۔

"سس۔۔۔۔۔۔سوری! وہ میں۔۔۔۔۔۔اتنا ہجوم تھا کہ کچھ نروس ہو گئی۔ آپ کو دیکھ نہ سکی۔" اُس نے اس وجیہہ سے شخص کو لمحہ بھر دیکھا اور پھر خفت کے احساس کے ساتھ سر جھکا کر ہونٹ چبانے لگی۔

"اگر میں یہاں نہ ہوتا تو آپ اس ستون سے ٹکرا چکی ہوتیں بلکہ پاش پاش ہو چکی ہوتیں۔" وہ اب اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ سبز کپڑوں میں دلکش سی یہ لڑکی کچھ گھبرائی گھبرائی سی اُسے خاصی دلچسپ لگی۔

"وہ۔۔۔۔۔۔دوپٹہ۔۔۔۔۔۔" اُس نے اپنے دوپٹے کی طرف اس کا دھیان دلایا تو وہ چونک گیا۔ جلدی سے جھک کر اُس کا دوپٹہ نکالا۔

"ارے کیا ہوا عرشان بھائی؟" کوئی لڑکا اُس کی طرف آگیا۔ "ابھی تک آپ تاروں میں الجھے ہوئے ہیں۔"

وہ اُس کا دوپٹہ نکال کر کھڑا ہو گیا تھا جبکہ سحر گل تیزی سے آگے بڑھ چکی تھی۔ عرشان نے تیوری چڑھا کر سیف کو

دیکھا۔

"کوئی ڈھنگ کے آدمی پھپھو کو نہیں ملے تھے۔ ایک سے ایک نکمّا شخص ڈھونڈا ہے۔ سب دیکھو جیسی تیسی بتیاں لٹکا کر اڑنچھو ہو گئے ہیں۔" وہ بجلی والوں کو کوسنے لگا اور پھر تاروں کا رول سیف کو تھما دیا۔

"اب تم بھگتو___آخر کو فضہ کے خالہ زاد ہو۔ کچھ تمہارا بھی حق ہے۔" وہ موقع پا کر فرار ہو گیا اور سیف منہ بنا کر رہ گیا۔

رنگ و بُو کا ایک سیلاب اُمڈا ہوا تھا۔ مگر سحر گل اس اجنبی سے ٹکرا کر کچھ ایسی حواس باختہ ہوئی کہ جا کر فضہ کے پاس ہی ٹِک گئی۔

پیلے کپڑوں میں ملبوس فضہ اُداس دکھائی دے رہی تھی۔

"منصور تو بہت خوش ہوگا___اُس کے والدین نے اُسے معاف کر دیا ہے؟" اُس نے فضہ سے پوچھا۔

"ہاں___اُسے اُس کی سزا جو مل چکی ہے۔ سنو سحر! تم بھی اُسے دل سے معاف کر دینا۔ اب وہ شخص میری زندگی میں داخل ہو رہا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ۔۔۔۔۔"

"فضہ! پاگل ہو گئی ہو کیا؟" سحر نے اُسے ٹوک دیا۔ "اتنی فضول بات کر رہی ہو۔ وہ اب تمہارے رشتے سے میرا بہنوئی ہے۔ اور جانتی ہو یہ رشتہ کتنا معتبر ہوتا ہے؟ پاگل! میں نے تم سے کہا تو تھا کہ میں وہ تاریک باب بند کر چکی ہوں۔ جب منصور کو اُس کے کیئے کی سزا مل گئی، وہ اپنے کیئے پر پشیمان ہے تو بس پھر رہ ہی کیا جاتا ہے۔" اُس نے فضہ کو خود سے لپٹا لیا تو فضہ کے رُکے آنسو بہہ نکلے۔

"پتہ نہیں سحر! کہ یہ میری بد بختی ہے یا خوش نصیبی۔ مجھے خوش ہونا چاہیئے یا دُکھی؟ یوں لگتا ہے جیسے میرے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ہاتھوں میں پھول ہیں اور دل میں نہ بھرنے والا گھاؤ۔"

"میں جانتی ہوں تمہارا دُکھ فضہ!___منصور کو اپنی غلطی کا احساس بہت دیر بعد ہوا۔ خیر پھر بھی۔ اب تم دُکھی نہ ہو فضہ! سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ منصور تمہیں یقیناً جیت لے گا۔" اُس نے اُس کا چہرہ اٹھایا اور اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"ہاں___اُس نے مجھ سے بہت معافیاں مانگی ہیں۔" فضہ سیدھی ہو بیٹھی۔ تبھی اچانک شور بلند ہوا۔

"شاید دُولہا والے مہندی لے کر آ گئے ہیں۔" سحر چونکی۔ "ٹھہرو، میں دیکھتی ہوں۔" وہ کھڑی ہو گئی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

دُولہا کے گھر سے لڑکیاں مہندی خوبصورت انداز میں سجا کر لائی تھیں اور گیت کا مقابلہ ہر حال میں جیت کر جانا چاہتی تھیں۔ ایسی ایسی تیز طرار لڑکیاں تھیں، آتے ہی دُلہن والوں پر چھانے لگی تھیں۔ مگر فضہ کی طرف کی لڑکیاں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔

سحر گل ایک کرسی پر ٹِک کر دونوں طرف سے ہونے والے حملوں پر محظوظ ہونے لگی۔ کبھی وہاں سے اسکڈ میزائل سے حملہ کیا جاتا تو یہاں جیسے ایٹم بم تیار تھا۔ اس وقت اُس کی نظریں اٹھیں۔ وہ عورت مسلسل اُسے نگاہوں کے حصار میں لیئے ہوئے تھی۔ آنکھوں میں پسندیدگی اور اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔ نگاہیں ملنے پر وہ مسکرانے لگیں۔ سحر گل بھی جواباً مسکرا دی۔ اُسے اُلجھن سی ہونے لگی۔

"توبہ___یہ بیٹھے بٹھائے ان محترمہ کو کیا دورہ پڑ گیا۔" وہ کرسی پر پہلو بدلنے لگی۔ تب ایک لڑکی اُس کے قریب رکھی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ نیچے گیت گاتی لڑکیوں کے گروپ سے اُٹھی تھی اور بکھرے بالوں کو سمیٹ کر اُس سے مخاطب ہوئی۔

"لڑکے والے بڑے کم بخت ہیں۔ایک پر ایک بم بلاسٹ کر رہے ہیں____بھئی اپنی تو ہمت جواب دے گئی۔" وہ بے تکلفی سے گویا ہوئی۔"آپ شاید فضہ کی فرینڈ ہیں۔" اُس نے درست اندازہ لگایا تھا۔

"جی____اور آپ؟" سحر گل کو اس کا دم غنیمت لگا۔

"میں فضہ کی کزن ہوں۔نائلہ۔" اُس نے اپنا تعارف کرایا۔خاصی باتونی لڑکی تھی۔جلد ہی سحر گل سے گھل مل گئی اور خود سحر گل بھی ایسے ہی مزاج کی تھی۔اُس کے پاس بھی باتوں کا خاصا اسٹاک جمع رہتا تھا۔

تیری یادوں سے مہکے میری ہر شام وئی وئی

میری نظروں کا پہنچے تجھ کو سلام وئی وئی

"وعلیکم السلام____وعلیکم السلام!" لڑکوں کی طرف سے جوابی کارروائی شروع ہو چکی تھی۔وہ شاید کب سے ضبط کر رہے تھے۔اب درمیان میں ٹپکنا شروع کر دیا تھا۔لڑکیاں چلانے لگی تھیں۔

"اتنی خوش فہمی کب سے ہو گئی۔" سب کورس میں چلائیں۔

"جب سے آپ کو دیکھا ہے۔" کسی منچلے نے جملہ کسا۔

"اپنی چونچ بند رکھئے۔"

"آپ لوگ بھی اب اپنے یہ گانے بند کریں۔یوں لگ رہا ہے جیسے بھنڈی گاجر بیچ رہی ہیں۔"

"کیا کہا؟" دُولہا کی طرف کی لڑکیاں جیسے جلتے تنور پر جا بیٹھیں۔دُلہن والوں کی طرف سے لڑکے اب برابر ساتھ دے رہے تھے۔اُن کی لڑکیاں تو بیچاری منمنا کر رہ گئی تھیں۔اور دُولہا والوں کو اپنی فتح ہار میں بدلتی نظر آنے لگی۔

"یہ فاؤل ہے____لڑکے درمیان میں نہ آئیں۔" ایک لڑکی اُٹھ کر بولی۔

"تو پھر لڑکے کہاں جائیں____آخر ففٹی پرسنٹ اس دنیا میں موجود ہیں۔" لڑکوں کی طرف سے جواب حاضر تھے۔"

"گانے سننے ہیں تو ہمارے سنئے____آپ کافی بھنبھنا چکی ہیں۔" پھر کسی منچلے نے لڑکیوں کی قوم کو للکارا۔

"ارے آئے بڑے گانے سنانے والے____اپنی آواز سنبھال کر رکھئے۔کہیں اور کام آئے گی۔"

"آج ہی کیوں نہ کام آئے محترمہ!" لڑکے بھی کم نہ تھے۔

"یہ لڑکے بڑے خبیث ہیں۔" نائلہ مسلسل ہنس رہی تھی۔

آؤ فضہ کو لے آئیں۔اب وہ لوگ مہندی کی رسم کریں گے۔" نائلہ اُٹھی اور سحر گل بھی اس کے ہمراہ ہو گئی۔

مہندی کی دھماکہ رات بھی ڈھل گئی۔

دوسرے دن شادی کے ہنگامے تھے۔شادی والے دن ہال میں سحر گل کے ہمراہ شاردا بھابی بھی آئی تھیں مگر وہ تو ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی تھیں۔

ویسے بھی ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔سحر گل ہی اُسے زبردستی لائی تھی۔وہ بھابی کو بیٹھے دیکھ کر خود اسٹیج پر چلی آئی جہاں فضہ آف وہائٹ شرارے میں اپنے حُسن کی بجلیاں گرا رہی تھی۔اُس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔

"آخاہ____تو آج آپ دُلہن کے مقابلے پر آئی ہیں۔" نائلہ نے اُسے پیچھے سے تھام لیا تو وہ پلٹی اور نائلہ کی توصیفی نگاہوں پر جھینپ گئی۔

میرون پشواز میں وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔فضہ اُس کی بیسٹ فرینڈ تھی۔وہ اُس کی شادی کے ہر فنکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔

"آئو، میں تمہیں اپنی امی سے ملوائوں۔" نائلہ اُسے پکڑ کر اسٹیج سے نیچے اُتر آئی۔ وہ ہر طرف نگاہیں دوڑانے لگی۔ معاً اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"ادھر آئو۔" اُسے ساتھ لئے کرسیوں کے درمیان سے گزر کر رک گئی۔

"ان سے ملو ___ یہ ہیں میرے اکلوتے بھائی ___ آرمی میں خیر سے میجر ہیں۔" نائلہ نے کہا تو اس نے آہستگی سے سر اٹھایا ___ اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے ڈنر سوٹ میں اونچا لمبا وہی شخص تھا جو ستون سے لپٹا ہوا تھا اور اس سے وہ بری طرح ٹکرا گئی تھی۔

اُس کی خوبصورت آنکھوں میں شناسائی کی چمک لہرائی تھی جو سحر گل کو خجل کر گئی۔

"عرشان بھائی! یہ میری بہت پیاری دوست سحر گل ہے۔"

"تمہاری یہ دوست کہیں جمناسٹک کی کوئی کھلاڑی تو نہیں ہے؟" اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

سحر گل کی پلکیں لرز گئیں۔

"کیا کہا؟" نائلہ چلائی۔ "یہ آپ کو اتنی نازک سی لڑکی جمناسٹک کی ماہر لگی ہے؟"

"میں نے ماہر کا لفظ تو نہیں کہا۔ ماہر ہوتی تو۔۔۔۔۔۔" وہ جملہ دانستہ ادھورا چھوڑ کر ہنس دیا اور بڑے بے نیاز انداز میں پلٹ گیا۔

سحر گل کا چہرہ تپ اُٹھا۔

اس کے بعد نائلہ اُس کو لے کر ایک خاتون کے پاس جا کر رُک گئی۔

"امی! یہ سحر گل ہے ___ اور سحر! یہ میری پیاری امی ہیں۔" سحر گل نے مسکرا کر مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے کر

دیا۔ یہ وہی عورت تھی جو کل مہندی کے روز اُسے مسلسل تاڑے جا رہی تھی۔ اُس نے بہت محبت سے سحر گل کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر وہ نائلہ کے ہمراہ دوبارہ اسٹیج پر آ گئی۔ تب منصور دوستوں کے جلو میں اسٹیج تک آیا۔ گرے تھری پیس سوٹ میں اسٹک کے سہارے چلتا ہوا وہ اسٹیج پر چڑھا اور فضہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سحر گل کو اُس کی یہ حالت دیکھ کر شاک تو نہ لگا تھا مگر تاسف ضرور ہوا تھا۔

کہاں فاتح عالم بن کر شہر بھر میں سکوٹر اُڑاتا منصور ___ اور اب ایک بے جان اسٹک کے سہارے چلتا ہوا منصور۔ اُس نے دیکھا اُس کے چہرے پر مسکراہٹ ضرور تھی مگر آنکھوں میں گہری اُداسیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خوش تھا۔ اتنا ہی جتنا فضہ تھی یا شاید اس سے بھی کم۔ اب وہ صرف اسٹک کا ہی نہیں، فضہ کا بھی محتاج تھا۔ فضہ نے اُسے بھیک میں اپنا آپ تو دے دیا تھا مگر وہ بھی یقیناً جانتا تھا کہ یہ اُس کی بھی مجبوری کا سودا ہے۔ کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی اپنے کئے کی سزا ضرور ملتی ہے۔ اُس نے ایک گہری سانس سینے کی قید سے آزاد کی۔

مووی بنواتے ہوئے منصور کی نظر اچانک اُس پر اُٹھی تو خفت اور ندامت کے رنگ اس کے چہرے پر پھیل گئے۔ اس نے فوراً نظریں چرا لیں۔ مووی کی تیز لائٹس منصور اور فضہ کے چہرے پر دھڑا دھڑ ٹکرا رہی تھیں۔

پھر اچانک کھانے کا دور چلا تو آہستہ آہستہ اسٹیج خالی ہوتا چلا گیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دُولہا دُلہن کو چھوڑ کر سب نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ سحر گل بھی فضہ کی کرسی سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور اسٹیج سے اُترنے لگی۔ تب منصور کی آواز نے اُس کے قدم روک دیئے۔

"مس سحر ___"

وہ پلٹی تو منصور کا چہرہ عجب خلفشار کا شکار ہو رہا تھا۔ سحر گل نے فضہ کی سمت نگاہیں اُٹھائیں۔

"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں ___ یقین جانئے میں نے فضہ سے کئی بار کہا کہ میں آپ سے مل کر خود معافی

مانگوں۔۔۔۔۔۔" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پیوست کیئے خفت کے احساس کے ساتھ بولا۔ "شاید آپ کے ساتھ میں نے جو حرکت کی تھی اس کی سزا ہی ملی ہے مجھے۔"

"منصور صاحب! اگر یہاں کسی کو غلط کاموں کی سزا نہ ملے تو یہ دنیا بہت بھیانک ہوتی۔ اور پھر میں نے آپ کو بد دُعا نہیں دی تھی۔ بہر کیف خدا آپ کو اور فضہ کو سچی خوشیاں نصیب کرے۔" وہ تدبر سے بولی اور اسٹیج سے اُتر آئی۔ تب بھابی اُسے ڈھونڈتی ہوئی آگئیں۔

"اوہ ___ تم ابھی تک ٹہل رہی ہو؟ جلدی کھانا کھالو۔ گھر بھی جانا ہے۔" بھابی اُسے دیکھتے ہی بولیں تو وہ ان کے ہمراہ لان کی طرف آگئی جہاں کھانے کا انتظام تھا۔

کھانے کا دور ختم ہوا تو رات کا تقریباً ایک بج رہا تھا۔ فضہ کی امی نے ان دونوں کو روک لیا۔

"ٹھہرو! میں کسی لڑکے سے کہتی ہوں۔ وہ گاڑی میں تم دونوں کو چھوڑ آئے گا۔" گو گھر قریب ہی تھا مگر رات کے اندھیرے میں ان کا یوں تنہا جانا انہوں نے مناسب نہ سمجھا۔

"نہیں آنٹی! میں فون کر لیتی ہوں۔ فروان آجائے گا۔" سحر گل نے آنٹی کو یہاں وہاں نظریں دوڑا کر کسی لڑکے کو ڈھونڈتے دیکھ کر تکلّف برتا۔

"اے لو ___ وہ کوئی تمہارے لئے جاگ رہا ہو گا اس وقت؟ ___ ایک بج رہا ہے۔ بچے کی نیند کیوں خراب کرو۔" انہوں نے اُس کی بات رد کر دی تھی۔ نائلہ آگئی۔

"ارے جا کر سیف یا عامر سے کہو کہ وہ گاڑی نکالے۔ سحر گل کو ان کے گھر چھوڑ آئے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"اچھا ___ تم جا رہی ہو؟" نائلہ، سحر گل کی طرف پلٹی۔ "میں ابھی عرشان بھائی کو لے کر آتی ہوں۔" اُس نے کہا اور پلٹ گئی۔ عرشان کے نام سے پھر سحر گل کے دل میں عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔ نہ جانے کیوں اُس شخص کو دیکھ کر اُس کی پلکوں پر بوجھ آن گرتا۔ خفت کا یا اُس کی نگاہوں کی چمک کا۔

نائلہ کچھ دیر بعد ہی عرشان کے ہمراہ آن ٹپکی اور پھر ان دونوں کو لئے ہال کے باہر آگئی۔

"میں تو فون کر کے فروان کو بلوا لیتی۔ مگر آنٹی نے منع کر دیا۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی نائلہ سے بولی۔ تب عرشان نے چونک کر ویو مرر سے دیکھا۔ وہ اُسے جتا رہی تھی یا یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اُس کا احسان بحالت مجبوری لے رہی ہے۔ اُس کے لبوں پر موہوم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس وقت وہ خاصی پُر اعتماد نظر آ رہی تھی۔ اُس سے بے ساختہ ٹکراتے وقت اُس نے اُس کے چہرے پر بوکھلاہٹ، خوف اور کھسیاہٹ کی کیفیت دیکھی تھی۔ اور پھر جب نائلہ اُس سے تعارف کرانے آئی تھی تب بھی اس کے چہرے پر خفت تھی۔ مگر اب اُس کا اعتماد لوٹ آیا تھا یا وہ ایسا پوز کر رہی تھی۔

نہ جانے کیوں اُسے دیکھ کر عرشان نوید کے ذہن میں رنگین سی دُھند چھانے لگی تھی۔ نامعلوم سے احساسات دل کی سرزمین سے اُٹھنے لگے تھے۔

اُس نے جلدی سے نگاہیں ویو مرر میں دمکتے اُس کے عکس سے چرا لیں۔ بہر کیف وہ ایک شریف گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اور خود سحر گل بھی ایک اچھے اور مہذب گھرانے کی لڑکی تھی۔ بے شک دل اُس کے اختیار میں نہ تھا۔ نئے جذبوں کو دمکنے، مچلنے سے وہ نہ روک سکا تھا۔ مگر وہ ان جذبوں کی بے حرمتی قطعی پسند نہ کرتا تھا۔

محبت دل میں رہے تو پاکیزہ رہتی ہے۔ یہ اُس کا اپنا نقطہ نظر تھا۔ اُس کے پاس سحر گل کو پانے کا ایک بہت مہذب طریقہ تھا۔

گاڑی اُس کے بنگلے کے سامنے آئی تو وہ اپنی سوچوں سے باہر نکل آیا۔ بھابی گاڑی سے اُتر کر بیل بجا رہی تھیں۔ نائلہ، سحر گل کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔

"سحر گل! تم میں واقعی ایسا کوئی سحر ہے جس نے مجھے ایسا کر دیا ہے۔" نائلہ کھنکتی ہنسی کے ساتھ بولی تو عرشان کا دل خوش رنگ انداز میں دھڑک اُٹھا۔ نائلہ نے جیسے اُس کے دل کی ترجمانی کر ڈالی تھی۔ سحر گل کے چہرے پر سرخی سی دوڑ آئی۔

"بہت فضول لگتی ہو تم۔" اُس نے ہاتھ چھڑایا۔ "اندر نہیں آؤ گی؟"

"ارے نہیں بابا! اتنی رات گئے مہمان بننے کا کیا لطف۔ اور یہ تم نے کیا خطرناک شے پال رکھی ہے؟" اُس نے سفید بلڈاگ کو دیکھا جو اجنبی چہروں کو دیکھ کر مسلسل بھونک رہا تھا۔ "ویسے اچھا ہوا، میں نے تمہارا گھر دیکھ لیا۔" نائلہ معنی خیز لہجے میں بولی اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ "اب آنا جانا رہے گا۔"

"ضرور۔" سحر گل بولی اور نگاہیں بے ساختہ عرشان پر اُٹھیں مگر پھر فوراً جھک گئیں۔

وہ بھی بے خیالی میں اُسے مسلسل تکے جا رہا تھا۔ نگاہیں ملنے پر اُس نے جلدی سے رخ موڑ لیا اور گاڑی گیئر میں ڈال دی۔ نائلہ نے اُسے ہاتھ ہلا کر دروازہ بند کر دیا اور عرشان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

...☆☆☆

بتا رہی ہے یہ آنکھوں کی منجمد لالی

کڑے دنوں میں کٹھن رتجگوں سے گزرے ہو

بجھا بجھا سا ہے چہرہ، دھواں دھواں آنکھیں

خوشی کی کھوج میں کتنے غموں سے گزرے ہو

وہ سفید مرمر کی بینچ پر دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی تھی

بڑے دنوں بعد غم کی گنگھور گھٹائیں اُس کے من آنگن میں گھر گھر آئی تھیں اور وہ جو اُس کے سامنے ذولین خان کھڑا تھا، اُسے پانا کتنا آسان لگتا تھا۔ مگر اب وہ اتنے قریب ہونے کے باوجود کتنا دور تھا۔

وہ ذولین کے بلانے پر ہی آئی تھی اور جانتی تھی کہ ذولین نے اُسے کیوں بلایا ہے۔ اس حویلی میں اُٹھتے طوفان سے وہ بے خبر نہیں تھی۔ کچھ اندازہ اسے بھی ہو گیا تھا۔ اور اُسے تو سمجھانے یا سمجھنے کے لئے کبھی کسی وضاحت یا ڈھیر سارے لفظوں کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ وہ تو صرف اس کی آنکھوں سے اس کے دل کی کیفیت اور اس حویلی میں ہونے والے واقعات کا اندازہ لگا لیتا تھا۔ اب کس قدر مشکل تھا اس سے یہ سب کچھ چھپانا۔ وہ تو تذبذب کا شکار تھی کہ اُسے بتائے یا چھپا لے ___ وہ اپنے تئیں خود کو سنبھالنے کی سعی کرنے لگی مگر اُس کی اُداس آنکھیں اور ملول چہرہ بول رہا تھا۔ اپنی داستان سنا رہا تھا۔

ذولین خان نے اُس کے آزردہ جمال پر ایک نظر ڈالی۔

"اشارا! تم کیا سمجھتی ہو، میں بے خبر ہوں؟ نہیں، میں آج سے نہیں، اُسی روز سے ایسے طوفان سے آشنا تھا۔" وہ پام کے تنے سے ٹیک لگا کر خلاؤں میں گھورنے لگا۔

اشارا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور ایک تیز سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔

"میں اسی دن سے اس طوفان سے ڈرتا تھا ___ میں نے اپنے جذبوں میں اس لئے بے حسی کی برف جمانی چاہی تھی کہ تم اور میں الگ الگ ہی رہیں۔ ان دو کناروں کی طرح ہی رہیں۔ اس لئے کہ انجام میرے سامنے تھا۔ میرے تصور میں تھا۔ مگر ___ میں ہار گیا۔" اُس نے شدتِ ضبط سے اپنے بے تحاشا سرخ ہونٹ دانتوں میں دبا لئے۔ اشارا کے

دل پر برچھی سی چل گئی۔

"تو اب پچھتاوے ڈس رہے ہیں؟" اُس نے دُکھی لہجے میں پوچھا تو ذولین نے اُسے دیکھا اور پھر اُس کے قریب آ گیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا ایک بار کہ ہم جہاں ہیں، وہاں یہ محبت نہیں، اذیت ہوگی۔ عمر بھر کی۔ اور یہ اذیت ہم دونوں کے لئے ہے۔ کیونکہ میں نے بھی بہت سے خوش نما خواب دیکھے تھے ___ میں نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی خواب نہیں دیکھے تھے۔ میں خوابوں میں رہنے والا شخص نہیں تھا۔ میرا دل ایک پتھر تھا۔ میرا وجدان پتھرا گیا تھا۔ مگر پھر تم نے اسے موم بنا ڈالا۔ اب یہ موم سا دل معمولی سی چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ تم نے کیا، کیا اشارا! تم نے ذولین خان جیسے شخص کو بکھیر دیا۔ خود کو چٹان سمجھنے والا ریت کی طرح بکھر گیا ہے۔" ذولین نے اُسے دیکھا۔ چہرہ آگ ہو رہا تھا اور آنکھیں دھول۔

"ذولین ___" اشارا تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے غایت درجے کی شگفتگی سے اُسے دیکھا۔ "آپ ___ ذولین! آپ نے اتنی جلدی حوصلہ ہار دیا؟ مجھے تو اشمل لالہ نے بہت سنبھالا دیا تھا۔" اُس نے کہا تو ذولین نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"اشمل نے؟" اُس کے لہجے میں حد درجہ تعجب تھا۔ اشارا نے پلکیں جھکا دیں۔

"ہاں ___ وہ جانتے ہیں کہ ___" اُس نے گلابی لب دانتوں میں دبا لئے۔ اور یہ انکشاف ذولین خان کے لئے نہایت حیران کن تھا۔ "اشمل لالہ کو شاہ خانم نے اسی سلسلے میں بلوایا ہے۔ مگر وہ بابا جان سے متفق ہیں۔" اشارا کے اس جملے نے اُسے بیک وقت حوصلہ بھی بخشا اور ملول بھی کر دیا۔

"مگر ذولین! اگر بابا جان ہار گئے تو اشمل لالہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ شاہ خانم کے آگے بھلا کب کسی کی چلی ہے۔" اُس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر آنسو روکنے کی سعی کی۔ پھر پلٹ کر جانے لگی تب ذولین نے اس کے شانے پر

ہاتھ رکھ کر اُسے روکا۔ اُس کا انداز جارحانہ تھا۔ اُس کے مضبوط ہاتھ نے اُس کا رُخ دوبارہ اپنی طرف موڑ دیا۔

"تم کیا سمجھتی ہو ___ میں شاہ خانم کے ہاتھوں شکست کھا جاؤں گا؟ ___ انہوں نے میری حالت ریگ زار کر دی ہے۔ مجھے زندگی بھر محض ناکردہ گناہوں کی سزا دیتی رہی ہیں۔ نہیں اشارا ___ اب یہ جیت ان کی نہیں ہوگی۔ اب انہیں شکست سہنا ہوگی ___ بہت بھاری ___ بہت تکلیف دہ۔" اُس کا لہجہ اُکھڑا ہوا اور سرد تھا۔

اشارا نے بھیگی بھیگی پلکیں اُوپر اُٹھائیں۔ اُس کا چہرہ تنا ہوا تھا۔

"تم میری محبت ہو ___ اور میں اپنی محبت سے اتنی آسانی سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ اور تمہیں شاہ خانم سے چھیننا میری ضد ہے۔" اس کے شانوں پر اس کے مضبوط ہاتھوں کا دباؤ بڑھ گیا۔

وہ وحشت زدہ ہو گئی۔ اس کی سبز آنکھیں طوفان کی زد میں آئے سمندر کا عکس پیش کر رہی تھیں اور تنا ہوا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔

"اگر تم چچا خان کی عزت نہ ہوتیں تو میں تمہیں یہاں سے ــــــ"

"ذو ــــــ لین ــــــ" وہ خوف سے چلا اُٹھی۔ اُس کے پیر یوں جلنے لگے جیسے وہ ریت کے تپتے ہوئے ٹیلے پر ایستادہ ہو۔

ذولین خان اس لمحے وحشی ہو رہا تھا۔ اس سے کچھ بعید نہ ہوتا۔ اگر اُسے مہروز خان کی عزت کا پاس نہ ہوتا تو وہ محض شاہ خانم کو نیچا دکھانے کے لئے اُسے یہاں سے لے جاتا۔ کہیں بھی۔

"اُف خدایا ___" اُس نے خوف سے جھرجھری لے کر ذولین کی طرف دیکھا۔

"میں کبھی بزدل نہیں رہا اشارا! مگر اس عورت کا احترام ہمیشہ مجھ پر غالب رہا۔ عورت سے انتقام لینا میری سرشت

نہیں ہے۔ وگرنہ میں چاہتا تو ان سے پوچھ سکتا تھا کہ وہ محض فیروز خان سے نفرت کا زہر مجھ پر کیوں انڈیل رہی ہیں۔ اور مجھے فخر ہے اپنے باپ پر۔ میرا سر اُٹھا ہوا ہے اشارا! کہ میرے باپ نے ان کی بہن سے کوئی بدعہدی نہیں کی تھی

____

۔انہیں کوئی سپنے نہیں دکھائے تھے۔ انہوں نے محض اپنی والدہ کے فیصلے سے انکار کیا تھا اور منافقت کی راہ سے خود کو بچا لیا تھا۔ ہاں اشارا! میں ایک ایک سوال کا جواب چاہوں تو ابھی جا کر ان سے مانگ سکتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں، کوئی وزنی دلیل نہیں ہے اس نفرت کی۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا، نہ ہی کروں گا۔ یہ میری شان کے خلاف ہے____ یہ محض اُن کی ذہنیت کی پستی ہے۔ ان کی خودساختہ نفرت ہے۔ ہاں، مگر اب تمہارا حصول میری ضد ہے۔ اور اس کے لئے مجھے اگر حویلی کے اندر آکر بھی لڑنا ہو گا تو میں لڑوں گا۔“

اشارا سر جھکائے سنتی رہی۔ اُس کا دل از حد دُکھی ہو رہا تھا۔ اُسے منزلِ عشق کا راستہ کتنا آسان اور روشن لگتا تھا جب ذولین اُس کے سامنے ہوتا، اُس پر پیار بھری نگاہیں اُٹھاتا تھا۔ اُس کا مضبوط وجود اُس کے لئے کتنی تقویت کا باعث رہا تھا۔ مگر____

اب منظر بدل گیا تھا۔

حقیقت یہ تو نہ تھی۔

منزلِ عشق کا راستہ بے حد تاریک اور مہیب ہو گیا تھا۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ ہی تھا۔ بس وہی انجان تھی۔

اُس کے قریب ہوتے ہوئے بھی کتنی دوری کا احساس ہو رہا تھا۔ سمندر میں اُتر کر بھی جیسے وہ پیاسی ہی رہی تھی۔

تشنگی اُس کے انگ انگ میں ابھی بھی اسی طرح رچی ہوئی تھی۔

ایسا لگتا تھا جیسے چم چم کرتی خوشیوں کی تتلیاں اُس کی ہتھیلی سے پھر سے اُڑ گئی تھیں اور اس کے چاروں طرف کانٹے اُگ آئے ہوں۔

دھنک کے سارے منظر اس پارہ گئے تھے۔

آہ____ کب بجھے گی یہ آشفتہ پیاس۔

پھر وہی تشنگی۔

وہی ماتمی نوحے۔

اور پھر وہی اُجڑنے کا موسم۔

اور پھر وہی نا آسودگی کے جال میں قید ہو گئی تھی۔

اچانک ذولین کے ہاتھوں کی نرم ٹھنڈک نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے اپنی مغموم پلکیں اُٹھائیں اور پھر جھکا دیں۔

”جاؤ اشارا____ اندر جاؤ۔“ اُس نے کہا تو وہ کسی فرمانبردار بچے کی طرح خاموشی سے پلٹ گئی اور رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

’تم کیوں خوفزدہ ہو پاگل لڑکی! میں اتنی آسانی سے تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارا حصول ہی میری زیست ہے اور میں اپنی زیست کے لئے آخری سانس تک جنگ کروں گا____ اب تشنگی میرے حصے میں نہیں آئے گی____ اب ہار میرا مقدر نہیں بنے گی____ اب شاہ خانم کی زندگی میں انقلاب آئے گا اور آنا بھی چاہئے کہ انقلاب میری زیست کی بقاء ہو گی____ یہی انقلاب نفرتوں کے گھر مہندم کرے گا____ اور یہی انقلاب میری محبت کی فتح ہو گا۔‘

اُس کی نگاہیں دُور ہوتی اشارا پر جمی تھیں۔ اُس نے اپنے لہو میں کھولتے الاؤ کو بہت تحمل سے ٹھنڈا کیا اور پھر پلٹ کر

انیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆...

بڑی سی گول کرسی پر بیٹھی شاہ خانم گہری سوچ میں گم تھیں ____ اُن کا ذہن اب تمام درپیش حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔

مہروز خان کی ضد۔

اشمل کی حمایت۔

یہ سب انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ مہروز خان کی خاموشی اور صلح جو مزاج کا رنگ ٹوٹ چکا تھا۔ اب اُن کی ضدی طبیعت عود کر آئی تھی۔ اور مرد جب ضد پکڑ لے تو مضبوط سے مضبوط عورت بھی بے بس نظر آنے لگتی ہے۔ اور انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ مزید تن کر مہروز خان کے سامنے ٹھہر نہ سکیں گی۔ اور پھر جب اشمل بھی ان ہی کا حمایتی تھا۔ ایسے میں ان کا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔ کوئی نئی پلاننگ کر رہا تھا۔

ہار کا تصور ہی ان کے لئے بے حد خوفزدہ کرنے والا تھا۔

"میرے خدا!" وہ وحشت زدہ سی اُٹھ کر ٹہلنے لگیں۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔

مہروز خان احتیاطاً حویلی میں کم آتے تھے۔ صبح کے گئے گہری شام کو ان کی واپسی ہوتی تھی اور یہ بات شاہ خانم کو بڑی اذیت دیتی تھی۔ مگر دونوں کے درمیان یہ سرد جنگ مسلسل جاری تھی اور جھکنے کو کوئی تیار نہ تھا۔

شاہ خانم کو یہ گوارہ نہ تھا کہ فیروز خان کے بیٹے ذولین کو داماد کی صورت میں قبول کر لیں اور مہروز خان اپنے فیصلے پر روزِ اول کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ مگر شاہ خانم کا خیال تھا کہ اشمل خان اُن کے پاس ایک ایسا مہرہ ضرور ہے جو مہروز خان کو جھکانے میں اُن کی مدد کر سکتا ہے، بصد اصرار۔

وہ راہداری تیزی سے عبور کرنے لگیں کہ سامنے سے آتی اشتارا ٹھٹک گئی۔

"خیریت شاہ خانم؟" وہ احتراماً اُن کے قریب آرکی۔

"ہاں ____ اشمل کہاں ہے؟"

"اشمل لالہ تو اپنے کمرے میں ہیں۔" اشتارا کچھ حیران ہوتے ہوئے بولی۔ "آپ کہیں تو میں آپ کے کمرے میں بھیج دوں؟"

"نہ ____ نہیں، میں خود ہی جا رہی ہوں۔" شاہ خانم نے اُس کی بات رد کر دی اور خود اشمل کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اشمل کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا ____ شاہ خانم کو دیکھا تو لونگ شوز پہنتے پہنتے رُک گیا۔

"آپ ____ آیئے ____ مجھے بلوا لیا ہوتا۔" وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔

"کہیں جا رہے ہو؟" شاہ خانم اندر آگئیں اور اُس کی تیاری واضح طور پر محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ____ بس یونہی ذولین کے ساتھ ذرا رائیڈنگ کا پروگرام بن گیا تھا۔ کوئی کام تھا کیا مجھ سے؟"

"ہاں ____ اگر تمہارا جانا ضروری نہیں ہے تو۔"

"ارے نہیں، اتنا ضروری نہیں ہے۔ آپ بیٹھئے، میں ابھی آیا۔" وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

"قابل نواز!" اُس نے گرِل کے پاس جا کر پورچ کی طرف جاتے قابل نواز کو پکارا تو وہ بھاگا آیا۔

"جی خان جی؟"

"ذولین سے کہہ دو جا کر کہ اشمل ایک گھنٹے بعد آئے گا۔ تم اس وقت چلے جاؤ۔ سنو، ابھی ہی جا کر کہہ دینا، وہ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔" وہ پیغام بھیج کر واپس کمرے میں آ گیا۔

"یونہی بس فارغ تھا تو پروگرام رائیڈنگ کا ہی بنا ڈالا۔ کافی دن ہو گئے تھے رائیڈنگ کئے ہوئے۔ آپ کہیئے، جو کہنا چاہتی ہیں۔" وہ جیکٹ اُتار کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

شاہ خانم سر جھکائے چند ثانیے کچھ سوچتی رہیں، پھر بولیں۔

"میں بہت اپ سیٹ ہوں اشمل!___ مجھے لگتا ہے اس فضا میں میرا دم گھٹ جائے گا۔"

اشمل نے اُنہیں دیکھا۔ 'نفرت کی ان اونچی فصیلوں میں تو آپ کا کبھی دم نہ گھٹا تھا شاہ خانم! اب جبکہ بابا خان یہ دیواریں گرانا چاہتے ہیں، فضا میں بسا زہر مٹا دینا چاہتے ہیں تو یہ سب کچھ آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ آپ کو محبتوں سے اتنی نفرت کیوں ہے شاہ خانم؟' اُس نے تاسف سے سوچا۔

"تم اپنے بابا کو سمجھاتے کیوں نہیں ہو اشمل؟"

"میں___؟" اشمل نے استفسار بھری نظروں سے انہیں دیکھا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔ "نہیں شاہ خانم! میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں، بابا خان کا فیصلہ درست ہے۔ آپ سوچیئے، غور کیجئے تو آپ بھی متفق ہو جائیں گی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، میں اشنارا کی بہتری نہیں چاہتی؟" انہوں نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔ "میری بیٹی ہے___ میں نے اُسے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے۔ اُس کا اچھا برا میں بہتر انداز میں سوچ سکتی ہوں اور سوچتی ہوں۔"

"مگر یہاں تو آپ محض اپنی انا کا مسئلہ اٹھائے بیٹھی ہیں۔"

"اشمل!" شاہ خانم کو اُس کا یہ جملہ سخت ناگوار لگا۔ انہوں نے خشمگیں آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ "تم حد سے زیادہ گستاخ ہوتے جا رہے ہو۔" وہ سخت مشتعل ہو گئیں اور کرسی سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنے لگیں کہ اشمل ان کے سامنے آ گیا۔

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں شاہ خانم! مگر آپ ٹھنڈے دل سے سوچیئے، اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے آئی ہیں تو پھر بیٹھئے اور سکون سے میری بات بھی سنیئے۔ بے شک آپ کا غم اپنی جگہ مگر اب جنریشن چینج ہو گئی ہے۔ وقت کا دھارا بہت گزر چکا ہے۔" اُس کا لہجہ صلح جو نہ تھا مگر نرم ضرور تھا۔ اُس نے شاہ خانم کو نرمی سے شانوں سے تھام کر دوبارہ بٹھا دیا۔

وہ سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل چاہتا تھا۔ بلکہ شاہ خانم کو قائل کرنا چاہتا تھا۔ وہ سخت اُلجھا ہوا تھا۔ ذولین، بابا خان کی حمایت میں کہا ہوا ایک جملہ ہی شاہ خانم کو برافروختہ کر دیتا تھا۔ مگر اُس نے سوچ لیا تھا کہ جب وہ میدان میں اُتر ہی آیا ہے، بلکہ اُسے اُتارا گیا تھا تو وہ یہ میدان فتح کر کے ہی رہے گا۔ اُس کے سامنے ذولین خان کے ساتھ کی گئی ناانصافیاں تھیں۔

اشنارا کی خاموش زبان مگر بولتی آنکھیں اور خود اُس کی اپنی خواہش۔

وہ ہر حال میں شاہ خانم کو قائل کرنا چاہتا تھا۔

"تم کہتے ہو اشمل! کہ وقت کا دھارا بہت گزر چکا ہے۔ مگر میرے لئے نہیں بدلا۔ سب کچھ ویسا ہی ہے۔ وہی ماہ و سال ہیں۔" شاہ خانم گہری یاسیت سے بولیں۔

"سب کچھ بدل گیا ہے شاہ خانم! بس آپ نہیں بدلیں۔ بدلنا نہیں چاہتیں۔ یقین جانیئے میرا مقصد نہ آپ کی مخالفت

ہے اور نہ باباخان کی حمایت۔ مجھے تو صرف اشتارا کی خوشی عزیز ہے۔ اور اس حویلی میں محبتوں کی جیت چاہتا ہوں اور صرف وہی چاہتا ہوں جس سے سچی خوشیاں وابستہ ہیں۔" اُس نے ٹھنڈے میٹھے لہجے میں سمجھانا چاہا۔ مگر شاہ خانم پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ وہ تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں۔ اور پھر جیسے کوئی خیال بجلی کی طرح ان کے ذہن میں کوندا۔

"اشمل !___" انہوں نے چونک کر اُسے پکارا۔ "تم نے ایک بار مجھ سے ذکر کیا تھا ہشمینہ کا۔"

"جی۔" اُس نے حیرت سے شاہ خانم کو دیکھا۔ یہ بھلا اشتارا اور ذولین کے ذکر کے درمیان ہشمینہ کا ذکر کہاں سے نکلا۔

"تم نے سحر گل کے رشتے سے انکار کرتے ہوئے ہشمینہ کا نام لیا تھا۔ ہاں، وہ لڑکی مجھے بھی بہت پسند آئی اور یقیناً وہ پسند کئے جانے کے قابل بھی ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" اُس نے اپنی حیرت کو قابو کرتے ہوئے پوچھا اور شاہ خانم کو دیکھا۔ اُن کا چہرہ کسی احساس کے تحت سرخ ہو رہا تھا۔ اچانک وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور اشمل کے بے حد قریب آ رکیں۔

"اشمل ! میں ایک شرط پر ہشمینہ کو اس حویلی میں بہو بنا کر لا سکتی ہوں کہ تم مہروز خان کی یہ ضد توڑنے میں میرا ساتھ دو۔"

اُن کی چمکتی بھوری آنکھیں اشمل کے چہرے پر ٹکی تھیں۔ اور دروازے کے باہر کھڑی اشتارا جو کچھ دیر پہلے ہی کسی کام کے سلسلے میں اشمل کے کمرے کی طرف آئی تھی، شاہ خانم کی آواز پر رُک گئی تھی۔

اس جملے پر اُس کا سارا وجود جیسے مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ اُس نے جیسے غم کے بوجھ سے پھٹتے دل پر ہاتھ رکھا اور مغموم پلکیں اُٹھا کر شاہ خانم کے سامنے کھڑے اشمل کی طرف دیکھا۔

غم و صدمے سے اشمل کی قوتِ گویائی کتنے ہی ثانیے تک سلب رہی۔ اُس نے بے یقینی اور دُکھ کی کیفیت سے شاہ خانم کو دیکھا۔ وہ ایک ماں تھیں اور محض اپنی انا کا پرچم بلند رکھنے کے لئے اولاد سے سودا کر رہی تھیں۔ اور وہ کیسے اور کیونکر اشتارا کے حصے میں غم ڈال کر اپنی خوشیاں خرید لیتا۔ دوسروں کے خوابوں کے کھنڈر پر اپنی محبت کا محل بنا لیتا۔

اُس نے اس ذہنی صدمے سے خود کو سنبھالا اور شاہ خانم کی طرف عجیب ناآسودہ انداز میں دیکھا۔

وہ جواب کی منتظر تھیں یا اپنی فتح کی۔

"شاہ خانم ! کاش آپ نے یہ بات کہنے سے پہلے سوچ لیا ہوتا۔" اُس نے خود کو صوفے پر گرا لیا۔

"اشمل ! تم میرے بیٹے ہو___ اور جانتے ہو مائیں بیٹوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ تم مجھے نہتا کر کے چاہتے ہو کہ مہروز خان مجھے پچھاڑ دے؟"

"پلیز شاہ خانم ! آپ نے مجھے اتنا پست انسان کیسے سمجھ لیا کہ میں اشتارا کی خوشیاں چھین کر اپنی زیست کو سجالوں۔ وہ میری بہن ہے___ مجھے بے حد عزیز۔"

"اشمل !" شاہ خانم نے کڑے تیوروں سے اُسے دیکھا۔ "اُسے اس بات سے غرض نہیں ہے کہ اُس کی شادی کس سے ہونی چاہئے۔ فروان یا ذولین___ اُس کے یہ لئے بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"یہ تو آپ کا خیال ہے نا۔" ایک تلخ مسکراہٹ اشمل کے لبوں کو چھو گئی۔ وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" شاہ خانم نے اُسے حیران کن نظروں سے دیکھا۔

"وہ فروان کو کبھی دل سے قبول نہیں کرے گی اور نہ کسی اور کو___ ذولین اُس کی خواہش ہے۔"

"اش۔۔۔۔۔ مل۔۔۔۔۔" شاہ خانم پوری قوت سے دہاڑیں۔

"گستاخی معاف شاہ خانم! آپ اپنی بیٹی کی خوشیاں چھین کر محض اپنے دل کا سکون حاصل کرنا چاہتی ہیں تو یہ کوئی مشکل نہیں ہوگا آپ کے لئے کہ جا کر آپ اشارا کو زبردستی اپنے فیصلے پر سر جھکانے پر مجبور کر دیں اور اپنی خوشیاں حاصل کریں۔ پھر بھلا بابا خان کیا کر لیں گے؟___اگر آپ ماضی کی گلناز کو زندہ کرنا چاہتی ہیں، اشارا کے روپ میں تو میں نہیں روکوں گا۔ اگر اشارا کو گلناز خالہ کی طرح سسک سسک کر مار دینا چاہتی ہیں اور اسی میں آپ کا دلی سکون پنہاں ہے تو جائیے، آپ اپنا یہ سکون ضرور حاصل کریں۔ وہ بے زبان لڑکی اس لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے کہ ہم جیسے بااختیار لوگ اُسے محض اپنی ضد اور انا کی بھینٹ چڑھا دیں۔"

"اشمل!___چپ ہو جاؤ___گستاخ___بدزبان!" شاہ خانم کا ہاتھ پوری قوت سے اشمل کے رخسار پر پڑا۔ اُن کا بدن غم و غصے سے کانپنے لگا۔ چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔

"دُور ہو جاؤ میری نظروں سے___دفع ہو جاؤ اس حویلی سے۔ میں تم جیسے گستاخ بیٹے کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ غضب ناک ہو کر دھاڑیں اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اشمل نے اس طوفان کی پذیرائی بہت تحمل سے کی اور پھر شاہ خانم کے کمرے سے جاتے ہی خود الماری کی طرف بڑھا اور چرمی بیگ نکال کر اس میں اپنے کپڑے بھرنے لگا۔ وہ اب اس

حویلی میں ایک پل نہیں رہنا چاہتا تھا جہاں اپنی انا کی حفاظت نہیں کی جا سکتی___جہاں محبتیں نہیں، رعب اور دبدبہ ہی سب کچھ تھا۔

اُس نے جان لیا تھا کہ شاہ خانم کو سمجھانا عبث ہے۔ اور اس میں اتنی تاب نہ تھی کہ وہ اشارا کے اُجڑنے کا تماشا دیکھتا رہے۔

ذولین کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں پر اب مزید بیٹھ کر کڑھتا رہے___اُسے اپنے کہے ہوئے جملوں پر کوئی پشیمانی

نہیں تھی۔ اُس نے سچ کہا تھا۔ اُس نے شاہ خانم کو صحیح سمت دکھانے کی سعی کی تھی۔

کپڑے ہینگر سے نکال نکال کر اُس نے بیگ میں بھر لئے اور زپ بند کر دی۔ تب اشارا تڑپتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔

"اشمل لالہ!___یہ کیا کر دیا آپ نے؟" وہ بے اختیار ہو کر اشمل کے شانے سے آلگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں نے ٹھیک کیا ہے اشارا!___میں شاہ خانم کی آنکھیں کھول دینا چاہتا ہوں جو اندھی نفرت نے بند کر رکھی ہیں۔ وہ اب تمہیں بھی گلناز خالہ کا روپ دینا چاہتی ہیں۔"

"نہ۔۔۔۔۔ نہیں لالہ! یہ بہت برا ہوا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہو رہا ہے___اتنا بڑا طوفان___میں پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہ گئی۔"

"پاگل ہو گئی ہو اشارا!" اشمل نے ہچکیوں سے روتی اشارا کو خود سے لپٹا لیا۔

"آپ چلے جائیں گے؟"

"ہاں___میرا اس وقت چلے جانا ہی بہتر ہے___میں بزدل نہیں ہوں اشارا! مگر اتنا بہادر بھی نہیں کہ تمہارا دکھ آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ شاہ خانم کو بدلنا واقعی بہت مشکل ہے۔ اور اس حویلی میں انقلاب لانا ناممکن ہے۔" اُس نے ایک گہری سانس لی اور اشارا کو خود سے الگ کیا اور بیڈ سے اپنا بیگ اُٹھا لیا۔

"نہ جائیں لالہ آپ۔" اُس نے ملتجی نظروں سے دیکھا تو اشمل کا دل پگھل پگھل کر بہنے لگا۔ مگر وہ مجبور تھا۔ جانتا تھا کہ اس کا یہاں مزید ٹھہرنا شاہ خانم کو مستقلاً مشتعل رکھے گا۔

"تم سمجھو گڑیا! میرا یہاں رہنا بھی مشکل ہے۔ اور سنو! تم شاہ خانم کے ہر سوال کا جواب وہی دینا جو تمہارے حق

میں بہتر ہو۔اور سچ ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔" اُس نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ سسک کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

"تم سارے اختیار ہار گئے تو میں بے بس، بے اختیار لڑکی اتنا بڑا انقلاب کیسے لاسکتی ہوں؟___ پھر کب آئیں گے آپ؟" اُس نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

"میں فون کرتا رہوں گا۔" گویا جلدی آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اُس نے بیگ اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆...

وہ سخت اُداس اور ملول ہو رہی تھی جب اُسے پتہ چلا کہ اشمل خان نے ہاسٹل چھوڑ دیا ہے۔اُس دن اتفاق سے اس کی احسن سے ملاقات ہو گئی تھی اور اُس نے ہثمینہ کو پہلی خبر یہی سنائی تھی اور اُس کا دل سخت حزیں ہو گیا۔وہ ہاسٹل چھوڑ چکا تھا اور کئی دنوں سے یونیورسٹی بھی نہیں آرہا تھا___ یہ بات اُسکے لئے پریشان کن تھی۔اُس نے احسن سے حویلی کے فون نمبر بھی لے لئے مگر کبھی اس میں اتنی ہمت پیدا نہ ہوئی کہ وہ اشمل کو فون کرتی۔کئی بار اُس نے ریسیور اٹھایا اور پھر رکھ دیا۔نہ جانے کیوں اشمل کی آواز سنتے ہی جیسے وہ لفظوں کے معاملے میں بالکل ہی بے زبان ہو جاتی۔شرم اُسے اپنا مسئلہ اُٹھانے نہ دیتی اور زبان ساتھ دینے سے انکار کر دیتی۔وہ شخص کتنی تسلیاں دے کر گیا تھا۔مگر لگتا تھا کہ اب وہ ساری سسکیاں بھول گئی تھی۔وہ سب کچھ اس کے بے قرار دل کے لئے بہت کم تھیں۔یہاں، سلطان کمال کی زور و شور سے انکوائری کروا رہے تھے۔اور ایسے میں وہ پریشان ہوا ُٹھتی۔

اُس نے خود کو کمرے میں مقید کر لیا تھا۔

'ہائے اشمل!___ دیکھو تو، کتنی تنہا ہو گئی ہوں۔تمہاری ذات کا بخشا ہوا وہ حوصلہ اب ٹوٹ رہا ہے___ میں اندر

سے چیخ رہی ہوں___'

وہ بری طرح رو دی۔موٹے موٹے قطرے سیاہی کو مٹانے لگے۔

پھر یکدم اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔وہ اس سحر سے، اس خوشبو سے باہر نکل آئی۔اشناس بھائی دروازے پر ہولے سے دستک دے کر اندر آئے تھے اور انہیں دیکھ کر وہ سٹپٹا کر کھڑی ہو گئی۔

"آ۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔آیئے۔۔۔۔۔" اُس نے جلدی سے اپنی بھیگی پلکیں دوپٹے کے کنارے سے رگڑ دیں۔
سرخ سرخ چہرہ، روئی روئی متورم آنکھیں، ملگجے کپڑے اور دو دن سے کنگھی نہ کئے ہوئے بال۔اشناس بھائی نے ایک نظر میں سب کچھ محسوس کر لیا۔وہ ایسی تو ہر گز نہ تھی۔ہمیشہ خود کو صاف ستھرا رکھنے والی، ہر دم ہنسنے کھلکھلانے والی یکدم ہی تنہائی پسند ہو گئی تھی۔خود سے بے نیاز ہو گئی تھی۔

"بیٹھئے نا آپ۔" وہ خود کو بروقت سنبھال کر جبراً مسکرائی۔

"ہاں___ بیٹھنے ہی آیا ہوں۔اور تم بھی میرے پاس بیٹھو۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔"دو دن سے میں نے تمہاری صورت نہیں دیکھی۔" اشناس بھائی نے اُسے بغور دیکھا تو اُس کا چہرہ جھک گیا۔

"جج۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔آپ شاید زیادہ مصروف ہو گئے ہیں۔"

"نہیں___ تم کمرے میں بند ہو گئی ہو۔کیوں گڑیا! کیا بات ہے___ کیا ڈپریشن ہے تمہیں؟" وہ اُٹھ کر اس کے قریب سیٹی پر بیٹھ گئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"پرپوزل تو ہر لڑکی کا آتا ہے۔اور اس سے پہلے بھی تمہارے کئی پرپوزل آچکے ہیں۔مگر اس بار تم بالکل اپ سیٹ ہو

گئی ہو____ کیوں؟" انہوں نے نرمی اور یگانگت سے اُس کے سر کو تھپکتے ہوئے پوچھا تو ہشمینہ کا دل پگھل گیا۔ وہ بے اختیار ہو کر اُن کے گلے لگ کر بلک اُٹھی۔ کاش وہ اشناس بھائی کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ سکتی۔ مگر وہ ایسی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بس جی بھر کر روتی رہی اور اشناس بھائی نے اُسے رونے دیا تاکہ دل کا غبار نکل جائے۔

"تم ہم سب کو کتنی عزیز ہو ہشمینہ! شاید تمہیں اندازہ نہیں۔ اور مما تمہارے اس گھر سے جانے کا سوچ کر کتنے اُداس ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ ایک فرض بھی ہے ان کے کندھوں پر اور ایک خوشی بھی جس میں سکون اور اطمینان بھی ہے ____ ہے نا؟" انہوں نے اُس کا سر اوپر اُٹھا کر اُسے دیکھا تو وہ چہرہ دوپٹے سے پونچھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"دیکھو ہشمینہ! سلطان بہت اچھا لڑکا ہے۔ کمال انکل سے کے بہت اچھے مراسم ہیں۔ اور پھر ان کی فیملی بہت ایجوکیٹڈ اور بہت نفیس ہے۔ تمہیں ایڈجسٹ ہونے میں یقیناً کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔" اشناس بھائی اُٹھ کر ٹہلنے لگے۔ پھر اُس کی رائٹنگ ٹیبل کے پاس رُک گئے۔ وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"تمہارا یہ بلاجواز انکار نہ میری سمجھ میں آ رہا ہے اور نہ کی۔" وہ رُکے، اُن کی نگاہیں ہشمینہ کے جھکے سر سے پھسلتیں یکدم میز کی سطح پر رکھی سیاہ ڈائری پر رُکیں جس کا پہلا صفحہ کھلا ہوا تھا اور اس پر واضح انداز میں "اشمل خان" کا نام سرخ مارکر سے لکھا نظر آ رہا تھا۔ اور جیسے لمحہ بھر کو اُن کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔ "اشمل خان" یہ نام اُن کے لئے اجنبی نہ تھا۔ اور وہ ہشمینہ کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔ اس سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھے۔ اچانک ہی ہشمینہ کا انکار اُن کی سمجھ میں آنے لگا____ اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کیا تمہارا کسی سے کمٹ منٹ ہے؟" انہوں نے بالکل اچانک پوچھا تھا۔ ہشمینہ نے سر اُٹھایا اور اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اشناس بھائی کا لہجہ قدرے تیز تھا اور چہرے پر بے پناہ سختی تھی۔ وہ چل کر اُس کے قریب آئے۔

"یہی جواز رہ جاتا ہے۔" انہوں نے بہت غور سے کھوجتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"نن۔۔۔۔۔۔۔ نہیں اشناس بھائی!" وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"سچ سچ بتاؤ ہشمینہ!" ان کے لہجے میں نرمی نام کو نہ تھی اور ہشمینہ کو لگا جیسے وہ نیچے ہی نیچے تاریک وادیوں میں گرتی چلی جا رہی ہو۔ اشناس بھائی کی کھوجتی نگاہیں اُس کے جسم کے آر پار ہونے لگیں۔

'میرے خدا____'

اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اُس کا یہ متواتر بلاجواز انکار کسی کو اس رُخ پر بھی سوچنے پر مجبور کر دے گا۔ اور وہ جو اپنی عزت، غیرت اور حمیت کی حفاظت کرتے نہ تھکتی تھی اس لمحے اُسے اپنا آپ بالکل پست لگنے لگا۔ اُسے خود سے کراہیت ہونے لگی۔

یہ اس نے کیا کر دیا؟

اُس شخص کی خاطر وہ جان دے سکتی تھی مگر اپنی عزت کا نیلام کسی صورت گوارا نہ تھا۔ باپ اور بھائی کے سامنے اُس کا سر جھک جاتا۔ وہ سر اُٹھانے کے قابل نہ رہتی۔ کے اعتماد کو اتنی بڑی ٹھیس پہنچا دے____ ایک محبت پانے کے لئے اتنا سب کچھ کھو دے۔ نن۔۔۔۔۔۔۔ نہیں، یہ اُسے گوارا نہ تھا۔ اُس کی شریانوں میں خون اُبلنے لگا اور چہرہ گرم آگ ہو گیا۔

"نہیں اشناس بھائی! میرا کسی سے کمٹ منٹ نہیں ہے____ اور نہ میرے انکار کی یہ وجہ ہے۔" اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر؟" اشناس بھائی سوالیہ نشان بن گئے۔

"آپ____ سے کہہ دیں، مجھے اس رشتے پر کوئی انکار نہیں۔ جب جواز ہی نہیں تو مجھے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ وہ ہنس

دی۔ غصے کے ضبط سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا اور دروازے سے داخل ہوتی بھابی کا کلیجہ پانی ہو گیا۔

اشناس بھائی اُسے چند لمحے خالی نظروں سے تکتے رہے، پھر پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

"یہ۔۔۔۔۔۔۔یہ کیا کر دیا ہشمینہ!" بھابی بھاگ کر اندر آئیں۔ "دیوانی تو نہیں ہو گئی ہو؟"

اُس نے سر اٹھایا۔ اس کا چہرہ آگ ہو رہا تھا اور آنکھیں دھول۔

"میرے پاس کوئی جواز نہیں تھا انکار کا۔ اور میں بے غیرت بیٹی بن کر سب کے سروں سے عزت کی چادر نہیں کھینچ سکتی تھی۔ نہیں ہے مجھ میں اتنی تاب کہ محض ایک کو پانے کے لئے اپنی عزت، اپنی غیرت اور کے اعتماد کو بکھیر دوں۔ میں اپنے ضمیر کے آگے سرخرو رہنا چاہتی ہوں۔ اس گھر میں اپنی عزت، اپنا مقام برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔ میں خود کو قربان کر کے اپنا اعتماد قائم رکھنا چاہتی ہوں۔" وہ صوفے پر ڈھے گئی۔

"مگر ہشمینہ! اس لڑکے اشمل کا کیا ہو گا؟___ اُسے کس بات کی سزا دے رہی ہو؟ اُس کی زندگی سے کیوں دشمنی کر رہی ہو تم؟___ خود تم بھی۔۔۔۔۔۔۔ نہیں ہشمینہ!۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔" بھابی کا گلا رندھ گیا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اُسے جھنجھوڑنے لگیں۔

"میں اور کیا کروں بھابی! آج اشناس بھائی نے مجھ سے جو کچھ پوچھا میں نے اس نوبت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے میں خود اپنی نظروں میں گر گئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک شخص کو پانے کے لئے آنکھوں میں نامحرم کے خواب سجانے کے لئے مجھے اتنی بھاری قیمت ادا کرنی ہو گی۔ پھر مجھے اپنا آپ اتنا گرا ہوا اور پست لگے گا۔ مجھے لگا جیسے سرِ عام بھائی کے سامنے میں ننگے سر کھڑی ہو گئی ہوں___ آہ، بھابی! میرے دل میں جیسے کسی نے نیزے کی انی چبھو دی تھی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک اٹھی۔

بھابی کا جگر بھی پانی پانی ہو گیا۔ "کیا اشناس کے علم میں آ گئی ہے یہ بات؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"نہیں___ مگر میں نہیں چاہتی کہ اب یہ نوبت بھی آ جائے۔ میں اس لمحے سے بہت ڈرتی ہوں بھابی! جب امی کے سامنے کھڑے ہو کر میں سر بھی نہ اٹھا سکوں۔ ان کے بازوئوں میں جھول کر یہ بھی نہ کہہ سکوں کہ۔۔۔۔۔۔" اُس کا گلا آنسوئوں سے بھر گیا۔ آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔

بھابی نے اُسے ترحم بھری نظروں سے دیکھا اور پھر آہستگی سے اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ وہ اس وقت اُسے تنہا جی بھر کر رونے کا موقع دینا چاہتی تھیں۔ دل کا غبار نکال کر یقیناً وہ پُرسکون ہو جاتی۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئیں اور جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئیں۔

...☆☆☆...

مہروز خان، چڑھتی شام میں ہی حویلی آ گئے تھے۔ ان کے ہمراہ گل بی بی بھی تھیں۔ اشنارا، زیبل کے ساتھ لان میں ٹہل رہی تھی۔ مہروز خان کے ساتھ گل بی بی کو آتے دیکھ کر اُسے ایک انوکھی خوشی ہوئی۔

اس اُجاڑ، بے کیف اور تلخ فضا میں جیسے گل بی بی پیار کا تازہ جھونکا محسوس ہوئیں۔ مہروز خان اندر بڑھ گئے جبکہ گل بی بی اس کے پاس ٹھہر گئیں۔

"السلام علیکم گل بی بی!" وہ کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

"جیتی رہو___ میری طرف تو تم نے آنا چھوڑ دیا ہے بالکل۔ گل مینا بہت یاد کرتی ہے تمہیں۔" انہوں نے اشنارا کو سینے سے لگا لیا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

"شاندانہ بھی اس ماہ کے آخر میں آئے گی۔ اور زیادہ دن رکے گی۔" گل بی بی کی بات پر اشنارا خوش ہو گئی۔

"میں بھی شان کی کمی بہت محسوس کرتی ہوں___سچ،اس کے جانے کے بعد بالکل تنہا سی ہو گئی ہوں___آیئے نا،ہم اندر بیٹھتے ہیں۔" وہ گل بی بی کو لئے اندر کے حصے میں آگئی۔تب مہروز خان کے گرجنے، برسنے کی آواز آئی۔

"تم چلو اپنے کمرے میں___میں ابھی آتی ہوں۔" گل بی بی کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔انہوں نے اشتارا کو تھپک کر کہا اور خود سٹنگ روم میں چلی آئیں جہاں مہروز خان اور شاہ خانم کے درمیان تلخ کلامی جاری تھی۔

"گل! اسے سمجھا دو اچھی طرح کہ اب اس کے لئے شور مچانا عبث ہے۔میرا یہ آخری فیصلہ ہے اور اس جمعہ کو میں اشتارا اور ذولین خان کا نکاح کر رہا ہوں۔" مہروز خان کی بھاری اور غصے سے بھری ہوئی آواز حویلی میں گونج رہی تھی اور اشتارا اس خبر پر سناٹے میں رہ گئی تھی۔

"مہروز خان! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔میرے جیتے جی تم اس فیصلے پر قدم نہیں اٹھا سکتے۔" شاہ خانم کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"خدا کے لئے شاہے!___تم ہی ضد چھوڑ دو۔" گل بی بی گھبرا کر آگے بڑھیں۔"ذولین ہمارا ہی بچہ ہے۔خون ہے ہمارا۔"

"نہیں گل___یہ شخص مجھے اس طرح جھکانا چاہتا ہے۔" شاہ خانم نے گل بی بی کی بات کا کوئی اثر لئے بغیر غصے سے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔"مہروز خان! تم بھول رہے ہو کہ اشتارا میری بھی بیٹی ہے۔اس پر میرا بھی حق ہے۔" وہ اپنے مخصوص تنتنے کے ساتھ مہروز خان کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

"ہاں___تم نے اپنا حق بہت جتا لیا ہے اور قدم قدم پر تم یہ بات بھولتی رہی ہو شاہ بیگم! کہ تمہارا اٹھا ہوا یہ سر میرے دم سے ہے۔میں نے تمہیں کبھی توڑنا نہیں چاہا۔وگرنہ تم نے تو اس حویلی کو قدم قدم پر ڈھانے کی کوشش کی ہے۔اس گھر کی خوشیوں کو ڈستی رہی ہو اور میں چپ رہا۔"

مہروز لالہ!۔۔۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔" گل بی بی گھبرا کر دونوں کے درمیان آگئیں۔آج مہروز خان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا اور وہ اس انتہائی غصے میں کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔گل بی بی خوفزدہ ہو گئیں۔"یہ بات امن و سکون سے بھی کہی جا سکتی ہے۔شاہے کو میں سمجھاؤں گی۔"

"نہیں گل___ہٹ جاؤ تم درمیان سے۔آج میں اس عورت کے چہرے سے نقاب کھینچ کر اسے اس کا اصلی چہرہ دکھاؤں گا کہ وہ کیا تھی اور کیا ہے۔" مہروز خان نے گرج کر گل بی بی کو بازو سے پکڑ کر سامنے سے ہٹا دیا اور شاہ خانم کے سامنے تن کر کھڑے ہو گئے۔

"شاہ بیگم! تمہارا یہ فخر___تمہارا یہ غروز___میں پہلے روز ہی توڑ سکتا تھا۔مگر محض فیروزا لالہ کی طرف سے لگائے دُکھ پر مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی تھی اور میں نے چاہا کہ یہ ہمدردی محبت میں ڈھل جائے۔مگر تمہارے رویوں نے کبھی ایسا نہ ہونے دیا۔تمہارے رویوں نے مجھے،اس حویلی کے ہر مکین کو دکھ پہنچایا۔تم اپنے نام نہاد غم کے انبار تلے ہم سب کو دبائے رکھنا چاہتی تھیں۔شاہ خانم بن کر مجھ پر،اس حویلی پر حکومت کرتی رہیں۔مگر کبھی ہمارے دلوں پر راج کرنے کی کوشش نہ کی۔جھانکو ہمارے دل میں شاہ خانم!___جھانکو میرے دل میں کہ تم یہاں موجود بھی ہو یا نہیں؟___تم صرف ان اونچی اونچی دیواروں میں قید ہو،میرے دل میں نہیں۔"

"مہروز۔۔۔۔۔خا۔۔۔۔۔ا۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔" شاہ خانم کا سارا وجود لرز اٹھا۔ان کے جسم کا سارا خون یک بیک چہرے پر سمٹ آیا۔اتنا غضب ناک دیکھا تھا۔وہ آج پہلی بار شاہ خانم جیسے بُت کو توڑنے کے لئے آگے آئے تھے۔

گل بی بی الگ اپنی جگہ دم سادھے دُکھ سے دوچار ہو رہی تھیں۔

"دیکھو شاہ بانو! ان اونچی اونچی دیواروں کو دیکھو جو تمہارے خوف سے سہمی ہوئی ہیں۔خود تمہاری اولاد جس کے دل

میں تمہارا احترام نہیں، خوف ہے۔ ہاں، ایسا خوف جو محبت میں ڈھل نہیں سکتا کبھی۔"

"چپ ہو جاؤ مہروز خان ___ چپ ہو جاؤ۔" شاہ خانم چلائیں۔ مہروز خان کے جملے اُن کا دل چیرے دے رہے تھے۔ خود کو ہمیشہ مضبوط اور تناور درخت کی طرح سمجھنے والی اندر سے اس قدر کھوکھلی ہے۔ یہ احساس ان کے قدم اُکھاڑ گیا۔ وہ لڑکھڑا گئیں۔

"گلناز یقیناً ایک عظیم عورت تھی جو اپنا غم خود سے بھی چھپا گئی۔ مگر تم اس کی تشہیر کرتی رہیں۔ در حقیقت تمہیں گلناز سے محبت نہیں تھی۔ تم اس طرح اپنے کسی جذبے کی تسکین کرتی رہیں۔ فیروزلالہ اور ذولین سے نفرت دراصل تمہارے ذہن کی پستی ہے۔ تمہارا حسد نفرت میں بدل گیا اور نفرت انتقام میں۔" مہروز نشتر بھرے لہجے میں بولے اور شاہ خانم کو دیکھا جو ان جملوں کی تاب نہ لا کر جیسے بکھر گئی تھیں۔ ایک لاوا تھا جو برسوں سے پک رہا تھا، آج بھڑک اُٹھا تھا۔ مہروز خان آج وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتے تھے جو برسوں سے نہ کہہ پائے تھے یا نظر انداز کرتے رہے تھے۔

"تم ___ شاہ بانو! تم نے اپنا سکّہ بٹھانے کی کوشش کی۔ تمہیں تسکین ملتی تھی جب کوئی تم سے خوفزدہ ہو جاتا تھا۔ تمہارے حکم کے آگے جھک جاتا۔ چاہے وہ تمہاری اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے شوہر ہی کیوں نہ ہو۔ کاش شاہ بیگم! تم نے ہم سب کی محبت حاصل کرنے کی سعی کی ہوتی۔ اپنا رعب و دبدبہ بٹھانے کی بجائے اپنا آپ محبت سے منوایا ہوتا۔ مگر نہیں ___ تم میری نظروں میں گر گئی ہو شاہ بانو! تم میری نرمی اور برداشت کو اپنی جیت گردانتی رہیں۔ مگر حقیقت میں تم ایک شکست خوردہ اور ناکام عورت ہو۔ ایک ہاری ہوئی عورت۔ تم نے اپنا سب کچھ ہار دیا۔ اپنا مان، اپنا اعتبار سب کچھ کھو دیا تم نے ___ میری محبت، میری ہمدردیاں۔"

انہوں نے گویا آخری تیر شاہ خانم کے سینے میں پیوست کیا تھا اور قدم اٹھاتے کمرے سے باہر نکل گئے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

شاہ خانم کا سارا وجود چکرا گیا۔ وہ نیم مردہ تو پہلے ہی ہو رہی تھیں۔ گل بی بی آگے بڑھیں اور جلدی سے انہیں تھام لیا۔ اشارا ابھی مہروز خان کے کمرے سے جانے کے بعد اپنی سسکیاں دباتی بھاگ کر شاہ خانم کے قریب آئی۔

"گل!۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔سب کیا تھا؟" شاہ خانم نے پتھرائی نظروں سے گل بی بی کو دیکھا۔ گل بی بی انہیں تھام کر ان کی خواب گاہ میں لے کر آئیں۔

"شاہے! تم نے بھی بے کار کی ضد کی۔" گل بی بی کی آواز آنسوؤں میں گھل گئی۔ شاہ خانم بیڈ پر ڈھے گئیں۔ اور پھر جیسے ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے مہروز نے انہیں بہت اونچائی پر لے جا کر زمین پر پٹخ دیا ہو اور ان کے وجود کے ریزے ریزے یہاں وہاں بکھر گئے ہوں۔ سب کچھ بکھر گیا تھا۔ کچھ نہ بچا تھا۔ نہ عزت، نہ انا، نہ ذات کا فخر و غرور۔

آہ ___ سب کچھ ملیامیٹ ہو گیا تھا۔ وہ اتنے برسوں کی ریاضت کے بعد بھی جیسے خالی ہاتھ رہ گئی تھیں۔ آج ان کے شوہر، ان کے مجازی خدا نے انہیں ایسے داغا تھا کہ وہ تڑپ تڑپ اٹھی تھیں۔ انہیں یک لخت ہی توڑ دیا تھا۔ جیسے جسم سے روح ہی کھینچ لی تھی۔

'ہائے مہروز خان! یہ تم نے کیا کر دیا ___ اس عمر میں مجھے تم نے بالکل تہی داماں کر دیا۔ کچھ بھی نہ بچا میرے پاس ___ کتنی بے اعتبار ہو گئی ہوں۔'

ان کے آنسو تواتر سے بہنے لگے اور یہ آنسو اشارا کے دل پر برچھی کی طرح لگ رہے تھے۔

ہمیشہ چٹان کی طرح مضبوط، ستون کی طرح تنی ہوئی شاہ خانم کو یوں ریزوں کی طرح بکھرتے دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ اس سے ضبط نہ ہوا تو وہ کمرے سے باہر نکل آئی اور مرمر کے چکنے ستون سے لپٹ کر بے اختیار رو دی۔

اس حویلی میں اُٹھے اس طوفان کی قصوروار وہ خود کو ٹھہرا رہی تھی۔ کاش____ کاش اُس نے ذولین کو چاہنے کی غلطی نہ کی ہوتی۔ وہ شخص اس کے سامنے آیا ہی نہ ہوتا۔ اور اگر آیا تھا تو وہ اپنا دل سخت کر لیتی۔

کاش ذولین! تم ہی____ تم نے ہی میرے جذبوں کو روند ڈالا ہوتا تو آج یہ دن مجھے نہ دیکھنا پڑتا۔"

اُسے اپنے دل کی نگری اُجڑنے کے غم سے زیادہ شاہ خانم کے ٹوٹنے کا غم تھا۔ اُس نے تو ہمیشہ شاہ خانم کو فاتح دیکھا تھا۔ سر بلند ایک تتنے کے ہمراہ اپنا آپ منواتے ہوئے۔ اور باباخان کو

ان کی تعظیم کرتے ہوئے۔ کس نے سوچا تھا کہ عمر کے اس حصے میں انہیں ایسا ناقابل برداشت غم ملے گا۔

آہ____ کب پہاڑوں کو اُس نے ٹوٹتے دیکھا تھا۔

ستاروں کو کب زمین پر گرتے دیکھا تھا۔

آج اُس کی آنکھوں نے خوفناک منظر دیکھ لیا تھا۔ شاہ خانم مٹی کا ڈھیر ہو گئی تھیں۔ باباخان کے جملے زہر قاتل ہی تو تھے ان کے لئے۔

"ہائے باباخان! یہ کیا کر دیا آپ نے____ کیوں کیا یہ سب کچھ؟"

"اشتارا! صبر کر میری بچی!" گل بی بی نے اُسے محبت سے تھاما تو وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

"میری شاہ خانم ٹوٹ گئی ہیں گل بی بی____ یہ حویلی بکھر گئی ہے۔ اسے سنبھالیں گل بی بی! اسے سنبھالیں ورنہ ہم سب اس کے ملبے تلے دب جائیں گے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"نہ میری جان۔۔۔۔۔۔بس کر۔" گل بی بی نے اسے خود سے لپٹا لیا اور خود بھی رونے لگیں۔

شاہ خانم کی حالت ان سے بھی نہ دیکھی گئی تھی۔ وہ ان کے کمرے سے باہر نکل کر آئی تھیں۔ اب اشتارا کا تڑپ تڑپ کر رونا انہیں نڈھال کر رہا تھا۔ مگر انہوں نے خود کو سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہیں تو ابھی شاہ خانم اور اشتارا کو سہارا دینا تھا، تسلی دینی تھی۔ حویلی کے بکھرتے حالات کو سنبھالا دینا تھا۔ مہروز خان کے غصے کو ٹھنڈا کرنا تھا۔

"گل بی بی!____ میں شاہ خانم کو ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی____ میں انہیں بلکتا ہوا نہیں دیکھ پاؤں گی۔ وہ میری ماں ہے____ انہوں نے مجھے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے۔ ان کا ہر فیصلہ مجھے قبول کرنا ہے۔ ان کی فتح ہی میری فتح ہے____ ان کا اُٹھا ہوا سر میری عزت ہے۔ میں ذولین سے شادی نہیں کروں گی۔"

"اشتارا____" گل بی بی لرز گئیں۔ اشتارا ان کے بازوؤں سے نکل آئی۔

"ہاں گل بی بی! میں ذولین سے شادی نہیں کروں گی۔ اور جو شاہ خانم کا فیصلہ ہے وہ مجھے قبول ہے۔"

"اشتارا! پاگل ہو رہی ہو کیا____ مہروز لالہ حق پر ہیں اور شاہ خانم سنبھل جائے گی۔" گل بی بی نے اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھا جس کے چہرے پر اپنی بات پوری کرنے کا عزم تھا۔

"نہیں____ وہ کبھی نہیں سنبھلیں گی۔ یہ چوٹ بہت بھاری ہے گل بی بی! باباخان نے اپنی عمر بھر کی خاموشی کو جس رنگ میں توڑا ہے یہ شاہ خانم کے لئے شدید صدمہ ہے۔ وہ عادی نہیں تھیں۔ انہوں نے تو کبھی تصور بھی نہ کیا ہو گا کہ باباخان انہیں اتنی بڑی شکست دیں گے۔" اشتارا کی آنکھیں بھر آئیں۔ "مجھے نہیں روکیے گا گل بی بی! میں خود غرض نہیں ہوں کہ محض اپنی خوشیاں پانے کے لئے اپنی عظیم ماں کو شکست سے دوچار کروں۔ مجھے اپنے خوابوں سے زیادہ شاہ خانم کی جیت، ان کی آسودگی منظور ہے۔" وہ پلٹ گئی۔ اس نے یک دم ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اس میں نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آئی تھی کہ وہ باباخان کے سامنے اپنا فیصلہ سنا دینا چاہتی تھی۔

مہروز خان اپنی لائبریری میں تھے۔ وہ اپنے تمام حواسوں کو سنبھالتی، اپنی ہمتوں کو مجتمع کرتی ان کے پاس آئی تھی۔

”باباخان!“

”انہوں نے سر اٹھایا۔ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور چہرے پر ابھی تک غصے کی سرخی جمی ہوئی تھی۔

”ہوں____“ انہوں نے سوالیہ نگاہیں اشارا کے چہرے پر ٹکادیں۔

”باباخان! میں ذولین سے شادی نہیں کرسکتی۔“ اس نے بے حد روانی میں کہہ دیا۔نہ زبان لڑکھڑائی نہ دل دھڑکا اور نہ ہتھیلیوں میں پسینے کی لہریں بنی تھیں۔

اس کی نگاہوں کے سامنے تو بس شاہ خانم کا کرب آلود چہرہ گھوم رہا تھا۔دھول ہوتی ہوئی آنکھیں اور مجروح وجود تھا۔

”کیا کہہ رہی ہو تم؟“ مہروز خان زور سے گرجے۔

”گستاخی معاف باباخان! میں یہ انکار کسی دبائو کے تحت نہیں کر رہی ہوں۔مجھے بس اس گھر کی، اس حویلی کی خوشیاں عزیز ہیں____میں ایسا کوئی فیصلہ قبول نہیں کرسکتی جو اختلافات کا باعث بنے۔“ اس نے جھکے سر کے ساتھ کہہ دیا اور پلٹ کر ان کی لائبریری سے نکل آئی۔اس نے عذابوں کی پذیرائی بہت تحمل سے کی۔

خود کو تقسیم کے نادیدہ عمل سے بہت صبر سے گزار دیا۔

اگر اُس کے دل کی دنیا اجڑی تھی تو کیا ہوا____شاہ خانم کا فخر تو زندہ رہ جائے گا۔اُن کا اٹھا ہوا سر اور فتح مندی کا احساس تو سلامت رہے گا۔وہ اور ذولین خان ہی زندگی کی بازی ہارے تھے نا۔حویلی اختلافات کے سیلاب سے یقیناً بچ جائے گی۔

اُس کا ضمیر مطمئن تھا۔اُس نے اپنی ماں کا سر جھکنے سے بچا لیا تھا۔

”سوری باباخان! میں ایک ساتھ سب کو مطمئن نہیں کرسکتی____میں نے کسی فردِ واحد کو نہیں بلکہ اس حویلی کو

آنے والے سنگین طوفان سے بچایا ہے۔میرے خواب، میری خواہشیں کم حیثیت ہیں۔اور اس حویلی کی آن، عزت بہت قیمتی۔اور قیمتی شے کے لئے بے وقعت اور سستی شے قربان کی جاتی ہے۔اُس نے صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر جلتی آنکھیں موند لیں۔

...☆☆☆...

وہ سب جامعہ کی بغلی لان میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔موسم بھی صبح سے ہی خوشگوار ہو رہا تھا۔دُھوپ تو نام کو نہ تھی۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائوں نے ماحول کے ساتھ احساسات میں بھی خوشگواری بھر دی تھی جس کا مظاہرہ وہ سب کر رہے تھے۔

”یار! بیت بازی کا مقابلہ ہو جائے۔“ افتخار نے وقت کو پُرلطف انداز سے گزارنے کی ایک ترکیب پیش کی۔

”ارے نہیں یار____مجھے شاعری واعری سے دلچسپی نہیں ہے۔“ سدا کے خشک مزاج نعیم جان نے منہ بنایا تو احسن نے اُسے گھور کر دیکھا۔

”شاعری کو وہ لوگ ناپسند کرتے ہیں جن میں ذوقِ لطیف کی کمی ہوتی ہے۔“

”چلو یہی سمجھ لو کہ مجھ میں یہ لطیفی حس نہیں ہے۔“ نعیم جان نے کہا تو اس کے لطیفی کہنے پر سب کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

”تو پھر ایسا کرو پیارے! کہ دور اس تنہا کنج میں بیٹھ کر کچھ دیر کو اونگھ لو۔تب تک ہم اپنا شاعرانہ شوق پورا کر لیں۔“ احسن نے کچھ اس طرح کہا کہ نعیم جان کو باوجود غصہ کے ہنسی آ گئی۔

”انتہائی کمینے انسان ہو____اگر کوئی شاعری نہ کرے تو ضروری ہے کہ اونگھنے لگے؟ تم لوگ اپنا شوق پورا کرو، میں

جبراً سن لیتا ہوں۔"

اُس نے گویا ان سب کو اجازت دے دی تھی۔

"اچھا____ابتدا میں کرتا ہوں۔" شہزاد مچل کر بولا۔

"تو کرو بھائی! دیر کیوں کر رہے ہو؟" احسن اُس کی اس ادا پر ہنسا۔

شہزاد نے کالر جھٹکے اور خاصی ادا سے شعر پڑھا۔

آپ سے اختلاف ہے گرچہ

آپ کی بات پھر بھی پیاری لگے

ایسا لگتا ہے آپ اپنے ہیں

آپ کو زندگی ہماری لگے

"لاحول ولا____یہ ہے تمہارا شاعرانہ ذوق؟" احسن نے شہزاد کو یوں گھورا جیسے ابھی اس کا سر پھاڑ ڈالے گا۔ اور شہزاد واقعی سہم گیا۔

"کک۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟____اتنا اچھا تو ہے۔"

"یہ۔۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔۔کچھ زیادہ ہی عاجزانہ، انکسارانہ اور احمقانہ نہیں ہو گیا۔" افتخار بھی دل کھول کر شہزاد کے شعر پر ہنس رہا تھا۔ شہزاد کا منہ بن گیا۔

"بھئی اپنی اپنی پسند ہے____مجھے فلسفیانہ شعر نہیں پسند۔ بس مجھے سادگی پسند ہے ہر چیز میں۔" اُس نے ناراضگی سے کہا۔

"واللہ____کون نہ مر جائے اس سادگی پر۔ ویسے وہ ہے کون شخصیت جس کی ہر بات تمہیں پیاری لگے؟____ کہیں وہ خوش نصیب میں تو نہیں؟"

"احسن____تم____" شہزاد اس پر جھپٹا۔

"اوہو یار! تم لوگ تو اس بے چارے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔ اب ایک شعر پر ہی سارا تبصرہ لٹا دو گے۔ آگے بھی بڑھو۔" نعیم جان نے شہزاد کی حمایت کی۔ اُسے معصوم سے، بے ضرر شہزاد پر رحم آگیا جو مسلسل ان سب کے نرغے میں تھا۔

"ہاں یار احسن! اب تم سناؤ کوئی ایسا ہی شعر۔"

"اس جیسا کیوں؟____تمہیں نہیں خبر، میرا شاعرانہ ذوق بہت اعلیٰ ہے۔" احسن اکڑا۔ پھر بے اختیار اس کی نگاہ اشمل خان پر اُٹھی جو سامنے بینچ پر بیٹھا بظاہر ان کی محفل میں شامل تھا۔ مگر حقیقتاً وہ کہیں اور ہی تھا۔ اُسے نہ شاعری سے دلچسپی تھی اور نہ وہ سن رہا تھا۔ اُس کے سامنے تو ڈھیر ساری اُلجھنیں اور مسائل کھڑے تھے۔ جن سے چاہتے ہوئے بھی وہ پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا۔

عجیب رسم ہے رسمِ وفا بھی اے ہمدم

ہے دل ہمارا مگر اختیار کس کا ہے

"واہ۔۔۔۔۔واہ۔۔۔۔۔" سب لہک کر اسے داد دینے لگے۔ البتہ شہزاد نے ناک بھوں چڑھائی۔ نعیم جان ہنس دیا۔

"چلو افتخار! اب تم سناؤ۔" اُس نے گویا مائک سنبھال لیا تھا۔ ہتھیلی کو مٹھی کی شکل دے کر اس نے افتخار کے سامنے کر دی۔

احسن آہستگی سے ان کے درمیان سے اٹھ گیا اور اشمل کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکا۔

"آں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔کیا کہا؟"

"خوب ___ یعنی آپ ہیں کہ اور ہی دنیا کی سیر میں مصروف ہیں۔ ادھر یہ عالم کہ آوازیں لان میں بیٹھے تمام اسٹوڈنٹس کے کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی ہیں اور ادھر یہ آپ کی بے نیازی۔" احسن اٹھ کر بینچ پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے یار! یہ چہرے پر سوا بارہ کیوں بج رہے ہیں ___ میں دیکھ رہا ہوں کہ کافی دیر سے سُوئی ایک جگہ ہی اٹک گئی ہے۔ اگر شعر پسند نہیں آرہا تو کوئی دوسرا پھڑکتا سنائے دیتا ہوں۔ مثلاً

یہ اُداسی، دُھواں چاندنی چوک میں

چاندنی ہے کہاں چاندنی چوک میں

"احسن! بی سیریس پلیز۔" اشمل نے سر اٹھا کر اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

"کیا۔۔۔۔۔" احسن اچھلا۔ "یعنی کہ اس محفل زعفران میں بھی آپ کو سنجیدگی کا دورہ پڑا ہے۔" احسن نے اسے بغور دیکھا اور پھر بری طرح چونکا۔ وہاں نہ صرف سنجیدگی تھی بلکہ ایک گہری اُداسی مستور تھی۔ وہ بھوری بھوری

آنکھیں عجیب دکھ سے بھری ہوئی تھیں اور یہ صرف احسن محسوس کر سکتا تھا۔

"کیا بات ہے اشمل! میں دیکھ رہا ہوں تم جب سے وادی ہو کر آئے ہو، بہت بدل گئے ہو۔" احسن نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا۔

لڑکوں کی محفل ابھی تک جمی ہوئی تھی اور وہ سب بے تکے اشعار پڑھ کر ایک دوسرے کو داد دے رہے تھے۔ اشمل اس شور سے گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ احسن بھی اس کے ساتھ اٹھ گیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" احسن نے اس کا بازو تھام لیا۔

"کہاں؟" اشمل نے استفسارانہ نظروں سے دیکھا۔

"وہاں جہاں تم بیٹھ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکو۔ کم آن اشمل! لیٹ می نو ایوری تھنگ۔" احسن کی بات پر اشمل کے چہرے کی سنجیدگی گہری ہو گئی۔

"احسن! میں واقعی بہت اپ سیٹ ہوں۔"

"مجھے شیئر کرنے دو گے اپنا غم ___ اپنا بوجھ؟" احسن نے اسے دیکھا تو اشمل کے لبوں پر ایک ناآسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ دونوں یونیورسٹی روڈ پر چلنے لگے۔

"غم بانٹنے سے دل پر چھائی پژمردگی کم ہو جاتی ہے۔"

"نہیں احسن! میری پریشانیاں تم شیئر نہیں کر سکتے۔ اور نہ میں ان کی تشہیر چاہتا ہوں۔" اُس نے قدم اپنی گاڑی کی طرف بڑھا دیئے۔ "کچھ بوجھ انسان تنہا ہی اٹھاتا ہے۔ اور میں تمہیں اس میں شریک نہیں کر سکتا۔"

"اتنا بے اعتبار ہوں میں؟" احسن اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"ارے نہیں___بات اعتبار کی نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" احسن نے اس کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی چھین لی۔ "تمہارے بوجھ اگر میں شیئر نہیں کر سکتا تو مجھ پر لعنت ہے۔ سمجھے تم؟"

اشمل ہنس دیا۔

"اچھا چابی ادھر دو___آج میرا دل چاہتا ہے میں بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا پھروں___تنہا۔" اُس نے آخری لفظ پر زور دیا تھا۔

"ہر گز نہیں___یہ تنہائی ہی تمہیں کسی دن لے ڈوبے گی۔ ایمان سے اتنے فضول لگ رہے ہو۔" احسن فرنٹ سیٹ پر ٹھس کر بیٹھ گیا اور چابی اس کی طرف اچھال دی۔ "میں اس وقت تک تمہارے ساتھ سڑکوں کی خاک چھانتا پھروں گا جب تک تم مجھے اعتبار نہیں بخشتے۔"

اشمل نے اُسے ممنون نظروں سے دیکھا۔ وہ بے حد ڈھیٹ ہو رہا تھا۔ پھر اُس نے گاڑی میں رکھی سگریٹ کی ڈبیا نکال کر اس میں سے سگریٹ نکالی اور اسے لبوں میں دبا کر لائٹر کا شعلہ دکھایا۔

احسن پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اشمل کو وہ پہلی بار سگریٹ پیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"یہ۔۔۔۔۔۔یہ تم سگریٹ۔۔۔۔۔۔۔" احسن کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

"ہوں۔" اُس نے لبوں سے دھواں باہر نکالا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"کبھی جب ڈپریشن کا شکار ہوتا ہوں تو ایسی ہی کمزور شے کا سہارا لیتا ہوں میں۔ اس خوش فہمی میں کہ شاید یہ دھواں میرے ڈپریشن کو بھی اپنے ہمراہ اُڑا لے جائے۔" اس نے گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

احسن کے لئے یہ انکشاف بڑا حیران کن تھا۔ وہ کئی لمحوں بعد سنبھلا اور جیسے اشمل کا نادیدہ دُکھ اُسے کبیدہ کر گیا۔ وہ اشمل کو تکنے لگا۔ کیا دکھ ہو سکتا ہے اس جیسے مکمل شخص کو؟ پھر اچانک وہ چونکا۔

"ارے ہاں اشمل! تم یونیورسٹی نہیں آرہے تھے تو ہشمینہ ابرار سے میری ملاقات ہوئی تھی۔"

ہشمینہ کے نام پر اشمل کی ساری توجہ احسن کی طرف ہو گئی۔

"کیا جامعہ آئی تھی؟"

"ارے نہیں___مجھے وہ لالہ زار کے قریب ملی تھی۔ تمہارے ہاسٹل سے چلے جانے کا میں نے اُسے بتایا تھا اور تمہارے جامعہ نہ آنے کا بھی بتایا تھا۔ اُس نے مجھ سے حویلی کے فون نمبرز لئے تھے۔ شاید تم سے بات نہیں ہو سکی ہو گی۔"

"نہیں___" اشمل نے دھواں اپنے سامنے پھیلا لیا۔ "اس نے فون کیا ہی نہیں تھا۔ اور نہ وہ کرے گی۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ لالہ زار کے نام پر اس کی آنکھوں میں کئی منظر لہرا گئے۔

اُس کی ہشمینہ سے بڑی خوبصورت ملاقاتیں لالہ زار میں ہی ہوئی تھیں اور آخری بھی۔ کتنا روئی تھی وہ___کس قدر اپ سیٹ تھی جب وہ جا رہا تھا۔

"مائی گاڈ۔۔۔۔۔۔۔انسان خود کو لاکھ فاتح، آزاد اور خوش حال سمجھے مگر وہ قدرت کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔ محض خوش فہم یا کم فہم۔ ہزاروں خواب ایک ساتھ بُن لیتا ہے۔ اپنے آپ کو آسودہ خیال کر کے یہ سمجھ لیتا ہے کہ تعبیروں کا حصول اس کے لئے کون سا مشکل ہے۔ جب تک آزمائش کی گردش میں نہیں آتا، خود کو مکمل اور فاتح خیال کرتا رہتا ہے۔

"اشمل! کیا ہثمینہ کی وجہ سے کوئی پریشانی ہے؟" احسن نے اسے چند لمحوں کے بعد پکارا تو اس نے بہت محبت سے احسن کو دیکھا جو اس کے غم میں سنجیدہ ہو گیا تھا اور کسی حد تک دکھی بھی۔

"احسن! کچھ پریشانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی تشہیر کرنے سے عزت پر حرف آتا ہے یا شاید انہیں بتانا غیرت گوارا نہیں کرتی۔ بس تم یوں سمجھو کہ اس پر پردہ پڑا رہنے سے تمہارے دوست کی عزت پر پردہ ہے۔ اس کے خاندان کی عزت اسی پردہ پڑے رہنے میں ہے۔" اس نے گاڑی احسن کے بنگلے کے سامنے روک دی تھی اور احسن اس کی ادا پر مسکرا کر رہ گیا۔

"بڑے بدتمیز ہو یار ____ مگر خیر اس وقت تمہیں معاف کرتا ہوں۔ مگر دوست! میری فضول باتوں اور سچی بے غرض محبت کی ضرورت پڑے تو مجھے ضرور پکارنا۔ اور ہاں، ہثمینہ ابرار سے ضرور مل لینا۔ وہ بہت اپ سیٹ لگ رہی تھی۔" وہ گاڑی سے اُتر گیا۔

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔ تھینک یو سو مچ۔" اشمل نے اس پر ایک تشکر بھری نگاہ ڈالی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ کتنی ہی دیر سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ اس کا ذہن ایک طرف حویلی کے حالات سے پریشان تھا تو دوسری طرف احسن نے ہثمینہ کا ذکر چھیڑ کر اس کے درد میں اضافہ کر دیا تھا ____ اُس کی سوچوں کی اذیت بڑھا دی تھی۔ اپنی ان اُلجھنوں اور ڈپریشن میں اس نے ہثمینہ کو بھلایا نہ تھا مگر اشتارا کے آنسو اور ذولین کے دکھ اُسے اپنے خوابوں اور اپنی خواہشوں سے بڑھ کر اہم ہو گئے تھے۔

"آہ، اشتارا! میری بہن ____ کتنا بزدل نکلا تمہارا بھائی۔ کچھ بھی تو نہ کر سکا تمہارے لئے۔ کاش بابا خان کی فتح ہو جائے۔' اُس نے صدقِ دل سے دعا مانگی۔ مگر نہ جانے کیوں اُسے اپنی دعا کی قبولیت کی اُمید نہ تھی۔ شاید اس لئے کہ

وہ از حد مایوس اور پراگندہ ذہن ہو رہا تھا پھر ____ شاہ خانم کی ضد اور بابا خان کی نرمی سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اور اشتارا تو تھی ہی بے زباں لڑکی جسے جہاں چاہا، جس نے چاہا اپنی مرضی پر چلا لیا۔

اُس نے گاڑی پبلک کال آفس کے سامنے روک دی اور اُتر کر اندر داخل ہو گیا۔ نمبر ملایا تو چند گھنٹیوں کے بعد کسی نے ریسیور اٹھایا مگر وہ ہثمینہ قطعی نہ تھی۔ وہ لمحہ بھر کو گڑبڑا گیا ____ اُس نے ہثمینہ کے کمرے میں لگے فون کا ہی نمبر ملایا تھا۔ دوسری طرف مسلسل ہیلو، ہیلو کی گردان ہو رہی تھی۔ اُس نے چند لمحے ٹھہر کر جواب دیا۔

"ہیلو ____ السلام علیکم۔"

"ارے، آپ اشمل ہیں؟" دوسری طرف بھابی کی آواز میں اُمید، جوش اور کھنکا تھا۔ اُس نے آہستگی سے جی کہا۔

"ہثمینہ کو بلا دیجئے ____ آپ شاید مسز اشناس ہیں۔"

"ہثمینہ! ____" بھابی نے ریسیور پکڑے، صوفے میں دھنسی ہثمینہ کو پکارا۔ مگر وہ یونہی خاموش اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ ہاں البتہ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا اور آنکھوں میں درد ہلکورے لینے لگا تھا۔

"اشمل! وہ انکار کر رہی ہے۔" چند لمحے بعد بھابی کی آواز اُبھری تو اشمل کو شاک لگا۔

"کیا ____ کیوں ____؟"

"پاگل ہو گئی ہے یہ لڑکی ____ میں اب کیا بتائوں آپ کو۔"

"پلیز بھابی! اُسے بلائیے۔" وہ بے قرار ہو گیا۔ اُس کا دل انجانے خدشہ سے لرزنے لگا۔

"اچھا ____ میں کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔" انہوں نے ریسیور ٹیبل پر رکھ دیا۔

اشمل کو اچانک ہی اپنی کوتاہی کا احساس ہونے لگا۔ اُسے یہاں آتے ہی ہثمینہ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔ وہ لڑکی

محض اُس کے بھروسے پر تو خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ نہ جانے اب اس کے ساتھ کیا گزرا ہو گا۔ کہیں وہ اُس سے بد گمان تو نہیں ہو گئی۔

”ہیلو ____“ ہشمینہ کی کانپتی آواز برقی تاروں سے لہراتی اشمل کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ سنبھل گیا۔

”ہشمینہ! کیا ہو گیا ہے؟ ____ کیوں بات نہیں کر رہی تھی؟“ اُس کے لہجے میں جیسے سارے جہاں کی بے قراری تھی۔ مگر ہشمینہ کی قوتِ گویائی تو جیسے سلب ہو گئی تھی۔ اشمل کی آواز نے اُس کے دل کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ جتنی مشکلوں سے خود کو جوڑنے میں لگی ہوئی تھی اور اب پھر دل کے ریزے یوں بکھر گئے تھے جیسے تیز ہوا میں سُوکھے پتوں کا ڈھیر بکھر جاتا ہے۔

”فار گاڈ سیک ہشمینہ! ____ میرے ضبط کا امتحان مت لو ____ کچھ تو بولو ____ میں مانتا ہوں مجھ سے کوتاہی ہو گئی۔ مگر یقین جانو میں خود سخت اُلجھا ہوا تھا۔ جانتی ہو اس لمحے مجھے تمہاری شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے ____ ہشمینہ! پلیز۔“

”اش ۔۔۔۔۔۔ مل ۔۔۔۔۔۔ اب کہنے کو کچھ نہیں رہا ____ میرے وہ سارے خواب شاید میری نادانی تھے۔“

”ہش ۔۔۔۔۔۔ مینہ ۔۔۔۔۔“ اشمل کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔ ”یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ____ ہوش میں تو ہو؟“

”کاش اشمل! میرا یہ سفر یکطرفہ ہی ہوتا تو میں شاید سنبھل جاتی۔“ وہ رونے لگی اور اشمل پریشان ہو گیا۔

”مجھ سے ملو ہشمینہ! ابھی اور اسی وقت۔“

”نہیں اشمل! نائوِاٹ از امپاسیبل ____ میں واپس پلٹ جانا چاہتی ہوں۔ اب میں یادوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔ یہ یادیں بہت اذیت دیتی ہیں ۔۔۔۔۔۔“

اور اشمل کتنے ہی ساعت سناٹے کا شکار ہو کر رہ گیا۔ ہشمینہ کے آنسو، اس کے جملے اس کے لئے بے پناہ اذیت کا باعث بن رہے تھے۔

”کیا تم مجھے کھل کر نہیں بتا سکتیں؟“ کئی لمحوں بعد اس کی شکستہ آواز اُبھری اور ہشمینہ کے آنسو تواتر سے بہنے لگے۔

اُس نے روتے ہوئے اُسے سب کچھ بتا دیا۔ اور کتنے ہی لمحے دونوں کے درمیان جامد خاموشی چھا گئی۔ بس وقفہ وقفہ سے ہشمینہ کی سسکیاں اُبھرتی رہیں۔ وہ کس کرب سے گزر رہی تھی، اشمل کو اس کا پورا پورا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت تقسیم کے نادیدہ عمل سے گزر کر کس طرح بکھر رہی تھی، اس سے بڑھ کر اور کون جان سکتا تھا۔ مگر وہ اُسے کیا تسلی دیتا۔ اُسے کیسے جوڑتا کہ خود اس کے وجود کی کرچیاں ٹوٹ ٹوٹ کر دل کے اندر گر رہی تھیں اور دل کی دیواروں پر خون قطرہ قطرہ رِسنے لگا تھا۔

اُس نے بے تحاشہ ضبط سے اپنے عنابی لب دانتوں میں جکڑ لئے۔

”میں نے تو ایسا کبھی سوچا تک نہ تھا اشمل! میں نے تو ہمیشہ خوش آئند مستقبل ہی نگاہوں میں رکھا تھا۔ یہ اتنی کڑی سزا کیوں ملی ہے مجھے ____ یہ انسان محبت کی بازی ہار کر ہی کیوں انا اور حمیت کی جنگ جیتتا ہے ____ کسی کا اعتماد سنبھالنے کے لئے خود کو کتنی اذیتوں سے گزارنا پڑتا ہے۔ اور میں تو بیٹی ہوں اشمل! جس کے سر پر ویسے بھی ماں باپ کی عزت کا بوجھ ہوتا ہے۔ ان کے جھکے ہوئے سر ہی والدین کے اُٹھتے سروں کی ضمانت ہیں ____ تم ہی بتائو اشمل! میں اور کیا کرتی؟ کچھ بولو اشمل!“

اشمل نے ایک گہری سانس سینے سے کھینچ کر آزاد کی۔

”کیا بولوں ____ تم نے تو مجھ سے جینے کی اُمنگ ہی چھین لی ____ مجھے تاریک خلائوں میں لا پھینکا ہے۔ مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا ____ تم نے اپنا درد آنسوئوں میں بہا دیا۔ مگر مجھ جیسے مرد کو کیسی اذیت دے دی۔ تا عمر تڑپنے کی سزا

سنادی۔

''نہیں اشمل ___ یہ کیا کہہ رہے ہو تم ___ میرے آنسو تو میرے درد کو اور بھی صیقل کرتے رہے ہیں۔ مجھے آکر دیکھو اشمل! کس طرح جی رہی ہوں۔ کیا یہ جینا ہوا؟ بولو اشمل! کیا یہ۔۔۔۔۔۔'' ہشمینہ کی آواز آنسوئوں میں ڈوب گئی اور دوسری طرف اشمل نے رابطہ کاٹ دیا۔

اُس کے پاس ضبط کی دولت یکلخت ختم ہو گئی تھی۔ بظاہر مضبوط اور کڑیل نظر آنے والا اشمل خان اندر ہی اندر مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور کال کی پے منٹ کائونٹر پر رکھ کر نڈھال قدموں سے گاڑی میں آبیٹھا۔

...☆☆☆...

شاہ خانم کی خواب گاہ میں گہرا سکوت تھا۔ ابھی ابھی مہروز خان بے حد خاموشی اور کسی حد تک بے نیازی سے تیار ہو کر زمینوں پر چل دیئے تھے۔ انہوں نے کمرے میں موجود شاہ خانم پر ایک نگاہِ غلط ڈالنا بھی گوارا نہ کی تھی بلکہ اس طرح ظاہر کیا تھا جیسے وہ ان کی موجودگی سے بے خبر ہیں۔ اور ان کے جانے کے بعد شاہ خانم خالی الذہنی کے ساتھ کھڑی رہ گئی تھیں۔ حالات نے یوں پلٹا کھایا تھا کہ وہ ششدر رہ گئی تھیں اور کچھ سوچنا چاہتی تھیں تو دل پر ہر بار ایک نیا زخم لگ جاتا تھا۔

''آہ ___'' ایک تیز سسکاری ان کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ مگر انہیں سوچنا تھا۔ وہ سوچنے پر مجبور تھیں۔ یہ حالات بھی ان کے لئے اذیت ناک تھے۔

مہروز خان اپنے اندر کا زہر نکال چکے تھے۔

اشمل کو وہ حویلی سے نکال چکی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اشتارا الگ کمرے میں بند تھی۔

بس ایک گل بی بی تھیں جو انہیں گاہے بگاہے تسلیاں دے جاتی تھیں۔ مگر ان تسلیوں سے ان کی کب تسلی ہوتی تھی۔ ان کے دل پر لگے زخم بہت گہرے تھے۔ وہ ساری رات آنکھوں میں کاٹتیں اور دن کمرے میں بند مضمحل سوچوں میں گزر جاتا۔

''کیا کروں میں خدایا؟'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ ''یہ کیا کر دیا مہروز خان! تم نے؟''

'مگر تم نے بھی آج تک کسے خوشی بخشی ہے شاہ خانم؟' دل کے اندر سے آواز اُبھری۔ 'اشتارا اور اشمل کے لئے کب ماں جیسی شفیق ہستی بنی ہو؟ ___ ہمیشہ رعب و دبدبہ والی شاہ خانم ___ حویلی پر حکمرانی کرتی شاہ خانم کبھی دلوں پر راج نہ کر سکی۔'

''آہ ___'' ایک گہری اور زخمی کراہ ان کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ مہروز خان کے لفظ ہتھوڑے کی طرح اب بھی ان کے اعصاب پر برس رہے تھے۔ کس قدر کڑوا تھا لہجہ اور کس حد تک سچ۔

''تم محض شاہ خانم بن کر اس حویلی پر حکومت کرتی رہی ہو ___ مگر کبھی ہمارے دلوں پر راج کرنے کی سعی نہیں کی۔ میرے دل میں جھانکو کہ تم یہاں موجود ہی نہیں ہو۔ تم صرف ان اونچی اونچی دیواروں تک قید ہو، میرے دل میں نہیں۔''

''شاہ بانو! ان اونچی اونچی دیواروں کو دیکھو جو تمہارے خوف سے سہمی ہوئی ہیں۔ خود تمہاری اولاد جن کے دلوں میں تمہارا احترام نہیں صرف خوف ہے۔ ایسا خوف جو محبت میں ڈھل نہیں سکتا۔''

شاہ خانم نے ایک جگر سوز کراہ کے ساتھ کرسی چھوڑ دی۔

"نہیں ___ نہیں مہروز خان! ___ یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ میری اولاد ___ میری اولاد سے میرا محبت کا رشتہ نہیں ہے۔" وہ پھر کرسی پر ڈھیر ہو گئیں جیسے ٹانگوں میں جان نہ رہی تھی۔ مہروز خان کے جملوں کی بازگشت ان کا دل نئے سرے سے چیرنے لگی۔

"قدم قدم پر تم یہ بات بھولتی رہی ہو کہ تمہارا یہ اُٹھا ہوا سر میرے دم سے ہے ___ میں نے تمہیں کبھی توڑنا نہیں چاہا ورنہ تم نے اس حویلی کو قدم قدم پر ڈھانے کی سعی کی ہے۔ تمہارا فخر میں پہلے روز ہی توڑ سکتا تھا۔ اور کاش توڑ دیتا۔"

'ہاں مہروز خان ___ تم نے میرا فخر توڑ دیا ___ میرا غرور ___ مگر نہیں۔ تم نے مجھے میری اصلیت دکھائی ہے۔ ہاں مہروز خان! سچ ہے، تم نے میرے چہرے سے نقاب کھینچی ہے اور مجھے میری ہیبت ناک صورت دکھائی ہے۔ مجھے میری بدصورتی سے آگاہ کیا ہے ___ خدایا، میں واقعی ظالم ہوں۔ میں نے ظلم کیا ہے۔ صرف ان دیواروں پر حکمرانی کی ہے۔ کسی کے دل کو تسخیر کرنے کی کوشش نہیں کی۔'

'تو پھر میں واقعی ایک ناکام اور ہاری ہوئی عورت ہوں۔ ہاں، میں ہاری ہوئی عورت ہوں۔' اُن کا سر چکرانے لگا۔ گلناز آپی! تم ٹھیک کہتی تھی۔'

انہیں وہ اُداس، اُجاڑ اور زرد شام یاد آگئی جب گلناز آپی اپنے اندر کے زخموں کو چھپائے اُسے سمجھا رہی تھی۔

"شاہے! اس آگ کو باہر مت نکلنے دینا۔ اندر ہی بجھا دینا۔ کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس آگ سے صرف تمہارا اپنا ہی وجود خاکستر ہو گا ___"

'ہاں آپی! ٹھیک کہا تھا تم نے ___ میں اس آگ کو بجھا نہ سکی اور اپنا آپ جلا دیا۔'

وہ کرب سے مٹھیاں کرسی کے ہتھے پر برسانے لگیں۔ ان کی ذہنی حالت سخت گرفتہ ہو رہی تھی۔ انہیں خود اپنی اس

ذہنی حالت سے خوف آنے لگا۔

اک دم دروازہ آہستگی سے کھلا اور گل بی بی اندر داخل ہوئیں۔

"شاہے!" انہوں نے دھیرے سے پکارا۔ ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا جسے انہوں نے تپائی پر رکھ دیا۔ "تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا اور کل بھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔" گل بی بی کو ان کی حالت پر بے حد افسوس ہوتا تھا۔ لیکن وہ کیا کر سکتی تھیں۔ مہروز خان کے رویے نے انہیں بھی دکھی کیا تھا۔ مگر مہروز خان کی بھی اپنی مجبوری تھی۔ وگرنہ انہوں نے کب شاہ خانم کے ساتھ ناروا سلوک اس سے پہلے روا رکھا تھا۔ کب ان کی غلطیوں پر باز پرس کی تھی۔ کب انہیں احساس دلایا تھا کہ وہ ناانصافی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ ہمیشہ شاہ خانم کو شہزادیوں جیسی آن بان سے رکھا تھا۔

"یہ دودھ پی لو ___ پہلے ہی ذہنی اذیت کم سہہ رہی ہو جو خود کو جسمانی اذیت بھی دے رہی ہو۔" انہوں نے محبت سے ان کے شانے کو تھپکا اور دودھ کا گلاس ان کی طرف بڑھا دیا۔

"جینا تو ہے ہی گل! آج نہیں تو کل پرسوں کھا پی لوں گی۔" انہوں نے دودھ کا گلاس دوبارہ تپائی پر رکھ دیا۔

"تم میرے پاس بیٹھو گل! میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے مہروز خان نے احساس دلایا ہے۔ واقعی میں ایک نادان عورت ہوں جس نے محبتوں کی کبھی قدر نہ کی۔ ساری عمر خود ساختہ اور کڑے اصولوں پر قربان کر دی۔ سارے رشتوں کو نفرت کی بھٹی میں جھونک دیا اور پھر بھی خالی ہاتھ رہی۔" وہ سسک اٹھیں۔ "دیکھو، کیا ہے میرے پاس ___ نہ شوہر کا فخر، نہ اولاد کی محبت۔ مجھ جیسی بدنصیب عورت اور کون ہو گی گل! مجھ جیسی شکست خوردہ اور ناکام عورت اور کون ہو گی؟"

شاہ خانم کے آنسو گل بی بی کے دل پر خار کی طرح چبھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کے فرش بھی گیلے ہو گئے تھے۔

"ایک بات کہوں شاہے! ___ مہروز لالہ نے یہ سب کچھ نفرت میں نہیں کیا۔ بس ایک غصہ تھا انہیں اس وقت

____انہوں نے یہ سب کچھ اپنے اندر زہر کی طرح بھر کر نہیں رکھا تھا۔ وہ اب بھی تم سے محبت کرتے ہیں۔ شاید تمہاری ضد کو توڑنے کے لئے انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ یہ الفاظ محض تمہاری کوتاہیوں کا احساس دلانے کے لئے ان کے لبوں سے آزاد ہوئے ہیں۔ وگرنہ وہ اب بھی اپنے دل میں تمہارے لئے احترام اور محبت رکھتے ہیں۔"

"بہلا رہی ہو مجھے؟" شاہ خانم کے لبوں پر عجب ناآسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"نہیں____ یہ بہلاوے نہیں ہیں____ میں مہروز لالہ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ اور پھر سوچو، آج تک وہ چپ رہے تو تمہاری محبت کی وجہ سے ہی نا۔ ورنہ مرد ذات کب انا اور غیرت کے آگے کسی کی سنتا ہے۔ عورت ذات تو ان کے عتاب کا سب سے پہلے نشانہ بنتی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے شاید کہ مرد کی انا کو اتنا نہیں آزمائے، ان کی مردانگی پر کبھی ضرب نہیں لگائے۔ یہ عورت کے حق میں بڑی خطرناک بن جاتی ہے۔ اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کر لینا ہی سب سے بڑی جیت ہے۔" گل بی بی شاہ خانم کو سمجھا رہی تھیں، ہولے ہولے تھپک رہی تھیں اور شاہ خانم کو جیسے قرار آرہا تھا۔ ان کے غم سے لبالب بھرے دل میں ٹھنڈک سی اُتر رہی تھی۔

"ذولین نے آج تک کبھی ناانصافیوں کا شکوہ نہیں کیا۔ اس نے تو ہوش سنبھالتے ہی تمہیں اور مہروز لالہ ہی کو دیکھا تھا۔ اس کے دل پر وہی رقم ہوتا جو تم اور مہروز لالہ کرتے۔ مگر دیکھو، تمہارا کیا، اس نے کبھی اپنے دل پر نقش نہ ہونے دیا____ اُس کے دل میں تمہارے لئے نفرت نہیں ہے۔ اور سچ ہے شاہ! اُسے تم سے نفرت کرنے کا حق ہے____ تمہاری طرف سے کی گئی ناانصافیوں پر احتجاج کرنے کا حق ہے۔ مگر اس کا ظرف دیکھا، اُس نے پلٹ کر محض اس لئے تمہیں جواب نہیں دیا کہ وہ عورت ذات کا احترام کرتا ہے۔"

شاہ خانم نے چہرہ اٹھایا____ گل بی بی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ وہ ذولین کی یا مہروز خان کی حمایت نہیں کر رہی تھیں، شاہ خانم کو ان کی کوتاہیوں کا احساس دلا رہی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

آہ۔۔۔۔۔۔ انہوں نے ہمیشہ ظلم کیا ہے۔ ذولین نے ان سے کیا چھینا ہے ان کا۔۔۔۔۔۔ اسے وہ کس بات کی سزا دیتی آئی ہیں؟

اُن کا چہرہ جھک گیا۔ آج ان کی آنکھوں سے نفرت کی سیاہ پٹی اُتری تھی تو انہیں ہر جگہ اپنا ہی جرم نظر آرہا تھا۔ ہر جگہ وہ خود قصوروار نظر آرہی تھیں۔

وہ کھڑی ہو گئیں____ اپنی ناانصافیوں اور ظلم پر اتنا بھر بھر کر رونا آرہا تھا، خود سے انہیں کراہیت محسوس ہونے لگی۔ کاش____ کاش وہ پہلے ہی سنبھل چکی ہوتیں۔ ان کے دامن میں اتنے جرم تو نہ ہوتے۔ ان کے شانوں پر اتنا بوجھ نہ دھرا ہوتا۔ کیسے چکائیں گی وہ حساب۔ کہاں سے ملے گا انہیں انصاف۔

گل بی بی اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"مجھے معاف کر دینا شاہ ہے! میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کہہ رہی ہوں کہ یہ باتیں تمہارے۔۔۔۔۔۔"

"نہیں، نہیں گل!____ تمہاری یہ باتیں میرے دکھ کو کم کر رہی ہیں۔ میری اذیت کا تریاق ہیں۔" شاہ خانم نے بڑھ کر گل بی بی کے ہاتھ تھام لئے۔ "مجھے بہت خوف آرہا ہے اپنی اس بد صورتی سے____ اپنا احتساب کرتے ہوئے بھی ڈر رہی ہوں۔ درحقیقت میں بلندی پر نہیں، بہت پستی میں گری ہوئی تھی۔"

گل بی بی نے چادر کے کنارے سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ ان کے چہرے پر ہلکی روشنی چمکی۔ انہوں نے بے اختیار شاہ خانم کو سینے سے لگا لیا اور پھر کتنی ہی دیر دونوں ہولے ہولے روتی رہیں۔ گل بی بی کی آنکھوں میں یہ آنسو خوشی کے تھے اور شاہ خانم اپنا سارا درد ان آنسوؤں میں بہا کر ہلکی پھلکی ہو جانا چاہتی تھیں۔

شاہ خانم ان سے الگ ہوتے ہوئے بولیں۔ "اشارا کہاں ہے؟"

"کمرے میں ہے اپنے۔ اس لڑکی نے بھی حد کر دی بے وقوفی کی۔" گل بی بی کو اس کی حماقت یاد آگئی۔

"کیا ___ کیا، کیا ہے اُس نے؟" شاہ خانم کا دل لرزا۔ کتنا تڑپ تڑپ کر روئی تھی وہ معصوم اور بے زبان لڑکی۔ انہیں یکدم ہی اشتارا پر کیئے گئے ستم یاد آگئے۔ پھول جیسی بچی کو انہوں نے کبھی اپنے سینے سے نہیں لگایا۔ کبھی ماں بن کر اس کی آنکھوں میں مچلتی خواہشیں نہیں پڑھیں۔ اس کے دل میں کیا ہے؟ کبھی جھانکنے کی سعی نہیں کی۔ انہیں اشمل کا کہا ہوا جملہ یاد آگیا۔

"اگر آپ ماضی کی گلناز کو زندہ کرنا چاہتی ہیں اشتارا کے روپ میں، اشتارا کو گلناز خالہ کی طرح سسک سسک کر مار دینا چاہتی ہیں اور اسی میں آپ کا دلی سکون پنہاں ہے تو آپ اپنا سکون ضرور حاصل کیجئے ___ وہ بے زبان لڑکی اسی لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے کہ ہم جیسے اختیار رکھنے والے لوگ اسے محض اپنی ضد اور خواہش کی بھینٹ چڑھادیں۔"

"نہیں ___ خدا نہ کرے ___ میری بچی۔" شاہ خانم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ وہ معصوم وجود کیسے دُکھ سے دوچار ہے۔ وہ ماں ہوتے ہوئے اُس کے لئے ڈھال نہ بن سکیں تو کیسی ماں ___ کہاں کا رُتبہ ___ اس مقدس رشتے کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو گی۔ انہوں نے تڑپ کر گل بی بی کو دیکھا۔

"کیا کر دیا اُس نے؟" ان کا دل انجانے خوف سے لرزنے لگا۔

"اُس نے مہروز لالہ سے جا کر کہہ دیا کہ وہ ذولین سے ہر گز شادی نہیں کرے گی۔ اور اسے تمہارا فیصلہ قبول ہے۔" گل بی بی نے کہا تو شاہ خانم کی آنکھوں میں دھند چھاگئی۔

"گل! یہ تو خوش نصیبی ہے میری کہ میرے ان رویوں کے باوجود میری اولاد میرا احترام کرتی رہی۔ کتنی ناشکری ہوں میں کہ ان ہیروں کی قدر نہ کی ___ میری اشتارا تو بہت معصوم ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کی خواہشوں کا احترام نہ کروں ___ پاگل ہے وہ لڑکی تو۔ اسے اب میں سمجھاؤں گی۔ ابھی اور اسی وقت۔"

شاہ خانم کے لہجے اور آنکھوں میں اشتارا کے لئے محبت کا ایک سمندر اُمڈ آیا تھا۔

انہوں نے گل بی بی کی طرف دیکھا تو گل بی بی مسکرا دیں۔ وہ بھی جواباً مسکرا دیں اور کمرے سے باہر نکل کر اشتارا کے کمرے کی طرف بڑھیں۔

ان کی ممتا اشتارا کے وجود سے سیراب ہونا چاہتی تھی۔ وہ اُسے اپنے سینے سے لگا کر بے تحاشا پیار کرنا چاہتی تھیں جو اس کا حق تھا۔

اشمل خان نے عارضی طور پر فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا۔ اُس نے ہاسٹل چھوڑ دیا تھا اور وادی بھی اسی روز سے نہیں گیا تھا جس روز شاہ خانم سے اس کا تنازعہ ہوا تھا۔ اب وہ کرائے کے خوبصورت آراستہ فلیٹ میں رہائش پذیر تھا جس کا علم صرف احسن کو تھا اور وہ کئی بار اس کی اس حماقت کی وجہ جاننے کی کوشش کر چکا تھا۔ مگر سوائے اشمل کی ڈانٹ کے اُسے کچھ حاصل نہ ہوا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اپنی زندگی میں اتنی گھٹن کہاں سے لے آئے ہو؟" احسن نے جھنجھلا کر موٹی جلد والی کتاب اپنے سر پر ماری اور پھر کتنی ہی دیر تک دونوں ہاتھوں میں سر تھامے رہا۔ اُس کی اس حرکت پر اشمل بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔

"اسی لئے تو کہتا ہوں اتنا تردد مت کرو بے کار لوگوں کے لئے۔" اس نے آہستگی سے کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"کیا ___ کیا کہا ___ بے کار لوگ ___ مائی گاڈ، اشمل! یہ تم اپنے لئے ایسے بے ہودہ القاب کب سے استعمال کرنے لگے ہو؟ یونین کا صدر، جامعہ پشاور کا ہیرو، ہشمینہ ابرار جیسی لڑکی کے من مندر میں بسنے والا وادی کا خوبرو، دلیر اشمل خان، بے کار کیسے ہو گیا؟" احسن نے اُسے کھوجتی نظروں سے گھورا۔ پھر اچانک اچھلا۔ "کیا ہشمینہ ابرار کو

علم ہے تمہاری اس جائے پناہ کا؟“

اشمل نے رخ پھیر لیا۔ اُس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا اور جھک کر پیروں میں سلیپر اڑائے اور بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔

”میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے ___ یہ منہ پھیر کر کون سے تاثرات چھپانا چاہتے ہو مجھ سے؟“

”احسن! پلیز، لیو دِس ٹاپک۔“ اشمل نے پلٹ کر اتنے برہم انداز میں کہا کہ احسن لمحہ بھر کے لئے سناٹے میں رہ گیا۔ پھر اس کی سنجیدگی کا احساس کر کے بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔

”سوری ___ ویری سوری۔ میں نے پھر تمہاری پرائیویسی میں مداخلت شروع کر دی۔ حالانکہ مجھے اس کا بالکل حق نہیں ہے۔ سوری فور دیٹ۔“ وہ پلٹا اور اس کے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

اشمل نے اسے جاتے دیکھا پھر کرب سے لب دانتوں میں دبا کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ اُسے احسن کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اُس نے کفِ افسوس ملا۔ مگر یہ سب بھی از خود ہو رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہا ہو۔ کسی پر اس کا کنٹرول نہیں رہا۔

ذہن ___ دل ___ زبان

اُسے اپنی ذہنی حالت سے سخت اُلجھن ہونے لگی اور کسی حد تک خوف محسوس ہونے لگا۔ ہشمینہ ابرار نے اس کی زندگی میں اتنی تاریکیاں بھر دی تھیں کہ اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔

”بزدل، بے وفا، کمزور۔ اونہہ ___“ اُس نے ہشمینہ کا تصور کر کے غصے سے لب بھینچ لئے۔

اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو شوٹ کر دے۔ سارا چیمبر اس بزدل اور کم ہمت لڑکی پر خالی کر دے۔ کیا حق پہنچتا تھا اُسے اُس کی زندگی میں زہر گھولنے کا۔ اس کے ساتھ پھر کیوں اُس نے محبت کا یہ کھیل رچایا تھا۔ جب مشرق کی

بیٹی بن کر ایک دن اُسے اپنے باپ کی خواہشوں پر سر جھکا دینا تھا؟

کیوں اُس نے اُس کے جذبوں کی پذیرائی کی تھی؟

کیوں بھول گئی تھی وہ کہ اُسے مشرقی روایتوں کا بہر کیف پابند رہنا ہے؟

”آئی وِل نیور فارگیو یو!“ اُس نے ہتھیلی پر مکا مارا۔

”مگر نہیں ___ میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کوئی بد دعا بھی نہیں دے سکتا کہ تم اب بھی اسی طرح میرے دل میں براجمان ہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلے روز تھیں۔“

بے بسی کا شدید غلبہ اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

زندگی کتنے دکھوں، غموں اور صعوبتوں سے گزرتی ہے ___ مگر کوئی غم، کوئی دکھ روگ بن جاتا ہے ___ ساری ہستی کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ پھر کچھ نہیں بچتا ___ نہ جذبے ___ نہ اُمنگیں ___ نہ جینے کی خواہشیں۔

اُسے بھی تو کئی مسائل کا سامنا ہوا تھا۔ کئی دکھ تھے اس کے سامنے مگر اس بار تو جیسے سوچنے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی تھیں۔ دل کے اندر بس آگ دہک رہی تھی جو اس کا سارا وجود جھلسائے دے رہی تھی۔

اُس کے سامنے اشتارا کا دکھ تھا۔

اپنا دکھ تھا اور ہشمینہ ابرار کا دکھ تھا۔

وہ بھی تو اسی طرح تڑپ رہی ہو گی جس طرح وہ تڑپ رہا ہے؟ ___ وہ کیسے سلطان کمال کے ساتھ اتنی لمبی زندگی گزارے گی؟ ___ یقیناً کوئی لمحہ بھی تو سکون کا نہیں پائے گی۔ آخر کو اُس کی محبت اتنی ناپائیدار تو نہ تھی۔ اُس کی ہستی یوں نظر انداز کر دینے والی تو نہ تھی۔

اشمل خان کی ذات اتنی غیر اہم اور بے وقعت نہ تھی کہ وہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے فراموش کر پائے گی۔

اُس نے اشارا کی آنکھوں میں اُداسی کا اتنا دبیز رنگ دیکھا تھا اور یہ محسوس کیا تھا کہ عورت لاکھ مشرقی روایتوں کو قبول کرلے، ہزار والدین کی عزت کا بار اٹھا کر سر جھکا لے مگر اس کے اندر کی

تڑپ بہت شدید ہوتی ہے جو اسے اندر ہی اندر گھلا دیتی ہے___شاید کسی غم زدہ مرد سے زیادہ ہمدردی کے قابل اور رحم کے لائق ہوتی ہے۔ اسے دوہری سزا ملتی ہے___دوہرے عذاب سے گزرتی ہے۔ ایک محبت کو نہ پانے کا غم اور دوسرا ساری عمر دوسرے مرد کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی اذیت۔

اُسے اس لمحے اشارا اور ہشمینہ کا درد مشترک لگ رہا تھا۔

’کاش عورت اتنی کم ہمت نہ ہوتی۔‘ اُس نے جلتی آنکھیں موند لیں۔ ’مگر نہیں___عورت کو بزدل اسی معاشرے نے بنایا ہے۔ خود اس کے والدین کی جھوٹی آن اور انا نے۔ ان روایتوں نے جو صرف عورت کے خون سے ہی پلتی ہیں۔

اشارا___ہشمینہ

دو نام، یہ دو ہستیاں شاید قربان گاہ پر چڑھ گئی ہیں۔ آہ___اب تک تو وہ سب کچھ ہو گیا ہو گا۔ والدین کی جھوٹی انا اب تک تسکین پا چکی ہو گی۔

آہ___شاہ خانم___جس نے اشارا کو اپنی آرزوئوں کی بھینٹ چڑھا دیا ہو گا اور اپنا دلی سکون حاصل کر چکی ہوں گی۔‘

اُس کی سوچوں کا رخ یکلخت اشارا کی طرف ہو گیا___بے اختیار اور بے بس اشارا مہر وز جو تا عمر خوفزدہ نظروں سے

اپنے اطراف پھیلے جال کو تکتی رہی اور حکم کی تعمیل کرتی رہی۔

وہ کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر دریچے کا پٹ کھول کر بے مقصد باہر جھانکنے لگا۔ اُسے بے ساختہ سگریٹ کی طلب ہوئی تو دراز کی طرف آیا۔ تبھی خاصی زور سے کال بیل بجی تھی۔

وہ چونکا۔ کون ہو سکتا تھا؟ سوائے احسن کے کسے علم تھا اس کے فلیٹ کا؟___اُس نے خاصی حیرانگی کے ساتھ سوچا۔

کال بیل پر جس نے بھی انگلی رکھی تھی وہ ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھا کہ اچانک اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ دروازہ احسن کھلا ہی چھوڑ گیا تھا اور آنے والے یونہی رسماً کال بیل بجا کر اندر آ چکے تھے___سب سے آگے شاہ خانم تھیں، اُن کے پیچھے زمان بھائی، پھر سحر گل اور اشارا۔ گویا جلوس سا تیار ہو کر آیا تھا۔

اشمل خان اپنی جگہ ششدر تھا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا تھا___تب شاہ خانم نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگانے کے لئے اپنے بازو کھول دیئے۔

...☆☆☆...

اشمل سے فون پر بات کرنے کے بعد ہشمینہ کی ذہنی حالت پھر خراب ہونے لگی تھی۔ وہ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اُس نے تو اپنی عزت اور انا کو سربلند رکھنے کے لئے بڑے ضبط کے ساتھ سلطان کمال کے حق میں فیصلہ دیا تھا مگر اب___اشمل خان کی آواز سن کر اس کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ اُس کا ضبط محض پانی کا بلبلہ ثابت ہوا تھا۔

وہ کمرہ بند کر کے اس قدر ٹوٹ کر روئی کہ جیسے اس کے بعد اب کبھی نہ رو سکے گی۔ ہاں اب اس کو اپنے آنسو بھی

چھپانے ہوں گے___ان پر بھی اختیار نہ رہے گا۔

اُسے منافقت کا لبادہ اوڑھ کر سلطان کمال کے سنگ اتنی لمبی زندگی گزارنی ہو گی۔

دوہرا عذاب___دوہرا جرم۔

'خدایا! یہ سب میرے حصے میں ہی کیوں؟'

کب سوچا تھا، اشمل خان کو چاہنے کا اتنا خوفناک انجام ہو گا___زندگی موت سے بدتر نظر آنے لگے گی۔ آہ___اُس نے نہ صرف خود کو بلکہ اشمل کو بھی تباہ کر دیا۔ وہ شخص اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ وہ اس کی روح کی قاتل جو تھی___اشمل خان کے کہے ہوئے جملے اس کا دل چیرے دے رہے تھے۔

"تم نے مجھ سے جینے کی اُمنگ ہی چھین لی___مجھے تاریک خلاؤں میں لا پھینکا ہے جہاں مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ آہ___تم نے اپنا درد تو آنسوؤں میں بہا دیا۔ مگر مجھ جیسے مرد کو ذہنی اذیت بخش دی۔ تاعمر تڑپنے کی سزا سنا دی۔"

آہ___اُس کی سسکیاں شدید ہو گئیں۔ 'مجھے معاف کر دینا اشمل___میں شاید تمہارے قابل نہیں تھی___کمزور، بزدل، ہر لمحہ اپنی انا کی حفاظت کرنے والی کم ہمت لڑکی تمہارے قابل نہیں تھی۔ مگر اشمل خان! یہ بھی سچ ہے کہ میرے ضمیر پر کوئی ایسا بوجھ نہیں رہے گا جس کا پچھتاوا مجھے تاعمر ڈستا رہے گا___میں نے والدین کی عزت کا بھرم قائم رکھا ہے اور مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا___اُن کی محبتوں کا احترام مجھ پر واجب تھا___ہاں اشمل مہروز خان!___میری پلکیں بے شک بھیگی ہوئی ہیں مگر میرا سر اٹھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے ناتواں کندھوں پر ان کی عزت کا بار اٹھا لیا ہے۔

اس نے تھک کر صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر جلتی آنکھیں موند لیں___

تبھی دروازہ کھلا اور بھابی اندر داخل ہوئیں۔

"ہشمینہ!___کیا سو گئی ہو؟"

"آں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔نہیں۔" اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

"گل ممانی آئی ہیں۔"

"گل ممانی؟" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ جھٹکے سے صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

"حلیہ تو درست کر لو۔" بھابی اُسے دروازے سے نکلتے دیکھ کر بولیں مگر وہ سنی ان سنی کرتی باہر نکل گئی۔

گل بی بی سٹنگ روم میں ہی تھیں۔ ہشمینہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھیں تو ہشمینہ قریب آ کر ان سے لپٹ گئی اور باآواز آنسو بہانے لگی۔ گل بی بی کے شانے پر اس کے گرم گرم آنسو گرے تو وہ چونک گئیں۔

"ارے ہشمینہ___میری جان!" انہوں نے اس کا چہرہ اٹھا کر چوم لیا۔ "رو رہی ہو___کیوں؟" انہوں نے اُسے محبت پاش نظروں سے دیکھا تو وہ کوئی جواب نہ دے پائی۔

"آپ اکیلی آ گئیں؟ شاندانہ اور ماموں کیوں نہیں آئے؟" بھابی نے پوچھا۔

"نہیں___میں تو شاہ خانم اور اشارا کے ہمراہ آئی ہوں۔ آؤ بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہشمینہ کو بھی اپنے قریب بٹھا لیا۔ "بالکل اچانک پروگرام بنا تھا۔"

"اشارا بھی آئی ہے تو ساتھ کیوں نہیں لائیں اُسے؟" ہشمینہ اشارا کا سن کر اس سے ملنے کو بے قرار ہو گئی۔

"شاہ ہے تو اپنے بھائی کے ہاں ٹھہری ہے۔ اشارا بھی وہیں ہیں۔ ہم سب اشمل کے لئے آئے تھے۔ وہ خفا ہو کر حویلی سے چلا آیا ہے۔ یہ لڑکا بڑا ضدی ہے۔"

اشمل کے ذکر پر ہشمینہ کے دل میں ہوک سی اُٹھی۔ 'مگر کیوں ناراض ہو کر آیا ہے؟' اُس نے سوچا۔ مگر گل بی بی سے پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ ایک تو سامنے اشناس بھائی بیٹھے تھے۔ اور اب وہ اپنی زبان پر اشمل کا نام بھی نہیں لانا چاہتی تھی۔ دل و ذہن پر تو اس کا اختیار نہ تھا۔

"اشارا اور ذولین کے نکاح کی بھی تیاریاں ادھوری پڑی ہیں۔ اب تو سب کچھ اشمل ہی کرے گا۔" گل بی بی نے امی کو نئی اطلاع فراہم کی۔

"ارے ___ اشارا اور ذولین کا نکاح کب ہے؟ ___ اتنی رازداری سے؟" ہشمینہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہاں ___ خدا خدا کر کے شاہے کی بھی ضد ٹوٹی۔ ویسے بھی کوئی حتمی تاریخ نہیں رکھی۔ بس اشمل آجائے گا تو کوئی دن بھی رکھ لیں گے۔ رخصتی تو اشمل کے امتحانوں کے بعد ہو گی۔ اشارا ہی باؤلی نے شور مچا رکھا ہے کہ پہلے اشمل کی دُلہن حویلی میں آئے گی، پھر وہ رخصت ہو گی۔ تم سب کو آنا ضرور ہے۔ اور ہاں، میں تو ایک بہت ضروری کام سے آئی ہوں۔" گل بی بی یہ کہہ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگیں اور ہشمینہ کو محبت پاش نظروں سے تکنے لگیں۔

"ایسا کون سا ضروری کام ہے ___ کچھ خبر ہمیں بھی تو ہو۔" اشناس بھائی پہلی بار بولے۔

"ہے ___ تبھی تو کہہ رہی ہوں۔" گل بی بی مسکرائیں۔ "ارے تم کہاں چل دیں؟" انہوں نے ہشمینہ کو اٹھتے دیکھ کر پکارا۔

"میں آپ کے لئے کافی بنا لاؤں۔"

"تم بیٹھو۔ مجھے ابھی کافی وافی نہیں پینی۔" گل بی بی نے اُسے روکنا چاہا مگر وہ نہ رکی۔ کیونکہ امی سلطان کمال کے رشتے کا ذکر گل بی بی کے سامنے چھیڑ چکی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ کافی اور دوسرے لوازمات سے ٹرے سجائے اندر داخل ہوئی تو اشناس بھائی کمرے سے جا چکے تھے اور گل بی بی اور امی ایک دوسرے کے بے حد قریب بیٹھیں نہ جانے کون سے اہم مسئلے حل کر رہی تھیں۔ گل بی بی بے حد سرگوشیانہ انداز میں بول رہی تھیں۔

"دیکھو ___ کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کر بیٹھنا۔ لڑکی ذات کے لئے شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"ہاں ___ اشناس تو کہہ رہا تھا کہ ابھی دو ہفتے اور ٹھہرا لیتے ہیں اس بات کو۔ وہ بھی کہہ رہا تھا جلدی نہ کریں۔"

ہشمینہ نے چونک کر امی کی طرف دیکھا تھا۔ 'یہ اشناس بھائی اس کے اتنے ہمدرد کب سے بن گئے؟ حالانکہ یہ تو سلطان کمال کے سب سے زیادہ حمایتی تھے۔ خیر یہ دو ہفتے۔ اونہہ، میرے لئے کون سی یہ نئی خوشیاں لائیں گے۔' اس نے سر جھٹک دیا اور کافی بنانے لگی۔

"پھر میری بات ابرار بھائی کے کان میں ڈال دینا۔" گل بی بی امی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر تاکیداً بولیں تو امی نے سر ہلا دیا۔

"ارے ___ یہ تم اتنی مرجھا کیوں گئی ہو؟ صورت دیکھی ہے، پیلی سرسوں ہو رہی ہے۔" اُس نے گل بی بی کو کافی کا مگ بنا کر دیا تو گل بی بی نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر پُر تشویش لہجے میں بولیں تو وہ مسکرا دی۔

"ارے اس لڑکی نے تو سب کو پریشان کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ سارا سارا دن کمرے میں بند پڑی رہتی ہے۔ نہ کہیں آنا، نہ جانا۔ دو گھڑی میرے پاس بھی نہیں بیٹھتی اب تو۔" امی نے اس کی شکایات کے دفتر کھول دیئے۔

"ادھر بیٹھو میرے پاس" گل بی بی نے اپنے قریب اس کے لئے جگہ بنائی۔ "میرے ساتھ وادی چلنا۔ شان بھی آنے والی ہے ___ تمہارا دل بہل جائے گا۔ اور پھر اشارا کے نکاح کا ہنگامہ بھی ہو گا۔ بس خیر سے یہ اشمل کا معاملہ

بھی نمٹ جائے۔" انہوں نے محبت آمیز نظروں سے ہثمینہ کو دیکھا اور پھر امی کی طرف قدرے جھکیں۔

"میں زیادہ دن نہ لوں گی ہاں۔ سُن لو آپا!"

امی ہنس دیں۔ "ارے بھابی! آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے چلی ہیں۔"

"ہاں ___ بس یہی سمجھ لو۔" گل بی بی ہنس دیں۔ پھر اچانک چونکیں۔ "ارے ہاں، میں ذرا فون کرلوں شاہ ہے کو ___ نہ جانے ان کی اشمل سے بات ہوئی کہ نہیں۔ یہ لڑکا بھی جانے کب سدھرے گا۔ سب کو پریشان کر کے رکھ چھوڑا ہے۔ اب تو نکیل ڈال کر ہی رہوں گی میں۔" وہ بولتے ہوئے فون کی طرف بڑھ گئیں۔ ہثمینہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اشمل کے ذکر سے اس کے دل کی دیواروں سے لہو رِسنے لگتا تھا۔ یہ نام، یہ چہرہ جس کا تصور، جس کا ذکر اب اس کے لئے سوائے اذیت کے کچھ نہ رہا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

...☆☆☆...

اشمل نے بڑی حیرانگی کے ساتھ ان سب کو اندر آتے دیکھا تھا۔ شاہ خانم آگے بڑھیں اور اُسے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ احتراماً جھکا تو اُس کی پیشانی چوم لی۔

"ایسی بھی کیا ناراضگی بیٹے! کہ پلٹ کر پوچھا ہی نہیں ___ ہم سب کو پریشان کر کے رکھ دیا۔"

"آ۔۔۔۔۔ آپ لوگ۔۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔۔۔" وہ ابھی تک الجھا ہوا تھا کہ ان سب کو اس فلیٹ کا پتہ کس نے بتایا؟

تبھی دروازہ کھول کر احسن اندر داخل ہوا اور جیسے اشمل کی ساری اُلجھن اور حیرانگی رفع ہو گئی۔ اُس نے ایک گہری سانس کھینچی اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"یار! ایک بار پھر معافی۔" احسن نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں ہاسٹل افتخار کی طرف جا رہا تھا کہ زمان بھائی مجھے نظر آئے۔ خاصے پریشان تھے۔ سو میں نے تمہاری اس جائے پناہ کا راز افشا کر دیا۔ سوری، مجبوری تھی۔ میں تمہاری والدہ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا تھا۔" اس نے تفصیل بتا کر مسکین سی صورت بنا لی اور اشمل اسے صرف دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا ہمیں اندر بیٹھنے کو نہیں کہیں گے اشمل لالہ؟" اشارا پہلی بار گویا ہوئی تو وہ چونکا۔

"اوہ ___ ہاں ___ کیوں نہیں۔ آئو، اندر آئو ___ کیسی ہو تم؟" اس نے قریب آتی اشارا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر سب کو لے کر اپنے بیڈروم میں ہی آگیا۔

شاہ خانم نے کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا اور پھر اشمل کو دیکھنے لگیں۔ سلوٹ زدہ سفید شلوار قمیض، بکھرے بال اور چہرے پر بڑھی ہوئی شیو اُس کی ذہنی پراگندگی کا پتہ دے رہی تھی۔ اُس کی بھوری آنکھوں میں گہری اُداسی منجمد تھی۔ اُس کی اس حالت نے شاہ خانم کو دُکھی کر دیا۔ انہوں نے اس کے ساتھ سلوک بھی بہت ناروا کیا تھا۔ اب اس کا ازالہ کریں گی۔ انہوں نے سوچا۔

اشارا، اشمل کے قریب بیٹھ گئی۔ احسن ان سب کو چھوڑ کر فلیٹ سے جا چکا تھا۔

"تم نے ہاسٹل چھوڑ دیا اور فلیٹ لے لیا ___ مجھے خبر تو دی ہوتی۔" شاہ خانم نے ہلکا سا شکوہ کیا، پھر بولیں۔ "خیر کتنے دن سے ہو یہاں؟"

"چند دن ہی ہوئے ہیں۔" اس نے ہنوز سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

“کوکنگ آپ خود کرتے ہیں اشمل بھائی؟” سحر گل نے کچن کا جائزہ لے کر اندر آتے ہوئے شگفتہ انداز میں استفسار کیا تھا۔اشنارا ہنس دی۔

“یہ کیا کریں گے ___ انہیں تو چائے بھی بنانی نہیں آتی۔شاید یہ بھی نہیں معلوم کہ چائے میں دودھ کتنا ملایا جاتا ہے۔”

اشمل نے چونک کر اور بڑی حیرت سے اشنارا کی طرف دیکھا تھا۔وہ اُسے جس حال میں چھوڑ گیا تھا وہ ایسی تو ہر گز نہ تھی۔بے حد کھلکھلاتی ہوئی، مسکراتی، سنہری آنکھوں کی ساری توانائیاں جاگ اُٹھی تھیں۔

’تو کیا سمجھوتہ انسان کو مطمئن کر دیتا ہے؟‘ اُس نے بے حد تحیر کے ساتھ سوچا تھا۔

“پھر تو کوئی ملازمہ رکھی ہو گی ___ کوئی شہری، ماڈرن سی۔” سحر گل کی بات پر سب مسکرا دیئے۔

“ارے، کیوں تنگ کر رہی ہو میرے بچے کو؟” شاہ خانم بولیں۔“تم لوگ جاؤ، ذرا دوسرے کمرے میں بیٹھو۔مجھے اشمل سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔” انہوں نے سحر گل اور اشنارا سے کہا تو وہ دونوں باہر نکل گئیں۔

“ارے زمان! تم بیٹھے رہو ___ میں تو ان لڑکیوں سے کہہ رہی تھی۔”شاہ خانم، زمان بھائی کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولیں۔

“نہیں آنٹی! میں ذرا باہر جا رہا ہوں ___ ایک آدھ گھنٹے بعد آپ لوگوں کو لے جاؤں گا۔بھئی اشمل! تم بھی تیار رہنا یہاں سے کوچ کرنے کے لئے۔” انہوں نے اشمل کو چھیڑا تو وہ مسکرا دیا۔

زمان کے جانے کے بعد شاہ خانم اٹھ کر اشمل کے قریب آئیں جو اپنی جگہ سے اٹھ کر دریچے میں کھڑا ہو گیا تھا۔

“مجھے معاف نہیں کرو گے اشمل ___؟” شاہ خانم کی آواز میں نمی گھل گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

“ارے آپ شرمندہ کر رہی ہیں مجھے۔” اس نے دریچے کا پٹ بند کر دیا۔اس کے چہرے پر استعجاب سمٹ آیا تھا۔شاہ خانم کے لہجے پہ وہ چونک پڑا تھا۔

“یہ تم نے کیا حالت بنا ڈالی ہے اشمل ___ بے وقوف لڑکے! وادی آکر معلوم تو کر جاتے کہ حویلی میں انقلاب آچکا ہے۔تمہاری ماں شاہ خانم کتنی بدل گئی ہے اور اس تبدیلی پر کوئی دکھ نہیں ہے۔بلکہ ایک انوکھی خوشی ملی ہے مجھے ___ جانتے ہو یہ تبدیلی تم اور مہروز خان لے کر آئے ہو۔” انہوں نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔“بیٹھو یہاں۔”

وہ کسی فرمانبردار بچے کی طرح ان کے سامنے ٹک گیا اور تحیر آمیز بے یقینی سے شاہ خانم کو تکتا رہا۔

“اشنارا کا رشتہ ذولین سے طے ہو گیا ہے۔بس تمہارے حویلی میں آنے پر نکاح ہو جائے گا اور پھر دھوم دھام سے رخصتی۔”

وہ اپنا پروگرام بھی ساتھ بنا رہی تھیں اور اشمل پر جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔یہ خوشگوار انقلاب آچکا تھا جس کا وہ منتظر تھا، خواہاں تھا۔

شاہ خانم کے انداز میں تبدیلی ___ اشنارا کی مسکراہٹیں ___ یہ سب اس کا وہم نہ تھا، حقیقت تھی۔

منظر بدل گیا تھا ___ محبتوں نے بالآخر نفرتوں کو شکست دے دی تھی ___ حویلی میں حیرت انگیز طور پر انقلاب آ چکا تھا۔

“اوہ میرے خدا ___” اُس کے دل میں مسرت انگیز طراوت سرایت کرنے لگی۔اس کے چہرے پر چمک لہرا گئی۔وہ وفورِ مسرت سے کھڑا ہو گیا تو شاہ خانم نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور بے آواز رونے لگیں۔

”مجھ سے بہت بڑے بڑے جرم ہوئے ہیں اشمل! میں مہروز خان کی، تم سب کی مجرم ہوں۔ گناہگار ہوں۔ بیٹا! مجھے معاف کر دینا۔“

”نہیں شاہ خانم! ہم نے کبھی آپ کو مجرم نہیں گردانا____ آپ سے کبھی نفرت نہیں کی۔ ہاں، کبھی کبھار شکوہ لبوں سے نکل جاتا ہے مگر____“ اُس نے شاہ خانم کے آنسو اپنی انگلیوں سے پونچھے تو وہ مسکرا دیں۔

”تم میرے ساتھ حویلی چلو گے نا؟“

”ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟____ اشارا کی خوشی میری خوشی ہے۔ اشارا!____ اشارا!____“ اشمل نے اُسے آواز دی تو وہ اندر آ گئی۔

اُس کے گلابی چہرے پر شرم کی سرخی بکھر گئی تھی۔ اس نے شاہ خانم کی باتیں سن لی تھیں اور اشمل کے آواز دینے پر اُسے ڈھیروں شرم محسوس ہونے لگی تھی۔ سرمئی چادر کے ہالے میں دمکتا اشارا کا معصوم چہرہ اشمل کو بے حد پیارا لگا۔

”اتنی بڑی خبر مجھ سے چھپا گئیں تم____ تمہیں تو آتے ہی یہ خبر سنانی چاہئے تھی۔“ اس نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

”ارے، ارے اشمل بھائی!____ اپنی بہن کو اتنا بے شرم کب سے سمجھ لیا؟ آخر مشرقی لڑکیوں کی کچھ حیا ہوتی ہے۔“ سحر پٹ سے بولی تو اشمل بھرپور انداز میں ہنس دیا۔

”خوب____ میں تو بھول ہی گیا کہ تم بلی بھی آئی ہو۔“

”کیا____ کیا____ یعنی ابھی تک آپ خالی الذہنی میں سب کو تک رہے تھے؟ چلیں معاف کیا____ بندہ کچھ اپ سیٹ تھا۔ اب چلیے شاہ خانم! ہمارے غریب خانے پر۔ تاکہ ہم لوگ کچھ خاطر مدارات کر کے ثواب کما سکیں۔“

شاہ خانم ہنسنے لگیں۔

”ہاں، ہاں____ کیوں نہیں چلیں گے۔ زمان کو تو آ لینے دو۔“

”ہاں____ آپ لوگ بیٹھئے، میں کوک وغیرہ منگواتا ہوں۔“ اشمل کو جیسے یکدم احساس ہوا۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

فلیٹ کے کچن میں تو سوائے چند خالی برتنوں کے کچھ نہ تھا۔ اس نے ابھی تک چولہا تک نہیں جلایا تھا۔ ہوٹل سے ہی کھانا کھا آتا تھا۔

فلیٹ کے چوکیدار سے کولڈ ڈرنک منگوا کر وہ واپس آ گیا۔

”مجھے تو آپ کی خاطر مدارت کرنی چاہئے تھی۔ سوری، میں بھول ہی گیا۔“ وہ کچھ پزل سا ہو گیا تھا۔

”چلیں، اب کی بار تو معاف کیا۔ ویسے ہم آپ سے عنقریب شاندار ٹریٹ لیں گے۔ کیوں اشارا؟“ سحر گل اشارا کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی تو اشارا نے سر ہلا دیا۔

”بالکل____ میں تو دونوں طرف سے لوں گی۔“

”ہیں____ یہ دوسری طرف سے کیوں؟“ سحر گل نے آنکھیں پھاڑیں۔

”بھئی وہ میری فرینڈ جو ہوئی۔“ اشارا آہستگی سے بولی اور پھر ہنس دی۔ ان دونوں کی معنی خیز گفتگو اشمل کے پلے خاک نہ پڑی۔ اس نے شاہ خانم کی طرف دیکھا جو ان کی باتوں پر ہولے ہولے مسکرا رہی تھیں۔

”گل بھی آئی ہوئی ہے۔“ شاہ خانم نے اطلاع دی۔

”ارے____ تو پھر یہاں آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئیں؟“ وہ خوش ہوا اور حیران بھی۔

"وہ اپنی نند کے ہاں ٹھہری ہے۔"

"یعنی ہثمینہ کے گھر___" اشارا شوخی سے بولی تو شمل کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں دُھند سی چھائی مگر اس نے بروقت خود کو سنبھالا۔ڈور بیل کی

آواز پر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کی بوتلیں اور کئی لفافے تھے جنہیں اُس نے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ارے___ان سب چیزوں کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی نہیں شاہ خانم! مگر میری خوشی سمجھ لیں اسے۔" وہ مسکرا دیا۔

وہ سب خاصی دیر تک خوشگوار ماحول میں باتیں کرتے رہے اور جب زمان خان آئے تو وہ ان کے ہمراہ فیصل ماموں کے گھر چل دیئے۔

...☆☆☆...

عرشان اس سلسلے میں خاصا خوش بخت ثابت ہوا کہ سحر گل کی فیملی کے خاص ممبر مسعود شاہ سے اس کے دیرینہ تعلقات تھے۔اُسے تو نائلہ کے ذریعے پتہ چلا کہ جب وہ لوگ اس کا پروپوزل لے کر گئے تھے تو وہ مسعود شاہ کو دیکھ کر چونکی۔اس نے عرشان کے البم میں اس کی تصویر دیکھی تھی اور ایک دوبارہ اسے عرشان کے ہمراہ اپنے گھر آتے ہوئے بھی دیکھ چکی تھی۔اور اسے جب باتوں میں پتہ چلا کہ مسعود شاہ، سحر گل کے بہنوئی ہیں تو اس نے فوراً ہی یہ تازہ انکشاف عرشان سے کیا تھا اور عرشان کو جیسے اپنی منزل مقصود کا راستہ صاف نظر آنے لگا تھا۔

مسعود شاہ اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔اس کا کیریکٹر بہت صاف تھا اور اچھے مہذب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔یقیناً

مسعود شاہ اس کی حمایت کرے گا۔اسے یہ یقین تھا۔

سحر گل کو پانے کا خواب اس نے دیکھا تھا___اور اب اس کے جذبوں میں شدت آگئی تھی۔

ڈری سہمی لیکن قدرے پُراعتماد اور شوخ سی نظر آنے والی سحر گل اُسے بے طرح پسند آگئی تھی۔فضہ سے اُس نے اُس کے بارے میں زیادہ کرید نہیں کی تھی کہ اسے اچھا نہیں لگتا تھا، پرائی لڑکی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا۔اُس نے تو سیدھے سادھے مہذب طریقے سے امی اور نائلہ کو اس کے گھر بھیج دیا تھا بے حد امیدوں کے ہمراہ۔اور اُس کا یقین سچ ثابت ہوا، مسعود شاہ اس کا پکا حمایتی بن گیا تھا۔

"آنٹی! میں عرشان کو اچھی طرح جانتا ہوں___وہ ہر لحاظ سے مکمل اور قابل انسان ہے۔"

امی الجھ سی گئی تھیں۔اور یہ تو اچھا ہوا تھا کہ شاہ خانم یہیں تھیں۔وہ ان سے صلاح مشورہ کرنا چاہ رہی تھیں۔

سحر گل کی تو حالت بری تھی۔اس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ شخص جس سے وہ نادانستگی میں ٹکرا گئی تھی اس کو حاصل کرنے کے درپے ہو جائے گا۔اُس کے ذہن کے اُفق پر رنگین سی دھند چھانے لگی تھی۔اس کا سراپا نہ جانے کیوں اس کے حافظے میں محفوظ رہ گیا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے کچھ چکر ضرور ہے۔" اشارا نے اسے اکیلے اکیلے مسکراتے دیکھ کر کہا تو وہ گھبرا گئی۔

"ہائے، نہیں اشارا! میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں ہے۔"

"جھوٹ___بالکل جھوٹ۔بھابی کہہ رہی تھیں کہ فضہ کی شادی میں رات اسی کی گاڑی میں تم لوگ واپس آئی تھیں۔" اس نے اسے کھوجتی نظروں سے گھورا تو سحر گل کی پلکوں پر منوں بوجھ آگرا اور پھر اس سے کچھ نہ بولا گیا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر اشارا کھل کھلا کر ہنس دی۔

"کب سے فون کی بیل بج رہی ہے ___ تم لوگوں کو سنائی نہیں دے رہی۔" اشمل کی آواز پر وہ دونوں چونکیں۔ مگر وہ اتنی دیر میں ریسیور اٹھا چکا تھا۔ مگر پھر جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔

"ہیلو ___ میں ہثمینہ بول رہی ہوں۔ اشارا سے بات کرنی ہے۔" اس کی آواز برقی تاروں سے گزرتی اشمل کی سماعت پر برچھی کی طرح لگی۔ ایک لمحہ کو اس کا دل چاہا وہ خاموشی سے بس اس کی آواز سنتا رہے۔ کتنی تکلیف دے رہی تھی یہ آواز۔ مگر پھر بھی دل کی تمنا یہی تھی کہ سنتا رہے۔

"ہیلو ـــــــ ہیلو ـــــــ"

"ہیلو ـــــــ" اُس نے قدرے توقف کے بعد اپنی خاموشی توڑی اور دوسری سمت چند لمحے کو سناٹا چھا گیا۔

"اشمل ___" اُس کے لب کپکپا گئے۔

"تمہاری انا ___ تمہاری عزت پر کیا اب حرف نہ آئے گا؟" وہ اچانک ہی برافروختہ ہو گیا ___ "کیوں کیا ہے فون تم نے ___ جب کچھ بھی نہیں رہا، تم نے سارے تعلقات پل بھر میں توڑ دیئے ہیں۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا اور اس کا جواب سنے بغیر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اُس کے جسم کا سارا خون چہرے پر جم گیا تھا اور آنکھوں میں شعلے سے لپک اٹھے تھے۔ اس لڑکی نے اس سے جینے کی امنگ چھین لی تھی۔ وہ رکا نہیں اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

سحر گل اور اشارا دونوں دم بخود رہ گئی تھیں۔ ان دونوں کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ دوسری طرف ہثمینہ ابرار تھی ___ کتنی ہی دیر بعد وہ دونوں چونکیں تو اشارا جیسے روہانسی ہو گئی۔

"سحر ـــــــ یہ ـــــــ یہ کیا ہو گیا؟ ___ اشمل لالہ اور ہثمینہ کا جھگڑا ہو گیا ہے۔" اس نے خوفزدہ نظروں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سے سحر کی طرف دیکھا جو خود اسی اُلجھن میں گرفتار ہو گئی تھی۔

"میرے خیال میں ہم اس سے بات کر لیتے ہیں۔" سحر گل کے ذہن میں آیا تو وہ تیزی سے فون کی طرف لپکی مگر پھر رک گئی۔

"فون نمبر ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں ___ میری ڈائری میں ہے۔" اشارا نے سر ہلایا اور جلدی سے بیگ سے ڈائری نکال کر ہثمینہ کا نمبر نکال کر سحر کو دے دیا۔ اور سحر گل کی انگلیاں تیزی سے ہثمینہ کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

...☆☆☆...

ہثمینہ نے بے حد حیرانگی کے ساتھ گل بی بی کے ہمراہ شاہ خانم اور ماہ گل کو آتے دیکھا تھا۔ شاہ خانم اس سے بڑی محبت سے ملیں۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ماہ گل بھی اس سے محبت سے ملی۔ اس کی نگاہوں میں پسندیدگی کی جھلک تھی۔ ہثمینہ سخت منتشر ذہن ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

'وہ لوگ کیوں آئے ہیں؟ ___ کیا اشمل خان نے بھیجا ہے؟ ___ وہ اب بھی آس لگائے ہوئے امیدوں کا دامن تھامے بیٹھا ہے۔ اب بہت دیر ہو گئی ہے اشمل خان! بہت دیر ہو گئی ہے۔'

ایک سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ پھر شوریدہ سر لہریں مچل مچل کر ساحل دل پر سر پٹخنے لگیں۔ اس کی رگوں میں دُکھ گردش کرنے لگا۔

'ہمارے راستے جدا ہیں اشمل مہروز خان! کاتب تقدیر نے وہ کچھ نہیں لکھا جو تم یا میں چاہتے رہے ہیں۔'

اس نے زخمی ذہن سے سوچا اور پھر ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ وہ فون کی طرف بڑھی۔ وہ اشارا سے بات کرنا

چاہتی تھی۔ اسے سب کچھ بتادینا چاہتی تھی کہ اب ان کی کوشش عبث ہے۔ وہ تو کے فیصلے کی بھینٹ چڑھے گی۔ ان کی خواہش پر سلطان کمال کی حیات میں شامل ہو جائے گی۔ تاعمر تڑپنے اور سسکنے کے لئے۔

اس نے ڈائری سے سحر گل کا نمبر ڈھونڈ کر نکالا جو سحر گل نے اسے دیا تھا۔ اسے گل بی بی نے ہی بتایا تھا کہ اشارا وہیں رکی ہوئی ہے۔ ایک اشارا تو تھی اس کے راز سے آگاہ۔ یقیناً وہ اسے اپنے غموں میں شامل کر سکے گی۔ شاید اپنا دکھ کہہ لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

اس نے نمبر ملایا تو تیسری بیل پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ مگر دوسری سمت اشمل کی آواز سن کر اس کے وجود میں برقی لہریں سرایت کر گئیں۔

اُف ___ مگر وہ اس سے کس قدر خفا تھا۔ سخت نالاں تھا۔ آگ بھرے نشتر برسا کر فون پٹخ دیا تھا۔ اُسے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ اس کا دل تو پہلے ہی چھلنی تھا۔ اس نے لفظوں کے کئی نشتر اس کے زخمی دل میں پیوست کر دیئے۔

اس نے بے جان ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ تبھی بیل بج اٹھی۔ اشمل کے جملوں نے اس کے جسم سے جیسے روح کھینچ لی تھی۔ اس کو اندر باہر سے زخمی کر دیا تھا۔ اس نے آنسو پیتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری سمت اشارا تھی جس کی آواز ہشمینہ کے ضبط کو بکھیر گئی۔

”اشارا!“ وہ بلک اٹھی اور کتنی ہی دیر روتی رہی۔

وہ اس کی خیر خواہ تھی۔

اس کی رازداں۔

اس کی بہترین رفیق تھی۔ اُس نے اپنا غم اس کے سامنے کھول دیا۔

”مرد کبھی عورت کی مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتے ___ اشمل خان بھی مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔“ اس نے ٹوٹے لہجے میں کہا تو اشارا کا جگر چھلنی ہو گیا۔ وہ اسے بے جان لفظوں میں تسلیاں دیتی رہی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اسے سنبھالا دیتی رہی۔

مگر اب ہشمینہ کی تشفی نہ ہوئی۔

اس کے حوصلوں کی چٹانیں تڑخ چکی تھیں۔

کوئی حرف بھی اس کے درد کا مداوا نہ بن سکا تھا۔

اس نے فون رکھ کر خود کو صوفے پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔

’کتنا مشکل ہے اشمل خان! تمہیں بھولنا۔ تمہاری یادوں سے دامن چھڑانا۔ وہ سارے لمحے جو تمہارے سنگ گزرے ہیں، اب مجھے ڈستے رہیں گے۔ پچھتاوے بن کر میری رگوں میں دوڑتے رہیں گے۔‘

اس کی آنکھوں میں ریت چبھنے لگی۔

پھر کئی دن گزر گئے۔ وہ سارا سارا دن کمرے میں بند رہتی۔ اب تو بھابی نے بھی اُسے تسلیاں دینا چھوڑ دی تھیں۔ وہ کم ہی اس کے کمرے میں جھانکتی تھیں۔ ملازمہ ہی اسے کھانے کے لئے بلانے آتی تھی اور وہ محض گھر والوں کی نظروں میں اپنا وجود معتبر رکھنے کے لئے ان کے درمیان بیٹھ کر چند نوالے حلق سے اتارتی تھی۔

آج پورے پانچ دن بعد بھابی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

”ہشمینہ! آج موسم بڑا خوشگوار ہو رہا ہے ___ ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی ہے۔“ انہوں نے اس کے کمرے کا دریچہ

کھول دیا۔ سبز لان کا خوبصورت منظر ہشمینہ کی نگاہوں کے سامنے آگیا۔ وہ ابھی نہا کر نکلی تھی۔ گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ چلتی ہوئی دریچے کے پاس آگئی۔

"میرے اندر تو بس ایک ہی موسم ٹھہر گیا ہے ___ یہ برسات تو بہت ہو چکی میرے اندر۔"

"بھابی ہولے سے ہنس دیں۔ ہشمینہ نے انہیں دیکھا اور لب بھینچ لئے۔

وہ پلٹ کر ٹہلنے لگی کہ بھابی نے اس کا بازو تھام لیا۔

"میں تمہیں موسم کا حال سنانے نہیں آئی تھی۔ ایک خبر سنانی ہے۔ ہے تو دُکھ کی مگر ہشمینہ! ہمت سے سننا ہو گی اور سہنا ہو گی۔" بھابی نے اپنے اوپر گہری سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا تو ہشمینہ کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔

" نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے ___ کل وہ لوگ آکر تمہیں انگوٹھی پہنا۔۔۔۔۔۔۔ ارے کیا ہوا ہشمینہ؟" بھابی نے گھبرا کر اُسے تھاما جو لڑکھڑا گئی تھی۔

"نہیں ___ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے خود کو بھابی کی گرفت سے چھڑا کر قریبی کرسی پر گرا لیا۔

"دیکھو ہشمینہ! تمہیں ہمت سے کام لینا ہو گا۔ یہ فیصلہ تمہارا ہی ہے۔" بھابی نے اسے دیکھا جو سر جھکائے اس اذیت ناک خبر سے منتشر ہوئے دل کو سنبھال رہی تھی۔ اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو گیا تھا۔

"اپنی انا اور عزت کی خاطر تم نے یہ سب کیا ہے تو پھر اب آخری مرحلہ ہے۔ یہاں بزدلی کا ثبوت دو گی تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔" بھابی کے جملے اس کے دل میں پیوست ہوتے گئے۔

"کل کے لئے خود کو تیار کر لینا۔" بھابی جھک کر اس کے شانے کو تھپک کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆...

"اوہ میرے خدا! میں کیا سمجھوں اسے ___ کوئی معجزہ یا میرے صبر کا پھل ___ خدا کا کرم ___ ادنیٰ سی نیکی کی جزا۔"

اشمل اس خبر پر کتنی ہی دیر بے یقین سا رہا۔ وہ اشارا کو دیکھتا رہا جو قطرہ قطرہ اس کی سماعت میں امرت انڈیل رہی تھی۔ اسے نئی زندگی کی نوید سنا رہی تھی۔

"ہشمینہ کے بھائی نے ہماری بھرپور حمایت کی اور پھر گل بی بی کے ووٹ بھی ہماری طرف تھے۔ اور پھر آپ میں کس بات کی کمی ہے؟ ابرار انکل خود ذاتی طور پر آپ کو جانتے ہیں۔ پھر بھلا انکار کا کیا جواز رہتا تھا ان کے پاس ___ ہشمینہ کو ہم لوگ کل انگوٹھی پہنانے جائیں گے۔"

اشمل نے بے اختیار اپنے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ کتنا مہربان، غفور و رحیم ہے۔ اس کی آنکھوں کے بجھے دیے جل اٹھے۔ سحر گل بھاگ کر آئی تھی۔

"اشمل بھائی! یہ بات راز رہنی چاہئے۔ یعنی ہشمینہ کو بے خبر رکھا گیا ہے کہ اس کی منگنی آپ سے ہو رہی ہے۔ جبکہ وہ تو سمجھ رہی ہے کہ سلطان کمال کے گھر والے کل آ رہے ہیں اسے انگوٹھی پہنانے ___"

"ارے سچی؟ ___" اشارا اس خبر پر ہنسنے لگی۔

اُن کی بھابی کا ابھی فون آیا تھا۔ انہوں نے تاکید کی ہے۔"

اشمل بھی خاصا حیران ہوا۔ بے ساختہ اس کے تصور میں ہشمینہ کا سراپا لہرا گیا۔ یقیناً وہ بے حال ہو رہی ہو گی۔

"ویسے سحر! یہ ظلم نہیں؟ ___ ہشمینہ تو بیچاری۔۔۔۔۔۔"

"نہیں___کوئی ظلم نہیں۔" سحر گل نے اشتار کی بات کاٹ دی۔ پھر اشمل کی طرف دیکھا۔ "کیوں اشمل بھائی! کیا خیال ہے آپ کا___ تھوڑا مزید تنگ نہ کیا جائے؟"

اشمل اُس کی بات پر ہنس دیا۔ اس لڑکی نے مجھے بھی تو اتنا ہی تڑپایا ہے___ تھوڑا اسے سبق ضرور ملنا چاہئے۔ ایک دن وہ اذیت میں گزار لے گی۔ وہ سوچ کر مسکرا دیا۔ اسے ہثمینہ کی محبت کی شدت کا اندازہ ہو ہی گیا تھا۔ وہ اس کے تڑپنے کا مزہ لینے کا سوچ کر مسکرا دیا۔

جب وہ اپنے کمرے میں آیا تو اپنے اندر ایک نئی توانائی اُبھرتی محسوس کر رہا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کی رگوں میں اشتار نے زندگی کا نیا رس انڈیل دیا ہے___ اس کے دل کی ویران بستی میں بے شمار قمقمے جل اٹھے ہیں۔

وہ سرشار انداز میں ہنس دیا اور دریچے سے باہر جھانکا۔ باہر کا موسم بھی اس کے دل کی طرح خوشگوار اور دلفریب ہو رہا تھا۔

"مبارک ہو اشمل بھائی!" فروان اندر داخل ہوا تو وہ جلدی سے سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی بے پناہ مسرت کو قابو کرتے ہوئے اسے محبت سے دیکھا۔

"تھینک یو۔"

"ویسے آپ کی حالت بالکل مجنوں جیسی ہو گئی تھی___ قیس کو تو میں نے نہیں دیکھا ہے مگر آپ کو دیکھ کر سوچتا تھا اس کی حالت اس سے مختلف نہ ہو گی۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ صحرا میں نہ نکل جائیں۔" فروان کی شرارت عود آئی تھی۔ اشمل جھینپ رہا تھا۔

"چلئے، باہر چل کر موسم کا مزہ لوٹتے ہیں۔ اور ہثمینہ بھابی کی باتیں کرتے ہیں۔"

"فروان!" اشمل نے اُسے مصنوعی خفگی سے گھورا مگر وہ کہاں متاثر ہوا تھا۔

"ویسے اچھے لگ رہے ہیں___ بلکہ غضب کے۔"

اشمل اس کی طرف بڑھا تو وہ ہنستا ہوا پیچھے ہٹا۔

"میں تو آپ کو یہ کہنے آیا تھا کہ وہ دونوں لڑکیاں بڑا ظلم کر رہی ہیں ہثمینہ صاحبہ کو بے خبر رکھ کر___ اور ایک ان کی بھابی، توبہ توبہ، کیا خطرناک شے ہیں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔"

فروان کی بات پر اشمل کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔

وہ تصور کر سکتا تھا کہ ہثمینہ اس وقت کس حال میں ہو گی اور کیسے کرب سے گزر رہی ہو گی۔ مگر جب اس قدر اذیت سہہ لینے کے بعد اتنی بڑی خوشخبری سنے گی تو وہ خوشی ہی انوکھی ہو گی۔ جان سے پیارے لوگ بچھڑ کر ملیں تو وہ لمحہ زندگی کے حسین لمحوں سے کہیں زیادہ دلکش اور مسرت انگیز ہوتا ہے___ اور کل ہثمینہ کے لئے وہی لمحہ رنگین ہو گا۔

"کیا سوچنے لگے___ کیا آپ کا دل نہیں تڑپ رہا اس لڑکی کے لئے؟" فروان اسے چھیڑنے کی غرض سے کہہ رہا تھا مگر اسے بھی کمال حاصل تھا اپنی بے چینی اور بے قراری کو چھپانے میں۔

"ہوں___ میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ ان کی بھابی اور نند کا معاملہ ہے۔"

"کیا___؟" فروان اچھلا۔ "کس قدر سنگ دل انسان ہیں آپ۔ جائیں اور جا کر فون کیجئے اسے۔"

"نہیں___ یہ کھیل خاصا دلچسپ ہے۔" اشمل نے انکار کر دیا اور فروان منہ بنا کر رہ گیا۔

...☆☆☆...

وہ سب شام کو ہشمینہ کے بنگلے پر پہنچے تھے۔

اشارا کا دل تو مارے خوشی کے بلیوں اچھل رہا تھا۔اس کا بس چلتا تو وہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر دوڑ کر ہشمینہ کے پاس جا کر اسے یہ خبر سنا آتی۔

بھابی مسکرا مسکرا کر ان سب کی خاطر مدارات کر رہی تھیں۔پھر شاہ خانم کے اصرار پر ہشمینہ کے کمرے میں آئیں۔

"چلو بنّو!___اپنے سسرال والوں کا دیدار کر لو۔اور انہیں اپنے رُخِ روشن کا دیدار کراؤ۔"

"بھابی!" اُس نے تڑپ کر بھابی کو زخمی نظروں سے دیکھا پھر کرب سے لب کاٹنے لگی۔اُسے لگا کہ اس کی سانسیں جواب دے رہی ہیں۔صبح سے خود کو سنبھالنے میں لگی تھی۔بس اس لمحے بکھر رہی تھی۔

بھابی نے اُسے زبردستی کامدار سوٹ پہنایا تھا اور اس کے نہ، نہ کرنے کے باوجود ہلکا میک اپ کر دیا تھا۔اور پھر اسے زبردستی کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم تک لے آئیں

"بندی اس جرم کی معافی مانگ رہی ہے___ویسے ایمان سے، مزا بڑا آیا۔تمہاری صورت دیکھ کر ایک بار دل چاہا کہ بتا ہی دوں۔مگر پھر___" وہ ہنسنے لگیں۔

ہشمینہ کو تو اتنی بڑی خوشی سنبھالنا دشوار ہو رہی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کیا ردِ عمل ظاہر کرے۔اونچے اونچے قہقہے لگائے یا آنکھیں بند کر کے بے خود سی پڑی رہے۔اس سے اپنا لپکتا دھڑکتا دل سنبھل نہ رہا تھا۔تب وہ آہستگی سے اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ دیوار کا سہارا لے کر چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتی رہی___معاً فون کی گھنٹی چیخ اٹھی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔پھر چلتی ہوئی فون کے قریب آئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

نہ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ دوسری طرف اشمل ہو گا۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور تھام لیا۔

"ہیلو، ہشمینہ!" اشمل کی بے تاب آواز اس کی سماعت پر خوشبو بکھیر گئی۔"میں تو انتظار ہی کرتا رہا کہ تم فون کرو گی۔مگر خیر، مبارک ہو۔" اس کی آواز جذبات کی یورش سے بھاری ہو گئی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا اشمل!" اس کے لب کپکپائے۔

"میں سامنے آؤں گا تو یقین آ جائے گا۔" وہ ہنسا۔"آ جاؤں کیا؟"

"نن۔۔۔۔۔نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔"ابھی تو سب بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"اچھا___جب چلیں جائیں تو بتا دینا۔" وہ اس کی گھبراہٹ سے بھرپور انداز میں محظوظ ہو رہا تھا اور وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا؟" وہ شکوہ کرنے لگی۔"میں کس عذاب سے لمحہ لمحہ گزری ہوں، آپ کو شاید اندازہ نہیں۔"

"خوب___اور جیسے میں تو گھوڑے بیچ کر سوتا رہا تھا۔" وہ بگڑ کر بولا۔"محترمہ! تم نے تو مجھے مار دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔اپنی انا کا پرچم بلند کرنے چلی تھیں۔ویسے یہ سچ ہے کہ میرے علم میں بھی آج صبح ہی یہ بات آئی ہے۔ان سب نے بڑے خفیہ طریقے سے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔" اشمل کے لہجے میں بشاشت سمٹ آئی۔

اسے بے ساختہ فون والی آخری ملاقات یاد آ گئی۔اشمل کا لہجہ کس قدر ٹوٹا ہوا تھا۔اور وہ خود ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔اپنے اُجڑنے کا پورا یقین ہو گیا تھا اسے۔

"ہشمینہ!" اشمل کی خوبصورت آواز گمبھیر ہو گئی۔"اتنی خوشیاں ایک ساتھ ملی ہیں کہ دامن بھی تنگ لگتا ہے۔"

ساری دعائیں ایک ساتھ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی ہیں۔"

"ہاں اشمل! محبتوں کی شدت کا اندازہ تو بچھڑنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور انہونی اور الوہی خوشی تو جدائیوں کے مرحلے طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔"

اس کا مطلب ہے کہ تم نے جدائی کے لمحوں کو بہت انجوائے کیا ہے۔" وہ اسے چھیڑنے کی غرض سے بولا۔

"جی نہیں ___ یہ بات تو اب سوچنے پر اچھی لگ رہی ہے۔ وگرنہ وہ لمحات تو میرے لئے ___" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں، کہونا۔" اشمل اس کی خاموشی سے بے تاب ہو گیا۔ "میں بھی تو سنوں ہجر و فراق کے المناک واقعات۔"

بے اختیار ہشمینہ پر ڈھیر ساری حیا غالب آ گئی۔ اُسے بے ساختہ اپنے اور اشمل کے مابین رشتہ کا دھیان آ گیا تو زبان پر قفل پڑ گئے۔

"مم۔۔۔۔۔۔۔ میں فون رکھ رہی ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ اسے کمرے سے باہر قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ارے نہیں ہشمینہ! ___ فون مت رکھنا۔ ابھی تو مجھے تم سے ڈھیروں باتیں کرنی ہیں۔"

"نہیں، پلیز اشمل!" ہشمینہ نے اس کے انکار کے باوجود ریسیور رکھ دیا اور پلٹی تو وہ سب دروازے میں کھڑی اسے رنگے ہاتھوں پکڑ چکی تھیں۔ اُس نے شرما کر گردن جھکا دی۔

☆☆☆...

وہ سب وادی جانے کی تیاریاں کر رہی تھیں اور اشارا کو بڑی پھرتی سے پیکنگ کرتے دیکھ کر سحر گل ہنسنے لگی۔

"لگتا ہے ذولین خان بہت یاد آ رہا ہے۔"

"کک۔۔۔۔۔۔۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ محترمہ کو وادی جانے کی اس قدر جلدی ہے۔ ظاہر ہے ایک وہی رہ جاتے ہیں۔ ہائے بے چارے ذولین بھائی دریچہ میں منہ پھنسائے دید کی آس لئے بیٹھے ہوں گے۔"

"فضول ہی بکنا۔" اشارا کو اس کے "منہ پھنسائے" کہنے پر ہنسی آ گئی۔

"کیوں ماہی آپی! ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟" اس نے اندر آتی ماہ گل سے پوچھا جو اس کا جملہ سن چکی تھی اور زیر لب مسکرا رہی تھی۔

"بس ماہی آپی! سحر گل کو بھی اب جلدی سے نکال ڈالیں۔" اس نے سحر سے بدلہ لینا چاہا۔

"ارے، بات بدلنے کی کوشش مت کرو۔" سحر نے آنکھیں دکھائیں۔ "سنو، فون آیا تھا ذولین بھائی کا۔" وہ بولی۔

"ہائے ___ کیا؟" اشارا نے بے تابانہ پلٹ کر پوچھا اور جواباً سحر گل کا قہقہہ بکھر گیا اور وہ بری طرح خجل ہو گئی۔

"ہائے رے بے تابی۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گی سحر!" وہ سحر کی طرف جھپٹی۔ لیکن اسی اثناء میں وہ چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتر کر کمرے سے بھاگ چکی تھی۔

شاہ خانم، ہشمینہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔ "اشارا کے نکاح میں اس کی شرکت ضروری ہے۔"

امی کا اصرار تھا کہ وہ ٹھیک نکاح کے روز ہی ان سب کے ہمراہ پہنچے گی۔ مگر گل بی بی بھی اپنی ضد کی ایک تھیں۔ انہوں نے خود ابرار بھائی سے بات کی تھی اور پھر ہشمینہ کو لے جانے پر انہیں راضی کر کے دم لیا تھا۔

اشتارا بہت خوش تھی۔

”یہ دانتوں کی اتنی نمائش کیوں ہو رہی ہے؟“ ہشمینہ نے اُسے چھیڑا۔

”تمہارے آنے کی خوشی میں۔“ وہ اس سے لپٹ گئی۔

”جی نہیں ___ ذولین سے ملنے کی خوشی میں۔“ سحر گل نے اسے چڑایا تو اس کے چہرے پر گلال بکھر گئے۔ یہ بھی سچ تھا کہ ان ہنستے مسکراتے دنوں میں ذولین خان کی یاد ہر پل، ہر لمحہ آئی تھی۔ ان دونوں کے مابین اتنا خوبصورت رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ گل بی بی نے اسے ذولین کے نام کی انگوٹھی پہنا کر اس کے سارے خوابوں کو خوش رنگ تعبیریں بخش دی تھیں۔ وہ سارا دن اس بے یقینی میں گزار دیا تھا۔

یہ معجزہ ہی تو تھا اس کے لئے۔

شاہ خانم کا بدلنا ___ حویلی میں انقلاب آنا ___

وہ جو مایوسیوں کے گہرے سمندر میں غرق ہو گئی تھی، جانے کیسے اور کون سی لہر نے اُسے ساحل پر لا ڈالا تھا۔

وہ زندہ تھی۔ اپنی پوری توانائیوں کے ہمراہ۔

اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہر شے دُھلی دُھلی اور نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ اور پھر اُسے اپنی خوش بختی پر یقین آ گیا۔

شاہ خانم اور باباخان ذولین کو حویلی کے اندر لے آئے تھے اور رات کو شاندار ڈنر ارینج کیا تھا۔

نیلے کرتے شلوار پر سیاہ واسکٹ پہنے ذولین خان کس قدر مکمل اور مسرور نظر آ رہا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں فتح پا لینے کا نشہ اس کی آنکھوں کو اور بھی دلکش بنا رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

وہ اس کے سامنے جانے کی خود میں تاب نہ پا رہی تھی۔ چوری چوری کمرے کے دریچے سے اُسے دیکھتی رہی اور ذولین کس قدر بے چین تھا اُس کی ایک جھلک دیکھنے کو۔ مگر پھر مایوس لوٹ گیا۔

اور دوسرے دن وہ شہر آگئی۔ یقیناً وہ خفا ہوا ہو گا۔ اتنے دن اُس نے اُسے بے تحاشا یاد کرنے میں گزار دیئے ہوں گے۔ اُسے اس بات کا پکا یقین تھا کہ وہ ذولین کے جذبوں کی شدت سے اچھی طرح واقف تھی۔

سحر اور ہشمینہ کے چھیڑنے پر اس کے چہرے پر گلابی بکھر جاتی۔ اس کی آنکھوں میں بے تابی سمٹ آتی اور ان دونوں کے جملے اس کی بے تابی کو اور بھی سوا کر جاتے۔

فروان اور سحر گل بھی ان کے ہمراہ وادی آ رہے تھے جبکہ باقی سب کا فنکشن سے ایک دن پہلے وادی پہنچنے کا ارادہ تھا۔

اشمل نے احسن اور دوسرے چند دوستوں کو خصوصی دعوت نامے دیئے تھے۔ وہ سب اسی شام وادی روانہ ہو رہے تھے۔

فروان کی گاڑی میں شاہ خانم، گل بی بی اور ماہ گل بیٹھی تھیں۔ اشمل جو گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اس میں سحر گل اور اشتارا نے اپنے ہمراہ ہشمینہ کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔ وہ بری طرح شرما رہی تھی۔ اُس نے اپنی سرمئی چادر کھینچ کر چہرے پر ڈال رکھی تھی اور اشمل مرر میں اسے دیکھ رہا تھا۔

”حواسوں میں رہ کر چلایئے گا اشمل بھائی! ہم ناتواں لوگ بھی بیٹھے ہیں۔“ سحر گل اُس کی چوری پکڑ کر شرارت سے بولی تو اشمل جھینپ گیا۔

”بے فکر رہو ___ میرے حواس بہت مضبوط ہیں۔ آزمائے جا چکے ہیں۔“ اس نے ہشمینہ کو نظر بھر کر دیکھا۔ کچھ اسے جتا بھی دیا اور وہ زیرِ لب مسکرا دی۔

"چلیں تو پھر دوسروں کے حواس کو خطا نہ کریں۔" سحر گل کہاں کم تھی۔اور اشمل کا بے ساختہ قہقہہ گاڑی میں گونج اٹھا۔

سحر گل اور اشمل کی نوک جھونک سے اشارا اور ہشمینہ محظوظ ہو رہی تھیں اور انہی خوشگوار باتوں میں راستہ کٹ گیا۔

دونوں گاڑیاں حویلی کے بڑے سے پورچ میں رک گئیں۔ان کے استقبال کے لئے مہروز خان،ذولین اور شاندانہ کھڑے تھے۔

شاندانہ تو شاہ خانم کو سلام کر کے بھاگ کر ان کی طرف آئی اور اشارا سے گلے لگ گئی۔

"ہائے اشارے!___کتنی بے مروت ہو۔اتنی بڑی خوشی اکیلے اکیلے ہی ہضم کر گئی۔یہ نہ ہوا کہ میرے آنے کا انتظار ہی کر لیتی۔" اس نے چھوٹتے ہی شکایت کا دفتر کھول دیا۔

"ارے،ارے دھیرج___بی بی! دھیرج۔" سحر گل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ ہنس دی۔اور پھر سحر سے ہاتھ ملا کر ہشمینہ سے لپٹ گئی۔

"ایمان سے مجھے تو ذولین لالہ نے کچھ بھی نہیں بتایا۔یہ تو مہروز ماموں کی ہی کرم نوازی ہے۔اور پھر زبیل نے ساری تفصیل عرض کی۔سچی،مجھے تو لگ رہا ہے کہ خوشی سے مر ہی نہ جاؤں۔"

"ایک خوشخبری اور بھی ہے۔" اشارا نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا تو وہ چونک اٹھی۔

ہشمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔وہ جانتی تھی کہ اب اشارا کیا کہنے والی ہے۔سو تیزی سے گل بی بی کی طرف بڑھ گئی۔

"اشمل لالہ کو ہشمینہ کی نکیل بھی ڈالی جا چکی ہے۔" سحر گل بلند آواز میں بولی تو اشمل نے جو ذولین کے ساتھ کھڑا تھا اُس کی بات پر اُسے گھورا۔

"میری ناک میں نکیل؟"

"میں نے ناک تو نہیں کہا۔کہیں بھی لگا لیں۔" وہ جواباً بولی تو سب ہنسنے لگے۔

"ہائے اشمل لالہ! یہ کیسی بے مروتی۔۔۔۔۔۔۔میری شادی کیا ہو گئی،مجھ سے تو سب نے آنکھیں پھیر لیں۔اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔" وہ اشمل کی طرف بڑھی۔"اب میں آپ دونوں سے لمبی ٹریٹ لوں گی۔" وہ ذولین اور اشمل دونوں کو بیک وقت مخاطب کر کے بولی۔

"بھئی ٹریٹ تو تم اپنی کزن سے لو۔" اشمل نے کہا۔

"کس سے___اشارا سے؟"

"اونہوں___ہشمینہ سے___" ذولین نے برجستہ کہا تو شاندانہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"بڑے چالاک ہیں آپ دونوں___خیر ان دونوں کو بھی بخشوں گی نہیں۔" وہ اپنے خطرناک ارادوں سے دونوں کو باخبر کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

حویلی کی رونق اپنے عروج پر تھی۔سارے ہی قریبی اور دور کے عزیز مہروز خان اور شاہ خانم کی خوشی میں شریک تھے۔حویلی کو خوبصورت برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔اندر باہر روشنیاں جگر جگر کرتیں ماحول کو فسوں خیز بنا رہی تھیں۔

اشمل کے کئی دوست بھی اس کی خوشی میں شرکت کے لئے آئے تھے۔احسن کی شوخیاں تو اپنے عروج پر تھیں۔ایک طرف فروان کے چٹکلے اور دوسری طرف احسن کی گل افشانیوں نے ماحول میں بجلیاں بھر دی تھیں۔

فروان نے بہت خوبصورت دھمال ڈالی تھی۔

"ذولین بھائی! آپ بھی میرا ساتھ دیں۔ ایمان سے، جب تک دولہا دھمال نہ ڈالے، دولہا نہیں لگتا۔" اس کے فلسفے پر ذولین ہنس دیا اور معذرت کر لی۔

"آپ آجایئے اشمل بھائی! خیر سے آپ بھی قریب قریب دولہا ہیں۔"

"نہیں بھائی! مجھے تو معاف ہی رکھو۔ ہاں اپنی شادی پر کر لوں گا بقول تمہارے تاکہ دولہا لگوں۔" اس کے جملے نے سب کو محظوظ کیا۔

☆☆☆...

اے ہے____ خدا کی پناہ____ ذرا دیکھو تو، کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ اندر باہر ایسا شور مچا ہے کہ الاماں۔" گل بی بی کانوں پر ہاتھ دھرے اندر آئیں۔ ساری لڑکیوں نے اشارا کے کمرے میں دھاوا بول رکھا تھا۔ اشارا تخت پر بیٹھی تھی اور ہشمینہ اس کے ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی۔ اور باقی لڑکیاں اس کے ارد گرد بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اشارا کو چھیڑ بھی رہی تھیں اور اپنے ہاتھوں پر مہندی بھی لگاتی جا رہی تھیں۔

گل بی بی، اشارا کے پاس آئیں۔ ان کی آنکھوں میں بہتیرے جگنو چمک اٹھے۔ گوٹے لگے زرد دوپٹے میں اشارا کا معصوم چہرہ بے پناہ دمک رہا تھا۔ اُن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

'خدایا! تُو اسے سدا شاد و آباد رکھنا۔' اُنہوں نے چپکے سے دعا مانگ لی۔

"کیا بات ہے ممانی جان____ شور سے نالاں ہیں آپ؟" ہشمینہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"اے ہائے، میں کیوں نالاں ہونے لگی۔ یہ شور تو خوشیوں کا احساس دلا رہا ہے۔ ارے میں تو بھول ہی گئی کہ یہاں کیوں آئی تھی۔" گل بی بی کو اچانک اپنی آمد کا مقصد یاد آیا تو وہ شاندانہ کی طرف متوجہ ہوئیں جو بڑے مزے سے اپنے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ہاتھوں کو مہندی سے سجا رہی تھی۔

"دیکھو تو اُسے، نہ کام کی نہ کاج کی اور مہندی لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ارے تیری کون سی بارات آنی باقی ہے۔ اُٹھو اور مجھے چاندنیاں نکال کر دو۔ مردان خانے میں کم پڑ گئی ہیں۔" گل بی بی نے شاندانہ کو باقاعدہ ڈپٹنے کے انداز میں کہا تو اس کا منہ بن گیا۔

"میں ہی نظر آتی ہوں آپ کو____ مہندی خراب ہو جائے گی۔"

"ارے توبہ شاندانے! اشارا کی شادی میں مہمان بن کر صرف ٹھونسنے آئی ہو یا کچھ ہاتھ پیر بھی چلاؤ گی____ ارے میں تو بوکھلا کر رہ گئی ہوں۔"

"میں نکال دیتی ہوں۔" ہشمینہ جلدی سے اٹھ گئی۔

"ارے نہیں بیٹی____ تم پہلے ہی اشارا کو مہندی لگا کر تھک گئی ہو۔ یہ کس کام کی ہے۔"

"ارے رہنے دیں ممانی جان! بیچاری نے دس گھنٹے میں تو اتنی سی مہندی لگائی ہے۔ وہ بھی خراب ہو جائے گی۔" ہشمینہ نے مسکرا کر اس پر لطیف سا طنز کیا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"اچھا____ تم بس یہ کرو کہ زبیل سے کہو کہ چاندنیاں نکال دے۔ کچھ مردانے میں بھجوا دے اور کچھ زنانے میں بچھا دے۔" گل بی بی بڑی جلدی میں تھیں۔ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"اس لڑکی نے سب کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ اب یوں دھماکہ خیز انداز میں نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب رخصتی ابھی نہیں ہونا تو پھر یہ بیڑیاں کس خوشی میں ہیں۔" شاندانہ، اشارا کو گھورنے لگی تو وہ جھینپ گئی۔

"مم۔۔۔۔۔ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ یہ تو بابا خان اور شاہ خانم کر رہی ہیں۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی تو

ہثمینہ کا بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔

”شاندانے ___“ ذولین کی آواز پر وہ سب چونکیں۔

”جی ذولین لالہ! اندر آجایئے۔ یہاں کوئی بھی غیر نہیں ہے سوائے اشارا کے۔“ شاندانہ کو شرارت سوجھی تھی اور اشارا کے دل کی دھڑکنیں تو ذولین کی آواز پر ہی منتشر ہو رہی تھیں، اب شاندانہ اُسے بلا رہی تھی۔ وہ گھبرا گئی۔

”کک۔۔۔۔۔۔ کیا کر رہی ہو شان؟“ وہ چلائی اور جھٹ سے پیلا دوپٹہ کھینچ کر سر پر ڈالا اور کھڑی ہو گئی۔

”بھئی مردانے میں کچھ چاندنیاں چاہئیں۔“ وہ اندر آ گیا تھا مگر اسی اثناء میں اشارا بھاگ کر کمرے کے دوسرے حصہ میں جا چکی تھی جہاں بڑا سا پردہ درمیان میں تھا۔ اُس کا پیلا جھلملاتا دوپٹہ لہرایا، پھر پردہ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

”اوہ سوری ___ مجھے خبر نہ تھی کہ اشارا یہاں ہے۔“ وہ کچھ خفیف سا ہو گیا۔ دوسری لڑکیاں بھی شاندانہ کی شرارت سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

”ہاں ___ امی کہہ گئی ہیں۔ مگر ذولین لالہ! آپ دولہا ہو کر یہاں وہاں مصروف ہیں۔ اب ٹک کر بیٹھ جایئے۔“ شاندانہ شرارت سے گویا ہوئی۔

”دولہا ہوں ___ دلہن نہیں کہ اوجھل ہو جاؤں۔“ اس نے ایک اچٹتی نظر پردہ پر ڈالی مگر پردہ اتنا دبیز تھا کہ اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ ذولین، اشارا مہروز کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار ہو گیا تھا۔ وہ تو اس خوبصورت بندھن کے بعد سات پردوں میں جا چھپی تھی اور اس کی بے تابی کو اور ہوا دے رہی تھی۔

وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ کچھ شاندانہ کی شرارت کی وجہ سے اور کچھ دوسری لڑکیوں کی موجودگی کی وجہ سے۔

دوسرے دن صبح ہی سے مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ فیصل ماموں کی فیملی اور ہثمینہ کے گھر والے بھی آ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

چکے تھے۔ قریبی علاقوں کے مہمان شام کو آنا شروع ہو گئے تھے۔ دو دن سے چھائی گہما گہمی میں یک بیک اضافہ ہو گیا تھا۔ لڑکیاں اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ اتنے دنوں پہلے سے تیاریاں کرنے کے باوجود اس وقت بھی انہیں کوئی چیز کم محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں وہاں ایک ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔

اشارا اپنے تخت پر بیٹھی ان طوفانی تیاریوں کو دلچسپی سے تک رہی تھی۔

”ارے سحر بیٹی ___ ارے کوئی سنو تو ___“ شاہ خانم اندر کمرے میں آئیں۔

”جی ___ جی فرمایئے۔“ شاندانہ باتھ روم سے نکل کر ان کی طرف آئی۔

”تمہاری امی کہاں ہیں ___ نظر نہیں آ رہیں۔“

”امی تو اشمل لالہ کے ہمراہ شہر گئی ہیں۔“

”ہیں ___ شہر ___ اس وقت کیوں؟“

”دوپہر سے گئی ہیں۔ وہ دراصل ذولین لالہ کو اشارا کے لئے شرارہ پسند تھا۔ امی نے نکاح کے لئے پشواز بنوایا تھا۔ اب وہ شرارہ لینے شہر گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں جلد ہی لوٹ آئیں گی۔“ شاندانہ کی پلکیں خود بخود جھک گئیں۔

”ارے اس لڑکے کو بھی کیا سوجھی۔ پشواز میں بھلا کیا برائی ہے۔ یہی تو پہنایا جاتا ہے دلہن کو۔“ شاہ خانم حیران ہوئیں اور پھر کمرے سے نکل گئیں۔

”ذولین لالہ کہہ رہے تھے، پشواز میں تو اشارا کو کئی بار دیکھ چکا ہوں ___ اسی لئے شرارہ منگوایا ہے۔“

”رخصتی کے لئے شرارہ رکھ لیتے۔ ابھی کون سا دیکھ سکیں گے وہ۔“ سحر گل بھی اس دلچسپ موضوع میں شریک ہو گئی۔

"ارے واہ___ کیوں نہیں دیکھ سکیں گے۔" شاندانہ معنی خیز انداز میں ہنسی۔ اشتارا کا چہرہ گلگوں ہو گیا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

گل بی بی شام تک واپس آ گئی تھیں۔ وہ بڑا خوبصورت شرارہ خرید کر لائی تھیں جو نکاح کے وقت اشتارا کو پہنادیا گیا تھا۔

"چشم بد دور، دل ماشاد۔ آج تو ذولین بھائی کی خیر نہیں۔" ہشمینہ نے اس کے ہوشربا سراپا پر نگاہیں ڈال کر شرارت سے کہا۔

"بکومت___ تم اپنی خیر مناؤ۔ بڑی قاتل لگ رہی ہو۔" اشتارا نے اُسے نظر بھر کر دیکھا۔

شاہ خانم نے اسے بے حد خوبصورت کامدار جوڑا دیا تھا جو اس کے تراشیدہ سراپے پر بے حد جچ رہا تھا۔ اس پر میچنگ جیولری اور ہلکے میک اپ نے اس کے چہرے کو خیرہ تن بنادیا تھا۔ وہ اشتارا کی نگاہوں پر جھینپ گئی۔

"سنو، تم بال کھلے رکھنا۔" سحر گل اس کے کھلے ریشمی بالوں کو دیکھ کر بولی۔

"نہیں___ میں تو مہک سے بال بنواؤں گی۔"

"وہ نہیں بنائے گی___ بڑی بد تمیز ہے وہ۔" سحر گل لپ اسٹک کا آخری ٹچ دے کر بولی۔

"نہیں___ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔" وہ ڈریسنگ سے برش اٹھا کر مہک کو ڈھونڈنے نکل گئی۔ تبھی مہک اس کو کوریڈور سے گزرتی نظر آئی۔ اس نے اسے جا پکڑا۔

"ہائے ہشمینہ! مم۔۔۔۔۔۔ میں تھک گئی ہوں۔" مہک پکڑے جانے پر جھینپ گئی۔

"کون سے سوکام کر ڈالے ہیں تم نے۔ وعدہ کیا تھا تم نے مجھ سے۔" وہ مہک کو بہانے بناتے دیکھ کر منہ بنا کر بولی۔

"جاؤ، مجھ سے بات مت کرنا اب۔" وہ خفا ہو کر جانے لگی کہ مہک نے اسے پکڑ لیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"مذاق کر رہی ہوں یار!___ ویسے بھی اشمل لالہ نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ خبردار، میری فیانسی کو ناراض مت کرنا۔ اسے سب سے حسین بنادینا۔" وہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑنے لگی۔ ہشمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسی لمحے اشمل اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ وہ اپنے نام پر ٹھٹک گیا تھا۔ مہک تو اشمل کو دیکھ کر تیزی سے کسی قریبی کمرے میں جا گھسی اور ادھر ہشمینہ، اشمل کے یوں سامنے آجانے پر سٹپٹا گئی۔

"ہاں بھئی___ میرا کیا ذکر خیر ہو رہا تھا؟" وہ اس کے سجے سنورے سراپے کو پُرشوق نظروں سے تکنے لگا۔

وائٹ کا بلیو جھلملاتا سوٹ اور کھلے بالوں کے ہمراہ وہ اس کے دل کے تاروں کو چھو گئی۔ گولڈن آئی شیڈ نے اس کی سیاہ آنکھوں کو قیامت خیز بنادیا تھا۔

"وہ مم۔۔۔۔۔۔ مہک تو ایسے ہی فضول بکواس کر رہی تھی۔" اس نے سر جھکا لیا۔ سنہری نگاہیں اس کے دل کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"فضول تو نہ کہو___ اتنی اچھی بات کہی تھی اس نے۔" وہ جلدی سے بولا۔ وہ جملہ سن چکا تھا۔

"ہشمینہ!" اشمل کی آواز گمبھیر ہو گئی اور ہشمینہ کا دل دھڑک دھڑک اُٹھا۔ اُسے اشمل خان کی والہانہ نگاہوں سے بے طرح شرم آنے لگی۔ اسی لمحے فروان کی آواز نے اشمل کی توجہ اپنی جانب کر لی۔ وہ اُسے دور سے پکار رہا تھا تو وہ جلدی سے پلٹا۔

"بقیہ ملاقات بعد میں ہو گی۔ سمجھیں؟" اس نے پلٹتے ہوئے ہشمینہ کی طرف دیکھا۔

"جی نہیں___" وہ جلدی سے بولی اور جھپاک سے بھاگ گئی۔

حویلی کے بڑے بڑے لان رنگین شامیانوں سے سجے ہوئے تھے۔ مردوں اور عورتوں کے بیٹھنے کا الگ الگ انتظام

تھا۔ نکاح کی رسم بے حد خاموشی اور مقدس ماحول میں ہو رہی تھی۔

جونہی نکاح کی رسم ختم ہوئی، شاہ خانم بے تابانہ اشارا کی طرف بڑھیں اور اشارا کو بانہوں میں بھر لیا اور اشارا جو جب سے آنسوؤں کا سیلاب چھپائے بیٹھی تھی اسے ضبط پر یارا نہ رہا اور وہ سیلاب اُمڈ آیا۔

”میری بچی ___ خدا تجھے سدا سکھی رکھے۔ میں نے جو تیری خوشیاں چھینی تھیں وہ تیرے دامن میں سمٹ آئیں۔ مجھے معاف کر دینا میری بچی! ___ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں مجھ سے۔“ انہوں نے اس کی بھیگی بھیگی پلکوں کو چوم لیا۔ اشارا انہیں کس قدر عزیز تھی، انہیں آج احساس ہو رہا تھا۔

ذولین خان کی خوشی تو قابل دید تھی۔ اس کی آنکھوں میں سب کچھ پا لینے کا نشہ اُمڈ آ رہا تھا۔ وہ مردانے سے اٹھ کر گل بی بی کی طرف آ رہا تھا۔ تب شاہ خانم اس کی طرف بڑھیں اور وہ احتراماً جھکا تو انہوں نے اُسے بانہوں میں بھر لیا۔ آج انہیں بری طرح رونا آ رہا تھا۔ شاید خوشی کے آنسو تھے یا ندامتوں کے آنسو تھے۔ وہ سارے آنسو بہا کر پُرسکون ہو جانا چاہتی تھیں۔

ذولین کو خوب بھینچ کر انہوں نے پیار کیا۔

”مجھ گناہگار کو تو معاف کر دینا بیٹے! بہت بوجھ ہے اب بھی میرے دل پر۔ شاید اُتر جائے۔“

”نہیں چچی خانم! کیوں بار بار آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں ___ میں تو وہ سب کچھ فراموش کر چکا ہوں۔ جب حال کی خوشیاں ہمارے اطراف میں بکھری ہوئی ہیں، مستقبل میں کوئی گرد نظر نہیں آ رہی تو پھر ہمیں کربناک ماضی کو یاد رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔“

شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔ اس لمحے وہ انہیں بہت عظیم انسان لگا جس نے کتنی آسانی سے برسوں کی زیادتیوں کو بھلا دیا تھا۔ ان کے ڈھیر سارے جرم پل بھر میں معاف کر دیئے تھے۔ انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

اشارا کے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ خوشی کا بے پناہ احساس ہو رہا تھا تو کہیں بے نام سا دکھ ہلکورے لینے لگتا۔

کبھی آنکھوں میں آنسو آئے جا رہے تھے تو کبھی لبوں پر مسکراہٹیں۔

اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر قد آدم آئینے میں اپنا سجا سنورا سراپا دیکھا۔ کندن آنکھوں کو بہت غور سے دیکھا۔ آج ان کی شفاف سطح پر کسی ناآسودگی کا شائبہ تک نہ تھا۔ کسی اندیشے اور خوف کی پرچھائیں نہ تھی۔

آج اس نے ساری محبتیں پالی تھیں۔

محبت جو ساری وحشتوں کو چوس لیتی ہے۔

بے لوث محبت جو بے نمو مٹی کو شاداب کر دیتی ہے۔

یہی محبت جو دشت کو فردوس کا روپ دیتی ہے۔

آج اُس نے بنجر سالوں کا ثمر پا لیا تھا۔

شاہ خانم کی محبت میں ڈوب کر اپنی پیاسی ہستی کو سیراب کیا تھا۔ ذولین خان ___ آہ، جس کے سچے جذبوں نے اسے بالآخر جیت لیا تھا۔ فتح ہمیشہ بے غرض اور بے لوث انسانوں کی راہ دیکھتی ہے۔

اُسے اپنے خدا پر بے اختیار پیار آ گیا۔

تقدیر کس طرح مہربان ہوئی تھی۔

تپتے منظروں پر دھنک رنگ لہرا گئے تھے۔

مسرت، خوشی کسی خوشگوار منظر کی طرح اس کے وجود کے سامنے کے راستوں پر پھیلی ہوئی تھی، حال اور مستقبل کو گل رنگ کرنے کے لئے۔

اُس نے ایک گہری اور آسودہ سانس سینے کی تہہ سے کھینچی۔

”گھنیری چھائوں مل جائے تو موسم کی تمازت ہار جاتی ہے۔ آج مجھے یقین آنے لگا ہے کہ تپتی دھوپ پر کس طرح مہربان ابر چھا جاتے ہیں___ صحرا کی تپتی ریت کس طرح ٹھنڈی مٹی میں بدل جاتی ہے۔“ ذولین کی بھاری آواز نے اُسے چونکا دیا۔ ”موسم بھی بدلتے ہیں، لمحے بھی سرکتے ہیں، جمود کس طرح ٹوٹتا ہے، آج ہر بات کا یقین آنے لگا ہے اشارا مہروز!“ اُس نے قد آدم آئینے میں دیکھا۔ وہ اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ کریم کلر کے شلوار سوٹ پر میرون واسکٹ میں اونچا لمبا وجود سحر انگیز لگ رہا تھا۔ سبز شفاف آنکھیں الوہی خوشیوں سے دمک رہی تھیں۔ سنہری بال بے حد نفاست سے سر پر سجے تھے۔

”آ۔۔۔۔۔آپ یہاں؟“ وہ بغیر پلٹے دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔

”ہاں___ اب تو مجھے شرعی حق حاصل ہو گیا ہے۔“ وہ مسکرایا اور اس کے بے حد قریب آ گیا۔ اشارا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ کسی کے آ جانے کا دھڑکا اس پر لاحق ہو گیا۔ مگر ذولین خان ان سب باتوں سے بے پرواہ تھا۔ اس کا انگ انگ خوشی سے سرشار تھا۔ اشارا کا سراپا اس کے سامنے تھا اور یہ یقین کہ وہ اس کی امانت ہے۔ زندگی کے سفر میں اس کی شریکِ سفر ہے۔ کاتب تقدیر نے اس کی خوشیوں کی ضمانت دے دی تھی۔ اس کے لئے تو ہر لمحہ خوشیوں سے پُر نور ہو گیا تھا۔

کتنے کٹھن سفر طے کرنے کے بعد اس نے اشارا مہروز کو پایا تھا۔ ایک صبر آزما جنگ کے بعد فتح کا چراغاں ہوا تھا اس کے دل نگر میں۔

”سچی چاہت کا اپنا ہی ایک نشہ ہوتا ہے، یہ تمہیں پا لینے کے بعد محسوس ہوا ہے اشارا!___ آج میں بے حد خوش ہوں۔ بہت زیادہ۔ جیسے آج پہلی بار خوشی کے مفہوم سے آشنا ہوا ہوں۔“ اس کی والہانہ نگاہیں اشارا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”ہاں ذولین خان! خوشیاں بے حد انمول ہوتی ہیں___ ان کی مسرت الوہی۔ اگر یہ آسانی سے مل جاتیں تو ان کے رنگ ماند پڑ جاتے، انہیں پا لینے کا نشہ پھیکا پڑ جاتا۔ دُکھوں کے شجر پر ہی تو خوشی کے ثمر کھلتے ہیں۔“ اس نے اپنے لپکتے جھپکتے دل کو اس سبز نگینوں سے سنبھالتے ہوئے دھیرے سے کہا تو ذولین خان اسے دیکھتا رہ گیا۔

کس قدر مکمل تھی یہ لڑکی۔ اپنے ہر انداز میں دل کو موہ لینے والی۔ اُس نے واسکٹ کی جیب سے خوبصورت بکس نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ میری طرف سے پہلا تحفہ۔“

اشارا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے عنابی لبوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔

”آخری نہیں کہوں گا۔“

”یہ ظاہری تحفے آپ کی محبت کے سامنے کچھ نہیں ذولین خان! مجھے تو وہ سب کچھ مل گیا جو مجھے چاہئے تھا۔“

”تھینک یو___ مگر یہ سب تمہارا اعجاز ہے کہ ایک پتھر کو انسان بنا ڈالا۔ وہ بھی اپنے قابل۔“ وہ ہنسا تو اشارا جھینپ گئی۔

”اشارا! یہ دن اور 22 تاریخ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی___ اس لئے کہ بالکل یہی دن تھا اور یہی تاریخ جب میں ان آنکھوں سے ڈسٹرب ہوا تھا اور اپنا قیمتی دل ہارا تھا۔“

"جی ___؟" وہ حیران ہوئی۔

"جی ___ اپنی شکست اور فتح کا دن کون بھول سکتا ہے بھلا۔ وہ دن میری شکست کا تھا اور آج فتح کا۔" اس نے اس کی سنہری سنہری آنکھوں میں جھانکا تو اشتارا نے گھبرا کر پلکیں جھکا دیں۔

"اگر اجازت ہو تو میں پہنا دوں اسے؟" اس نے بکس کھولنا چاہا تو اشتارا سٹپٹا گئی۔ اسے اس لمحے ذولین سے بے پناہ شرم آنے لگی۔ اس نے جلدی سے وہ بکس اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ذولین اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیا۔

اس نے بکس آہستگی سے کھولا تو دو سنہری کنگن دمک رہے تھے اور اس پر رکھے تراشیدہ گلابی کاغذ پر سیاہ حرفوں میں خوبصورت شعر لکھا تھا۔

شہر دل میں اِک ایسا رستہ بھی ہے

جس پر برسوں سے ایک چہرہ بیٹھا ہے

اشتارا کو لگا جیسے زندگی کے اتنے ڈھیر سارے لمحوں میں اُسے اپنا ایک لمحہ مل گیا جس میں محبتوں اور ٹھنڈی چھاؤں کا بھرپور احساس تھا اور یہ احساس کا لمحہ یقیناً صدیوں پر محیط ہوگا۔

اس نے خوشبو میں بسے اس کاغذ پر چہرہ جھکا لیا اور لمحہ بھر کو آنکھیں موند کر محبتوں کی پیشگی دعائیں مانگ ڈالیں۔ اور جب آنکھیں کھولیں تو ذولین خان اپنی مہک اس کے اطراف بکھیر کر جا چکا تھا۔ اور وہ پورا شریر ٹولا آنکھوں میں شوخیاں بھرے کمرے میں موجود تھا۔

وہ بے ساختہ ہنس دی۔ شفاف اور تروتازہ ہنسی ___ جس میں حسرتوں اور دکھ کا شائبہ تک نہ تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ختم شد